1

جلد اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاہ ولی اللہ کے فقہی افکار

مؤلف

مُفتی محمّد رضوان خان

ادارۂ غفران

راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(علمی وتحقیقی سلسلہ)

شاہ ولی اللہ کے فقہی افکار

(جلد اول)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی علمی وفقہی فکر اور مقام وفیضان پر کلام

برِصغیر، پاک وہند کے اہلِ مدارس واصحابِ علم کی شاہ ولی اللہ سے نسبت

اجتہاد وتقلید پر ''فکرِ ولی اللہ'' کا عادلانہ، منصفانہ اور غیر متعصّبانہ جائزہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اعتدال پر مبنی متعدد علمی وفقہی افکار ومناظر

اجتہاد کے انقطاع واستمرار، اجتہاد کے مراتب ودرجات، ان کی تقسیم وتفریق

مجتہدِ مطلق وجزوی کی شرائط، مجتہد کے مصیب ومخطی، اور ماجور وماخوذ ہونے کی بحث

جائز وناجائز، حلال وحرام تقلید، ائمہ اربعہ کی تقلید، مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی کا التزام

تلفیق، تتبعِ رخص، انتقالِ مذہب، اختیارِ اخف، اور قضائے قاضی وغیرہ کی بحث

وجوبِ مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی کے موقف ومستدلات کا علمی وفقہی جائزہ

مؤلف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

نام کتاب: شاہ ولی اللہ کے فقہی افکار(**جلد اول**)

مصنف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اوّل: جمادی الاخریٰ 1446ھ- دسمبر 2024ء

صفحات: 660

ملنے کے پتے

www.idaraghufran.org

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
8	**تمہید** (من جانبِ مؤلف)
13	(مقدمہ) **دارُ العلوم دیوبند کا سلسلۂ سند واستناد اور شاہ ولی اللہ**
//	شاہ ولی اللہ کے مکتبۂ فکر سے جماعتِ دیوبند کی تشکیل
14	شاہ ولی اللہ سے دارُ العلوم کا سلسلۂ اسناد
15	دار العلوم دیوبند، مسلکاً وروایتاً شاہ ولی اللہ کی طرف منسوب
17	شاہ ولی اللہ، دیوبند کا مرجعُ الامر
19	دارُ العلوم دیوبند کا مطمحِ نظر ،مسالکِ حقہ کو جوڑنا
30	دارُ العلوم ومظاہر العلوم، شاہ ولی اللہ کی طرف منسوب
32	مولانا گنگوہی کی شاہ ولی اللہ سے نسبت وعقیدت
34	سید سلیمان ندوی کی شاہ ولی اللہ سے نسبت وعقیدت

Idara Ghufran

(پہلا باب) شاہ ولی اللہ کا علمی و فقہی مقام و مرتبہ	49
مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا حوالہ	59
مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب کا حوالہ	//
مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کا حوالہ	61
مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کا حوالہ	62
مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کا حوالہ	65
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کا حوالہ	66
مولانا محمد مظہر بقا صاحب کا حوالہ	73
مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا حوالہ	81
الاستاذ شیخ محمد بشیر سیالکوٹی صاحب کا حوالہ	82
مولانا منظور نعمانی صاحب کا حوالہ	83
(دوسرا باب) ’’اجتہاد و تقلید‘‘ پر شاہ ولی اللہ کے افکار	97
(پہلی فصل) اجتہاد کی حقیقت اور مجتہد و غیر مجتہد کی اقسام و درجات	99
اجتہاد کی حقیقت اور اُس کا استمرار و انقطاع	100

www.idaraghufran.org

’’مجتہدِ مطلق‘‘ کی اقسام وشرائط	124
’’مجتہدِ مستقل ومنتسب‘‘ اوراصحابِ ابی حنیفہ کا درجہ	133
’’مجتہدِ منتسب‘‘ کا درجہ واحکام	213
’’مجتهد فی المذهب ومجتهدفی المسائل‘‘ کے احکام	226
’’متبحر فی المذهب ومتبحرفی المسائل‘‘ کے احکام	231
’’عامی، یا مقلد‘‘ کے احکام	275
(دوسری فصل) **تقلید کی حقیقت اوراس کی جائز وممنوع صورتیں**	349
’’حجةُ الله البالغة‘‘ کا حوالہ	//
’’عقدُ الجید‘‘ کا حوالہ	351
’’التفهیماتُ الالٰهیة‘‘ کا حوالہ	356
’’التفهیماتُ الالٰهیة‘‘ کا ایک اور حوالہ	365
’’القولُ الجمیل‘‘ کا حوالہ	376
’’الانصاف‘‘ کا حوالہ	380
’’عقدُ الجید‘‘ کا ایک اور حوالہ	391
’’الانصاف‘‘ کا ایک اور حوالہ	395
علامہ ابنِ تیمیہ اور ابو اسحاق شاطبی کا حوالہ	405

Idara Ghufran

(تیسری فصل)

”مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی“	409
شاہ ولی اللہ صاحب کے فارسی وصیت نامہ کا حوالہ	//
”القولُ الجمیل“ کا حوالہ	410
”الانصاف“ کا حوالہ	412
”فوائد فی علوم الفقه“ کا تائیدی حوالہ	417
اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ کا حوالہ	419
”ردُّ المحتار“ کا تائیدی حوالہ	422
”التقریر والتحبیر“ کا تائیدی حوالہ	427
”تیسیرُ التحبیر“ کا تائیدی حوالہ	429
”العقدُ الفرید“ کا تائیدی حوالہ	//
”الدّرُ الفرید فی بیان حکم التقلید“ کا تائیدی حوالہ	433
”خلاصةُ التحقیق“ کا تائیدی حوالہ	438
”الاجوبة المصریة“ کا تائیدی حوالہ	439
مولانا اسماعیل شہید کا تائیدی حوالہ	448
علامہ ابنِ تیمیہ کی تائیدات	454

Idara Ghufran

(چوتھی فصل) **ائمہ اربعہ کے مذاہب اور ان سے خروج کا حکم**	482
''عقدُ الجید'' کا حوالہ	484
''حجةُ اللّٰہ البالغة'' کا حوالہ	488
''الانصاف'' کا حوالہ	504
''المصفّٰی'' اور ''حجةُ اللّٰہ البالغة'' کا حوالہ	516
شاہ ولی اللہ کے ایک مکتوب کا حوالہ	525
علامہ ابنِ تیمیہ اور بعض دیگر اصحابِ علم کی تائیدات	530
''فیوضُ الحرمین'' کا حوالہ	555
علامہ ابنِ تیمیہ، ابنِ قیم اور بعض مشائخِ دیوبند کی تائیدات	560
(پانچویں فصل) **مجتہدین کا اختلاف اور ''مخطی ومصیب'' ہونے کا حکم**	593
''عقدُ الجید'' کا حوالہ	//
''ازالةُ الخفاء'' کا حوالہ	597
''الإنصاف'' کا حوالہ	603
علامہ ابنِ تیمیہ کی تائیدات	612
چند مشائخِ دیوبند کی تائیدات	640
عزالدین، اور شیخ حیات سندھی کی تائید	649

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

برِ صغیر ”ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش“ میں موجود اکثر علمی سلسلوں اور کئی دیگر ممالک میں پائے جانے والے اصحابِ علم کی سند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 1176ھ، 1762ء) سے گزرتی ہوئی آگے پہنچتی ہے، اور وہ حضرات اپنی یہ نسبت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف ہی کرتے ہیں۔

اور اسی وجہ سے یہ حضراتِ گرامی شاہ ولی اللہ صاحب کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور اجمالی، یا تفصیلی طور پر شاہ ولی اللہ صاحب کی علمی و دینی خدمات کو تجدیدی و انقلابی حیثیت دیتے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود شاہ ولی اللہ صاحب کے اجتہاد و تقلید، اور اجتہادی و فقہی ذوق کا لحاظ کرنے والے کم ہیں، وہ اس کے بجائے اپنے اپنے اجتہادی و فقہی ذوق کو شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور بعض حضرات ان کی تالیفات و تصنیفات سے بتکلف اپنے ذوق کو ثابت کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تشدد و تعصب، مناظرہ و مباحثہ اور افراط و تفریط کا مظاہرہ کرتے ہیں، جس کی وجہ سے شاہ ولی اللہ صاحب کے فقہی افکار کو سمجھنے اور اس کی تعیین کرنے میں متعدد اصحابِ علم کو خلطِ مبحث کا سامنا ہوا۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے اصل ذوق سے اس طرح کے تشدد و تعصب اور افراط و تفریط پر مبنی ذوق کی تائید نہیں ہوتی، بلکہ اس کے مقابلہ میں توسع و اعتدال کی تائید ہوتی ہے، اور اس سلسلہ میں منصف کے لئے شاہ ولی اللہ صاحب کا موقف بہت واضح اور منقح ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ فقہی و اجتہادی امور میں افراط و تفریط پر مبنی حالات پر ماضی قریب میں برِ صغیر کے اندر ”اللہ تعالیٰ“ نے شاہ ولی اللہ صاحب سے عظیم خدمات کا فریضہ اداء کرایا ہے، اور

www.idaraghufran.org

اجتہاد وتقلید کے مسئلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی شخصیت کو مذکورہ افراط وتفریط پر مبنی جملہ طبقات کے لیے ایک مرجع ومجمع الامر کی حیثیت عطاء فرمادی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے محسوس کیا کہ امتِ مسلمہ کا ایک طبقہ تقلید کے بارے میں غلو وتشدد کا شکار ہے، اور وہ خاص مسلک کی تقلید وپابندی میں جمود کی حد تک پہنچ گیا ہے، اس کی ساری توانائیاں مخصوص فقہ واصولِ فقہ اور اس کی مخصوص جزئیات تک محدود ہیں، کتاب وسنت سے تتبع واستنباط کے بارے میں ان کا ''عصبیت'' سے محفوظ رہتے ہوئے، مطالعہ وتحقیق نہ ہونے کے برابر ہے، جس کے نتیجہ میں قرآن وسنت اور ان سے مسائلِ فقہیہ کے استنباط واستخراج کے طریقوں سے ناواقفیت بڑھتی جارہی ہے، اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ کسی امام، یا فقیہ کے مقابلہ میں مختلف تاویلات کا سہارا حاصل کرکے اور علمی وفقہی نوعیت کی چیزوں کا خول چڑھا کر نصوص کو بھی رَد کیا جانے لگا ہے۔

اسی کے ساتھ فقہائے مجتہدین کے مذاہب سے منسلک علماء وعوام کے مابین روز بروز فاصلے بڑھتے جارہے ہیں، اور اجتہادی واختلافی مسائل کو ایک دوسرے کے خلاف معرکۃُ الآ راء جنگ کا میدان بنالیا گیا ہے، جس میں ہر طرف سے دوسرے کے برخلاف علمی وفقہی اسلحہ جات کو اکٹھا کرکے گویا کہ مورچہ زنی قائم کرلی گئی ہے۔

دوسری طرف مذکورہ ''طرزِ عمل'' کے ''ردِ عمل'' میں ایک طبقہ ایسا بھی پایا جاتا ہے کہ جو سرے سے ائمہ مجتہدین کی تقلید، اور ان کی طرف انتساب سے ہی انکاری ہے، اور وہ اس کو گناہ وحرام اور ''جرمِ عظیم'' خیال کرتا، اور بعض اوقات شرک تک کہہ بیٹھتا ہے، جبکہ وہ خود قرآن وسنت سے فقہی مسائل کے استنباط کی قدرت بھی نہیں رکھتا، مگر اس کے باوجود وہ جلیلُ القدر فقہائے کرام اور ائمہ مجتہدین، اور ان کے اجتہاد واستنباط کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، اور اس کے نتیجہ میں بعض افراد واشخاص کی زبانیں مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام اور ان کے متبعین کی شانِ عالی اور ان کی خدماتِ جلیلہ پر طعنہ زنی، اور بہتان تراشی کی حد تک دراز ہوچکی ہیں۔

حالانکہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ان مختلف اقسام کے طبقات کے افراط وتفریط، اور غلو وتشدد پر مبنی طرز ہائے عمل کی نشاندہی فرمائی اور فقہی امور، نیز اجتہاد وتقلید میں اعتدال وتوسع کا وہ راستہ دکھلایا تھا، جو خیرُ القرون اور سلف سے مطابقت رکھتا ہے۔

مگر افسوس کہ مذکورہ طبقات نے افراط وتفریط اور غلو وتشدد سے اپنی اصلاح کرنے کے بجائے اپنے مخصوص مزاج ومذاق کے مطابق شاہ ولی اللہ صاحب کی فکر کو اپنی فکر قرار دینے پر اپنی صلاحیتیں صرف کیں، اور اس طرح کی افراط وتفریط میں وقت کے ساتھ مزید اضافہ ہوتا چلا گیا، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارات سے توڑ مروڑ کر اپنے موقف کو ثابت کرنے کی کوشش کی جانے لگی، جس کے نتیجہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف سے افراط وتفریط سے بچنے بچانے اور اعتدال وتوسع کو ملحوظ رکھنے کا اصل مقصد فوت ہو کر رہ گیا، بلکہ اس کے برعکس مقصد کو شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف منسوب کیا جانے لگا، جو علمی خیانت کی حدود کو چھونے لگا ”**لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم**“۔

موجودہ دور میں جو اجتہاد وتقلید اور فقہی اختلافات کے متعلق طرفین سے افراط وتفریط اور غلو وتشدد پر مبنی فضاء قائم ہو چکی ہے، اور موجود دور میں بیشتر افراد معتدل ومتوسع طرزِ عمل سے ہٹ گئے ہیں، اور دین کے مسلمہ ومتفقہ مسائل سے نظر ہٹا کر، ایک دوسرے کے خلاف فروعی، اختلافی واجتہادی بحثوں کی اونچ نیچ میں الجھ پڑے ہیں، اس کے مختلف مفاسد ومضرات دنیا میں بھگتنے پڑ رہے ہیں اور آخرت کا وبال الگ ہے۔

اس صورتِ حال میں توسع واعتدال کو اختیار کرنا اور افراط وتفریط سے بچنا، بچانا بہت ضروری ہے، جس کی شاہ ولی اللہ صاحب کے طرزِ فکر میں کافی حد تک رعایت پائی جاتی ہے۔

اور خود شاہ ولی اللہ صاحب کے اصل افکار کی دیانت دارانہ توضیح وتنقیح کرنے اور اس میں پیدا کیے گئے التباس واختلاط کی نشاندہی کی اپنی جگہ مستقل ضرورت ہے۔

ان حالات میں بندہ نے ”شاہ ولی اللہ کے فقہی افکار“ کے عنوان سے ایک مفصل تالیف تیار

کی ہے، جس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اجتہاد وتقلید، اور فقہی وفروعی مسائل سے متعلق ان کی تالیفات وغیرہ میں منتشر افکار، اور متعلقہ مستدلات، اور ان کے دیگر حضرات کی طرف سے مویدات کو کسی تعصب وتشدد کے بغیر اس طرح متعلقہ مختلف ابواب اور فصلوں کے تحت جمع کیا جائے، جس سے متعلقہ موضوع ومسئلہ کے جملہ پہلوؤں کی افہام وتفہیم میں سہولت حاصل ہو، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے پیشِ نظر جس تشدد و تعصب، اور افراط وتفریط کا خاتمہ تھا، اس کی جا بجا صراحت کے ساتھ نشاندہی کی جائے۔

نیز جس موقف کو حضرت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے، دراں حالیکہ وہ موقف ان کا نہیں ہے، اس کا بھی صاف گوئی کے ساتھ جائزہ لیا جائے۔

بطورِ خاص ''مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی'' وغیرہ کے مسئلہ میں، بعض طبقات کی طرف سے شاہ ولی اللہ صاحب کی چند منقطع ومجمل عبارات سے تسامح کی بناء پر جو ایسا مطلب مراد لیا گیا ہے، جو کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تصریحات کے خلاف ہے، اس کا بصراحت ووضاحت دیانت دارانہ ومنصفانہ اور معتدلانہ ومحققانہ جائزہ لیا جائے۔

اور اس طرح کا تحقیقی واعتدال پر مبنی طرزِ عمل بندہ کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ سے متعلق کیے گئے علمی کاموں میں تاحال کسی جگہ نظر نہ آسکا، اس پر مزید یہ کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی جن عربی وفارسی کتب ورسائل کے اردو زبان میں ترجمے کیے گئے، ان میں بھی جگہ جگہ ایسے تسامحات مشاہدہ کیے گئے، جن کی وجہ سے اصل مقصود ومطلوب تک رسائی مشکل ہے۔

اس لیے عربی وفارسی زبان میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی اصل عبارات کو سامنے رکھ کر، ان کے بزبانِ اردو تراجم ومطالب کو بیان کیا گیا، کیونکہ اصل عبارات سامنے نہ ہونے کی صورت میں صحیح وغلط ترجمہ ومطلب کا معلوم ہونا مشکل ہے۔

اس تفصیل کو پیشِ نظر رکھ کر آنے والے مضمون کو ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ورنہ پہلے سے قائم کسی خاص عصبی وغیر عصبی فکر سے خالیُ الذہن ہوئے اور توسع واعتدال کا لحاظ کیے بغیر اس مضمون میں مذکور افکار کو قبول کرنا آسان نہ ہوگا، اور جگہ جگہ تاویلاتِ مشہورہ، معروفہ ومروجہ، بلکہ تاویلاتِ بعیدہ وفاسدہ کا سہارا حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، جس کا موجودہ دور میں ایک عرصہ سے مختلف شکلوں میں مشاہدہ ہو رہا ہے، بلکہ بندہ خود بھی پہلے کچھ عرصہ تک اس بے اعتدالی کا شکار رہا ہے، جس سے الحمدللہ تعالیٰ بندہ کو رجوع واصلاح کر کے حتی الامکان اعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق حاصل ہوگئی ہے۔

پھر اگر کسی کرم فرما، یا متشدد ومتعصب کی طرف سے کوئی بات سامنے آئی، تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا بھی دیانت داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے، علمی وفقہی دلائل کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ پوری امتِ مسلمہ کو افراط وتفریط سے بچ کر راہِ اعتدال کو اختیار کرنے، اور ایک دوسرے کے ساتھ اصولوں پر متحد ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان خان

21/صفر المظفر/1444ہجری 18/ستمبر/2022ء، بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www.idaraghufran.org

(مقدمہ)

دارُالعلوم دیوبند کا سلسلۂ سند واستناد اور شاہ ولی اللہ

دارالعلوم دیوبند کے اکابرِ علم کے سلسلۂ سند واستناد میں حضرۃُ الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ سرِ فہرست شمار ہوتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی شخصیت اور ان کے فکر کی جامعیت کو مسلکِ دیوبند میں بنیادی واساسی طور پر خاص دخل اور امتیازی شان حاصل ہے۔

شاہ ولی اللہ کے مکتبۂ فکر سے جماعتِ دیوبند کی تشکیل

اس سلسلہ میں چند حوالہ جات نقل کیے جاتے ہیں۔

ترجمانِ دیوبند حکیمُ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنی تالیف ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' میں تحریر فرماتے ہیں:

دارُالعلوم دیوبند کا سلسلۂ سند حضرۃُ الامام شاہ ولی اللہ صاحب فاروقی قدس سرہٗ العزیز سے گزرتا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے، شاہ (ولی اللہ) صاحب اس جماعتِ دیوبند کے مورثِ اعلیٰ ہیں، جن کے مکتبۂ فکر سے اس جماعت کی تشکیل ہوئی، حضرت ممدوح نے اولاً اس وقت کے ہندوستان کے فلسفیانہ مزاج کو اچھی طرح پرکھا، پھر علومِ شریعت کو ایک مخصوص جامع عقل ونقل طرز میں پیش فرمایا، جس میں نقل کو عقل کے جامہ میں ملبوس کرکے نمایاں کرنے کا ایک خاص حکیمانہ انداز پنہاں تھا۔

حجۃُ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ بانی دارالعلوم دیوبند نے ولی اللّٰہی سلسلہ کے تلمذ سے اس رنگ کو نہ صرف اپنایا، جو انہیں ولی اللّٰہی

خاندان سے ورثہ میں ملا تھا، بلکہ مزید تنوُّر کے ساتھ اس کے نقش ونگار میں اور رنگ بھرا، اور وہی منقولات جو حکمتِ ولی اللّٰہی میں معقولات کے لباس میں جلوہ گر تھے، حکمتِ قاسمیہ میں محسوسات کے لباس میں جلوہ گر ہو گئے (تاریخِ دارالعلوم دیوبند، صفحہ ۲۰، ۲۱، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، اشاعتِ اول: ستمبر ۱۹۷۲ء)

اس لحاظ سے یوں سمجھنا چاہیے کہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ جماعتِ دارالعلوم کے جدِ امجد ہیں (ایضاً، صفحہ ۲۱)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرتُ الامام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ، جماعتِ دیوبند کے مورثِ اعلیٰ وجدِ امجد ہیں، جن کے افکار سے جماعتِ دیوبند کی تشکیل ہوئی، دارُ العلوم دیوبند کا سلسلۂ سند حضرت موصوف تک پہنچتا اور آپ سے گزر کر اوپر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ سے دارُ العلوم کا سلسلۂ اسناد

سید محبوب رضوی صاحب اپنی مفصل ومدلل تالیف ''تاریخِ دارالعلوم دیوبند'' میں فرماتے ہیں:

اکابر دارالعلوم کے سلسلہ میں سرِ فہرست جو شخصیت آتی ہے، وہ یہی شاہ اللہ دہلوی رحمہ اللہ ہیں، برِّ صغیر میں اس وقت علومِ دینیہ اور بالخصوص علمِ حدیث کے جس قدر سلسلے مروج اور موجود ہیں، تقریباً ان سب کا آغاز حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ سے ہوتا ہے (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص ۹۲، بعنوان ''دارالعلوم کے اکابرِ علم کا سلسلۂ اسناد''، بایماء مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند، حسبِ ہدایت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی)

اور حکیمُ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مذکورہ بالا مفصل کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

دارُ العلوم کا سلسلۂ اسناد محدثِ ہندوستان حضرتُ الامام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے چلتا ہے (ایضاً، ص۱۲، مقدمہ)

معلوم ہوا کہ اکابر دار العلوم میں حضرتُ الامام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کا شمار سرِ فہرست شخصیات میں ہوتا ہے، اور دارُ العلوم کا سلسلۂ اسناد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ سے ہی چلتا ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے حضرتُ الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کو دیوبند کے علمی مسلک کا مرجع الامر بھی قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی دیوبندی مکتبِ فکر کا فرد، حضرتُ الامام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے طرزِ فکر کو اپناتا ہے، تو وہ مسلکِ دیوبند کے اصولوں پر ہی عمل کرنے والا شمار ہوگا، اور اس کو اس سے خارج سمجھنا درست نہ ہوگا۔

دارالعلوم دیوبند، مسلکاً وروایتاً شاہ ولی اللہ کی طرف منسوب

حکیمُ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے مسلکِ دیوبند کی تشریح و توضیح، جس وسعت، جامعیت و ہمہ گیریت کے ساتھ فرمائی ہے، اس میں یہ چیز نمایاں ہے کہ دیوبند کے مدرسہ کی بنیاد حضرتُ الامام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے جامع، معتدل و متوسع طرزِ فکر پر قائم کی گئی۔

جبکہ حکیمُ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کو دیوبند کی فکر سمجھنے اور بیان کرنے میں بہت اہمیت حاصل ہے۔

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم نے حکیمُ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''علمائے دیوبند کا دینی رخ و مسلکی مزاج'' پر ایک نہایت جامع و محققانہ مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جو اہلِ علم حضرات کے لیے قابلِ مطالعہ ہے، اس میں

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم مختلف بے اعتدالیوں اور افراط وتفریط پر مبنی افراد، یا طبقات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

اگرچہ دارُ العلوم دیوبند کے قیام سے لے کر آج تک کی تاریخ سامنے ہو، تو اس قسم کی بے اعتدالیوں کی مقدار کچھ زیادہ نہیں تھی، لیکن اکابر علماء کے رخصت ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، اور ناواقف لوگ ان کو مسلکِ علمائے دیوبند سے منسوب کرنے لگے۔

اس لیے بھی اس بات کی ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ علمائے دیوبند کے مسلک ومشرب اور مزاج ومذاق کی تشریح کرکے اسے ایسے جامع انداز میں مرتب ومدون کردیا جائے، جس کے بعد کوئی التباس واشتباہ پیدا نہ ہو۔

اس ترتیب وتدوین کے لیے اس آخری دور میں بلاشبہ کوئی شخصیت حکیمُ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرّہٗ کی شخصیت سے زیادہ موزوں نہیں ہوسکتی تھی۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف نصف صدی سے زیادہ مدت تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے ہیں، بلکہ انہوں نے براہِ راست ان اکابر علمائے دیوبند سے اکتسابِ فیض فرمایا ہے، جو بلا اختلاف، مسلکِ علمائے دیوبند کے حقیقی ترجمان تھے۔

انہوں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ، امامُ العصر حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ جیسے اساطین سے صرف ضابطے کے تلمّذ کا شرف حاصل نہیں کیا، بلکہ مدتوں ان کی خدمت وصحبت سے فیض یاب ہوکر ان کے مزاج ومذاق کی خوشبو کو اپنے قلب وذہن میں بسایا تھا۔

کسی سیاسی اور انتظامی مسئلے میں کسی کو حضرت رحمہ اللہ سے خواہ کتنا اختلافِ رائے رہا ہو، لیکن اس بات میں دو رائیں ممکن نہیں کہ اس آخری دور میں وہ مسلکِ علمائے دیوبند کے مستندترین شارح تھے (علماءِ دیوبند کا دینی رُخ و مسلکی مزاج، ص ۱۲، و ۱۳، پیشِ لفظ، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، بار اول، ذوالقعدۃ 1408ھ، جولائی 1988ء)

حضرت شیخ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اکابرِ دیوبند کے رخصت ہونے کے بعد سلسلۂ دیوبند کی طرف منسوب بعض ایسے افراد پیدا ہوئے، جو مسلکِ دیوبند کی متوسط و معتدل اور جامع فکر پر پورے نہیں اترتے تھے، اور افراط، یا تفریط میں مبتلا ہو کر بے اعتدالیوں کا شکار تھے، جن کی وجہ سے مسلکِ دیوبند کی معتدل و متوسط فکر میں التباس واختلاط کا اندیشہ تھا، اس مقصد کے لیے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی بیان کردہ تشریح وتوضیح انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

اب دارالعلوم دیوبند کی بنیادی واساسی فکر اور علمی اور فقہی مسلک پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی چند تصریحات ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنی تالیف ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' میں تحریر فرماتے ہیں:

دارُالعلوم دیوبند کے اسلاف میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ سے لے کر حضرت نانوتوی قدس سرہٗ تک کے سارے بزرگ شمار ہوتے ہیں، کیونکہ مسلکاً اور روایتاً دارُالعلوم دیوبند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کی جانب منسوب ہے

(تاریخِ دارالعلوم دیوبند، صفحہ ۹۱، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، اشاعتِ اول: ستمبر ۱۹۷۲ء)

شاہ ولی اللہ، دیوبند کا مرجعُ الامر

سید محبوب رضوی صاحب کی مرتب کردہ مفصل تالیف ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' کے مقدمہ

میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ ''دیوبند'' کے علمی مسلک کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جہاں تک (دیوبند کے) علمی مسلک کا تعلق ہے، اس کا مرجعُ الامر حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی ذاتِ گرامی ہے، جن پر منجانب اللہ یہ علمی مسلک الہامی طور پر وارد شدہ ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے، اور وہ سارے علمی طبقات کے لیے اپنے کمالِ اعتدال اور جامعیت کی وجہ سے جیسے طبعاً مرکزِ کل ہے، ایسے ہی سارے اہلِ مسالک، اگر انصاف سے کام لیں، تو اس پر جمع ہو سکتے ہیں، یا کم سے کم اسے اپنا مرکز تسلیم کر کے، اس سے قریب ہو سکتے ہیں (تاریخ دار العلوم دیوبند، ص ۲۸، مقدمہ)

معلوم ہوا کہ دار العلوم دیوبند مسلکاً اور روایتاً حضرتُ الامام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، نیز دیوبند کے علمی مسلک کا مرجعُ الامر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ذاتِ گرامی ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کا علمی مسلک جو کہ الہامی ہے، وہ اپنی جامعیت اور کمالِ اعتدال کی وجہ سے سارے حق پرست علمی طبقات کے لیے مرکزِ کل کی حیثیت رکھتا ہے، جس پر تمام اہلِ حق مسالک جمع ہو سکتے، یا کم از کم اسے اپنا مرکز تسلیم کر کے اس سے قریب ہو سکتے ہیں۔

اسی بنیاد پر فقہائے کرام کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق ان کی روش اختیار کرنے والے تمام اہلِ حق مذاہب کے لیے حضرت شاہ صاحب اور ان کے واسطہ سے مسلکِ دیوبند مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ [1]

---

[1] اسی وجہ سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے تقلیدِ شخصی اور متاخرینِ فقہاء کی پابندی نہ کرنے کو بھی اہلِ حق کا پاکیزہ مسلک قرار دیا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہما اللہ کے ساتھ مکاتبت میں آتا ہے، یہ بھی مسلکِ دیوبند کی وسعت کی دلیل ہے۔ محمد رضوان۔

دارُالعلوم دیوبند کا مطمحِ نظر، مسالکِ حقہ کو جوڑنا

مذکورہ مضمون ہی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

مدرسہ دیوبند کے اس جامع اور معتدل فکر، یا مسلک کا مقصد اور مطمحِ نظر ہندوستان کے تمام مسالکِ حقہ اور اہلِ مسالک کو باہم جوڑنا تھا، جبکہ اس وقت ملک میں جماعتی تشتّت، جزوِ مسلک بنا ہوا تھا، اور سارے مسالک اور مسالک والے مسلکی تفاوت کی وجہ سے باہم دست وگریبان تھے، **الا ماشاء اللہ** (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص ۲۷، مقدمہ، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ دیوبند اور اس کے جامع ومعتدل فکر، یا مسلک کا مقصد اور بنیادی ہدف غیر منقسم ہندوستان کے تمام مسالکِ حقہ اور اہلِ مسالک کو باہم جوڑنا اور ان کے جماعتی تشتت کو ختم کرنا تھا، اور اس دور میں اس مقصد کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی شخصیت اور طرزِ فکر سے زیادہ موزوں اور کوئی شخصیت نہیں تھی، کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کا مطمحِ نظر مسالکِ حقہ، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ وحنابلہ وغیرہ کو باہم جوڑنا تھا، جیسا کہ آگے آتا ہے، پھر فقہی الوان میں اختلاف کے باعث کسی اہلِ حق کو مسلکِ دیوبند سے خارج کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

''تاریخِ دارالعلوم دیوبند'' نامی مفصل ومدلل کتاب کے مقدمہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

تمام ائمہ کے فقہی مراتب بحیثیتِ مجموعی اس (دیوبندی) مسلک میں آجاتے ہیں، زیادہ سے زیادہ راجح ومرجوح، یا افضل ومفضول، یا اصل وفرع، یا عزیمت و رخصت کا فرق نکل سکتا ہے، البتہ کہیں کہیں جائز وناجائز کا بھی فرق پیدا ہوتا ہے، مگر قلیل، سو اس سے فقہ حنفی کی جامعیت اور دوسرے فقہوں کے برحق ہونے میں

کوئی فرق نہیں پڑتا، خواہ دو نصوص باہم متعارض ہوں، یا ایک ہی نص کے دو پہلو فقہی طور پر متعارض ہوں، اس لیے اجتہادی فروعات میں اختلاف تو ہو جاتا ہے، مگر خلاف ونزاع کی کوئی شکل پیدا نہیں ہو سکتی کہ کسی فقہی مسلک سے اعراض، یا گریز کی تہمت آئے، اس لیے ائمہ اجتہاد کی حقانیت وعظمت بھی ان کی شان کے مناسب قائم رہتی ہے، اوران کے فقہی مسلک کی صداقت وعظمت اور تعظیم وتوقیر میں بھی فرق نہیں آتا، پھر یہ اختلاف بھی حق وباطل کا نہیں ہوتا کہ باعثِ کش مکش ہو، بلکہ محض (اجتہادی وظنی) خطاً وصواب کا ہوتا ہے، جن میں سے کوئی بھی پہلو اجر سے خالی نہیں، اور ظاہر ہے کہ جب سارے فقہوں اور فقیہوں کے اجتہادات اس طرح ایک مرکز پر جمع ہو کر درجہ بدرجہ اپنے اپنے مقام ومرتبہ کے مناسب قائم رہتے ہیں، تو نہ صرف یہ کہ نزاع وجدال کے رخنے مسدود ہو جاتے ہیں، بلکہ قدرِ مشترک کے طور پر ایک **ما بہ الاتحاد** بھی پیدا ہو جاتا ہے، جس کے تحت یہ سارے فقہ اور فقہی مراتب نہ صرف معتبر ہی ٹھہرتے ہیں، بلکہ ایک مرکز پر سمٹ آتے ہیں، جو اس (دیوبندی) مسلک کی جامعیت کی کھلی دلیل ہے۔

رہے فِرَقِ حقہٗ اسلامیہ جو اصول ومبانی میں متحد رہ کر فروعی عقائد کے معانی میں بتقضائے قواعدِ شرعیہ کچھ مختلف ہیں، تو ظاہر ہے کہ اس کا منشاء بھی اجتہادی نظر وفکر ہی ہے، جس سے بتفاوتِ اجتہاد، متفاوت نظریات قائم ہو کر عقیدے کی صورت اختیار کر لیں، اور وہ فرقہ سمجھے جانے لگیں، دراں حالیکہ وہ فرقہ نہیں ہوتے، جبکہ تمام اصول اور مبانیِ اسلام میں متحد ہیں۔

لیکن حضرت شاہ (ولی اللہ) صاحب رحمہ اللہ کا مسلک، جبکہ جامع نص واجتہاد ہے، تو ان فروعی عقائد کا بھی کوئی اجتہادی پہلو جب تک کہ شریعت کے بنیادی اصول اور اساسی قواعد وضوابط سے متصادم نہ ہو، نا قابلِ قبول نہیں رہتا، بجز اس

کے کہ اس پہلو کو مسئلہ کا بنیادی مقام دینے کے بجائے، اُسے ضمنی، فرعی مقام پر رکھ دیا جائے، ترک نہیں کیا جاتا، اس طرح سے کوئی بھی حقانی فرقہ اور اس کا کوئی بھی اعتقادی مسئلہ جبکہ تھوڑی سی توجیہ کے بعد اس مسلک سے باہر نکلنے نہیں پاتا، صرف مقصدی اور غیر مقصدی درجہ کا فرق باقی رہ جاتا ہے، تو اسے بھی کلیۃً متروک کردینے کی صورت پیدا نہیں ہوتی، جبکہ وہ کسی نص کے محتملات، یا کسی شرعی اصول کی فرعیات کے دائرہ میں ہے، اس لیے اس جامع مسلک میں یہ اسلامی فرقے بھی اصل فرقۂ حقہ سے کلیۃً جدا نہیں ہوتے، بلکہ اس سے قریب تر ہوجاتے ہیں، صرف فرقِ باطلہ ہی باہر رہ جاتے ہیں، جو حق کے دائرہ میں داخل ہی ہونا نہیں چاہتے (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص۲۹و۳۰، مقدمہ)

حکیمُ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنے اسی مضمون میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

بہرحال اس مسلکِ اعتدال کا دائرہ اصولاً اس حد تک جامع، وسیع اور حاوی ہے کہ نہ اس سے اجتہادی طبقات جدا رہ سکتے ہیں، نہ کلامی گروہ اور نہ عقلی اور فلسفی حلقے کٹ سکتے ہیں، جبکہ ان کے مسلّمات سب اس میں لپٹے ہوئے ہیں، جس کے معنیٰ اس کے سوا دوسرے نہیں ہیں کہ ولی اللّٰہی مسلک نے تمام فرقوں، تمام حلقوں اور تمام طبقات کو اصولاً اپنے اندر سمیٹ کر کے جمع کرلیا ہے، جس میں مرکزیت کی وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں، جو کسی بھی معقول پسند طبقہ کو اپنے سے باہر نہیں رہنے دیتیں، اور جب بھی انہیں انصاف اور حق پسندی سے کام میں لایا جائے گا، وہ ان سب کے لیے ایک تشفی بخش نسخہ اور جامع مرکزِ توجہ ثابت ہوں گی، اور باہمی نزاعات، یا قومی تفرقے کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکیں گی (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص۳۱، مقدمہ)

مذکورہ عبارات سے نہ صرف یہ کہ مسلکِ دیوبند کی اہلِ حق کے فقہی مسالک کے لیے وسعت وہمہ گیریت اور جامعیت واضح ہوتی ہے، بلکہ اسی کے ساتھ فرقِ باطلہ اس سے خارج بھی ہوجاتے ہیں، جو اس مسلک کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ مانع ہونے کی بھی دلیل ہے، اور اس کی بنیادی وجہ، وہی جامع نص واجتہاد پر مبنی ولی اللّٰہی مسلک کی جامعیت ومانعیت اور وسعت واعتدال ہے، جس نے تمام حقانی فرقوں، حلقوں اور تمام طبقات کو اصولاً اپنے اندر سمیٹ کر جمع کرلیا ہے، اور یہی ولی اللّٰہی مسلک درحقیقت مسلکِ دیوبند کا مجمع الامر ہے، جیسا کہ پہلے بھی گزرا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنی تالیف ''علماءِ دیوبند کا دینی رُخ اور مسلکی مزاج'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> شرعی مذاہب میں مذہبِ اہل سنت و الجماعت، بلحاظِ اساس و بنیاد اعدلُ المذاہب ہے، اور اس کے پیرو خواہ وہ حنفیہ ہوں، یا شافعیہ، مالکیہ ہوں، یا حنابلہ، بہ تفاوتِ اصولِ تفقّہ، اہلُ السنّت والجماعت ہیں (علماء دیوبند کا دینی رُخ ومسلکی مزاج، ص ۲۵، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، باراول، ذوالقعدہ 1408ھ، جولائی 1988ء)

معلوم ہوا کہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے مفہوم میں حنفیہ کے علاوہ شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ سب داخل ہیں۔

ہم بھی اس وسیع مفہوم کے لحاظ سے مسلکِ دیوبند سے وابستگی کو اختیار کرتے ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنی اسی مذکورہ تالیف میں تقلید واجتہاد کے معاملہ میں مسلکِ دیوبند کے اعتدال اور وسعت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> پس نہ وہ (یعنی علمائے دیوبند) کورانہ اور غیر محققانہ تقلید کا شکار ہیں، اور نہ برخود غلط ادّعائے اجتہاد کے وہم میں گرفتار، اس لیے ایک طرف تو وہ خود رائی اور آزادئ نفس سے بچنے کی خاطر نصوصِ کتاب وسنت تو بجائے خود ہیں، اقوالِ سلف

www.idaraghufran.org

اور ذوقِ سلف تک کا پابند رہنا ضروری سمجھتے ہیں، اور دوسری طرف بے بصیرتی اور کور ذہنی سے بچنے کی خاطر افتاء اور فتاویٰ کو ان کے اصل ماخذوں سے نکلتا ہوا دیکھنے اور حسبِ ضرورت کسی متماثل جزئی پر پیش آمدہ جزئیات کو قیاس کر کے فقہی حکم لگانے سے بھی بے تعلق رہنا نہیں چاہتے۔

غرض نہ تو وہ مجتہدین فی الدین کے بعد اجتہادِ مطلق کے قائل ہیں، جبکہ عملاً اس کا وجود ہی باقی نہیں رہا ہے، اور نہ ہی جنسِ اجتہاد کی کلی نفی کر کے فتاویٰ کے حقائق و علل کے استخراج اور ان کے مؤیدات کے استنباط، یا متماثل جزئیات سے جزئیاتِ وقت کے استخراج سے گریزاں ہیں، بلکہ تقلید کے ساتھ تحقیق کا ملا جلا رنگ لیے ہوئے ہیں (علمائے دیوبند کا دینی رُخ اور مسلکی مزاج، ص۱۴۳ و۱۴۴، بعنوان: فقہ اور فقہاء، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، بار اول، ذوالقعدہ 1408ھ، جولائی 1988ء)

''مجتهدين في الدين'' کے بعد اجتہادِ مطلق سے مراد ''اجتہادِ استقلال'' ہی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ''مجتهدينِ في الدين'' اور ''مجتهدينِ مستقلين'' کے انتساب سے خروج واعراض کے قائل نہیں۔

نیز حضرت قاری صاحب موصوف رحمہ اللہ آگے اس سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس مسلک پر ائمہ اجتہاد کی محبت وعظمت کے حقوق کی ادائیگی یہ نہیں ہے کہ اپنے اجتہادی مذہب کی فوقیت ظاہر کر کے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اس کی تبلیغ و اشاعت کی فکر کی جائے، یا اپنے مذہب کی تائید کے لیے دوسرے مذاہب فقہیہ کے ردّ وابطال میں زور صرف کیا جائے، یا دوسرے ائمہ اجتہاد اور سلفِ صالحین کی شان میں گستاخی، سوءِ ادب اور ان کی فرعیات کے ساتھ تمسخر واستہزاء سے دنیا وآخرت تباہ کی جائے، جبکہ ان میں سے ایک صورت بھی ترجیح، یا تقویتِ مذہب

www.idaraghufran.org

کی نہیں، ابطالِ مذہب کی ہے، اور یا پھر غرورِ علم کی ہے کہ بزعمِ خود اپنے ہی مذہب میں حق کو منحصر سمجھ لیا جائے، جو بلا شبہ افراط و تفریط ہے، جس سے مسلک علمائے دیوبند بالکل الگ ہے (علمائے دیوبند کا دینی رُخ اور مسلکی مزاج، ص ۱۴۵، بعنوان: فقہ اور فقہاء، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، باراول، ذوالقعدہ 1408ھ، جولائی 1988ء)

ملاحظہ فرمائیے کہ مسلکِ دیوبند میں کتنا اعتدال و جامعیت ہے کہ اس میں نہ غلط ادعائے اجتہاد کا دعویٰ پایا جاتا کہ جس کی وجہ سے پوری آزادی پیدا ہو جائے، اور سلف کے مقابلہ میں نئے نئے اقوال کا اختراع کیا جائے، اور نہ ہی جنسِ اجتہادِ کلی کی نفی اور کورانہ وغیر محققانہ تقلید پائی جاتی کہ جس کی وجہ سے نصوصِ کتاب وسنت اور اقوالِ سلف کو نظر انداز کر دیا جائے، اور افتاء وفتاویٰ کے اصل مآخذ ومراجع کے تتبع کو ترک کر دیا جائے، اور اسی طرح نئے پیش آمدہ مسائل کی تحقیق سے بھی گریز کیا جائے، بلکہ تقلید کے ساتھ تحقیق واجتہاد کا ملا جلا رنگ پایا جاتا ہے، یہی رنگ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کا بھی ہے، جیسا کہ آگے مفصلاً آتا ہے، اس طرح ولی اللّٰہی فکر، اہلِ دیوبند کا مرجع الامر اور مسلکِ اصل ہے۔

اسی طرح مسلکِ دیوبند میں اپنے اجتہادی مذہب کی فوقیت وبرتری ظاہر کر کے دوسرے مذاہبِ حقہ کے مقابلہ میں تبلیغ واشاعت کا بھی اہتمام نہیں کیا جاتا، اور اپنے مذہب کی تائید کے لیے دوسرے مذاہبِ فقہیہ کے ردوابطال میں بھی زور صرف نہیں کیا جاتا، اور حق کو صرف اپنے مذہب میں منحصر سمجھنے کا دعویٰ بھی نہیں کیا جاتا، کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی فکر تمام مذاہب کو برحق قرار دینے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے قریب لانے اور تطبیق پیدا کرنے کی ہے۔

مسلکِ دیوبند یا علمائے دیوبند کا بنیادی طور پر دینی رُخ اور مسلکی مزاج یہی ہے، جو متقدمین اور سلف کے طرز پر قائم ہے۔

اور اس سب کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی معتدل ومتوسع فکر پر

قائم ہے، جس کی وضاحت وصراحت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے خود فرمادی ہے، اوران کی اس سلسلہ میں عبارات پہلے ذکر کی جاچکی ہیں، البتہ اگرانفرادی طور پر بعض افراد وشخصیات کا عمل، یا فکراس سے کچھ مختلف ہو، تو وہ انفرادی وشخصی ذوق ہے، جس کو اصل مسلک کی اساسی فکر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے مسلکِ دیوبند کے معتدل ومتوسع ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے مخالف کے بارے میں تکفیر بازی اور دشنام طرازی، بدگوئی اورتحاسد وتباغض وغیرہ سے اجتناب کرتے ہوئے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا بھی ذکر کیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

وہ (یعنی علمائے دیوبند) بیک وقت مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، فقیہ بھی ہیں اور متکلم بھی، صوفی بھی ہیں اور مجاہد بھی، مقلد بھی ہیں اور مفکر بھی، اور پھران تمام علوم اور عناصرِ دین کے امتزاج سے ان کا جماعتی مزاج معتدل بھی ہے اور متوسط بھی، جس میں نہ غلو ہے نہ مبالغہ، اوراس توسط اور وسعتِ نظری کی بدولت نہ ان کا مشغلہ تکفیر بازی ہے، نہ دشنام طرازی، نہ کسی کے حق میں سبّ وشتم اور تبرّا ہے، نہ بدگوئی، نہ عناد وحسد اور طیش ہے، نہ غلبۂ جاہ ومال سے افراطِ عیش، بلکہ صرف بیانِ مسئلہ اور حقائقِ بیانی، یا احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہے، اور بالفاظِ مختصر اصلاحِ امت اور اتحاد بین المسلمین ہے، جس میں نہ متخالف شخصیات کی تحقیر اور بدگوئی ہے، نہ ان پر مغرورانہ طعن واستہزاء کا، نہ ان کے بیانات وخطابت کا موضوع مخالفِ مسلک طبقات سے خواہ مخواہ الجھنا اور عوام کو ان سے نفرتیں دلاتے رہنا اور ان کے خلاف ہمہ وقت عوامی جذبات کو مشتعل کرتے رہنا ہے، جبکہ ان کی زبانیں بیانِ مسائل ہی سے فارغ نہیں، تو ان خرافات کے لیے وہ فرصت کہاں سے پاتے۔

تکفیر بازی تو بجائے خود ہے، ان کے یہاں سِرے سے ان اشخاص کا ذکر و تذکرہ تک بھی زبانوں پر نہیں ہوتا، جو ہمہ وقت ان کی بدگوئی میں لگے رہتے ہیں، پس انہی اوصاف و احوال کا مجموعہ نام "دارالعلوم دیوبند" ہے، اور اسی علمی و عملی اور عقلی و اخلاقی ہمہ گیری سے اس کا دائرۂ اثر دنیا کے تمام ممالک تک پھیلا ہوا ہے (علمائے دیوبند کا دینی رُخ اور مسلکی مزاج، ص۱۹۲و۱۹۳، بعنوان: فقہ اور فقہاء، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، بارِاول، ذوالقعدہ 1408ھ، جولائی 1988ء)

معلوم ہوا کہ مسلکِ دیوبند میں دین کے تمام شعبوں کی جامعیت پائی جاتی ہے، مگر ان سب شعبوں میں غلو و مبالغہ سے بچتے ہوئے وسعتِ نظری اور اعتدال و توسع بھی پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلکِ دیوبند کے جماعتی مزاج میں نہ تو تکفیر بازی کا مشغلہ ہے، نہ دُشنام طرازی اور سب و شتم ہے، اور نہ ہی کسی کی شان میں بدگوئی ہے اور نہ ہی کسی فرد، یا جماعت سے ذاتی تعصب اور بغض و عناد ہے، بلکہ ان سب چیزوں سے بچ کر احقاقِ حق و ابطالِ باطل ہے، اور فقہی مسالک اور مجتہد فیہ اختلافی مسائل، بالخصوص ائمہ اربعہ اور ان کی طرف منسوب مسالک چونکہ حق و باطل کے اختلاف پر مبنی نہیں کہلاتے، تو اس میں جانبِ مخالف پر مذکورہ چیزوں کو اختیار کرنے کے کیا معنیٰ؟

جناب غلام نبی قاسمی (استاذ دارالعلوم وقف دیوبند) اور جناب محمد شکیب قاسمی (استاذ دارالعلوم وقف دیوبند) تحریر فرماتے ہیں:

پوری امت کی فکری تاریخ میں جو حیثیت ائمہ اربعہ کو حاصل ہے، وہی حیثیت برصغیر کی اسلامی تاریخ میں اپنے وقت کے مجدد اور عظیم مصلح، مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو حاصل ہے، ہم نے ائمہ فقہ کے تذکرے کے بعد شاہ صاحب کا ذکر مناسب سمجھا۔

حضرت شاہ صاحب نے جو تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے اس کو فکر و نظر کے اعتدال

www.idaraghufran.org

کے علاوہ کوئی دوسرا عنوان نہیں دیا جا سکتا۔

آپ نے شریعت وطریقت، فقہ واجتہاد اور احسان وتصوف کے میدانوں میں اپنی بیش بہا تصانیف کے ذریعہ جو نقطہ اعتدال پیش کیا، وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے آنے والی نسلوں کے سامنے نقشِ راہ بن گیا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

اس میں شک نہیں کہ پچھلی صدیوں میں بعض حالات ایسے پیش آئے، خصوصاً اسلام کے اصل سرچشموں، یعنی قرآن وحدیث کی تعلیم سے اسلامی مدارس بہت حد تک بیگانے ہوتے چلے گئے، بتدریج یہ اختلافات بہت غلط صورت اختیار کرتے چلے گئے، خصوصاً ماوراء النہر (ترکستان وخراسان) کے حنفی فقہا کا غلو اس باب میں آہستہ آہستہ بہت آگے بڑھ گیا تھا اور ہندوستان میں وطن بنانے کے لیے اسلام جس راستے سے آیا، چوں کہ وہ انہی ممالک کا راستہ تھا، اس لیے قدرتاً ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنیت، انہی ممالک کے علماء کی ذہنیت سے متاثر تھی، پھر نادری اور ابدالی حملوں نے جب اس ملک میں روہیلو کے جدید عنصر کا اضافہ کر دیا، تو تشدد وتصلب کی یہ شرارت دوآتشہ ہوگئی۔ شاہ صاحب نے بڑی دانشمندی اور گہرے مطالعے کے بعد فقہ اور اصولِ فقہ کی بنیادوں سے پردہ ہٹایا، ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا، اسے واضح فرمایا۔

آپ ہی نے اُس جمود وتعطّل کے ماحول میں اپنے آپ کو **الحنفی عملاً، والحنفی والشافعی درساً** کہہ کر حنفیت اور شافعیت کے درمیان اس خلیج کو پاٹ دیا، جو گہری ہوتی جا رہی تھی۔ شاہ صاحب نے ائمہ مجتہدین کے قیاسی نتائج کے متعلق بجائے اس نظریے کے کہ حق ان میں سے ایک ہی ہوسکتا ہے، اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ سب ہی حق پر ہیں، اس طرح انہوں نے فروعی اختلافات

کی اہمیت کے سارے قصے کو ہی ختم فرما دیا۔

اسی طرح آپ نے تقلید اور مذاہبِ اربعہ کے بارے میں ایک نہایت معتدل نظریہ پیش کر کے ماوراء النہر کے راستے سے ہندوستان میں داخل ہونے والے منفی اثرات کا ازالہ کر دیا۔

اسی فکری اعتدال کی وجہ سے مولانا عبید اللہ سندھی ،حضرت شاہ صاحب کے بارے میں ایک نہایت اہم جملہ تحریر فرماتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ: ہم شاہ ولی اللہ کو حنفی اور شافعی ہر دو فقہ میں مجتہدِ منتسب مانتے ہیں۔

آپ نے ''**المسویٰ، المصفیٰ، الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف** ''اور''**عقدُ الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید** ''جیسی کتابیں تصنیف فرما کر مسلکی تعصب اور فقہی جمود کو دور کر کے ذہنوں میں وسعت پیدا کی اور علمائے دین کو اجتہاد و بصیرت سے کام لینے پر ابھارا۔

اس طرح شاہ صاحب نے مسلکی تعصب اور افراط کے شکار ذہنوں اور عدمِ تقلید کا رجحان رکھنے والے تفریط زدہ خیالات کے بیچ کی راہ نکال کر، مسلمانانِ ہند کی فکری تاریخ کو ہمیشہ کے لیے ایک جہت عطا کر دی۔

اگر یہ کہا جائے، تو غلط نہ ہوگا کہ فکری اعتدال کے باب میں آئندہ کی جانے والی تمام کوششیں، شاہ صاحب کے پیش کردہ نظریہ اعتدال کو بنیاد بنائے بغیر کام یاب نہیں ہوسکتیں (حیات طیب، ج ۲،ص ۴۷۶، ۴۷۷، ناشر: حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم، دیوبند، اشاعت: 2017 عیسوی)

ایک طرف تو مسلکِ دیوبند کے عظیم ترجمان حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ، اور مذکورہ متعدد حضرات کی بیان فرمودہ مذکورہ تشریحات کو ملاحظہ فرمائیں، اور دوسری طرف موجودہ دور کے دیوبندی حلقۂ فکر کی طرف منسوب جمود و تشدد اور انتہاء پسندی اور

دُشنام طرازی کا مزاج رکھنے والے بعض حضرات کے طرزِ عمل کو ملاحظہ فرمائیں، تو اس کے نتیجہ میں افراط وتفریط کے مابین اصل اور حقیقی معتدل ومتوسع دیوبندی فکر واہلِ دیوبند کے طرزِ عمل کو پہچاننا مشکل نہ ہوگا۔

پس مسلکِ دیوبند کے مطابق اہلُ السنۃ والجماعۃ کے مفہوم میں اہلِ حق سلسلہ سے وابستہ حنفیہ کے علاوہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ سب داخل ہیں، اور اس میں جس طرح تقلیدِ شخصی وغیر شخصی کرنے والے عوام داخل ہیں، اسی طرح اجتہاد وتحقیق کے درجہ پر فائز وہ اہلِ علم واہلِ تفقہ بھی داخل ہیں، جن میں اجتہادی شان وصلاحیت پائی جاتی ہے، اگرچہ وہ جزوی نوعیت کی کیوں نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اکابرِ دیوبند میں ایسے متعدد اصحابِ علم واصحابِ فقہ گزرے ہیں، اور اب بھی بحمداللہ تعالیٰ پائے جاتے ہیں، اور آئندہ بھی ان شاءاللہ تعالیٰ آتے رہیں گے کہ جو تحقیق واجتہاد کے اعتبار سے جزوی مجتہد، متبحر فی المذہب اور اصحابِ ترجیح وتخریج، یا ان سے کم و بیش درجات کے حامل ہیں، اسی وجہ سے انہوں نے متعدد مسائل میں دلائل، یا حالات کے پیشِ نظر حنفیہ کے مرجوح، یا غیر حنفیہ کے اقوال کو راجح، یا مفتی بہٖ قرار دیا ہے، جن میں حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی اور حضرت کشمیری رحمہم اللہ وغیرہ اور ان کے بعد کے متعدد اصحابِ علم وفقہ داخل ہیں۔

نیز دارالعلوم دیوبند اور اس کے نہج پر قائم دنیا بھر کے متعدد مدارس وجامعات میں غیر حنفی، مثلاً شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ مسالک سے وابستہ طلبۂ کرام بھی تعلیم حاصل کرتے اور فراغت پاتے ہیں، جن کو ان جامعات ومدارس سے اسناد بھی جاری کی جاتی ہیں، اور ان کی تعداد کوئی کم نہیں ہے۔

اور ہمارے نزدیک جس طرح تقلیدِ شخصی کو واجب قرار دینے والا طبقہ اس مسلک میں داخل ہے، اسی طرح مطلق تقلید کے وجوب اور تقلیدِ شخصی کے عدمِ وجوب اور مجتہد کے لیے اجتہاد وتحقیق کے وجوب کے قائلین بھی اس میں داخل ہیں، کیونکہ یہ سب اہلِ حق کے اصولوں سے

وابستہ ہیں، البتہ جزوی الوان کا فرق ہے، مگر اس سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، جس کی تفصیل اپنے مقام پر آگے آتی ہے۔

دارُ العلوم و مظاہرُ العلوم، شاہ ولی اللہ کی طرف منسوب

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انہیں (یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے سلسلے) کے فیوضِ غیر متناہیہ، ہندوستان اور بیرونِ ہند کے مسلمانوں کے لیے آج مشعلِ ہدایت اور رہنمائے طریقت ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارسِ دینیہٗ ہندوستان انہیں کے انوار کے چراغ ہیں، ان کے کمالاتِ متنوعہ کے اظہار کے لیے دفاتر کی ضرورت ہے (ماہنامہ ''الفرقان'' بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر، مرتبہ: مولانا محمد منظور نعمانی، جلد ۷، شمارہ نمبر ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، بابت رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ، صفحہ ۱۲)

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ دیوبند اور مظاہر العلوم کے مدارس کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی دعوتِ فکر پر رکھی گئی، چنانچہ وہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہوئی کہ عین تنزل اور سقوط کے آغاز میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وجود نے مسلمانوں کی اصلاح و دعوت کا ایک نیا نظام مرتب کر دیا تھا۔ اور وہ ''رجوع الی دین السلف الصالح'' ہے۔ اس دعوت نے ہندوستان میں فروغ حاصل کیا، اور گو سیاسی حیثیت سے وہ ناکام رہا، تاہم نظری و مذہبی و علمی حیثیت سے اس کی جڑیں مضبوط بنیادوں پر قائم رہیں، جن کو ہندوستان کا سیاسی انقلاب بھی اپنی جگہ سے ہلا نہ سکا۔ اس سیاسی انقلاب

کے بعد گو اس دعوت کے ارکان ہندوستان کی مختلف اسلامی ریاستوں کو، یا ہندوستان سے باہر حجاز کو ہجرت کر گئے، مگر چند باہمتوں نے اسی نظری و مذہبی وعلمی نظریوں کی دعوت، اشاعت اور تعلیم کی غرض سے دیوبند اور سہارن پور میں اسلام کی مذہبی درسگاہوں کی بنیاد رکھی، اور ان کے ذریعہ سے افغانستان سے حجاز تک اس تحریک کو پھیلا دیا۔ اس تحریک کا اولین اصول یہ تھا کہ اسلام کو بدعات سے پاک کر کے علم وعمل میں سلفِ صالحین کی راہ پر چلنے کی دعوت مسلمانوں کو دی جائے، اور مسائلِ فقہیہ میں فقہائے محدثین کے طرز کو اختیار کیا جائے۔

لوگوں نے اس کو بھی مختلف فیہ مسئلہ بنا رکھا ہے کہ وہ (یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب) فقہ میں کیا تھے؟ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے خود اپنے سوانح الجزء اللطیف کے آخر میں اپنے کو خود ہی بتا دیا ہے کہ وہ کیا تھے؟ فرماتے ہیں:

وبعد ملاحظہ کتبِ مذاہبِ اربعہ واصولِ فقہ ایشاں واحادیثے کہ متمسک ایشاں است قرار داد خاطر بمدد نور غیبی روش فقہاء محدثین افتاد (یعنی چاروں فقہاء کے مذاہب اور ان کے اصولِ فقہ کی کتابیں، اور جن احادیث سے وہ استدلال کرتے ہیں، ان کو دیکھنے کے بعد اپنی بصیرت کی روشنی میں دل فقہائے محدثین کے طرزِ عمل پر مطمئن ہوا) (مولانا عبیدُ اللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکرِ ولیُ اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ، صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

اس سے معلوم ہوا کہ دیوبند اور سہارنپور کے مدارس ودرسگاہوں کی بنیادیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب رحمہ اللہ کے طرزِ فکر پر قائم کی گئیں، یہی بات حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے بھی تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔

اور حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے طرزِ فکر میں فقہی مسائل کے اندر فقہائے

www.idaraghufran.org

محدثین کے طرزِ عمل کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فقہائے محدثین کے طرزِ عمل کی مزید توضیح وتشریح آگے آتی ہے۔

مولانا گنگوہی کی شاہ ولی اللہ سے نسبت وعقیدت

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بندہ خاندانِ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب میں بیعت ہے، اور اسی خاندان کا شاگرد ہے۔ ان کے عقائد کو حق اور تحقیقات کو صحیح جانتا ہے، الا ماشاء اللہ، کوئی امر جو بمقتضائے بشریتِ خاصہ لازمہ انسان ہے، صادر ہوگیا ہو (تألیفاتِ رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ، مکمل مبوب، ص۲۰۲، ۲۰۳، کتاب الاخلاق والتصوف، بعنوان ''ملفوظات'' مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، سنِ اشاعت بارِ دوم: ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۲ء)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ایک سوال وجواب اس طرح ہے:

سوال:......**مقالة الوصية فى النصيحة والوصية مؤلفة مولانا شاه ولى الله صاحب محدث دهلوى عليه الرحمة .**

اول وصیت ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب وسنت در اعتقاد وعمل و پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن و اگر طاقت خواندن ندارد ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن و در عقائد مذہب قدمائے اہل سنت اختیار کردن واز تفصیل وتفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردند اعراض نمودن و بہ تشکیکات خامِ معقولیان التفات نہ کردن۔ و در فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میاں فقہ وحدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در خیر قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند و ادن امت راہیچ وقت از عرض مجتہدات

بر کتاب و سنت استغناء حاصل نیست وسخن مقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمے را دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشیندن و بدیشاں التفات نکردن قربتِ خدا جستن بدوری اینان ۔فقط۔ ؎۱

اور وصیت قول الجمیل مؤلفہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ میں ہے:

ومنها ان لا يتكلم فى ترجيح مذهب الفقهاء بعضها على بعض بل يضعها كلها على القبول بجملة ويتبع منها ما وافق صريح السنة ومعروفها فان كان القولان كلاهما مخرجين اتبع ما عليه الاكثرون فان كانا سواء فهو بالخيار ويجعل المذاهب كلها كمذهب واحد من غير تعصب . ؎۲

کیا یہ دونوں کلام صحیح ہیں؟

جواب:...... ہر دو وصیت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حق ہیں، جملہ اہلِ

؎۱ ترجمہ: اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد، اور عمل دونوں میں کتاب وسنت کو مضبوط پکڑیں، اور ہر دو کے اہتمام وتدبیر میں برابر مشغول رہیں، روزانہ ان دونوں میں سے کچھ نہ کچھ پڑھا جائے، اور اگر اس کے پڑھنے کی استطاعت نہ ہو، تو ان کے ایک صفحے کا ترجمہ سنا جائے، عقائد میں قدمائے اہلِ سنت کا مذہب اختیار کریں، اس سلسلہ میں جن چیزوں کی تفصیل وتفتیش سلف نے نہیں کی، وہ بھی اس کی تفتیش نہ کریں، خام وناپختہ عقل پرستوں سے اعراض کریں، اور ان کی تشکیک پیدا کرنے والی باتوں کی طرف ملتفت نہ ہوں، اور فروعی مسائل میں، علمائے کبار محدثین کی، جو کہ فقہ وحدیث دونوں کے جامع ہیں، پیروی کریں، اور فقہ کی جزئیات وتفریعات کو ہمیشہ کتاب وسنت کے روبرو پیش کریں، جو اِن کے موافق ہو، اسے قبول کریں، اور جو اِن کے موافق نہ ہو، اسے مسترد کردیں، امت کے لیے کوئی بھی ایسا زمانہ نہیں، جس میں وہ اجتہادی مسائل کو کتاب وسنت پر پیش کرنے سے مستغنی ہو سکے، اور خشک مزاج (متقشفہ) فقہاء کی بات، جنہوں نے کہ ایک مخصوص عالم کی تقلید اختیار کر کے سنت کے تتبع کو ترک کردیا ہو، نہ سنیں، اور نہ ان کی طرف التفات کریں، اور ان سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کا قرب چاہیں (ترجمہ ختم)

؎۲ ترجمہ: عالمِ ربانی کے آداب میں سے یہ ہے کہ فقہاء کے مختلف مذاہب میں بعض کو، بعض پر ترجیح دینے میں کلام نہ کرے، بلکہ مجموعی طور پر اِن تمام فقہی مسالک کو قبولیت کے درجے پر رکھے، البتہ خود اس پر عمل کرے، جو صریح اور مشہور حدیث کے مطابق ہو، اگر فقہاء کے دونوں اقوال، احادیث سے استنباط واستدلال کے لحاظ سے برابر ہوں، تو اسے اختیار ہے کہ وہ جس قول پر چاہے عمل کرے، البتہ وہ تمام مذاہب کو کسی تعصب کے بغیر ایک ہی مذہب کی طرح سمجھے (ترجمہ ختم)

حق یہی فرماتے ہیں، بندہ کا بھی یہی عقیدہ اور عمل ہے۔

اسی (ولی اللّٰہی) خاندان سے مستفید و مطمئن ہوا، اس کے خلاف کا خیال مت کرو۔ فقط (تألیفاتِ رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ مکمل مبوب، ص ۲۰۸ و ۲۰۹، باب: تقلید و اجتہاد کے مسائل، بعنوان: وصیت شاہ ولی اللہ صاحب، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، سنِ اشاعت بارِ دوم: ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۲ء)

حضرت گنگوہی نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی وصایا کو حق فرمادیا، اور جملہ اہلِ حق کا یہی قول ہونا بھی واضح فرمادیا، اور اپنا عقیدہ اور عمل بھی اس کے مطابق ہونا بیان فرمادیا، اور اسی خاندان سے مستفید و مطمئن ہونے کو منقح فرمادیا، جس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب کے مذکورہ طرزِ عمل کو اپنانے والے پر تفرد کا الزام لگانا، بلکہ اس قسم کے افکار کو حضرت شاہ صاحب کی ذاتی رائے قرار دینا، اور دیوبندی مکتبِ فکر کے خلاف سمجھنا، ناواقفیت، یا عصبیت پر ہی مبنی کہلائے گا۔

سید سلیمان ندوی کی شاہ ولی اللہ سے نسبت وعقیدت

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کا تعلق ''ندوۃ العلماء'' سے تھا، جس کی بنیاد اصلاحِ نصاب اور مسلمانوں کے باہمی نزاع، بالخصوص فروعی و مجتہد فیہ اُمور میں تشدد وغلو اور باہم تحاسد وتباغض کو ختم کرنے جیسے امور کے لیے رکھی گئی تھی۔ [1]

[1] چنانچہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مولانا محمد علی نے جن کو عیسائی مشنریوں سے مناظرہ کرنے کا اکثر اتفاق ہوا تھا، اور جو ایک تبلیغی ومناظرانہ رسالہ ''تحفۂ محمدیہ'' نکالتے تھے، اور ایک حساس اور مطالعہ کرنے والا دماغ رکھتے تھے، یہ محسوس کیا کہ یورپ کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لیے اور نئے طرز کے داعی اور مذہب کے ترجمان پیدا کرنے کے لیے قدیم طریقۂ تعلیم، قدیم علمِ کلام اور قدیم نصابِ تعلیم کافی اور مفید نہیں، اس کے لیے ایک جامع اور اصلاح شدہ نصابِ تعلیم ضروری ہے، جس میں دوراز کار قدیم نظری علوم میں ترمیم واختصار اور جدید مفید علوم کا اضافہ ہو۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ سے قائم کیا تھا، جن سے حضرت موصوف کو خلافت بھی حاصل ہوئی۔

ربیع الاول 1438 ہجری کے اوائل میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند ڈاکٹر سید سلمان ندوی صاحب زید مجدہٗ (افریقہ سے) اسلام آباد تشریف لائے ہوئے تھے، ان سے بندہ محمد رضوان کو ملاقات و زیارت کا اشتیاق ہوا، جس کے بعد ان سے ادارہ غفران میں تشریف آوری کی درخواست کی گئی، جس کو انہوں نے الحمدللہ قبول فرمالیا، وہ مورخہ 6 ربیع الاول 1438 ہجری، بمطابق 6 دسمبر 2016 عیسوی بروز منگل صبح گیارہ بجے ادارہ غفران میں تشریف لائے۔

ادارہ میں چونکہ ان کی غیر رسمی تشریف آوری تھی، ادارہ کے چند احباب کی ان کے ساتھ بے تکلفانہ مجالست ہوئی، مجالست کے دوران، اُن سے مفید باتیں سننے کا موقع ملا، دورانِ گفتگو انہوں نے موجودہ دور میں فقہی جمود سے نکلنے اور فقہ، تقلید و اجتہاد میں توسع و اعتدال کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یہ وہ دور تھا کہ مسلمانوں کے مختلف فقہی گروہوں (حنفی، شافعی، اہلِ حدیث) میں مناظرہ کا بازار گرم تھا، جس کے نتیجہ میں فسادات، طویل مقدمہ بازی اور مسلمانوں کی ہوا خیزی ہو رہی تھی، انہوں نے محسوس کیا کہ جب تک علماء و فضلاءِ مدارس میں رواداری، وسعتِ قلبی اور جزئیات و فقہی مسائل میں توسع نہ پیدا ہو، اس صورتِ حال کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

انہیں دو مقاصد ''اصلاحِ نصاب'' اور ''رفعِ نزاعِ باہمی'' کے لیے انہوں نے اولاً 1310 ہجری میں ''ندوۃ العلماء'' کے نام سے ایک انجمن قائم کی، پھر ایک نمونہ کی درس گاہ کی ضرورت محسوس کر کے 1312 ہجری میں ''اودھ'' کے علمی و تہذیبی مرکز ''لکھنؤ'' میں ''دار العلوم ندوۃ العلماء'' کی بنیاد رکھی۔

رفتہ رفتہ ہندوستان کے اکثر اصلاح پسند اور دردمند علماء و عمائد جدید، سربرآوردہ تعلیم یافتہ حضرات اور ملت کے مختلف مکاتبِ خیال کے موقر نمائندوں نے اس کی دعوت کو قبول کیا، اور اس کی مجلسِ انتظامی میں بحیثیتِ رکن، یا اس کے دائرۂ عمل میں بحیثیت کارکن شریک ہوئے (ہندوستانی مسلمان، صفحہ ۱۳۸، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

بروئے کار لانے کی ضرورت کے تناظر میں اپنے والد ماجد مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کے ایک مکتوب کا ذکر فرمایا، جوانہوں نے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں اصلاحی تعلق کے دوران تحریر کیا تھا۔

اس مکتوب میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں اپنے مزاج اور فکر کے متعلق یہ تحریر کیا تھا کہ:

''عقائد میں امام مالک کے اس اصول کا پیرو ہوں "الاستویٰ معلوم و الكيفية مجهول والايمان به واجب والسؤال عنه بدعة"......

فقہ میں متاخرین کا متبع نہیں، مگر اہلِ حدیث بالمعنیٰ المتعارف نہیں ہوں، ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا دل سے ادب کرتا ہوں اور کسی رائے میں کلیۃً ان سے عدول، حق نہیں سمجھتا......

فرائض کا پابند ہوں، بدعات سے نفور ہوں، کبھی کبھی ذوقِ سجود کی لذت بھی پاتا ہوں، امامِ ربانی مجددالفِ ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ سے عقیدتِ تامّہ رکھتا ہوں۔

خرافات وطاماتِ صوفیہ کا دل سے منکر ہوں''

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ مکتوب کے جواب میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ:

''میرے معروضات کو قولِ فیصل، خیال نہ فرمایا جائے، بلکہ ''خذ ما صفا، ودع ما كدر'' پر عمل رہے، اور اس انتخاب سے مجھ کو مطلع فرمانا بھی ضروری نہیں۔

اب بے تکلفی سے جواب عرض کرتا ہوں:

مجھ کو اس سے خاص مسرت ہوئی کہ میرا معروضہ، کسی درجہ میں موجبِ سکینت ہوا،

www.idaraghufran.org

اور بالیقین یہ اثر میرے عریضہ کا نہیں، جناب کے حسنِ ظن کا ہے، اور ''**عادۃُ اللّٰہ**'' یونہی جاری ہے کہ ''حسنِ ظن کے محل سے عطایا تقسیم فرماتے ہیں'' اس حسنِ ظن سے مجھ کو بھی ان شاء اللہ اپنے نفع کی امید ہے ''**فصدق اللّٰہ رجائنا جمیعا**'' اور یہی توقع، نفع کی حسنِ ظن کی بناء پر سبب ہے، میری جرأتِ مکاتبت کا، ورنہ: ع

''صلاحِ کار کجا، ومنِ خراب کجا''

میں دل سے دعاء کی خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھتا ہوں، اور اس کا طالب بھی ہوں۔ جناب نے جو بے تکلف اپنا مسلک تحریر فرمادیا، اس سے میری عقیدت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوگیا، دو وجہ سے، ایک صدق وخلوص پر دال ہونے کی وجہ سے۔ دوسرے خود مسلک کے پاکیزہ ہونے سے، تمام اہلِ حق کا یہی مسلک ہے، کسی جزوی تفاوت سے حقیقت نہیں بدلتی، صرف رنگ بدلتا ہے۔

چنانچہ اس احقر پر دو جگہ دوسرا رنگ ہے۔

ایک یہ کہ میں بوجہ اپنی قلتِ روایت و درایت کے متاخرین کا بھی متبع ہوں، دوسرے یہ کہ صوفیہ کے احوال واقوال کو محتملُ التاویل سمجھتا ہوں ''**الا من تحقق بطلانهم بالقطع**''......

میں نے بھی اپنا کچا چٹھا اس لیے عرض کردیا کہ آپ کو ''**خذ ما صفا، ودع ما کدر**'' پر عمل فرمانے میں سہولت ہو، دوسرے طبعًا یہ چاہتا ہوں کہ اپنے احباب سے اپنا کوئی راز مکتوم نہ رہے، میری رائے میں اس سے تعلق بڑھتا ہے، اور یہ خاص نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کی کہ دو مسلمانوں میں خاص اور خالص تعلق رہے''

(تذکرۂ سلیمان، مصنفہ: غلام محمد، بی، اے، عثمانیہ، بابِ سوم، صفحہ ۸۹ تا صفحہ ۹۲، مکتوب سلیمان نمبر 2 اور جوابِ اشرف، مطبوعہ: ادارہ مجلسِ علمی کراچی، تاریخ طبع 1960ء)

ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے کتنی وسعتِ ظرفی کے ساتھ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کے فقہ میں متاخرین کے متبع نہ ہونے اور مجدد الف ثانی، نیز حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے سلسلہ سے عقیدتِ تامہ رکھنے وغیرہ کو پاکیزہ مسلک، اور تمام اہلِ حق کا مسلک اور ان کے مقابلہ میں اپنے آپ کے متاخرین کا متبع ہونے کو جزوی تفاوت ہونے اور اس کی وجہ سے حقیقت نہ بدلنے، بلکہ رنگ بدلنے سے تعبیر فرمایا ہے، اور حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے اس طرح کا مسلک و ذوق ظاہر ہونے پر ان کے متعلق اپنی عقیدت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہونے کا حکم لگایا ہے۔

دراصل فقہ واجتہاد اور فقہی ومجتہد فیہ امور میں توسع واعتدال یہی ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی بھی اس سلسلہ میں فکر یہی ہے، جن سے عقیدتِ تامہ رکھنے کا حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مذکورہ مکتوب میں ذکر فرمایا ہے۔

اور متاخرین کا متبع نہ ہونے میں آج کے زمانہ میں پائے جانے والے ایسے کئی علمی وفقہی امور داخل ہیں، جن کو آج بعض حلقوں نے اپنے مسلک ومکتب کا اصلِ اصیل اور ان سے انحراف کو سخت گمراہی تصور کرلیا ہے۔

اگر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک فقہیات میں متاخرین کا متبع نہ ہونے جیسی چیزوں کا مسئلہ حق و باطل کا اختلاف ہوتا، یا مسلکِ دیوبند کی بنیاد کے خلاف ہوتا، تو مذکورہ جواب میں کیوں تصریح نہ فرماتے، اور اس کے خلاف کیوں تحریر فرماتے۔

لیکن آج کے دور میں اس سلسلہ میں غلو بہت بڑھ گیا ہے، چنانچہ آج کوئی حنفی، متاخرین فقہاء ومشائخ اور اکابر میں سے کسی قول کی پیروی نہ کرے، یا کسی شرط کو قبول نہ کرے، تو اسے حنفی تسلیم کرنے میں بخل سے کام لیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلکِ دیوبند کے اندر بنیادی طور پر فقہ واجتہاد کے سلسلہ میں بڑا توسع

واعتدال اور فقہی و مجتہد فیہ امور میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے، وہ الگ بات ہے کہ کون سے افراد و شخصیات، اس طرزِ عمل کو اختیار کرتے ہیں، اور کون سے اختیار نہیں کرتے۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ نے 1362ھ (1943ء) کو ایک تحریر ''رجوع واعتراف'' کے عنوان سے جنوری 1943ء کے اپنے ماہنامہ ''معارف'' میں شائع فرمائی، جس میں انہوں نے خلود فی النار اور معراج کے جسدِ عنصری کے ساتھ ہونے کے مسائل میں جمہور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے موقف کی طرف رجوع کا اعلان بھی فرمایا۔

اور یہ تحریر انہوں نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال کی، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کی اس تحریر کا ایک اقتباس ذیل میں ملاحظہ فرمایئے:

''مذہبی مسائل کی تحقیقات میں میرا یہ عمل رہا ہے کہ عقائد میں سلفِ صالحین رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک سے علیٰحدگی نہ ہو، البتہ فقہیات میں کسی ایک مجتہد کی تقلید بتمامہٖ نہیں ہوسکی، بلکہ اپنی بساط بھر دلائل کی تنقید کے بعد فقہاء کے کسی ایک مسلک کو ترجیح دی ہے۔

لیکن کبھی کوئی رائے ایسی اختیار نہیں کی، جس کی تائید ائمۂ حق میں سے کسی ایک نے بھی نہ کی، خصوصیت کے ساتھ مسائل کی تشریح میں حافظ ابنِ تیمیہ، حافظ ابنِ قیم اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی تحقیقات پر اکثر اعتماد کیا ہے

(تذکرۂ سلیمان، صفحہ 146، 147، بعنوان، سیدُ العلماء کا اعلانِ رجوع، اور حکیم الامت کی تبریک وتحسین، مصنفہ غلام محمد، بی، اے، عثمانیہ، مطبوعہ ادارہ مجلس علمی کراچی، تاریخ طبع 1960ء)

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کی اس تحریر کی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے زبردست تحسین وتبریک فرمائی، اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ

نے اپنی عادت ومزاج کے خلاف پہلی اور آخری مرتبہ اپنے خلیفۂ ارشد کی مدح میں چند اشعار لکھ کر بھیجے۔

چنانچہ غلام محمد بی اے ''شیخ کی تبریک وتحسین'' کے عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ کے قلبِ مبارک پر اس تحریر کا بڑا اثر ہوا، اپنی عادت ومزاج کے خلاف پہلی وآخری مرتبہ اپنے خلیفۂ ارشد کی مدح میں چند اشعار لکھ کر بھیجے''

(تذکرۂ سلیمان، صفحہ 149، بعنوان، سیدُ العلماء کا اعلانِ رجوع، اور حکیم الامت کی تبریک وتحسین، مطبوعہ ادارہ مجلس علمی کراچی، تاریخِ طبع 1960ء)

جس کی تفصیل مذکورہ کتاب میں ساتھ ہی درج ہے۔

سید سلیمان ندوی، جو حکیم الامت کے خلیفہ تھے، انہوں نے فقہیات میں کسی ایک مجتہد کی تقلید بتمامہٖ، یعنی تقلیدِ شخصی نہ ہونے اور دلائل کی تنقید کے بعد فقہاء میں سے کسی ایک کے مسلک کو ترجیح دینے اور مسائل کی تشریح میں حافظ ابنِ تیمیہ، حافظ ابنِ قیم اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ کی تحقیقات پر اکثر اعتماد کرنے کا اظہار کیا۔

اور ان کے عظیم شیخ اور حکیم الامت اور مسلکِ حنفی واہلِ دیوبند کے پیشوا، عالمِ جبال نے اپنے مرید کے اس طرزِ عمل پر تنبیہ، یا تردید کرنے کے بجائے تبریک وتحسین فرمائی۔

اور حافظ ابنِ تیمیہ وابنِ قیم اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ کی تشریحات سے اصحابِ علم بخوبی واقف ہیں۔

فقہ واجتہاد میں توسع واعتدال اور فقہی وسعتِ ظرفی، بلکہ تفقہ فی الدین، اسی کو کہا جاتا ہے، ایک طرف سلسلۂ دیوبند کا عظیم فقیہ وشیخ ہے، اور دوسری طرف ندوہ کا ایک مؤرخ ومفکر مرید ہے، اور دونوں کے رنگ میں متاخرین فقہاء کے متبع ہونے، نہ ہونے، بلکہ فقہیات میں کسی ایک مجتہد کی تقلید بتمامہٖ ہونے، نہ ہونے اور تنقید کے بعد فقہاء میں سے کسی ایک کے مسلک کو ترجیح دینے وغیرہ جیسا فرق ہے، مگر یہ فرق نہ تو پیری مریدی اور اصلاح کے سلسلہ میں مخل

واقع ہوتا اور نہ ہی اس کو حق و باطل کا اختلاف تصور کیا جاتا، بلکہ ان دونوں قسم کے الوان کو تمام اہلِ حق کے پاکیزہ مسلک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کی یہی شخصیت ہے کہ ان کو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی طرف سے خلافت واجازت سے بھی سرفراز فرمایا۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کی تالیفات اور مکتوبات وحالات، ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فقہی ذوق میں کافی توسع پایا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں وہ بعض حلقوں میں مروجہ فقہی جمود وتنگ نظری، یا انتہا پسندی کے پیروکار نہیں ہیں، چہ جائیکہ فقہی تعصب کا شکار ہوں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے متعدد مضامین میں تقلید واجتہاد کے سلسلہ میں توسع واعتدال کو اختیار کرنے اور فقہی امور میں جمود وتشدد اور انتہا پسندی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے، اور فقہی جمود وتشدد اور اس سلسلہ میں انتہا پسندی کے نقصانات پر روشنی ڈالی، اور تنبیہ فرمائی ہے۔

دراصل حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمہ اللہ کا یہ فقہی ذوق شاہ ولی اللہ صاحب سے ماخوذ، اور ان کے ذوق کے مطابق ہے۔

اگر اہلِ دیوبند کے ساتھ، اہلِ ندوہ بھی شاہ ولی اللہ صاحب کی فکر میں شریک ہیں، جیسا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی بعض تحریرات، اور دیگر اہلِ ندوہ کی بھی بعض تصریحات سے ثابت ہوتا ہے، تو ہماری نظر میں ''اہلِ دیوبند، واہلِ ندوہ'' دونوں مکاتبِ فکر کو ایک دوسرے کے ہم آہنگ ہو کر دین کی تبلیغ وتعلیم کے کام کو آگے بڑھانے، اور ایک دوسرے کی جزوی خامیوں کو نظر انداز کر کے، ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی ضرورت ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب کی فکر میں اس کا پورا سامان موجود ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے شیخ، یا استاذ، یا اکابر سے کسی فقہی وفروعی مسئلہ میں اختلاف، علمی وفقہی دنیا میں کوئی معیوب اور بُری چیز نہیں، اگرچہ آج کل اس کو بہت معیوب

سمجھا جانے لگا ہے۔

کسی شرعی وفقہی مسئلہ میں اپنے اکابر ومشائخ سے نفسِ اختلاف، ان اکابر کی عظمت وعقیدت کے بلکہ ان سے محبت کے منافی اور خلاف بھی نہیں، جبکہ دلائل اور نیک نیتی پر مبنی ہو۔

اسی وجہ سے ہر زمانہ کے اندر بعد میں آنے والے فقہاء وعلماء کا اپنے سے پہلے کے فقہاء وعلماء سے فقہی واجتہادی مسائل میں اختلاف ہوتا رہا ہے، یہاں تک کہ بہت سے تلامذہ کا بھی اپنے اساتذہ سے اختلاف ہوا ہے۔

اس سلسلہ میں چند اکابرِ دیوبند کے حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> مسائل بعض قطعی ہوتے ہیں، ان میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی، بعضے اجتہادی وظنی ہوتے ہیں، ان میں سلف سے خلف تک شاگرد نے استاد کے ساتھ، مرید نے پیر کے ساتھ، قلیل جماعت نے کثیر جماعت کے ساتھ، واحد نے متعدد کے ساتھ اختلاف کیا ہے، اور علمائے امت نے اس پر نکیر نہیں کی، اور نہ ایک نے دوسرے کو ضال اور عاصی کہا، نہ کسی نے دوسرے کو اپنے ساتھ متفق ہونے پر مجبور کیا (تحفۃ العلماء، جلد۲، صفحہ ۹۷، ترتیب: مولانا مفتی محمد زید صاحب، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

ایک فقہی مسئلہ میں حضرت تھانوی اور ان کے مرید، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہما اللہ کا اختلاف ہوا، جس کی تفصیل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ایک مستقل رسالہ ''پیر و مرید کا فقہی اختلاف'' میں ذکر فرمادی ہے۔

اس رسالہ میں ایک مقام پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''نہ حضرت (تھانوی) کی رائے بدلی، نہ میری، حضرت نے فرمایا کہ میں تمہارے جواب کو اصول وقواعد کی رُو سے غلط نہیں کہتا، مگر اس پر میرا شرح صدر نہیں، اس لیے اختیار نہیں کرتا۔

www.idaraghufran.org

احقر نے بھی عرض کیا کہ حضرت کی تحقیق کے بعد غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ میری ہی رائے غلط ہوگی، مگر کیا عرض کروں کہ اس کا غلط ہونا مجھ پر واضح نہیں۔

اس پر حضرت نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اچھا بس! آپ اپنی رائے اور فتویٰ پر رہو، میں اپنی رائے اور فتویٰ پر ہوں۔ مستفتی کو ہم اس کی اطلاع کر دیں گے کہ اس مسئلہ میں ہم اور اِن میں اختلاف ہے، اور ہم کسی جانب کو بیقین غلط بھی نہیں کہہ سکتے، اس لیے تمہیں اختیار ہے کہ جس پر چاہو، عمل کرلو۔

عجب اتفاق ہے کہ (اس مسئلہ کے) مستفتی جو حضرت کے مرید اور خلیفۂ خاص تھے، ان کو جب اختیار ملا، تو انہوں نے عرض کیا کہ اگر مجھے اختیار ہے، تو بندہ محمد شفیع کے فتویٰ کو اختیار کرتا ہے، حضرت نے بڑی خوشی کے ساتھ اس کو قبول کیا۔

یہ واقعہ حضرت حکیم الامت کی وفات سے چھ سال پہلے یعنی 1356 ہجری کا ہے‘‘

(جواہر الفقہ، ج۲ص۱۶۳، رسالہ’’پیرومرشد کا فقہی اختلاف‘‘طبع جدید: 2010ء، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی)

مذکورہ مسئلہ میں بھی پیرومرید، شیخ و مصلح اور اس کے خلیفہ کا فقہی اختلاف ہوا، جس میں شیخ نے اپنے مرید وخلیفہ کو اپنی رائے پر قائم رہنے کا اختیار دیا، اور اسی کے ساتھ اپنے دوسرے مرید اور خلیفۂ خاص کو اپنے بجائے اپنے مرید اور خلیفہ کے فتویٰ پر عمل کرنے کا خوشی کے ساتھ اختیار دیا، جو آج کے دور کے حضرات کے لیے درسِ عبرت ہے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قلب میں اکابر کی محبت وعظمت اور ان کے علمی وعملی بلند مقام کی وقعت کے باوجود مسائلِ شرعیہ میں دلائل کے پیشِ نظر ان سے اختلافِ رائے واجب ہے (رسالہ ’’صبح صادق‘‘، مشمولہ احسن الفتاویٰ، جلد۲صفحہ ۱۹۰، کتاب الصلاۃ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، طبع یازدہم: ۱۴۲۵ھ)

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے رمضان میں نفل کی جماعت پر ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا، جس میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ کے موقف سے اختلاف فرمایا، اور اس فتویٰ پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی تصویب فرمائی، اس فتوے میں چونکہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ کے موقف سے اختلاف کیا گیا تھا، اس لیے اپنے مضمون کے آخر میں حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے تحریر فرمایا کہ:

الحمدللہ! جماعتِ دیوبند کی خصوصیت اور انہی بزرگوں کی تعلیم وتلقین نے ہمیں یہ صراطِ مستقیم دکھائی کہ مسائلِ شرعیہ میں آزادانہ اظہارِ رائے ترکِ ادب نہیں، بلکہ شاگردوں کا اظہارِ خیال انہی بزرگوں کا معنوی فیض ہوتا ہے، اس لیے بنامِ خدا تعالیٰ جو کچھ اس میں تحقیق سے مجھ پر واضح ہوا، وہ لکھ دیا، اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ بزرگوں کی شان میں ادنیٰ ترکِ ادب سے بھی مجھے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

(فقہی مقالات، جلد۲، صفحہ ۵۵، ۵۶، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، اشاعت: جولائی 1996ء)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ نے بھی جن مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف کیا، وہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا علمی فیض تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بہت سے تلامذہ تھے، جن میں حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد، حضرت امام زفر اور حضرت امام حسن رحمہم اللہ بھی داخل ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان سب حضرات کے استاذ، مربی اور اکابر میں سے تھے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان شاگردوں، مریدوں اور اصاغر نے بہت سے مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف کیا، اور یہ اختلاف بھی مختلف نوعیّتوں کا ہے، اور مختلف ابواب سے متعلق ہے، اور اس طرح کے اختلاف کا آغاز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی زندگی میں ہی رونما ہو گیا تھا، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بھی اس کا علم تھا، اسی لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بعض مسائل میں اپنے شاگردوں کے

قول کی طرف رجوع بھی فرمایا، جو کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مخلص، صادق اور سچا مجتہد اور فقیہ ہونے کی علامت ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جو شخص جتنا بڑا مجتہد وفقیہ ہوتا ہے، اس کے رجوع کا تناسب بھی اسی حیثیت سے ہوتا ہے۔

اور آج کوئی عالمِ دین، اس طرح متعدد مرتبہ رجوع کرلے، تو اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے ، اور اپنے چھوٹے کے کسی قول کی طرف تو رجوع کا تصور نایاب ہی ہوتا جارہا ہے۔

بہرحال اپنے شاگردوں کی طرف سے اس قسم کے اختلافات سامنے آنے کے باوجود نہ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس طرزِ عمل کو اپنے شیخ واستاذ، بلکہ امام ومجتہد ہونے اور دوسروں کے اپنے شاگرد، یا مرید ہونے کے منافی سمجھا، اور نہ ہی عظمت ومحبت یا عقیدت کے خلاف قرار دیا، اور نہ ہی اس طرح کے اختلاف کی وجہ سے شاگردوں کے دلوں میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عظمت وعقیدت، یا محبت میں کمی واقع ہوئی، اور نہ ہی آج علمی وفقہی دنیا میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذکورہ شاگردوں، مریدوں اور عقیدت مندوں کے مذکورہ طرزِ عمل کو عقیدت وعظمت اور محبت، یا ادب کے خلاف سمجھا جاتا، بلکہ متعدد مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مقابلہ میں آپ کے بعض شاگردوں کے قول کو راجح اور مفتیٰ بہ قرار دیا جاتا ہے، اور اس طرح کے اختلاف وترجیح کے موقع پر یہ الزام بھی نہیں دیا جاتا کہ بڑوں کی نظر جہاں پہنچتی ہے، چھوٹوں کی وہاں نہیں پہنچ سکتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف واحترام کے سلسلہ میں مذہبِ اسلام اور خاص طور پر مسلکِ حنفیہ میں بڑا اعتدال ملحوظ رکھا گیا ہے، اور اس کی مثالیں سلف میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، اگرچہ آج بعض حضرات کا طرزِ عمل غلو پر مبنی ہے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ یہ دین کا معاملہ ہے، کوئی فتح وشکست اور پہلوانوں کی کُشتی کا اکھاڑہ نہیں، کوئی استاذ ہو، یا شاگرد، اور بڑا ہو، یا چھوٹا، سب دین کی مشترکہ خدمت کرتے ہیں، اگر کوئی کام چھوٹے سے ٹھیک طرح نہ ہوسکے، تو بڑا اس کی مدد کرتا ہے، اور بڑا ٹھیک طرح نہ

کر سکے، تو چھوٹا اس کی مدد کرتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ معصوم نہ تو بڑا ہے، اور نہ ہی چھوٹا، اس لیے آپس میں مل جل کر ہی دین کا کام آگے بڑھتا ہے۔

مگر آج ہم مذکورہ طرزِ عمل کے برعکس بعض اوقات دیکھتے ہیں کہ اکابر ومشائخ سے فقہی وعلمی اختلاف کو ان کی عظمت وعقیدت اور محبت، یا ادب کے منافی سمجھا جاتا ہے، اور ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے والے کو اکابر کا گستاخ، نافرمان اور نہ جانے کیا کچھ کہا جاتا ہے، کوئی چھوٹا اپنے اکابر سے دیانت دارانہ علمی، فقہی وفروعی واجتہادی اختلاف کرے، تو اس کو کہا جاتا ہے کہ بڑوں کی نظر جہاں پہنچتی ہے، وہاں چھوٹوں کی نظر ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔

جبکہ بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اکابر ومشائخ سے ذرا سا اختلاف کرکے اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں، اور اکابر کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھ کر ان کی شان میں بے ادبی وگستاخی کرنے لگتے ہیں، یہ سب افراط وتفریط پر مبنی صورتیں ہیں۔

اور اعتدال والی صورت وہی ہے، جو پہلے ذکر کی گئی، جس کی تائید اسلافِ امت اور فقہائے امت کے طرزِ عمل سے ہوتی ہے، ہمیں اسی طرزِ عمل کو اختیار کرنا چاہیے، اور بے اعتدالیوں، یا افراط وتفریط پر مبنی صورتوں سے بچنا چاہیے۔

واقعہ یہ ہے کہ جس قدر قرآن وسنت کی نصوص اور شریعت کے بنیادی احکام اور صحابۂ کرام ومتقدمین کے اصول وقواعد اور طرزِ عمل پر نظر ہوتی ہے، اور جتنا علم وسیع وعمیق ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے تفقہ فی الدین کی نعمت میں اضافہ ہوتا ہے، اتنی ہی زیادہ وسعتِ قلبی اور وسعتِ ظرفی اور توسع واعتدال پیدا ہوتا ہے، تنگ نظری، اور چھوٹے چھوٹے فروعی وفقہی اور مجتہَد فیہ مسائل میں اختلاف کو حق وباطل کا اختلاف سمجھ لینا، اور اس پر جمود وتشدد اختیار کرنا اور فقہ واجتہاد میں افراط وتفریط میں مبتلا ہونا، دراصل علمی وفقہی تنگی اور تفقہ فی الدین کی کمی اور بعض کتبِ فقہ وفتاویٰ، یا مخصوص فقہی اقوال وغیرہ تک نظر کے محدود ہونے کی علامت ہے۔

متعدد فقہائے کرام نے بھی اجتہاد اور تقلید وغیرہ کی بحث کے ضمن میں ان امور کی تشریح وتوضیح فرمائی ہے، جن کو اہلِ علم حضرات ملاحظہ فرما سکتے ہیں، بشرطیکہ مخصوص روایتی اقوال سے باہر نکل کر وسعتِ ظرفی کے ساتھ مطالعہ وملاحظہ فرمائیں، اور اپنی مخصوص ذہنیت کے اقوال کا انتخاب اور تاویل وغیرہ کر کے اپنی منشاء کا نتیجہ اخذ کرنے سے گریز فرمائیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے واضح فرمایا ہے کہ جس عالم ومفتی پر فقہ اور فتویٰ کا رنگ غالب ہوتا ہے، اس کی عادت جزئیات میں تشدد کی ہوتی ہے، اور جس پر حدیث کا رنگ غالب ہوتا ہے، اس کی عادت جزئیات میں کچھ توسع کی ہوتی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

> جس شخص پر فقہ اور فتویٰ کا رنگ غالب ہوتا ہے، اس کے فتویٰ کا رنگ اور ہوتا ہے کہ جزئیات میں تشدد کی عادت ہوتی ہے، اور جس پر حدیث کا رنگ غالب ہوتا ہے، اس کے فتویٰ کا رنگ اس سے مختلف ہوتا ہے کہ اس میں کچھ توسع ہوتا ہے
>
> (آدابِ افتاء واستفتاء، الباب الثانی: آداب المفتی، بعنوان ”فقیہ اور محدث کے فتوے میں فرق“ بحوالہ: مجالسِ حکیم الامت ص ۲۳۶، مشمولہ: تحفۃ العلماء، ج ۲ ص ۲۴۹، ناشر: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، سنِ طباعت: ۱۴۱۵ھ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی فکر ومزاج میں نِرے فقیہ کے مقابلہ میں تحقیق اور حدیث کا رنگ غالب ہے، جس کی توضیح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

> شاہ صاحب مقلدِ محض نہ تھے، بلکہ مقلدِ محقق تھے (وعظ ”غایۃ النجاح فی آیۃ النکاح“، صفحہ ۲۷، مطبوعہ: اشرف المطابع، تھانہ بھون)

اس لیے جس عالمِ دین کو خالص فقہی وفتاویٰ کی کتب کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت کو خالی الذہن ہو کر ملاحظہ کرنے کی توفیق حاصل ہوگی، اس میں وسعت لازماً ہوگی، الّا یہ کہ قرآن

وسنت کے مطالعہ کا مقصد ہی محض اپنی مرضی کے فقہی اقوال کے دلائل کو تلاش کرنا ہو، تو پھر معاملہ الگ ہے۔

آج حضرت تھانوی وحضرت ندوی کی مذکورہ مکاتبت کے برعکس فقہی جمود اور فقہ واجتہاد میں عدمِ توسع وعدمِ اعتدال میں مبتلا بعض علمی حلقوں میں تقلیدِ شخصی نہ ہونے اور دلائل کی تنقید کے بعد فقہاء میں سے کسی ایک کے مسلک کو ترجیح دینے کے جزوی تفاوت اور رنگ مختلف ہونے کی صورت میں شاید نہ صرف یہ کہ شیخ کی طرف سے حلقۂ ارادت سے بھی اخراج کی کوشش کی جائے، بلکہ اسی کے ساتھ اہلِ حق واہل السنۃ والجماعۃ کے سلسلہ سے بھی خروج کا حکم صادر کر دیا جائے، اور اس کو حق وباطل کا اختلاف قرار دے کر ایک دوسرے کے خلاف رسہ کشی کی جائے، اور عوام میں بھی تشویش پیدا کی جائے۔

کیونکہ نہ ان حضرات میں حضرت حکیم الامت، مفکرِ اسلام اور شیخ الاسلام اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب جیسی وسعتِ ظرفی پائی جاتی، اور نہ ہی وہ علمی شان دکھائی دیتی، اور نہ ہی صحیح تفقہ فی الدین کی نعمت نظر آتی، اور نہ ہی حق وباطل کے اختلاف اور فقہائے کرام کے فقہی وفروعی اور مجتہد فیہ امور میں اختلاف کے درمیان امتیاز کیا جاتا، اس پر سوائے افسوس کے کیا کہا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اعتدال کو اختیار کرنے اور اصلاح کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

www.idaraghufran.org

(پہلا باب)

شاہ ولی اللہ کا علمی و فقہی مقام و مرتبہ

شاہ ولی اللہ صاحب 4 شوال 1114ھ، بمطابق 21 فروری 1703ء کو طلوعِ آفتاب کے وقت موضع ''پھلت''، ضلع مظفر نگر، یو- پی، ہندوستان میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام شاہ عبدالرحیم دہلوی تھا، آپ کا آبائی علاقہ دہلی تھا، شاہ ولی اللہ صاحب نسبی اعتبار سے'' فاروقی'' اور وطنی لحاظ سے'' دہلوی'' شمار ہوتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز ہیں، اور برِ صغیر کی معروف شخصیت ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے دوسرے صاحبزادے شاہ رفیع الدین دہلوی ہیں، جن کا بڑا کارنامہ اردو زبان میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ ہے۔

شاہ ولی اللہ کے تیسرے صاحبزادے شاہ عبدالقادر دہلوی ہیں، جن کا بڑا کارنامہ قرآن مجید کی اردو تفسیر ہے جو'' موضح القرآن'' کے نام سے مشہور ہے۔

شاہ ولی اللہ کے چوتھے صاحبزادے شاہ عبدالغنی دہلوی ہیں، ان کا شمار بھی اپنے زمانے کے بڑے علماء میں ہوتا ہے، اور شاہ اسماعیل شہید، ان ہی کے بیٹے ہیں، اس اعتبار سے، شاہ اسماعیل شہید کا شمار، شاہ ولی اللہ کے پوتوں میں ہوتا ہے۔

اور برِ صغیر میں غلبۂ اسلام اور اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش کرنے والی عظیم شخصیت'' سید احمد بریلوی شہید'' کا شمار شاہ عبدالعزیز کے شاگردوں اور شاہ اسماعیل شہید کے ساتھیوں میں ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب برِ صغیر'' پاک و ہند'' میں مغلیہ دور کے مشہور عالمِ دین، محدث، مفسر، فقیہ

اور مصنف تھے۔

مجدد الف ثانی اور ان کے ساتھیوں نے اصلاح وہدایت کا جو کام شروع کیا تھا، شاہ ولی اللہ نے اس کام کو علمی وفقہی تنقیح کے ساتھ تیزی کے ساتھ آگے بڑھایا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے پانچ سال کی عمر میں تعلیم شروع کی، اور سات سال کی عمر میں قرآن مجید کی تکمیل فرمائی، ساتویں سال کے آخر میں آپ نے فارسی اور عربی کے ابتدائی رسائل پڑھنا شروع کیے اور ایک سال میں ان کو مکمل کیا، اس کے بعد آپ نے صرف ونحو کی طرف توجہ مبذول کی، اور دس سال کی عمر میں نحو کی معرکۃ الآراء کتاب ''شرح جامی'' تک پہنچ گئے، صرف ونحو سے فراغت کے بعد علومِ عقلیہ ونقلیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور پندرہ سال کی عمر میں متداول درسی علوم سے فارغ ہو کر درس وتدریس کا آغاز فرمایا۔

طالبِ علمی کے زمانہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے اکثر وبیشتر کتابیں اپنے والد شاہ عبدالرحیم دہلوی صاحب سے پڑھیں اور انہی سے بیعت ہو کر سترہ (17) سال کی عمر میں بیعت و ارشاد کی بھی اجازت حاصل کی۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے 1143ھ تک اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی مسندِ درس وارشاد کو سنبھالے رکھا، اور خلقِ الٰہی کو فیض یاب فرمایا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنی تعلیم کے سلسلہ میں خود فرماتے ہیں کہ:

> پندرہ سال کی عمر میں تمام علومِ متعارفہ سے فراغ حاصل ہو گیا، علمِ حدیث میں مشکاۃ کل پڑھی، کچھ حصہ یعنی **کتابُ البیع** سے **کتاب الآداب** تک رہ گیا تھا، اس کی اجازت بھی مل گئی، صحیح بخاری کا ایک حصہ تقریباً **کتاب الطھارۃ** تک اور شمائلِ ترمذی تمام بعض اصحاب کی قرائت کے ذریعے والد صاحب کے حلقۂ درس میں سماعت کی، علمِ تفسیر میں کچھ حصہ بیضاوی کا اور کچھ تفسیر مدارک کا میں نے پڑھا، اور اس ضعیف پر اللہ تعالیٰ کے بہت سے احسانات میں سے ایک احسانِ

عظیم یہ بھی تھا کہ چند بار مدرسہ میں قرآن عظیم کو معانی اور شانِ نزول کے تدبر کے ساتھ اور متعدد تفاسیر کی طرف رجوع کر کے حضرت والد صاحب کی خدمت میں پڑھنے کے واسطے حاضر ہوا، اور یہ امرِ فتحِ عظیم کا سبب بنا، **والحمد للّٰہ** ۔

علمِ فقہ سے شرح وقایہ اور ہدایہ ان دونوں میں سے تھوڑا حصہ چھوڑ کر کل کی کل پڑھی گئیں، اصولِ فقہ سے حسامی اور توضیح وتلویح کا معتد بہٖ حصہ اور منطق سے شرح شمسیہ کل اور شرح مطالع کا کچھ حصہ علمِ عقائد وکلام میں شرح عقائد نسفی کل اور کچھ حصہ خیالی کا اور شرح مواقف کا کچھ حصہ، علمِ سلوک میں **عوارف المعارف** کا کچھ حصہ، نیز رسائلِ نقشبندیہ وغیرہ کا کچھ حصہ، حقایق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح، مقدمہ شرح لمعات، مقدمہ نقد النصوص پڑھے، خواص اسماء وآیات میں حضرت والد صاحب نے اپنے خاص مجموعہ سے چند بار اجازت مرحمت فرمائی، علمِ طب میں موجز القانون اور حکمت میں شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ پڑھیں، نحو میں کافیہ اور شرح ملا جامی، فن معانی میں بہت بڑا حصہ، مطول کا اور مختصر المعانی کا اس قدر حصہ جس پر حاشیہ ملا زادہ چڑھا ہوا ہے، اور ہندسہ وحساب سے بھی بعض رسائل مختصر پڑھے (رسالہ ''الجزءُ اللطیف'' اردو، مترجم: پروفیسر خلیق احمد نظامی، مشمولہ: مجموعۂ رسائل، ج:۱، ص:۲۴ و ۲۵، مطبوعہ: شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، طبعِ ثانی: مئی 2015 عیسوی)

جب شاہ صاحب کی عمر تیس (30) سال کے قریب تھی، حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی، اور وہاں کے مشائخ سے علوم کو حاصل کیا، شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی سے ''بخاری شریف'' کی سماعت فرمائی اور ''صحاحِ ستہ'' کے ساتھ ساتھ، موطا امام مالک، مسند دارمی اور امام محمد کی ''کتابُ الآثار'' کے اطراف ان کے سامنے پڑھے۔

اس کے علاوہ شیخ عبداللہ مالکی مکی رحمہ اللہ اور شیخ تاج الدین حنفی رحمہ اللہ سے بھی آپ نے

علمی فیض حاصل کیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے مسلمانوں کو سیاسی حیثیت سے مضبوط بنانے کے لیے مسلمان بادشاہوں اور امراء سے خط وکتابت بھی کی۔

چنانچہ احمد شاہ ابدالی نے اپنا مشہور حملہ شاہ ولی اللہ کے خط پر ہی کیا، جس میں اس نے پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو شکست دی۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے معاشرتی اصلاح کا بھی کام کیا، مسلمانوں میں ہندوؤں کے اثر کی وجہ سے بیوہ عورتوں کی شادی بری سمجھی جانے لگی تھی، شاہ ولی اللہ نے اس رسم کی مخالفت کی۔

اسی طرح انہوں نے بڑے بڑے مہر باندھنے اور خوشی وغم کے موقع پر فضول خرچی سے روکا۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے امت کے اہم مسائل کو مستقبل کی نظر سے جانچا، پرکھا، مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے اختلافات کو ختم، یا کم کرنے کی کوشش کی اور اس پر زور دیا کہ اختلاف کی صورت میں انتہا پسندی کی جگہ اعتدال پسندی سے کام لیا جائے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے تصوف اور پیری مریدی کے شعبہ کو بھی اپنے زمانے کے حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اختیار کیا، اور اس دور کے مطابق اس شعبہ کی افہام وتفہیم کی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال کے بعد جو بیداری پیدا ہوئی، ایک حیثیت سے اس کے بانی شاہ ولی اللہ ہی ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب، جہاں خود ایک بڑے عالم، مصلح اور رہنما تھے، وہاں وہ اس لحاظ سے بھی بڑے خوش قسمت ہیں کہ ان کی اولاد میں ایسے علماء پیدا ہوئے، جنھوں نے ہند وپاک کے مسلمانوں کی زندگی میں مختلف جہات سے اصلاح وہدایت کی روشنی پھیلائی۔

امامُ الہند کا لقب پانے والے شاہ ولی اللہ کے علمی مقام سے اہلِ علم حضرات اور خاص طور پر اہلِ دیوبند سے وابستہ اصحابِ علم حضرات اچھی طرح آشنا ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی شخصیت ہندوستان وپاکستان کے مختلف مکاتبِ فکر اور خاص طور پر سلسلۂ

دیوبند کے لیے ایک جامع وہمہ گیر حیثیت رکھتی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں، یہ کتابیں ''علمِ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اور تصوف'' وغیرہ کے مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں۔

ان کتابوں کی وجہ سے شاہ ولی اللہ صاحب کو اصحابِ نظر، اور قدر دان حضرات اپنے زمانہ اور علاقہ کے، ابنِ تیمیہ، اور امام غزالی وغیرہ کی صفوں میں شمار کرتے ہیں، اور مجدد الف ثانی کی طرح اپنی صدی کے مجدد سمجھتے ہیں۔

صرف باسٹھ سال کی عمر پا کر شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات **29** محرم **1176**ھ، بمطابق **20** اگست **1762**ء کو دہلی میں ہوئی۔

آپ کی تدفین، والد ماجد کے پہلو میں ''دلّی دروازہ'' کے بائیں جانب اس مقام پر ہوئی، جو ''مہندیاں'' کہلاتا ہے۔

اسی جگہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے دوسرے کئی افراد بھی مدفون ہیں، اور اس کے قرب وجوار میں خاندانِ ولی اللّٰہی کے عقیدت مندوں کی کثیر تعداد میں قبریں ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا ایک بڑا کارنامہ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ ہے۔

اس زمانے میں غیر منقسم ہندوستان کے مسلمانوں کی علمی زبان فارسی تھی۔

اس لئے قرآن مجید کو عربی زبان میں بہت کم لوگ سمجھ سکتے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب نے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ کر کے اس رکاوٹ کو دور کر دیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب ''**حجة اللّٰه البالغة**'' ہے، جو اصحابِ علم میں بڑی مقبولیت کی حامل ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اسلامی ریاست اور اس کے نظام کے بارے میں ایک انتہائی منفرد کتاب ''**ازالةُ الخفاء عن خلافةِ الخلفاء**'' فارسی زبان میں تالیف کی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب رحمہ اللہ نے فقہی ومجتہد فیہ امور میں، جس توسع اور وسعتِ

ظرفی سے کام لیا ہے، اور متعدد مسائل میں دلائل، یا حالات کے پیشِ نظر جمہور، اور حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ وغیرہ کے اقوال کو اختیار فرمایا ہے، وہ ان کی متعدد تالیفات مثلاً:

"حجة الله البالغة" "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف"" عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید"" التفهيمات الالٰهية" "الارشاد الیٰ مهمات علم الاسناد"

اور مؤطا کی شروحات:

"المسویٰ" اور "المصفٰی"

وغیرہ کتب میں جابجا موجود ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ خدمات موجودہ دور کے اہلِ علم اور اہلِ فقہ حضرات کے لیے قابلِ ملاحظہ بھی ہیں، اور قابلِ نمونہ بھی۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے فقہی واجتہادی ذوق پر متعدد حضرات نے بہت کچھ تحریر کیا ہے، اور اپنے اپنے ذوق ومزاج کے مطابق موتی چننے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ انہوں نے اس سلسلہ میں متعدد رسائل اور مضامین بھی مرتب کیے ہیں، اور اس سے بڑھ کر بعض نے اپنے باطل ومخترع افکار کی نسبت بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف کی ہے، جن کی داستان بڑی طویل ہے، جس کی ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مستند اہلِ علم حضرات کے بڑے طبقہ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعلیمات کو کما حقہ سمجھنے اور سمجھانے سے بے اعتنائی اختیار کی، جس کی وجہ سے دوسروں کو یہ موقع ملا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ بات واضح ہے کہ امامُ الہند اور اکابر دیوبند کے سلسلۂ اسناد کے رکنِ اعظم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فقہ واجتہاد کے سلسلہ میں موجودہ دور کے بعض علماء میں معروف ومروج فقہی واجتہادی تنگ نظری، تشدد اور جمود وخمود کے قائل نہیں، اور وہ اس سلسلہ میں بڑی وسعت رکھتے ہیں، وہ بسا

اوقات ایسے موقف کو اختیار فرماتے ہیں، جس سے مختلف اہلِ حق مسالک کے درمیان اتفاقِ رائے پیدا ہونے، یا ان کے باہم قریب ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے، جیسا کہ پہلے بھی گزرا۔

اس نظریہ کو فقہائے کرام نے ''مراعاۃِ خلاف'' یا ''خروج من الخلاف'' اور ''جمع بين المذاهب'' قرار دیا ہے، اوراس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

اسی کو موجودہ دور میں بعض حضرات نے ''فقہِ مقارِن'' کا عنوان دیا ہے۔ ل

ل قال الشيخ أبو محمد بن عبد السلام فى القواعد أطلق بعض أكابر الأصحاب، قيل ويعنى به (ابن أبى هريرة) أن الخروج من الخلاف حيث وقع أفضل من التورط فيه، وليس كما أطلقه، بل الخلاف أقسام.

الأول :أن يكون فى التحليل والتحريم فالخروج من الخلاف (بالاجتناب) أفضل.

الثانى :أن يكون الخلاف فى الاستحباب والإيجاب، فالفعل أفضل.

الثالث :أن يكون الخلاف فى الشرعية، كقراء ة البسملة فى الفاتحة، فإنها مكروهة عند مالك رحمه الله واجبة عند الشافعى رحمه الله وكذلك صلاة الكسوف على الهيئة المنقولة فى الحديث) ، فإنها سنة عند الشافعى (-رحمه الله -) وأنكره أبو حنيفة - "رضى الله عنه " -، " فالفعل أفضل ."

قال والضابط أن مأخذ الخلاف، إن كان فى غاية الضعف، فلا نظر إليه لا سيما إذا كان مما ينقض الحكم بمثله، وإن تقاربت الأدلة، بحيث لا يبعد قول المخالف كل البعد، فهذا مما يستحب الخروج منه حذرا من كون الصواب مع الخصم انتهى.

قلت :لمراعاته شروط :

أحدها :أن يكون مأخذ المخالف قويا، فإن كان واهيا لم "يراع - "كالرواية المنقولة عن أبى حنيفة - "رضى الله عنه " -فى بطلان الصلاة برفع اليدين، فإن بعضهم أنكرها وبتقدير ثبوتها لا يصح لها مستند، والأحاديث الصحيحة معارضة لها.

وكذلك ما نقل عن "عطاء "من إباحة وطء الجوارى بالعارية، وهو أولى من قول الرافعى :إنما وجب الحد، "؛ لأنهم "لم يصححوا النقل عنه "فإنا "نقول ولو صح فشبهته "ضعيفة، لا أثر لها "، فإن الأبضاع لا تباح بالإذن، كما فى بضع الحرة فصار كشبهة الحنفى فى النبيذ، فإنه لا أثر لها، وسواء كان الاختلاف فى المذاهب السالفة، كما ذكرنا أو فى مذهبنا كخلاف الإصطخرى فى تحريم التصوير وقوله إنما حرم لقرب عهد الناس "بالأصنام ."

واعلم أن ظاهر كلام القفال مراعاة الخلاف، وأن ضعف المأخذ إذا كان فيه احتياط، فإنه قال فى فتاويه، إذا نقص "من " "القلتان "شىء يسير "ووقع فيهما "نجاسة، قال ينبغى أن يقلد من يقول القلتين خمسمائة "رطل "تحديدا، فإذا نقص شىء ووقع فيها نجس تأثرت وحينئذ يتيمم ثم يقضى بناء على المذهب وهو أن هذا لا يتأثر بالنجاسة، وكأنه رأى استحباب الإعادة للخروج من الخلاف.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اگرچہ اس کی تکییف میں انداز، ایک کا دوسرے سے مختلف اور کسی کا اعتدال پر اور دوسرے کا بے اعتدالی پر مبنی قرار دیا جاسکتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے فقہی واجتہادی تفصیلی مسلک کا ذکر تو آگے اپنے مقام پر آتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وقال المتولی فی التتمة یستحب "التحجیل "فی التیمم؛ لأن عند "الأزهری "، مسح جمیع "الید "واجب لیخرج بذلک عن الخلاف، هذا مع ثبوت الأحادیث الصحیحة بالاقتصاد علی الکفین.

الثانی :أن لا تؤدی مراعاته إلی خرق الإجماع، کما نقل عن ابن سریج أنه کان یغسل أذنیه مع الوجه ویمسحهما مع الرأس ویفردهما بالغسل مراعاة لمن قال إنهما من الوجه أو الرأس أو عضوان مستقلان فوقع فی خلاف الإجماع، "إذ "لم یقل أحد بالجمع وقال النووی من غلطه فی ذلک فغالط، فإن الشافعی - "رحمه الله " -والأصحاب استحبوا غسل "النزعتین "مع الوجه مع أنهما یمسحان فی الرأس أی للخروج من خلاف من قال هما من الوجه، ولم یقل أحد "بوجوب " غسلهما ومسحهما، ومع ذلک استحبوه.

الثالث :أن یکون الجمع بین المذاهب ممکنا، فإن لم یکن کذلک، فلا یترک الراجح عند معتقده لمراعاة المرجوح؛ لأن ذلک عدول عما وجب علیه من اتباع ما غلب علی ظنه وهو لا یجوز قطعا. ومثاله الروایة عن أبی حنیفة - "رضی الله عنه " -فی اشتراط المصر الجامع فی انعقاد الجمعة، لا یمکن مراعاته عند من یقول إن أهل القری إذا بلغت العدد الذی ینعقد به الجمعة لزمتهم، ولا " یجزیهم "الظهر فلا یمکن الجمع بین القولین.

ومثلها أیضا قول بعض أصحابنا إن من تقدم الإمام بقراء ة الفاتحة وجب علیه إعادتها، فإن القائل بهذا الوجه، لا یمکن معه مراعاة القائل بأن تکرار الفاتحة مرتین مبطل، إلا أن یخص البطلان بغیر " العذر ."

"ومثلها "أیضا قول أبی حنیفة - "رضی الله عنه " -أول وقت العصر مصیر ظل الشیء مثلیه، وقول الإصطخری من أصحابنا إن هذا آخر وقت العصر مطلقا ویصیر بعده قضاء ، وإن کان هذا وجها ضعیفا غیر أنه لا یمکن الخروج من خلافهما جمیعا، وکذلک الصبح، فإن عند الإصطخری "أن "یخرج وقت الجواز بالأسفار وذلک الوقت عند أبی حنیفة - "رضی الله عنه " -هو الأفضل قلت یمکن "بفعلها "مرتین فی الوقتین.

وکذلک أیضا یضعف الخروج من الخلاف، إذا أدی "المنع "من العبادة لقول المخالف بالکراهة أو المنع کالمشهور من قول مالک إن العمرة لا تتکرر فی السنة، وقول أبی حنیفة -" رضی الله عنه " -إنها تکره "للمقیم بمکة "فی أشهر الحج، ولیس التمتع مشروعا له وربما قالوا إنها تحرم فلا ینبغی للشافعی مراعاة ذلک، لضعف مأخذ القولین، ولما یفوته من کثرة الاعتمار، وهو من القربات الفاضلة.

أما إذا لم یکن کذلک، فینبغی الخروج من الخلاف، لا سیما إذا کان فیه زیادة تعبد کالمضمضة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

یہاں درجِ ذیل دو اقتباسات سے، شاہ ولی اللہ صاحب کے مسلک کے قرآن وسنت، اور اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق پاکیزہ ہونے پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب اپنے رسالہ ''وصایا'' میں (جو فارسی زبان میں ہے) لکھتے ہیں:

اول وصیت ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب وسنت دراعتقاد وعمل، پیوستہ بتدبیر ہردو مشغول شدن......و درعقائد مذہب قدماءِ اہل سنت اختیار کردن و آں را تفصیل وتفتیش انچہ سلف تفتیش نکرد اند اعراض نمودن و بہ تشکیکات خام معقولیان التفات نکردن۔ [1]

''اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد وعمل میں کتاب وسنت کو مضبوط ہاتھوں سے تھاما جائے، اور ہمیشہ ان پر عمل کیا جائے......اور عقائد میں متقدمین اہلِ سنت کے مذہب کو اختیار کیا جائے اور (صفات وآیات متشابہات) کے سلسلہ میں سلف نے، جہاں تفصیل وتفتیش سے کام نہیں لیا، ان سے اعراض کیا جائے، اور معقولیانِ خام کی تشکیکات کی طرف التفات نہ کیا جائے'' (تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ پنجم، ص۱۶۵، ۱۶۶، باب پنجم، بعنوان ''عقائد کی تفہیم وتشریح کتاب وسنت کی روشنی میں اور صحابہ وسلف کے مسلک کے مطابق''، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والاستنشاق فى غسل الجنابة يجب عند الحنفية، وكذلك الاستنشاق عند الحنابلة فى الوضوء والغسل من ولوغ كلب ثمانى مرات والغسل من سائر النجاسات ثلاثا "لخلاف "أبى حنيفة -" رضى الله عنه " -وسبعا لخلاف أحمد، والتسبيح فى الركوع والسجود لخلاف أحمد فى وجوبها، والتبييت فى نية صوم النفل فإن مذهب مالك - "رحمه الله " -وجوبه، وإتيان القارن بطوافين وسعيين مراعاة لخلاف أبى حنيفة - "رحمه الله " -، والموالاة بين الطواف والسعى؛ لأن مالكا (-رحمه الله-) يوجبها وكذلك التنزه عن بيع العينة ونحوه "من "العقود المختلف فيها. وأصل هذا الاحتياط قول الشافعى - "رضى الله عنه " -فى مختصر المزنى :فأما أنا فأحب أن لا أقصر فى أقل من ثلاثة أيام احتياطا على نفسى(المنثور فى القواعد الفقهية، ج۲،ص۱۲۸ الى ۱۳۳، حرف الخاء المعجمة،الخلاف يتعلق به مباحث)

[1] شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس رسالہ کا نام جو فارسی میں ہے ''المرآة الوضية فى النصيحة و الوصية'' رکھا تھا، یہ شاہ صاحب کے بعض دوسرے رسائل کے مجموعہ میں بھی شاملِ اشاعت ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

مذکورہ وصیت میں شاہ ولی اللہ صاحب نے اعتقاد وعمل میں کتابُ اللہ وسنتِ رسول اللہ پر مضبوطی سے عمل کرنے کے ساتھ ''صفاتِ متشابہات'' کے متعلق بھی افراط وتفریط سے پاک معتدل ومتوسط فکر بیان فرمادی ہے، جس میں آج کل بعض حضرات کی طرف سے افراط و تفریط سامنے آجاتی ہے، اوراس کی تفصیل ہم نے دوسری تالیف میں ذکر کردی ہے۔

اورشاہ ولی اللہ صاحب ''القولُ الجميل'' میں فرماتے ہیں:

وأنا أوصى طالب الحق بأمور :

منهاؔ أن لا يصحب جهال الصوفية ،ولا جهال المتعبدين ،ولا المتقشفة من الفقهاء ،ولا الظاهرية من المحدثين ، ولا الغلاة من اصحاب المعقول والكلام (القول الجميل - مخطوطة ، ص ۴۴، الفصل التاسع فى آداب العالم الربانى والفاضل الحقانى الذى هو كامل فى العلم الظاهر والباطنى)

ترجمہ: اور میں حق کے طالب کو چند امور کی وصیت کرتا ہوں، ایک یہ کہ وہ جاہل صوفیاء کی صحبت اختیار نہ کرے، اور نہ ہی جاہل عابدوں کی صحبت اختیار کرے، اور نہ ہی سخت اور جامد فقہاء کی صحبت اختیار کرے، اور نہ ہی ظاہری محدثین کی صحبت اختیار کرے، اور نہ ہی غالی اصحابِ معقول واصحابِ کلام کی صحبت اختیار کرے (القول الجمیل)

متقشف فقہاء سے وہ سخت اور جامد قسم کے فقہاء مراد ہیں، جو اپنے امام، یا فقہ کی تقلید کسی صورت میں ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں کہ:

وسخن متقشفۂ فقہاء کہ تقلید عالمے رادستاویز ساختہ، تتبعِ سنت را ترک کردہ اند، نشنیدن وبدیشاں التفات نکردن (وصیت نامہ، المقالة الاضيئة فى النصيحة والوصية، وصیتِ اول، صفحہ ۳۰۲، مطبوعہ: مطبع احمدی، دہلی)

ترجمہ: اور سخت جامد فقہاء کہ جنہوں نے کسی عالم کی تقلید کر کے سنت کے تتبع کو

ترک کردیا ہے، ان کی باتیں نہ سنیں، اور ان کی طرف توجہ نہ کریں (وصیت نامہ)

اور محدثینِ ظاہریہ سے وہ لوگ مراد ہیں، جو کسی مجتہد کے قول کی طرف التفات نہ کریں۔

اب بطورِ نمونہ شاہ ولی اللہ صاحب کے فقہی واجتہادی ذوق اور علمی مقام ومرتبہ کے متعلق چند اہلِ علم حضرات کی تصریحات ذکر کی جاتی ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

میں یہ بات خود نہیں کہتا، بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے قول سے میں اس کا ثبوت دیتا ہوں، اور وہ اتنے بڑے محقق ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کو غیر مقلد سمجھ لیا ہے کہ وہ ائمہ کی تقلید بھی نہ کرتے تھے، مگر یہ غلط ہے، وہ مقلد ہی ہیں، مگر مقلد محقق ہیں، لکیر کے فقیر نہیں...... تقلید وتحقیق کے بھی مراتب ہیں کہ بعض مقلدِ محض ہیں، بعض محقق، یعنی مجتہدِ محض ہیں، اور بعض مقلدِ محقق ہیں، بعض محققِ مقلد ہیں، تو شاہ صاحب مقلدِ محض نہ تھے، بلکہ مقلدِ محقق تھے، اس لیے بعض کو ان پر غیر مقلدی کا شبہ ہوا (وعظ ''غایۃ النجاح فی آیات النکاح'' صفحہ ۲۷، مطبوعہ: اشرف المطابع، تھانہ بھون)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ مقلدِ محض کے بجائے، مقلدِ محقق تھے، اور ''مقلدِ محقق'' نہ تو کلی طور پر مقلد ہوتا ہے، اور نہ ہی کلی طور پر مجتہد ہوتا، بلکہ اس میں ملے جُلے دونوں رنگ ہوتے ہیں۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب کس طرح کے محقق ومجتہد، یا مقلد تھے؟ اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اپنی تصریحات کی روشنی میں واضح کی جائے گی۔

مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امامُ الملة حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز کی مقدس ہستی ان ممتاز ہستیوں میں سے ہے، جن کے وجود باجود سے اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ (**علی صاحبها الصلاة والتحية**) کو دیگر اُمم پر امتیاز اور شرف بخشا ہے۔

منبعُ الفیوض الربانیہ اور قاسمُ الحکم الازلیہ آقائے نامدار حضرت خاتم النبیین علیہ و علی آلہ وصحبہ الصلاۃ والسلام سے ایسی نسبت رکھنے والے اشخاص، جیسی کہ آفتاب سے آئینہ کو ہے، ملتِ مرحومہ میں بہت کم نظر آتے ہیں، حضرت شاہ صاحب موصوف انہیں میں سے ہیں، ان کی اعلیٰ تصانیف، ان کے مضامینِ حالیہ، ان کے اعلیٰ پایہ کے تلامیذ، ان کے سلاسلِ علومِ ظاہریہ اور معارفِ باطنیہ کا **علی مر الدهور** جاری ہونا، ان کے منتسبین کا تقویٰ اور علم میں بے نظیر ماہر ہونا ، بتلا رہا ہے کہ یہ مقدس ہستی منظورِ نظرِ الٰہی اور مخلصینِ عباد اور مجددینِ امت میں خصوصی شان رکھنے والی تھی اور ہے، صرف ہندوستان کے مسلمانوں ہی پر ان کی ذات بابرکات سے فیضاب ہونے کا شرف مخصوص نہیں رہا، بلکہ ان کے فیوض سے سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی (شارح قاموس و شارح احیاء العلوم و صاحب عقودُ الجواہر المنیفہ وغیرہ) حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی ثم المکی، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی دہلوی ثم المدنی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ حضرات نے ملکِ عرب، مصر، شام، مغربِ اقصیٰ وغیرہ کے مسلمانوں کو بھی بہت بڑے درجہ تک مالا مال فرمایا، اس ہستی پر اہلِ ہند جس قدر بھی ناز کریں، بجا ہے، اور ان کے بحارِ فیض سے تشنگانِ معارف، جس قدر بھی اپنی پیاس بجھائیں، مفید اور کارآمد ہے۔

انہیں کے فیوضِ غیر متناہیہ ہندوستان اور بیرونِ ہند کے مسلمانوں کے لیے آج مشعلِ ہدایت اور رہنمائے طریقت ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارسِ دینیۂ ہندوستان انہیں کے انوار کے چراغ ہیں،

ان کے کمالاتِ متنوعہ کے اظہار کے لیے دفاتر کی ضرورت ہے (ماہنامہ ’’الفرقان‘‘ بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر، مرتبہ: مولانا محمد منظور نعمانی، جلد ۷، شمارہ نمبر ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، بابت رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ، صفحہ ۱۲)

حضرت مدنی نے شاہ ولی اللہ صاحب کے فضائل ومناقب جو مذکورہ مختصر اور جامع تحریر میں بیان فرمادیے، وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے علمی مقام وفیضان کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔

مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کا حوالہ

فاضلِ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایک بڑی دانش مندی حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی فرمائی کہ فقہ کے ساتھ ساتھ آپ نے درسی طور پر شافعی فقہ کے مطالعہ کو بھی ضروری قرار دیا ہے، اپنے مسلک کی تشریح میں ایک موقعہ پر اپنے کو ’’الشافعی درساً‘‘ جو فرمایا ہے، اس کا یہی مطلب ہے، جو جانتے ہیں کہ حنفی اور مالکی فقہ کی حیثیت اسلامی قوانین کے سلسلہ میں تعمیری فقہ کی ہے، اور شافعی وحنبلی فقہ کی زیادہ تر نوعیت ایک تنقیدی فقہ کی ہے، حنفیوں کی فقہ کو مشرق میں، اور مالکیوں کی فقہ کو مغرب میں، چونکہ عموماً حکومتوں کے دستورُ العمل کی حیثیت سے تقریباً ہزار سال سے زیادہ مدت تک استعمال کیا گیا، اس لیے قدرتاً ان دونوں مکاتبِ خیال کے علماء کی توجہ زیادہ تر جدید حوادث وجزئیات وتفریعات کے ادھیڑ بن میں مشغول رہی، بخلاف شوافع اور حنابلہ کے کہ بہ نسبت حکومت کے، ان کا تعلق زیادہ تر تعلیم وتعلم، درس وتدریس اور تالیف وتصنیف سے رہا، اس لیے عموماً تحقیق وتنقید کا وقت ان کو زیادہ ملتا رہا، بہر حال یہ افسانہ تو دراز ہے۔

مجھے کہنا یہ ہے کہ فقہ اور اسلامی قوانین کا جو تعلق ان کے سرچشموں، یعنی کتاب و

سنت سے ہے، جو چاہتے ہیں کہ یہ تعلق مسلسل تر و تازہ حالت میں رہے، ان کے لیے شاہ صاحب کا یہ طریقۂ عمل کہ شوافع اور حنابلہ کی فقہ اور ان کے ادبیات کا بھی مطالعہ جاری رکھیں، بہت کچھ مفید ثابت ہوسکتا ہے، یا کم از کم حدیث کے درس میں خصوصیت کے ساتھ فقہاءِ امصار کے خلافیات اور ان کے وجوہ و دلائل کے بیان کرنے سے مسائلِ فقہیہ میں زندگی باقی رہتی ہے، ہر مذہب کا پیرو، ان علل و اسباب سے واقف رہتا ہے، جن کی روشنی میں اس کے امام نے اپنی رائے قائم فرمائی ہے، نیز چونکہ اس کے ساتھ دوسرے ائمہ مجتہدین کے دلائل و وجوہ بھی اس کے سامنے آتے رہتے ہیں، اسی لیے قدرتی طور پر ''جاہلی حمیت'' کا زہر اِن میں پیدا ہونے نہیں پاتا، ''عقد الجید'' میں شاہ صاحب نے ائمہ مجتہدین کے قیاسی نتائج کے متعلق بجائے اس نظریہ کے کہ حق ان میں سے ایک ہی ہوسکتا ہے، اس خیال کو جو ترجیح دی ہے کہ سب ہی حق پر ہیں، تو فروعی اختلافات کی اہمیت کے سارے قصہ ہی کو ختم فرمادیا ہے، اس باب میں شاہ صاحب کے مباحث قابلِ دید ہیں (ماہنامہ ''الفرقان'' بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر، مرتبہ: مولانا محمد منظور نعمانی، جلد ۷، شمارہ نمبر ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، بابت رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ، صفحہ ۲۰۱، مضمون آغوشِ موج کا دُرّ تابندہ یا اسلامی ہند کے طوفانی عہد میں خدا کا ایک وفادار بندہ)

شاہ صاحب کے وہ مباحث آگے آتے ہیں، جن سے فروعی اختلاف کی نوعیت اس طرح واضح ہوجاتی ہے کہ گویا کہ یہ مذاہب مل جل کر ایک اصولی مذہب کا مجموعہ ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم نے جب عرب کا سفر کیا، اور مختلف مذاہب کے علماء

سے فیض پایا، تو ان کا مشرب زیادہ وسیع ہوگیا، وہ عملاً گو حنفی ہی رہے، مگر نظر اور علمی حیثیت سے وہ مجتہدانہ شان رکھتے تھے، اس شان کا علانیہ جلوہ اُن کی ''مسویٰ'' و ''مصفیٰ'' شروحِ موطأ میں نظر آتا ہے، بانکی پور کے مشہور کتب خانہ میں صحیح بخاری کا ایک قلمی نسخہ ہے، جس پر شاہ صاحب کے ہاتھ کی ایک تحریر ہے، جس میں انہوں نے اپنے کو عملاً حنفی اور علماً و تدریساً حنفی و شافعی لکھا ہے، اور اپنی بعض تالیفات میں قرائت فاتحہ خلف الامام اور رفعِ یدین کو ترجیح دی ہے، جو فقہ حنفی کے خلاف ہے۔

شاہ صاحب کے بعد یہ رنگ اور نکھر گیا، مولانا شاہ اسحاق صاحب، مولانا شاہ عبدالغنی صاحب، مولانا شاہ اسماعیل صاحب اور مولانا عبدالحیؒ صاحب دہلوی نے ردِ بدعت اور توحیدِ خالص کی اشاعت میں جو جدوجہد فرمائی، اس نے دلوں میں سنت کی پیروی کا عقیدہ راسخ کر دیا، ان کے شاگردوں میں یہ دونوں رنگ الگ الگ ہوگئے، شاہ اسحاق صاحب کے نامور شاگردوں میں مولانا شاہ عبد الغنی مہاجر اور مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری ہیں، مولانا شاہ عبدالغنی صاحب مجددی کے ممتاز شاگرد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہما اللہ (بانی مدرسہ دیوبند) ہیں، اور پورب میں مولانا شاہ اسماعیل صاحب کے شاگرد مولانا سخاوت علی صاحب جون پوری وغیرہ ہیں، اس سلسلہ میں ردِ بدعت اور توحیدِ خالص کے جذبہ کے ساتھ حنفیت کی تقلید کا رنگ نمایاں رہا، مولانا شاہ اسحاق صاحب کے ایک دوسرے شاگرد مولانا سید نذیر حسین بہاری دہلوی ہیں، اس دوسرے سلسلہ میں توحیدِ خالص اور ردِ بدعت کے ساتھ فقہ حنفی کی تقلید کے بجائے براہِ راست کتبِ حدیث سے بقدرِ فہم استفادہ اور اس کے مطابق عمل کا جذبہ نمایاں ہوا، اور اسی سلسلہ کا نام ''اہلِ حدیث'' مشہور ہوا۔

تیسرا فریق وہ تھا، جو شدت کے ساتھ اپنی قدیم روِش پر قائم رہا، اور اپنے کو اہلِ

السنۃ کہتا رہا، اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے۔ [1]

مولانا سید نذیر حسین صاحب کے ذریعہ سے اہلِ حدیث کے سلسلہ کو بڑی ترقی ہوئی۔

مولانا سید نذیر حسین صاحب کی مولانا شاہ اسحاق صاحب کی شاگردی کا مسئلہ بھی اہلِ حدیث واحناف میں مابہ النزاع بن گیا ہے، احناف انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان کو شاہ صاحب سے بے پڑھے صرف تبرکاً اجازہ حاصل تھا، اور اہلِ حدیث ان کو حضرت صاحب کا باقاعدہ شاگرد بتاتے ہیں، مجھے نواب صدیق حسن خان مرحوم کے مسودات میں مولانا نذیر حسین کے حالات کا مسودہ ملا، جس میں بتصریح مذکور ہے کہ 1249 ہجری میں شاہ صاحب کے درسِ حدیث میں وہ داخل ہوئے (حیاتِ شبلی مع حاشیہ، صفحہ ۴۵، وصفحہ ۴۶، ''مقدمہ'' ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، تاریخِ طبع: 1993 عیسوی)

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''لوگوں نے اس کو بھی مختلف فیہ مسئلہ بنا رکھا ہے کہ وہ (یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب) فقہ میں کیا تھے؟

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے خود اپنے سوانح ''الجزءُ اللطیف'' کے آخر میں اپنے کو خود ہی بتادیا ہے کہ وہ کیا تھے؟

فرماتے ہیں:

''وبعد ملاحظہ کتبِ مذاہب اربعہ واصولِ فقہ ایشاں واحادیثے کہ متمسک ایشاں است قرارداد خاطر بعدِ نورِ غیبی روش فقہاء محدثین افتاد''

''یعنی چاروں فقہاء کے مذاہب اور ان کے اصولِ فقہ کی کتابیں، اور جن

---

[1] اس طرح ہندوستان کے ان تینوں سلسلوں کی کڑیاں اوپر جا کر شاہ ولی اللہ صاحب سے ملتی ہیں۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

احادیث سے وہ استدلال کرتے ہیں، ان کو دیکھنے کے بعد اپنی بصیرت کی روشنی میں دل فقہائے محدثین کے طرزِ عمل پر مطمئن ہوا'' (مولانا عبیدُ اللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکرِ ولیُ اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ، صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فقہائے محدثین کی روش کو پسند واختیار فرمایا، جس کی مزید تفصیل وتوضیح آگے آتی ہے۔

مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ، سرزمینِ ہند کے ان اکابر میں سے ہیں، جن کی نظیر نہ صرف اپنے عصر میں اور نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ بہت سے قرون اور ممالکِ اسلامیہ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔

حضرت موصوف، بقول حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند، ان افرادِ امت میں سے ہیں کہ سرزمینِ ہند میں اگر صرف شاہ ولی اللہ ہی پیدا ہوتے، تو ہندوستان کے لیے یہ فخر کافی تھا۔

حضرت شاہ صاحب کی زندگی اور علمی وعملی کمالات کے اتنے گوشے ہیں کہ ہر ایک مستقل تصنیف کا محتاج ہے، مثلاً حضرت ممدوح کی جامعیت اور تبحر، دقتِ نظری، ظاہری وباطنی علوم کا حیرت انگیز اجتماع، مکاشفات وکرامات، تصنیف وتالیف، ترجمۂ قرآن کی بنیاد، نصابِ حدیث کی تاسیس، درس کی اصلاح، اسرارِ شریعت کی دل نشین اور موثر تشریح، کلام، تصوف، فلسفہ اخلاق اور نظامِ حکومت میں ان کے خاص خاص قابلِ قدر نظریات، اصولِ تفسیر واصولِ حدیث میں خاص خاص تحقیقات، جہاد کا جوش، حکومتِ اسلامیہ کی خلافتِ راشدہ کے اصولوں پر تشکیل و

تاسیس وغیرہ وغیرہ اتنے کمالات وخصائص ہیں، جو اہلِ نظر وفکر کے لیے اور اہلِ دل واہلِ ذوق ارباب قلم کے لیے کافی جولانگاہِ تحقیق وتدقیق ہیں (ماہنامہ ''الفرقان'' بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر، مرتبہ: مولانا محمد منظور نعمانی، جلد ۷، شمارہ نمبر ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، بابت رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ، صفحہ ۳۶۰، مضمون: امام شاہ ولی اللہ اور حنفیت)

حضرت بنوری مزید فرماتے ہیں:

غور کرنے سے یہی معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ایک فقیہ النفس حنفی محدث ہیں، اور ان فقہائے محدثین کے زمرے میں ہیں، جو قوی وضعیف، صحیح وغلط اور راجح ومرجوح میں پوری بصیرت کے ساتھ فیصلہ کر سکتے ہیں (ایضاً صفحہ ۳۶۹)

نیز حضرت بنوری فرماتے ہیں:

بعضے مسائل واحکام میں مذہبِ حنفی کے خلاف شاہ صاحب کا رجحان نفسِ حنفی مذہب کے خلاف نہیں کہا جاسکتا (ایضاً صفحہ ۳۶۹)

اور مزید فرماتے ہیں:

آپ کی طبیعت پر مذاہبِ اربعہ کی فقہ اثر انداز ہوتی گئی، اور اس کی خواہش ہوئی کہ ایک ایسا جامع مسلک اختیار کیا جائے، جس کے ذریعہ مذاہب میں تطبیق و توفیق ہو جائے (ایضاً صفحہ ۳۷۰)

حضرت بنوری نے یہ درست فرمایا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب واقعی مذاہبِ اربعہ میں تطبیق و توفیق اور تقریب کے قائل ہیں، جس کے مناظر آگے آتے ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کا حوالہ

''درسِ نظامی'' کے جس نصاب کی نسبت ''ملا نظام الدین'' کی طرف ہے، وہ بھی شاہ ولی اللہ صاحب کے قریبُ العہد کی پیداوار ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب ''حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ'' کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

واضح رہے کہ بارہویں صدی ہجری ہی میں استاذُ العلماء ملا نظامُ الدین سہالوی فرنگی محلی نے جو حضرت شاہ صاحب کے کبیر السّن معاصر تھے، اور جنہوں نے شاہ صاحب کی وفات سے پندرہ سال پہلے 1161ھ میں رحلت کی، اس نصابِ درس میں بہت عظیم اضافہ کیا، خاص طور پر صَرف ونحو، منطق وفلسفہ، ریاضی وبلاغت، اور علمِ کلام میں کثیر التعداد کتابوں کا اضافہ کیا، جن میں مزید اضافہ کے بعد (جو اِن کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کے دور میں بغیر کسی منصوبہ کے ہوا) اس نصاب نے ''درسِ نظامی'' کی وہ آخری شکل اختیار کی، جو ابھی تک قدیم مدارس میں رائج ہے (تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ پنجم، صفحہ ۱۰۱، باب چہارم مختصر حالاتِ زندگی، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

شاہ صاحب کی علمی، فکر اور دعوتی وتجدیدی زندگی میں حجازِ مقدس کا سفر، اور قیام، ایک تاریخ ساز واقعہ، اور ان کی کتابِ زندگی کا ایک نیا باب اور حدِ فاصل ہے، حجاز کے اسی طویل قیام میں جو ایک سال سے زیادہ رہا، ان کے ملکاتِ ذہنی وعلمی نے ارتقاء کے وہ منازل طے کیے، جو بظاہر ہندوستان میں ممکن نہ تھے، اور اس کے لیے حرمین ہی جیسی مرکزی وعالمی جگہ درکار تھی، اسی سفر میں انہوں نے علمِ حدیث کا وسیع اور گہرا مطالعہ کیا، اور اس کے شیوخِ کاملین سے جو دیار وامصار سے وہاں جمع ہوئے تھے، اس فن شریف کی تکمیل کی، جو اِن کی تجدید واصلاح کے ایوانِ بلند میں ''حجرُ الزاویة'' (کونہ کے پتھر) کی حیثیت رکھتا ہے، اور جس سے وہ تحقیق واجتہاد کے اس مقام پر پہنچے، جس پر ان آخری صدیوں میں کم

لوگ (اور جہاں تک مقاصد و اسرارِ شریعت اور تطبیق بین الفقہ و الحدیث کا تعلق ہے) کئی صدیوں سے کوئی نہیں پہنچا تھا (تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ پنجم، صفحہ ۱۰۷، باب چہارم مختصر حالاتِ زندگی ''سفرِ حج''، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

شاہ صاحب سے اللہ تعالیٰ نے تجدید و اصلاحِ امت، دین کے فہمِ صحیح کے احیاء، علومِ نبوت کی نشر و اشاعت، اور اپنے عہد و ملت کے فکر و عمل میں ایک نئی زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا جو عظیمُ الشان کام لیا، اس کا دائرہ ایسا وسیع اور اس کے شعبوں میں اتنا تنوُّع پایا جاتا ہے، جس کی مثال معاصر ہی نہیں، دورِ ماضی کے علماء و مصنفین میں بھی کم نظر آتی ہے (تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ پنجم، صفحہ ۱۳۰، باب پنجم: شاہ ولی صاحب کے تجدیدی کارنامے، اصلاحِ عقائد و دعوت الی القرآن، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہر مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے متعلق یہ خیال قائم کیے ہوئے تھے کہ ان کے مذہب کا سو فیصدی صحیح ہونا، تو اصل حقیقت ہے، باقی بشریت کی بناء پر غلطی کا امکان ضرور ہے، کسی نے اس طرزِ فکر کو بڑے بلیغ انداز میں اس جملہ سے اداء کیا ہے:

''مذہبنا صواب یحتمل الخطاء، ومذہب غیرنا خطاء، یحتمل الصواب''

(ہمارا مذہب اصل میں تو درست اور حق ہے، خطاء کا احتمال ہے، اور دوسرے کا مذہب اصلاً ناصواب ہے، صحت کا احتمال ہے)

اس طرزِ فکر کا نتیجہ یہ تھا کہ مذاہبِ اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے درمیان (جن کو امت نے عام طور پر سندِ قبول عطاء کی، اور جن کے متعلق اہلِ حق و اہلِ علم

www.idaraghufran.org

کے درمیان شروع سے یہ اصولی طور پر تسلیم کیا جاتا رہا ہے کہ حق ان میں دائر ہے، ان کے بانی اور مؤسس ائمۃ الہدیٰ اور امت کے پیشوا تھے، اور یہ مذاہبِ حقانی ہیں) خلیج روز بروز عمیق اور وسیع ہوتی چلی جارہی تھی، ان پر عمل کرنے والوں کے درمیان اختلاف، منافرت تک اور بحث ومناظرہ بعض اوقات مجادلہ اور مقاتلہ تک پہنچ جاتا تھا، اس سے زیادہ سخت معاملہ ان اہلِ علم کے ساتھ ہوتا تھا، جو کلی، یا جزئی طور پر عبادات میں حدیث پر عمل شروع کردیتے تھے، اس کی ایک مثال اسی بارہویں صدی کے ایک سلفی عالم ومحدث مولانا شیخ محمد فاخر زائر الٰہ آبادی (1120ھ تا1164ھ) ہیں، جو (بعض مصنفین کی روایت کے مطابق) اپنے اتباعِ حدیث وسلفیت کی وجہ سے عوام کی ناراضگی کا نشانہ بنے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے مجددانہ کارناموں میں ایک کارنامہ اور خدمتِ حدیث اور انتصار للسنة ہی کے سلسلۂ زریں کی ایک اہم کڑی، ان کی فقہ وحدیث میں تطبیق کی اور پھر مذاہبِ اربعہ میں جمع وتالیف کی کوشش تھی، اس سے اس بشارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی ہے، جس میں کہا گیا تھا کہ ''تم سے خدا اس امت کی شیرازہ بندی کے خاص نوع کا کام لے گا'' (تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ پنجم، ص۱۹۷، ۱۹۸، باب ششم: حدیث وسنت کی اشاعت وترویج اور فقہ وحدیث میں تطبیق کی دعوت وسعی، بعنوان ''تطبیق بین الفقه الحدیث''، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جو تجدیدی کارنامہ انجام دیا تھا، آج برِّصغیر اور پاک وہند کے مختلف سلسلے ان ہی کی فکر پر قائم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن اس کی حقیقت سے دور ہیں، بلکہ جو کوئی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے اس تجدیدی کارنامہ کو پیش کرے، یا اپنائے، الٹا اس کو ہی موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے، اور خود ذرا ذرا سے فروعی مسائل میں امت کے شیرازہ کو منتشر کیا جاتا ہے، مباحثے، مجادلے، اور العیاذ باللہ سب وشتم

اور ایک دوسرے کوز دوکوب، تک سب منکرات کو برداشت کیا جاتا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب، شاہ ولی اللہ صاحب کے تذکرہ میں ہی لکھتے ہیں کہ:

شاہ صاحب نے غالی فقہاء (جو اپنے مذہب سے سرِ مو انحراف کرنے کے لیے تیار نہیں) اور فرقۂ ظاہریہ (جو مطلقاً فقہ کا منکر اور ان فقہاء کی شان میں لب کشائی کرتا ہے، جو حاملینِ علم کے سرتاج اور اہلِ دین کے امام و پیشوا ہیں) کی روش پر سخت تنقید کی ہے، اور دونوں کے غلو و انتہا پسندی کو ناپسند کیا ہے، اور صاف لکھا ہے کہ ''ان الحق امر بین بین'' معاملہ بین بین ہے، نہ پہلا فریق سو فیصدی حق پر ہے، نہ دوسرا فریق۔

شاہ صاحب اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''حجۃُ اللہ البالغۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

ایک طرف کلامِ فقہاء پر تخریج، دوسری طرف احادیث کے الفاظ کا تتبع، دونوں کی دین میں مستحکم اصل موجود ہے، اور ہر زمانہ کے علمائے محققین ان دونوں اصولوں پر عمل کرتے رہے ہیں، بعض ایسے ہیں جن کا تخریج کے بارے میں قدم پیچھے اور حدیث کے الفاظ کے تتبع میں قدم آگے ہے، اور بعض اس کے برعکس، ان میں سے کسی ایک اصول سے بھی مطلقاً صرفِ نظر مناسب نہیں، جیسا کہ فریقین کے عوام کا شیوہ ہے، اس بارے میں صراطِ مستقیم یہی ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کی جائے، اور ایک کی کمی دوسرے سے پوری کی جائے، اور یہی امام بصری کا قول ہے۔ [1]

---

[1] التخريج على كلام الفقهاء وتتبع لفظ الحديث لكل منهما أصل أصيل فى الدين، ولم يزل المحققون من العلماء فى كل عصر يأخذون بهما، فمنهم من يقل من ذا ويكثر ومن ذلك. .، ومنهم من يكثر من ذا ويقل من ذلك، فلا ينبغى أن يهمل أمر وأحد منهما بالمرة كما يفعله عامة الفريقين، وإنما الحق البحت أن يطابق أحدهما بالآخر، وأن يجبر خلل كل بالآخر، وذلك قول الحسن البصرى (حجة الله البالغة، ج ١ ص ١ ١ ٥، تتمة، باب: ٤ حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها، مطبوعة : دار ابن كثير ، بيروت ، الطبعة الثانية : ١٤٣٣ هـ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(شاہ صاحب) اپنے فارسی وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''درفروع پیروی علماءِ محدثین کہ جامع باشند میاں فقہ وحدیث کردن ودائما تفریعاتِ فقہیہ رابر کتاب وسنت عرض نمودن''

''مسائلِ فروعی میں ایسے علماءِ محدثین کی پیروی کرنی چاہیے، جو فقہ وحدیث دونوں کے عالم ہوں، مسائلِ فقہیہ کو کلامُ اللہ اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم سے ملاتے رہنا چاہیے''

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''امت راہیچ وقت از عرضِ مجتہدات بر کتاب وسنت استغناء حاصل نیست'' (وصیت نامہ فارسی، ص۳۰۲)

''امت کے لیے قیاسی مسائل کا کلامُ اللہ اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقابل کرتے رہنا ضروری ہے، اس سے کبھی بے نیازی نہیں ہوسکتی''

(تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ پنجم، صفحہ۲۰۱، ۲۰۲، باب ششم، تطبیق بین الفقہ والحدیث، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

حضرت شاہ صاحب کے ان وہبی کمالات اور تجدیدی امتیازات میں سے، جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص طور پر نوازا تھا، وہ متوازن ومعتدل مسلک اور وہ نقطۂ اعتدال ہے، جو انہوں نے اجتہاد وتقلید کے درمیان اختیار کیا، اور جو اِن کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

واعلم أن التخريج على كلام الفقهاء وتتبع لفظ الحديث لكل منهما أصل أصيل فى الدين ولم يزل المحققون من العلماء فى كل عصر يأخذون بهما فمنهم من يقل من ذا ويكثر من ذلك ومنهم من يكثر من ذا ويقل من ذاك فلا ينبغى أن يهمل أمر واحد منهما بالمرة كما يفعله عامة الفريقين وإنما الحق البحث أن يطابق أحدهما بالآخر وأن يجبر خلل كل بالآخر وذلك قول الحسن البصرى (الانصاف فى بيان اسباب الاختلاف للدهلوى، ص ٢١، ٢٢، باب أسباب الاختلاف بين أهل الحديث وأصحاب الرأى)

طبعِ سلیم، ذوقِ صحیح اور حقیقت پسندی کا بہترین مظہر ہے، ایک طرف وہ لوگ تھے، جو ہر مسلمان کو خواہ عامی ہو، یا خاص، براہِ راست کتاب وسنت پر عمل کرنے، اور ہر معاملہ میں وہیں سے احکام حاصل کرنے کا مکلّف قرار دیتے تھے، اور تقلید کی مطلق حرمت کے قائل تھے، اگران کے کلام میں اس کی صراحت نہیں ملتی، تو ان کے طرزِ عمل اوران کی تحریروں سے قدرتی طور پر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے، اس گروہ میں متقدمین میں علامہ ابنِ حزم پیش پیش نظر آتے ہیں، لیکن یہ بالکل ایک غیر عملی بات ہے، اوراس کا ہر مسلمان کو مکلّف قرار دینا **تکلیف مالا یطاق** ہے۔

دوسری طرف وہ گروہ تھا، جو تقلید کو اسی طرح ہر مسلمان پر واجب قرار دیتا تھا، اور اس کے تارک کو سخت فقہی احکام ''فاسق'' اور ''ضال'' سے یاد کرتا تھا، جیسا کہ پہلا گروہ مقلدین اور کسی خاص مذہبِ فقہی کے متبعین کو، یہ گروہ اس حقیقت کو بھول جاتا تھا کہ ''تقلید'' عوام کو نفسانیت، اور خودرائی سے بچانے، مسلم معاشرہ کو انتشار اورفوضویت (انارکی) سے محفوظ رکھنے، دینی زندگی میں وحدت ونظم پیدا کرنے، اوراحکامِ شریعت پر بسہولت عمل کرنے کا موقع دینے کی ایک انتظامی تدبیر ہے، لیکن انہوں نے اس انتظامی عمل کو تشریعی عمل کا درجہ دے دیا، اوراس پر اس شدت سے اصرار کیا، جس نے اس کو ایک مذہبِ فقہی اور مسئلۂ اجتہادی کے بجائے منصوص اور قطعی عمل اور مستقل دین کا درجہ دے دیا۔

شاہ صاحب نے اس بارے میں جو مسلک اختیار کیا، اوراس کی جو تعبیر کی، وہ روحِ شریعت سے قریب تر، قرنِ اول کے عمل سے زیادہ ہم آہنگ، فطرتِ انسانی سے زیادہ مطابق اور عملی زندگی سے سازگار ہے (تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ پنجم، صفحہ۲۰۴، ۲۰۵، باب ششم، تطبیق بین الفقہ والحدیث، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

مذکورہ اقتباسات سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے معتدل فقہی و

www.idaraghufran.org

تحقیقی اور اجتہادی وتقلیدی ذوق کی ایک جھلک معلوم کی جاسکتی ہے۔

مولانا محمد مظہر بقا صاحب کا حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب کی علمی، فقہی وتحقیقی خدمات وافکار پر جس اعتدال، وسعتِ ظرفی اور علمی و فقہی، یا مسلکی تعصب سے بالاتر ہوکر اور شاہ ولی اللہ صاحب کی کتب اور مضامین ورسائل کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کر کے جو ایک مفصل مقالہ کی شکل میں بسیط کام جناب مولانا ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب رحمہ اللہ نے انجام دیا ہے، وہ اپنی نظیر آپ ہے۔

جناب مولانا ڈاکٹر محمد مظہر بقا صاحب رحمہ اللہ (المولود: 1922ء۔ المتوفیٰ: 2005ء) فاضلِ دیوبند ہیں، انہوں نے 1946ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اور وہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے پاس نانک واڑہ کراچی میں 1953 عیسوی سے 1955 عیسوی تک نائب مفتی کی حیثیت سے کام کرتے رہے، اور عدالت شرح شریف، ٹونک کے مفتی رہے، اس کے علاوہ جامعہ کراچی کے ''شعبہ معارفُ الاسلامیہ'' کے صدر بھی رہے، اور ''جامعہ ام القریٰ، مکہ مکرمہ'' میں بھی استاد رہے، اور متعدد تصنیفات تحریر کیں، جن میں ان کی خودنوشت ''حیاتِ بقا اور کچھ یادیں'' بھی شامل ہے۔

انہوں نے اپنے اس مفصل ومدلل مقالہ میں جس کا نام ''اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ'' ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فقہی واجتہادی ذوق پر جس شرح وبسط کے ساتھ باحوالہ اور مفصل انداز میں روشنی ڈالی ہے، یہ اہلِ علم واہلِ فقہ حضرات کے لیے قابلِ مطالعہ ہے، اس مقالہ کی جزوی چیزوں سے اہلِ علم حضرات کو اختلاف ممکن ہے، بندہ کو بھی بعض امور سے اختلاف ہوا ہے، لیکن مجموعی طور پر اس کی افادیت وجامعیت ناقابلِ تردید ہے۔ [1]

حضرت مولانا محمد مظہر بقا صاحب، شاہ ولی اللہ صاحب سے متعلق اپنے مفصل ومدلل مقالہ

---

[1] مولانا محمد مظہر بقا صاحب رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا مقالہ بعض مقامات سے کتر بیونت کے ساتھ شائع ہوا ہے، لیکن جو نسخہ خود مؤلف نے کتر بیونت کی نشاندہی کے ساتھ مکمل انداز میں شائع کیا ہے، وہی اہمیت وتوجہ کا حامل ہے۔ محمد رضوان۔

''اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ'' میں، شاہ ولی اللہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ کے فقہی ذوق سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

شاہ صاحب رحمہ اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ فقہی مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے، فقہ حنفی میں انہیں جو مقام حاصل تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں ان کا بھی حصہ رہا ہے (انفاس العارفین، ص ۲۴) [1]

حنفیت کے باوجود بعض مسائل میں وہ حنفیت کے خلاف عمل کیا کرتے تھے، یہ مسائل وہ تھے جن میں صحیح احادیث، یا ان کے وجدان کے مطابق احناف کے مذہب کے مقابلہ میں کسی دوسرے مذہب کو ترجیح حاصل تھی، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ایسے دو مسائل کی نشاندہی کی ہے، قرائتِ فاتحہ خلف الامام اور نمازِ جنازہ میں قرائتِ فاتحہ، چنانچہ لکھتے ہیں:

مخفی نماند کہ حضرتِ ایشاں در اکثر امور موافق مذہبِ حنفی عمل میکردند، الا بعض چیزہا کہ بحسبِ حدیث، یا وجدان بمذہبِ دیگر ترجیح می یافتند۔ از آں جملہ آنست کہ در اقتداء فاتحہ میخواندند و در جنازہ نیز (انفاس العارفین)

اسی موقع پر شاہ صاحب رحمہ اللہ نے قرائتِ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں شاہ عبدالرحیم اور شیخ عبدالاحد کا ایک مباحثہ بھی نقل کیا ہے۔

مذکورہ عبارت میں ''از آں جملہ آنست'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو کے سوا اور بھی مسائل ایسے ہوں گے (اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۸۹، فصل نمبر 2، بعنوان ''فقہی مسلک کے اعتبار سے شاہ صاحب کا ذہنی ارتقاء اور اس کے عوامل'' ناشر: بقا پبلیکیشنز، کراچی، اشاعتِ دوم: 1986ء)

---

[1] چنانچہ ''انفاس العارفین'' میں ہے:

حضرت ایشاں می فرمودند کہ در زمانِ عالمگیر فتاویٰ عالمگیری با مروی تدوین کردہ بودند و نظرِ ثانی میکردند (انفاس العارفین، صفحہ ۲۴، مطبع احمدی، دہلی)

www.idaraghufran.org

مولانا محمد مظہر بقا صاحب رحمہ اللہ، اپنے مذکورہ تفصیلی مقالہ میں ہی تحریر فرماتے ہیں کہ:

تعلیم سے فراغت کے بعد جب (حضرت شاہ صاحب کو) تدریس کی نوبت آئی، اور مذاہبِ اربعہ کی فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابوں اور ان احادیث میں غور وفکر کا موقع ملا، جن سے اصحابِ مذاہب تمسک کرتے ہیں، تو بعض مسائل میں حنفی مسلک سے منحرف ہوکر حدیث پر، یا حدیث کے مطابق دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کا جو رجحان انہیں وراثتاً ملا تھا، اس نے مزید شاخ وبرگ نکالے، اور اس مرحلہ میں جس مسلک پر انہیں استقرار ہوا، اسے شاہ صاحب نے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:

''وبعد ملاحظہ کتبِ مذاہبِ اربعہ واصولِ فقہ ایشاں واحادیثے کہ متمسک ایشاں است قرار داد خاطر بمدد نورِ غیبی روش فقہاءِ محدثین افتاد'' (الجزء اللطیف، ص۲۰۳، ۲۰۴)

''یعنی چاروں فقہاء کے مذاہب اور ان کے اصولِ فقہ کی کتابیں، اور جن احادیث سے وہ استدلال کرتے ہیں، ان کو دیکھنے کے بعد اپنی بصیرت کی روشنی میں دل فقہائے محدثین کے طرزِ عمل پر مطمئن ہوا''

اس سے ثابت ہوا کہ غور وفکر نے شاہ صاحب کو جس منزل پر پہنچایا، وہ یہ تھی کہ انہوں نے فقہائے محدثین کا مسلک اختیار کیا۔

فقہائے محدثین سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس کی تعیین شاہ صاحب رحمہ اللہ نے خود کردی ہے، چنانچہ ایک موقع پر مجتہدِ مطلق منتسب کی یہ تعریف کرتے ہوئے کہ:

''انہ الجامع بین علم الحدیث والفقہ المروی عن اصحابہ''

اس کا طریقۂ کار یہ بیان کیا ہے کہ وہ ائمۂ فقہ سے منقول مسائل کو کتبِ حدیث کی روشنی میں پرکھتا ہے، اور اسی کے مطابق اخذ وترک کا معاملہ کرتا ہے۔

جس کے تفصیلی بیان کا یہ خلاصہ ہے۔

www.idaraghufran.org

اس کے آخر میں لکھتے ہیں:

’’فهذه طريقة المحققين من فقهاء المحدثين وقليل ما هم وهم غير الظاهرية من أهل الحديث الذين لا يقولون بالقياس ولا الإجماع وغير المتقدمين من أصحاب الحديث ممن لم يلتفتوا إلى أقوال المجتهدين أصلا ولكنهم أشبه الناس بأصحاب الحديث لأنهم صنعوا فى أقوال المجتهدين ما صنع أولئك فى مسائل الصحابة والتابعين‘‘ (عقد الجيد، ص۱۸، فصل فی المجتهد المطلق المنتسب)

(یعنی یہ فقہائے محدثین میں سے محققین کا طریقہ ہے، اور یہ حضرات قلیل ہوتے ہیں، اور وہ ان ظاہری اہلِ حدیث کے بھی علاوہ ہیں، جو قیاس اور اجماع کے قائل نہیں، اور متقدمین محدثین کے بھی علاوہ ہیں، جو مجتہدین کے اقوال کی طرف بالکل التفات نہیں کرتے ’’یہ فقہائے محدثین ان دونوں طبقوں کے علاوہ ہیں‘‘ البتہ یہ متقدمین محدثین سے مشابہت رکھتے ہیں، کیونکہ ان حضرات کا مجتہدین کے اقوال میں وہ طرزِ عمل ہے، جو ان محدثین کا صحابہ و تابعین کے مسائل میں تھا)

معلوم ہوا کہ:

۱۔ فقہائے محدثین سے وہ لوگ مراد ہیں، جو حدیث وفقہ دونوں کے جامع ہوں۔

۲۔ یہ لوگ ائمہ سے منقول مسائل کو آنکھیں بند کر کے بعینہٖ قبول نہیں کرتے، بلکہ عرض علی الاحادیث کے بعد، احادیث کی موافقت، یا مخالفت کے مطابق اخذ وترک کا معاملہ کرتے ہیں۔

۳۔ اصحابِ ظواہر، اہلِ حدیث، قیاس اور اجماع کے قائل نہیں، اور متقدمین اصحابِ حدیث مجتہدین کے اقوال کی طرف اصلاً التفات نہیں کرتے۔ [1]

---

[1] تمام اصحابِ ظواہر اور اہلِ احادیث کی طرف علی الاطلاق قیاس واجماع کے انکار کی نسبت کرنے سے اتفاق مشکل ہے، متقدمین اصحابِ حدیث کے دور میں تو مذاہبِ اربعہ اور بعد میں رائج شدہ تقلید کا شیوع بھی نہ ہوا تھا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

فقہائے محدثین کا طریقہ ان دونوں سے مختلف ہے۔

۴۔ البتہ یہ لوگ اپنے طریقۂ کار میں اصحابِ ظواہر کے مقابلہ میں اصحابِ حدیث سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں، اس لیے کہ اصحابِ حدیث ''عرض علی الاحادیث'' کی جو صورت صحابہ اور تابعین کے مسائل میں اختیار کرتے ہیں، وہی صورت یہ لوگ مجتہدین کے اقوال میں اختیار کرتے ہیں۔

فقہائے محدثین کی روش جس طرح کلیۃً عدمِ تقلید کی روِش نہیں، اسی طرح کلیۃً تقلید کی روش بھی نہیں (اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص۸۹ تا ۹۱، فصل نمبر 2، بعنوان ''فقہی مسلک کے اعتبار سے شاہ صاحب کا ذہنی ارتقاء اور اس کے عوامل'' ناشر: بقا پبلیکیشنز، کراچی، اشاعتِ دوم: 1986ء)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا فقہی منہج فقہائے محدثین کے طرزِ عمل کے مطابق تقلید و تحقیق کے ملے جلے رنگ پر مبنی ہے، اور یہی بات حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی تحریر میں تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ ''مسلکِ دیوبند کے طرزِ فکر'' میں پہلے گزر چکی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ محقق و مجتہد اگرچہ جزوی درجہ کا ہو، وہ اپنی تحقیق واجتہاد کے نتیجہ میں اپنے ظن میں راجح وصواب رائے کا مکلّف ہوتا ہے، اگرچہ اس رائے پر دوسرے مجتہد، یا کسی دوسرے مجتہد کے مقلد کو اطمینان نہ ہو، لہٰذا کسی دوسرے کے مقلد، یا مجتہد کے اپنا رجحان وگمان کو کسی دوسرے مجتہد، یا اس کے مقلد پر حجت سمجھنا درست نہیں ہے۔

مولانا محمد مظہر بقا صاحب رحمہ اللہ اپنے مذکورہ مقالہ میں ہی ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

اس موقع پر اتنا اور عرض کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ دینی علوم میں سے فقہ کی گرم بازاری صرف شاہ صاحب رحمہ اللہ کے زمانہ، یا ان سے قبل کے شمالی ہند کی خصوصیت نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک جن جن اسلامی، یا مسلم سلطنتوں میں اسلامی شریعت ملکی قانون کی حیثیت سے رائج رہی

ہے، وہاں فقہ کی گرم بازاری بدستور رہی ہے، معین مذاہب کے وجود میں آنے سے قبل کسی خاص مکتبِ فکر کی فقہ، ملک کا قانون نہ ہوا کرتی تھی، لیکن جب فقہ کا ذخیرہ مدون ہوگیا اور مختلف فقہی مکاتب وجود میں آگئے اور ان مکاتب کے متبعین کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف تعصب بھی راہ پا گیا، تو جس سلطنت کا امیر جس مکتبِ فکر سے تعلق رکھتا تھا، اسی کی فقہ کو اپنی قلمرو میں ملکی قانون کی حیثیت سے رائج کر دیتا تھا، ہندوستان میں چونکہ امراء سے عوام تک، غالب اکثریت حنفی مذہب کی متبع تھی، اس لیے غزنوی سے لے کر مغلیہ دور کے آخر تک یہاں کا ملکی قانون بھی فقہ حنفی کے مطابق تھا، اور اسی لیے یہاں تنہا فقہ حنفی کا رواج تھا۔

فقہ حنفی پر جمود اس لیے بھی تھا کہ عوام حنفی مذہب کے مطابق فتوے اور فیصلے چاہتے تھے، کسی نئے مجتہد کے اجتہادات کو قبول کرنا تو کیا، وہ احناف سے ہٹ کر ائمۂ ثلاثہ تک کی بات ماننے کے روادار نہ تھے، اس لیے بھی کہ مجتہد کے لیے جس درجہ کی عدالت اور جس پائے کا علم ضروری ہے، وہ نہ اس زمانہ کے علماء میں موجود تھا، اور نہ ان کے علم وعدالت پر لوگوں کو اعتماد تھا۔

امراء وعوام کے اسی رجحان کی وجہ سے عہدۂ قضاء پر صرف وہ علماء فائز کیے جاتے تھے، جو نرے حنفی ہوں، گویا اس زمانہ کی منڈی میں جامد حنفیت کی مانگ بھی تھی، اور اجتہاد کی راہ اختیار کرنا، اپنے آپ کو بے قیمت کرنا تھا۔

چنانچہ شاہ صاحب نے بھی جب حنفیت سے ''گوعملاً نہ سہی'' فکری طور پر منحرف ہوکر اپنی راہ علیحدہ بنائی، تو نہ خود ان کے زمانہ والوں نے اس راہ کو اختیار کیا، اور نہ ان کے بعد والوں نے، کیونکہ شاہ صاحب اگر مجتہدِ مطلق مستقل ہیں، تو کسی مستقل فرقہ کی شکل میں ان کے متبعین کہاں ہیں، اور اگر مجتہد منتسب اور فقیہ محدث ہیں، تو جس فقہِ حدیث کی انہوں نے بنیاد رکھی تھی، اس پر کون عامل

ہے؟ ہندوستان کے دو ہی فرقے مسلکاً ان کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں، حنفی اور اہلِ حدیث، حنفی اگر شاہ صاحب کے متبع ہیں، تو بیشتر مسائل میں حنفیت سے جو انحراف شاہ صاحب نے کیا ہے، یہ کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر اہلِ حدیث شاہ صاحب کے متبع ہیں، تو ان کے عمل اور تلقین کے خلاف انہیں تقلید سے یہ تنفر اور ائمۂ مجتہدین سے یہ بیزاری کیوں؟ (اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ ص۸۴، ۸۵، فصل نمبر۱، بعنوان ''علمی حالت'' ناشر: بقا پبلیکیشنز، کراچی، اشاعتِ دوم: 1986ء)

معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فقہ واجتہاد میں جو طرزِ عمل اپنایا، اس پر نہ تو ہندوستان و پاکستان وغیرہ کے موجودہ اہلِ حدیث پورے اترتے ہیں، اور نہ ہی جامد ومتشدد قسم کے حنفی، جس کی تفصیل آگے خود حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تصریحات کے ذیل میں آتی ہے۔

مولانا محمد مظہر بقا صاحب رحمہ اللہ اپنے مذکورہ مقالہ میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

مذاہبِ اربعہ کے درمیان توفیق کا جو رجحان شاہ صاحب حرمین سے لائے تھے، اس میں یہاں کے ماحول نے وقتی طور پر اس حد تک تغیر کردیا کہ یہ رجحان حنفیت اور شافعیت کے درمیان توفیق تک محدود ہوگیا۔

ایسا کیوں ہوا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ شافعی مذہب ہمیشہ سے حنفی مذہب کا مدِ مقابل رہا ہے، احناف کی کتبِ فقہ میں بھی شافعی مذہب کو جس کثرت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، اور جس شدت سے اس کی تردید کی جاتی ہے، یہ طرز دوسرے مذاہب کے ساتھ اختیار نہیں کیا جاتا، شاہ صاحب کے زمانہ میں حنفی فقہ کی جو کتابیں، شرح وقایہ اور ہدایہ درس میں رائج تھیں، اور جو شاہ صاحب نے خود بھی پڑھی اور پڑھائی تھیں، ان کا، خصوصاً ہدایہ کا اسلوب اس حقیقت کی بین شہادت ہے، اس لیے ایک طرف تو وہ کیفیت تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں، جن میں، عوام سے

امراء تک غالب اکثریت احناف کی تھی، شافعیت سے بعد، بلکہ تنفر تھا۔

دوسری طرف شاہ صاحب کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے ذہن پر حدیث کے غلبہ اور شیخ ابوطاہر کے تعلق سے شافعی مذہب کے اثرات بہت گہرے تھے۔

اس لیے انہوں نے سوچا کہ احناف کو شافعی مذہب سے جو تنفر ہے، پہلے اسے ختم کیا جائے، باقی رہے مالکی اور حنبلی مذاہب، تو نہ یہاں کے ماحول میں ان کی طرف سے تنفر تھا، اور نہ شاہ صاحب کے ذہن پر ان مذاہب کا اتنا اثر تھا، اس لیے ان دونوں سے صرفِ نظر کر کے انہوں نے اپنی مساعی کو صرف حنفیت اور شافعیت کے درمیان توفیق کے لیے وقف کر دیا۔

شاہ صاحب کے پاس اس کے لیے ایک معقول وجہِ جواز یہ بھی موجود تھی کہ دنیا میں انہی دو مذاہب کے متبعین کی اکثریت ہے، اور انہی میں علماء اور مصنفین کی کثرت ہے، اس لیے ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے ان کے قلب میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ان دونوں مذاہب کو ملا کر ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے (اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص۹۵، فصل نمبر 2، بعنوان ''حنفیت اور شافعیت کے درمیان توفیق کی کوشش'' ناشر: بقا پبلیکیشنز، کراچی، اشاعتِ دوم: 1986ء)

حنفی اور شافعی مذہب کو ملا کر ایک کر دینے کا رجحان بھی ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے قلب میں پیدا شدہ ایک داعیہ کا نتیجہ ہے (تفہیمات، جلد۱صفحہ۲۱۲)

مذاہبِ اربعہ کو ایک سطح پر سمجھنا یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی ارشاد کا اثر ہے (الدر الثمین، صفحہ ۵، تفہیمات، جلد ۲ صفحہ ۲۵۰) (اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص۱۲۴، فصل نمبر 2، بعنوان ''شاہ صاحب کے فقہی مسلک پر ان کے تصوف کا اثر'')

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے یہ تصریح پہلے گزر چکی ہے کہ:

جہاں تک (دیوبند کے) علمی مسلک کا تعلق ہے، اس کا مرجع الامر حضرت شاہ ولی

اللہ رحمہ اللہ کی ذاتِ گرامی ہے، جن پر منجانب اللہ یہ علمی مسلک الہامی طور پر وارد شدہ ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے، اور وہ سارے علمی طبقات کے لیے اپنے کمالِ اعتدال اور جامعیت کی وجہ سے جیسے طبعاً مرکزِ کل ہے، ایسے ہی سارے اہلِ مسالک اگر انصاف سے کام لیں، تو اس پر جمع ہو سکتے ہیں، یا کم سے کم اسے اپنا مرکز تسلیم کر کے، اس سے قریب ہو سکتے ہیں (تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص۲۸، مقدمہ)

مذکورہ حوالہ جات سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے فقہی مذاہب کو ایک دوسرے کے قریب کرنے، تطبیق دینے، اور معمولی، یا غیر ضروری بُعد کو دور کرنے کے ذوق پر روشنی پڑتی ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ پہلے بزرگ ہیں، جو علمِ حدیث کو باقاعدہ طور پر مدینہ منورہ سے ہندوستان لے کر آئے، چنانچہ ان کے استاذ شیخ ابوطاہر مدنی رحمہ اللہ ہیں، وہ مدینہ منورہ میں تھے، اور وہیں سے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علم حاصل کر کے ہندوستان لے کر آئے، اور یہاں پھر ان کا سلسلہ پھیلا، لہٰذا یہاں آج ہندوستان میں جتنا بھی علمِ حدیث ہے، وہ درحقیقت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا صدقہ جاریہ ہے، برصغیر میں جتنے سلسلہ ہائے حدیث، صرف ہمارے علمائے دیوبند ہی کا نہیں، بلکہ اہلِ حدیث علماء، بریلوی علماء، سب کے سلسلہ ہائے حدیث کی اسناد کی انتہاء حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ پر ہوتی ہے (انعام الباری، ج۱ص۵۶، علمِ حدیث اور علمائے حدیث، بعنوان "علمِ حدیث اور امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی" مکتبۃ الحراء، کراچی)

www.idaraghufran.org

الاستاذ شیخ محمد بشیر سیالکوٹی صاحب کا حوالہ

الاستاذ شیخ محمد بشیر سیالکوٹی صاحب مرحوم (مؤسس: معهد اللغة العربية، اسلام آباد) نے شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی فارسی زبان میں تحریر شدہ مایہ ناز کتاب ''ازالۃُ الخفاء عن خلافة الخلفاء'' کو عربی زبان میں منتقل کیا ہے، جس کے شروع میں انہوں نے شاہ ولی اللہ صاحب کے منہج پر مقدمہ تحریر کیا ہے، اس میں شیخ موصوف فرماتے ہیں:

انه اختار طريقة تدريس الحديث علٰى منهج المحدثين الاوائل روايةً ودرايةً، وانكر طريقة الفقهاء الجامدين والمتعصبين الذين عادتهم تاويل الحديث وتحريفه لتاييد مذاهبهم واهوائهم.

انه اوتى حظا وافرا من علم اسرار الحديث ومصالح الاحكام والجمع بين الفقه والحديث (ازالةُ الخفاء عن خلافة الخلفاء، المجلد الاول، صفحة ۲۰، اعماله وخصائق دعوته ،الدعوة الٰى اتباع السنة والاهتمام بنشر علومها، مطبوعة ، دارالعلم، اسلام آباد، الباكستان، تاريخ النشر: شوال ۱۴۳۷ هـ)

ترجمہ: انہوں (یعنی حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحب) نے حدیث کی تدریس کے طریقہ کو پہلے دور کے محدثین کے طریقہ پر روایت ودرایت کے اعتبار سے اختیار فرمایا، اور فقہائے جامدین اور متعصبین کے طریقہ کا انکار فرمایا، جن کی عادت حدیث کی تاویل کرنا اور حدیث کی تحریف کرنا ہوتا ہے، تاکہ اپنے مذاہب اور خواہشات کی تائید کریں۔

انہیں (یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کو) حدیث اور مصالحِ احکام اور فقہ اور حدیث میں جمع کے علم کا بہت بڑا حصہ عطاء کیا گیا تھا

(ازالۃ الخفاء، عربی)

مولانا منظور نعمانی صاحب کا حوالہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے زیرِ ادارت ماہنامہ ''الفرقان'' کے شاہ ولی اللہ کے خصوصی نمبر میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فقہی ذوق پر قدرے وضاحت کے ساتھ صاف صاف لکھا ہے، اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

حمد وصلاۃ کے بعد اولاً اپنی اولاد کو اور ثانیاً احباب کو مخاطب کر کے (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ۔مرتب) پہلی وصیت یہ فرماتے ہیں:

اول وصیت ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب وسنت در اعتقاد وعمل، پیوستہ بتدبر ہر دو مشغول شدن، و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن واگر طاقت خواندن ندارد ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن، ودر عقائد مذہب قدماءِ اہل سنت اختیار کردن واز تفصیل و تفتیش انچہ سلف تفشیشش نکردند اعراض نمودن و بہ تشکیکات خام معقولیان التفات نکردن۔

ودر فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میانِ فقہ وحدیث کردن ودائما تفریعاتِ فقہیہ بر کتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد، در حیزِ قبول آوردن والا ''کالائے بد بریش خاوند'' دادند۔

امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغناء حاصل نیست۔

وسخن متقشفۂ فقہاء کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ، تتبعِ سنت را ترک کردہ اند، نشنیدن وبدیشاں التفات نکردن، وقربتِ خدا جستن بدوراِیشاں۔

(ترجمہ بطور خلاصہ) اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل دونوں میں کتاب وسنت (قرآن وحدیث) کو نہایت مضبوطی سے پکڑا جائے، اور برابر ان میں تدبر جاری رکھا جائے، اور اگر عربی نہ جاننے کی وجہ سے خود نہ پڑھ سکتا ہو، تو کسی دوسرے سے کم از کم ایک ورق دونوں کا ترجمہ ہی سن لیا کرے، اور عقائد

میں قدمائے اہلِ سنت کا مسلک اختیار کیا جائے اور سلف نے جس چیز کی کھود کرید نہیں کی، اس کے پیچھے نہ پڑا جائے، اور ''معقولیانِ خام'' جو شبہات پیدا کرتے ہیں، ان کی طرف مطلق توجہ نہ کی جائے، اور فروعِ فقہ میں ان علمائے محدثین کی پیروی کی جائے، جو حدیث اور فقہ کے جامع ہوں، اور ہمیشہ فقہی تخریجات کو کتاب وسنت پر ضرور پیش کیا جائے، پھر جو اس کے موافق ہو، اس کو قبول کیا جائے، ورنہ ''کالائے بد بریش خاوند'' والا معاملہ کیا جائے، اور یہ یاد رکھا جائے کہ امت کسی وقت مجتہداتِ فقہاء کو کتاب وسنت سے جانچنے سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتی، اور ایسے متقشف فقیہ جو کسی عالم کی بات کو دستاویز بنا کر سنت کے تتبع سے بے پروا ہو گئے ہیں، ان کی بات تک نہ سنی جائے، اور ان کی طرف کسی قسم کا التفات نہ کیا جائے، بلکہ ان سے دور رہ کر خدا کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کیا جائے (فارسی وصیت کا ترجمہ ختم ہوا)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پہلی وصیت ہے، اور فی الحقیقت ایک صاحبِ بصیرت اور خداترس عالمِ ربانی کا یہی دستور العمل ہونا چاہیے۔

اسی وصیت سے شاہ صاحب کا ''فقہی مسلک'' بھی معلوم ہو جاتا ہے، اس نمبر کے کئی مقالوں میں یہ بحث براہِ راست اور ضمناً آئی ہے، اور مختلف نقطہائے نگاہ رکھنے والے مضامین نگار حضرات نے اس بارہ میں اپنا اپنا خیال ظاہر فرمایا ہے کہ شاہ صاحب کا فقہی مسلک کیا تھا؟ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی جن کتابوں تک میری رسائی ہوسکی، ان سب کو دیکھنے کے بعد اس باب میں جس نتیجہ پر میں پہنچا ہوں، وہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کی شخصیت اس سے بالاتر ہے کہ تقلید وعدمِ تقلید کی اس بحث میں ان کو گھسیٹا جائے۔ [1]

---

[1] ہم نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے متعلق اس قسم کے موضوع پر لکھے گئے، متعدد مضامین ملاحظہ کیے، مگر حیرت اور تعجب ہوا کہ واقعتاً ہر فریق کی یہی کوشش رہتی ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارات سے کسی طرح اپنے طرزِ عمل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ملت کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ شاہ صاحب کی وہ ذات، جس کا صحیح اور عادلانہ فیصلہ ''حاملانِ تقلید'' اور ''مخالفانِ تقلید'' دونوں گروہوں کو ایک معتدل مسلک پر جمع کرسکتا تھا، یا کم از کم دونوں فریقوں میں اعتدال پیدا کر کے اور ان کی باہمی منافرت وبے جا عصبیت کو مٹا کے ایک دوسرے سے قریب کرسکتا تھا، ان ہی کو بحیثیتِ فریق اس بحث میں دھرلیا گیا، ایک طرف سے کوشش شروع ہوئی کہ ان کو ''تقلید'' اور ''حنفیت'' کا پکا دشمن، باصطلاحِ حال ''ٹھیٹھ غیر مقلد'' ثابت کیا جائے، اور دوسری طرف سے اس کے جواب میں آپ کو عرفی قسم کا ''پکا حنفی'' اور موجودہ دور کی مروج تقلید کا حامی ثابت کرنے کے لیے زور لگایا گیا، نتیجہ ان دونوں کوششوں کا یہ ہوا کہ شاہ صاحب کا جو مقصد تھا، وہ کلی طور پر فوت ہوگیا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کے موافق ہونا، یا ان کے کلام سے اس کی تصدیق ثابت کی جائے، بے شک اس مقصد کے لیے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارات میں کسی قدر کانٹ چھانٹ یا دور دراز کی تاویلات کا سہارا کیوں نہ حاصل کرنا پڑے، اور یہ طرزِ عمل بعض اوقات علمی دیانت کی حدود سے بھی متجاوز محسوس ہوا۔

اللہ تعالیٰ اعتدال کو ملحوظ رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

[1] ہم نے مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کے مندرجہ بالا تبصرہ کو شاہ صاحب کی اپنی تصنیفات وارشادات کی روشنی میں حرف بحرف صحیح پایا ہے کہ شاہ صاحب خود کیا تھے، اور یار لوگوں نے کھینچا تانی میں ان کو کیا بنالیا؟ ع

چوں نہ دانند حقیقت افسانہ زنند

اس لیے مولانا نعمانی کے مذکورہ موقف میں صد فیصد صداقت معلوم ہوتی ہے۔

ہم نے حنفی سلسلہ کے متعدد اہلِ علم اور خاص طور پر اہلِ دار الافتاء اور یہاں تک کہ شیخ الحدیث حضرات کو اس قسم کا حنفی پایا ہے، جن کے متعلق نہ صرف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی برأت کا اظہار فرمایا تھا، بلکہ ان سے دور رہنے کی بھی وصیت فرمائی تھی، اور ان کے متعلق ''إِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰی أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلٰی آثَارِهِمْ مُهْتَدُوْنَ '' کی وعید بھی ذکر فرمائی تھی۔

مگر افسوس ہے کہ یہ حضرات ان تمام چیزوں کو نظر انداز کر کے، بلکہ ان چیزوں سے بے فکر ہو کر اپنے قابلِ اصلاح طرزِ عمل پر نہ صرف یہ کہ مطمئن ہیں، اسی کے ساتھ دوسروں سے بھی اس طرزِ عمل کو اپنانے کے خواہش مند اور مصر ہیں، اور اگر کوئی صاحبِ علم ان کے اس طرزِ عمل کو اختیار نہ کرے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے بیان فرمودہ طرزِ عمل کو اختیار

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کاش اگر بجائے اس روِش کے اختیار کر لینے کے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے نسبت رکھنے والے احناف اس قسم کے حنفی بننے اور حنفیت کے اس ''طریقۂ انیقہ'' کو عملاً رائج کرنے کی کوشش کرتے، جو شاہ صاحب کا طریقہ تھا، اور جس کو آپ نے ''فیوضُ الحرمین'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کے حوالہ سے بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

وذلک ان یؤخذ من أقوال الثلاثة قول أقربهم بها فی المسئلة ثم بعد ذلک یتبع اختیارات الفقهاء الحنفیین الذین کانوا من علماء الحدیث ، فرب شیئ سکت عنه الثلاثة فی الأصول وما تعرضوا لنفیه ودلت الاحادیث علیه، فلیس بد من اثباته والکل مذهب حنفی (ص ۴۹)

ترجمہ: وہ طریقۂ انیقہ جو تمام طریقوں میں سنتِ معروفہ سے قریب تر ہے، یہ ہے کہ ائمۂ ثلاثہ (ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد رحمہم اللہ) میں سے جس کا قول بھی سنتِ معروفہ (احادیثِ نبوی) سے قریب تر ہو، وہ لیا جائے، پھر ان فقہائے حنفیہ کی ترجیحات کی پیروی کی جائے، جو فقیہ ہونے کے ساتھ حدیث کے بھی عالم تھے، کیونکہ بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ ائمۂ ثلاثہ نے اصول میں ان کے متعلق کچھ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

کرے، تو اس سے بدظن بھی ہوتے ہیں، اور اس کی تردید کے بھی درپے ہوتے ہیں، اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے اور دور رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔ ع

شد پریشان خوابِ من از کثرتِ تعبیرھا

لاحول ولاقوۃ کیا الٹا زمانہ ہے عورت تو ہے مردانی، اور مرد زنانہ ہے

وہ شخص چلا ہے میری پہچان مٹانے
جس کی اپنی کوئی پہچان نہیں ہے

محمد رضوان۔

نہیں کہا، اور نفی بھی نہیں کی، اور احادیث ان کو بتلا رہی ہیں، تو لازمی طور پر اس کو تسلیم کیا جائے گا، اور یہ سب حنفی مذہب ہی ہے (ترجمہ ختم ہوا)

بہرحال اگر ''ولی اللّٰہی حنفی'' حضرات شاہ صاحب کے اس طریقہ کو عملاً قبول کر لیتے، اور اسی کو رواج دینے کی کوشش کرتے، اور اسی طرح شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے ''عاملین بالحدیث'' تقلید اور حنفیت کو اس درجہ میں تسلیم کر لیتے، جو شاہ صاحب نے صراحتاً ان کو دیا ہے، اور شاہ صاحب کی طرح اپنے اختلاف اور اپنی تنقید کا نشانہ صرف ''غیر شرعی تقلید'' اور ''مسخ شدہ حنفیت'' ہی کو بناتے، اور صحیح قسم کی تقلید اور اصلی حنفیت، یا کم از کم حنفیت میں شاہ صاحب کے پسندیدہ طریقہ ہی کو قبول کر لیتے، یا برداشت ہی کر سکتے، تو شاہ صاحب کا منشاء پورا ہو جاتا۔ [1]

انہی سطور سے شاہ صاحب کے فقہی مسلک کے متعلق میرا خیال بھی ناظرینِ کرام کو معلوم ہو گیا ہوگا، لیکن جو حضرات یہ معلوم کرنے کے لیے میری رائے کے منتظر ہیں کہ آج کل کی عام عرفی اصطلاح کی رو سے شاہ صاحب ''حنفی'' تھے، یا ''غیر مقلد''، تو افسوس ہے کہ ان دونوں لفظوں نے اب جو خاص معنیٰ اختیار کر لیے ہیں، ان کے پیشِ نظر اس سوال کا جواب میرے نزدیک صرف ''منفی'' ہی ہو سکتا ہے، اگر حنفیت کے دائرہ کو اتنا وسیع مان لیا جائے، جتنی وسعت کہ اس کو ہمارے محترم

---

[1] غیر مقلدین حضرات کے غیر معتدل طرزِ عمل سے تو ہمارے دوسرے حضرات کو بھی اختلاف ہے، اور ان کے طرزِ عمل کا غیر معتدل ہونا واضح ہے، لیکن اس موقع پر ''مسخ شدہ حنفیت'' کے حاملین کو غور کرنا نہایت ضروری ہے کہ انہوں نے حنفیت کے دفاع، اس کی حقانیت اور دوسرے مذاہب، یا ان کے مسائل کی پرزور تردید کا جو طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے، جو بسا اوقات نکیر و تحقیر کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے، اس کے قابلِ اصلاح ہونے کی فکر کتنی ضروری ہے، اسی طرح تقلیدِ شخصی پر اتنا زور دینا کہ اگر کوئی اس پر عمل پیرا نہ ہو، بلکہ تقلیدِ شخصی کا کلی اہتمام کیے بغیر معتبر فقہائے کرام و مجتہدینِ عظام کے اقوال پر عمل پیرا ہو، اور کسی خرابی میں مبتلا نہ ہوتا ہو، تو آج حنفیت سے تعلق رکھنے والے حضرات کو یہ طرزِ عمل کیوں گوارا نہیں؟ یہاں بھی وہی تشدد و جمود والا طرزِ عمل سامنے آتا ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

دوست مولانا محمد یوسف صاحب فاضل بنوری نے اپنے مقالہ میں دی ہے، اور ''فیوضُ الحرمین '' کی مذکورۂ الصدر عبارت میں شاہ صاحب کے لفظ ''والکل مذہب حنفی '' کا مقتضیٰ بھی وہی ہے، تو بے شک شاہ صاحب کو ''حنفی'' کہا جاسکتا ہے، اور خود شاہ صاحب بھی اسی معنیٰ کر اپنے کو ''حنفی'' کہتے ہیں، لیکن آج ہمارے حنفی حلقوں میں ''حنفیت'' کے جو معنیٰ عموماً سمجھے جاتے ہیں، ان کے اعتبار سے شاہ صاحب کو حنفی کہنا یقیناً زبردستی ہے، ہماری حنفی دنیا میں آج اس شخص کو کہاں حنفی تسلیم کیا جاسکتا ہے، جس کا اصول '' دائماً تفریعاتِ فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن'' ہو، اور جو ''کتاب وسنت سے فقہ کی تنقید'' کے اس اصول کو قیامت تک کے لیے امت کا فرض قرار دیتا ہو، اور جس کا تحقیقی مسلک وہ ہو، جو ''حجة اللّٰه البالغة ''میں ایک مستقل فصل قائم کر کے ''مما یناسب ھذا المقام التنبیه علیٰ مسائل ضلت فی بوادیھا الاوھام الخ '' کے زیرِ عنوان صفحہ ۱۲۳ سے ۱۲۹ تک شاہ صاحب نے ارقام فرمایا ہے، بلکہ اسی ''حجة اللّٰه البالغة''میں اور ''بدورُ البالغة''میں بھی آپ نے دیگر ائمہ کے بعض اقوال کو از روئے ادلہ زیادہ قوی سمجھ کر اختیار بھی فرمایا ہے، اور یہ ذکر، نادر قسم کے مسائل ہی کا نہیں ہے، بلکہ جن مسائل کو آج کل حنفیوں اور غیر حنفیوں میں مابہ الامتیاز سمجھا جاتا ہے، بعض ایسے مسائل میں بھی شاہ صاحب نے کسی دوسرے امام کے قول کو قوتِ دلائل کی وجہ سے اختیار کیا ہے، مثلاً ''مسئله قلتین، رفع یدین، الترجیع فی الاذان والایتار فی الاقامة، اقامة الجمعة فی القریٰ التی فیھا اربعون رجلا حرا، وغیرہ وغیرہ''

میرا خیال ہے کہ اگر آج کوئی فاضل دیانت داری سے اس روش پر چلے اور شاہ صاحب ہی کی طرح اس کو ''حنفیت'' کے مناقض نہ سمجھتا ہو، بلکہ اس کو بھی حنفیت ہی کا ایک طریقہ سمجھتا ہو، اور اسی بناء پر اپنا رشتہ حنفیت سے بھی رکھنا چاہتا ہو، تو ہمارے

زمانہ کے ٹکسالی قسم کے حنفی حضرات کبھی بھی اس کو حنفی تسلیم نہیں کریں گے۔ [1]

اور یہ صرف مفروضہ ہی نہیں ہے، بلکہ میرے علم میں بعض وہ اہلِ علم ہیں، جن کا طریقہ یہی ہے کہ وہ شاہ صاحب کی ہدایت اور وصیت کے مطابق ''عرض مجتہدات بر کتاب وسنت'' کے قائل ہیں، اور اس سلسلہ میں وہ کہیں کہیں فقہ حنفی کی بعض تفریعات کو اپنے نزدیک کتاب وسنت کے مطابق نہ پا کر چھوڑ بھی دیتے ہیں، لیکن کتاب وسنت کے بعد ان کا دینی مرجع فقہ حنفی ہی ہے، اور اسی لیے وہ خود اپنے کو فقہاً حنفی ہی سمجھتے ہیں، لیکن ہماری ''حنفی بارگاہیں'' ان کو حنفی تسلیم نہیں کرتیں، اور پھر بات اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ اگر کوئی صاحبِ علم، فقہ حنفی ہی کے اندر اتباعِ حدیث کے صادق جذبہ کے ماتحت ائمۂ ثلاثہ اور مشائخِ حنفیہ کے انہی اقوال کو اختیار کرے، جو اس کے نزدیک ''أوفق بالحدیث'' ہوں، اور اس سلسلہ میں اسے بعض اُن اقوال کو چھوڑنا پڑے، جن کی نسبت فقہ کی کتابوں میں ''ظاهرُ الروایة'' کی طرف کی گئی ہے، یا جن کو ''مفتیٰ بہ'' بتلایا گیا ہے، تو ''کھرے اور پکے حنفیوں'' کے نزدیک اتنے ہی سے اس کی حنفیت مخدوش ہو جاتی ہے، اس لیے اگر میں یہ کہتا ہوں کہ شاہ صاحب آج کل کی عام اصطلاح کے لحاظ سے ''حنفی'' نہیں تھے، تو غلط نہیں کہتا، اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے وہ حنفی ہی تھے۔ [2]

---

[1] مذکورہ بالا تبصرہ کو ملاحظہ کر کے ہر ایک اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لے سکتا ہے، ہم نے بھی مولانا نعمانی کی طرح اپنے زمانے میں ''ٹکسالی قسم کے حضرات'' کا مشاہدہ کیا ہے، جو ہمیں بھی حضرت شاہ صاحب کے طرزِ عمل کے اختیار کرنے پر حنفی تسلیم کرنے میں بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن چونکہ الحمد للہ تعالیٰ اصل مقصود رضائے خالق ہے، اس لیے ان حضرات کے اتہامات سے ان شاء اللہ تعالیٰ راہِ حق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ محمد رضوان۔

[2] مولانا نعمانی صاحب نے جامد ومتقشف قسم کے علمائے احناف کے احوال کا جو مندرجہ بالا نقشہ کھینچا ہے، وہ حقیقت میں ہو بہو ترجمانی کی ہے، اور اس کا واقعی ایک عرصہ سے متعدد حنفی علمائے دین کے مخصوص مزاج ومذاق کو دیکھ کر مشاہدہ ہوتا رہا ہے، بلکہ متعدد مسائل کی وجہ سے ہمیں بھی اس قسم کے اہداف کا سامنا کرنا پڑا ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اجتہاد وتقلید کے سلسلہ میں جمود وخمود اور غلو سے حفاظت فرما کر اعتدال کو قائم رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

ایسے ہی میں پوری بلند آہنگی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، اور کہتا ہوں کہ موجودہ ''جماعتِ اہلِ حدیث'' جس نے زمانہ کے امتداد کے ساتھ اب ایک مستقل پانچویں فقہی مسلک کی حیثیت اختیار کرلی ہے، اور جس کے افراد کی اکثریت میں کم از کم میں نے تقلید اور حنفیت سے عناد کا سلبی داعیہ ''عمل بظاہر الحدیث'' کے ایجابی رجحان سے زیادہ پایا، اس جماعت کو ہرگز حق نہیں ہے کہ وہ شاہ صاحب کو اپنا مقتداء اور ہندوستان میں اس مسلک کا داعیِ اول مشہور کرے، میں نے ''اہلِ حدیث'' دوستوں اور بزرگوں میں کسی کو ایسا نہیں پایا، جو حضرت شاہ صاحب کی ان تحقیقات کا اقرار اور کھلے دل سے ان سے اتفاق ہی کرتے ہوں کہ:

(۱) أن هذه المذاهب الأربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الأمة – أو من يعتد به منها – على جواز تقليدها إلى يومنا هذا، وفي ذلك من المصالح ما لا يخفى لا سيما في هذه الأيام (حجة، ص ۱۲۳)

ترجمہ: اس وقت تک تمام امت میں، یا کم از کم امت کے معتد بہ حصہ میں ان مذاہبِ اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کی تقلید کے جواز پر اجماع و اتفاق پایا جاتا ہے، اور اس تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں، جو مخفی نہیں ہیں، خصوصاً آج کل کے اس زمانہ میں، الخ (ترجمہ ختم ہوا)

(۲) اور پھر اگلے صفحہ پر ابنِ حزم ظاہری کا جواب دیتے ہوئے یہ ثابت فرمانے کے بعد کہ ''کم علم والوں کا زیادہ علم والوں سے مسائل میں فتویٰ لینا اور ان کا فتویٰ دینا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی سے برابر مسلمانوں کا عام دستور رہا ہے'' تقلیدِ شخصی (خالص تقلیدِ شخصی) کی توجیہ اور اس کا جواز اس طرح بیان فرماتے ہیں:

ولا فرق بین أن یستفتی هذا دائما، أو یستفتی هذا حینا وذلک حینا، الخ .

ترجمہ: ہمارے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ کوئی شخص ہمیشہ ایک ہی عالم (مجتہد) سے فتویٰ لیا کرے (یعنی تقلیدِ شخصی کرے) یا کیف ما اتفق کبھی کسی عالم سے اور کبھی کسی عالم سے (ترجمہ ختم ہوا) [1]

(۳) اور ''انصاف'' کی یہ عبارت کہ ''**وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سرٌّ ألهمه الله تعالىٰ**'' جو مع ترجمہ کے اسی نمبر کے صفحہ (۳۷۵) پر ناظرینِ کرام ملاحظہ فرما چکے۔

(۴) اور خاص ''حنفی مذہب'' کے متعلق آپ نے اپنے جو بلند خیالات ''فیوض الحرمین'' میں ظاہر فرمائے، مثلاً یہ کہ مجھے دکھایا گیا کہ حنفی مذہب میں بڑا غامض سرّ ہے...... یہاں تک کہ میں نے اس کا مشاہدہ کیا کہ فی زماننا ''حنفی مذہب'' کو تمام دوسرے مذاہب پر فوقیت اور برتری حاصل ہے (فیوض، ص۱۰۳)

(۵) اور اسی ''**فیوضُ الحرمین**'' میں آپ نے یہ بھی صراحت کے ساتھ فرمادیا کہ ''مذاہبِ اربعہ کی تقلید کے بارہ میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص وصیت ہے'' (ملاحظہ ہو، نمبر ہٰذا کا صفحہ ۳۶۵)

(٦) اور دوسری جگہ فرمایا ''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ تم فروع (یعنی فقہ) میں اپنی قوم (یعنی ہندی مسلمانوں کی جو عموماً حنفی المذہب ہی تھے)

---

[1] مذکورہ دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ عامۃ الناس اور غیر مجتہد کے لیے عمومی حکم یہ ہے کہ وہ عام حالات میں مذاہبِ اربعہ سے خروج نہ کریں، اگرچہ مخصوص حالات میں، یا مجتہد کو صحابی، یا کسی دوسرے مجتہد کی اتباع کرنا، یا مجتہد فیہ مسئلہ میں اپنی رائے قائم کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ قول معتبر ذریعہ سے ثابت ہو، اور مسئلہ مجتہد فیہ ہو، نیز عام لوگوں کو جس طرح تقلیدِ شخصی کرنا جائز ہے، اسی طرح غیر تقلیدِ شخصی بھی جائز ہے، جب تک کوئی معتبر منکر لازم نہ آئے، جس کی با حوالہ توضیح آگے اپنے اپنے مقامات پر آتی ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

مخالفت نہ کرو‘‘ پھر آپ فرماتے ہیں کہ سرکارِ رسالت ہی سے مجھے ’’سنت‘‘ کے ساتھ فقہ حنفی کی تطبیق کا طریقہ بھی بتلایا گیا، الخ (ملاحظہ ہو، نمبر ہٰذا کا صفحہ ۳۶۴) [1]

اور پھر ان تمام ’’حقائق‘‘ کے اظہار کے ساتھ اپنے دستخط کے ساتھ بھی ’’**الحنفی عملاً**‘‘ لکھتے ہیں (ملاحظہ ہو، نمبر ہٰذا کا صفحہ ۲۳۲)

بہرحال میں نے ’’اہلِ حدیث‘‘ کہلانے والے دوستوں اور بزرگوں میں جن کو کچھ معتدل اور غیر متعصب بھی پایا، ان کو بھی حضرت شاہ صاحب کے اس مسلک سے بہت دور پایا، اس لیے میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ حضرات کس بنیاد پر حضرت شاہ صاحب کو اپنا ’’پیش رو‘‘ کہتے، یا کہہ سکتے ہیں (ماہنامہ ’’الفرقان‘‘ بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر، مرتبہ: مولانا محمد منظور نعمانی، جلد ۷، شمارہ نمبر ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، بابت رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ، صفحہ ۳۹۸ تا ۴۰۳، مضمون ’’حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے کام کا مختصر تعارف‘‘ از مدیر منظور نعمانی)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کا مذکورہ غیر متعصّبانہ، بلکہ منصفانہ وجرأت مندانہ تجزیہ نہایت محقق ہے، جس کی روشنی میں موجودہ ٹھیٹھ حنفی اور ان کے مقابلہ میں ’’اہلِ حدیث، یا غیر مقلدین‘‘ دونوں طبقات کے افراط وتفریط میں مبتلا ہونے، اور أوفق بالقرآن والسنة طریقہ کے ان دونوں افراط وتفریط کے درمیان ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے، جو معتدل ومتوسع ہے، اور اس سے مذکورہ دونوں طبقے عام طور پر محروم ہیں، الا ماشاءاللہ۔

ہمیں ہر طرح کے علمی وفقہی جمود وتعصب سے بالاتر ہوکر کافی حد تک اکابرِ دیوبند کے سلسلۂ اسناد کے اہم ستون یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ فقہی و اجتہادی ذوق ومنہج سے مناسبت ہے، تو کیا کوئی عالمِ دین یہ جرأت کرسکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب رحمہ اللہ کو اہلِ حق، یا اہلُ السنة والجماعة کے سلسلہ سے خارج

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب نے متعدد مسائل میں حنفیہ کے قول کی مخالفت اور دوسرے فقہاء کے اقوال کی موافقت فرمائی ہے، لیکن ایسی چیزوں میں مخالفت سے اجتناب کیا، جس سے فتنہ وانتشار لازم آئے، جیسا کہ آگے تفصیلاً آتا ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

کر دے، اگر کوئی ایسا کرے، خاص طور پر، جب کہ وہ سلسلۂ دیوبند سے بھی وابستہ ہو، تو پھر ہندوستان میں علمی سلسلہ اور خود ایسا کرنے والے کے سلسلہ کا بھی اہلِ حق، یا اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج ہونا لازم آئے گا۔

آج کے دور میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے ذوق پر مبنی مسلکِ دیوبند کی مذکورہ جامعیت اور وسعت کے مقابلہ میں موجودہ زمانہ میں مسلکِ دیوبند کی طرف منسوب بعض غیر معتدل وغیر متوسع ذہنیت کے حامل اور جمود وخمود اور فقہی تنگ نظری، یا تشدد وانتہا پسندی کا مزاج رکھنے اور اہلِ حق فقہائے کرام ومجتہدینِ عظام کی آراء پر نکیر کرنے والے اہلِ علم حضرات کی قابلِ ذکر تعداد موجود ہے، جن کو اپنے مقابلہ میں کسی محقق عالمِ دین کا جزئی اجتہاد بھی قبول نہیں، خواہ وہ ان کے سلسلہ سے ہی وابستہ کیوں نہ ہو۔

حالانکہ انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی صاحبِ علم جزوی درجہ کے اجتہاد کی بھی لیاقت و صلاحیت نہیں رکھتا، تو یہ اس کا اپنا معاملہ ہے، لیکن اسے اپنے علاوہ دوسرے اکابر، معاصر، یا اصاغر تمام اصحابِ علم وفقہ کو تو اپنے درجے پر رہنے کا پابند بنانا، یا سمجھنا نہیں چاہیے، آخر کنویں کے مینڈک کو کیا حق ہے کہ وہ وسیع تالابوں میں تیراکی کر چکنے والوں کی تغلیط کرے، اور بزبانِ حال یہ دعویٰ کرے کہ اس کنویں کی لمبائی، چوڑائی اور طول وعرض کے محدود دائرے میں ہی ساری دنیا سمٹی ہوئی اور منحصر ہے، اور اس سے باہر کوئی دنیا ہے، نہ سلسلۂ موجودات۔

تو خفاشتگی زلور مہ قیاس نور خور می کن　　　تر اسود ایں بود، گو نور خور، بینی زیاں بینی [1]

البتہ اگر کسی سے علمی وفقہی اختلاف ہو، تو اس کا دلائل کے ساتھ مہذب اور شائستہ طریقہ پر اظہار کرنا چاہیے، یہ کیا کہ خود تو کچھ کریں نہیں، اور دوسروں کے کام میں روڑے اٹکاتے پھریں، یہ طرزِ عمل اعتدال پسندی اور مسلکِ دیوبند اور بالخصوص حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے بنیادی طرزِ فکر میں داخل نہیں، لکیر کا فقیر بن کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور

---

[1] ترجمہ: تو چمگادڑ ہے چاند کی روشنی سے ہی سورج کی روشنی کا اندازہ کرنے پر اکتفا کر۔ تیرے لیے اسی میں سلامتی ہے، اگر براہِ راست خورشید کو دیکھے گا تو اپنے اوپر زیادتی کرے گا۔

www.idaraghufran.org

دوسرے حضرات جو علمی وفقہی کام کریں، ان کے مقابلے میں ہٹ دھرمی اختیار کرنا علمی وفقہی طریقہ نہیں، نہ اہلِ علم کو یہ روش سزاوار ہے۔

آج جس طرح ایک قابلِ ذکر علمی حلقہ کی طرف سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے بیان واختیار فرمودہ اس طرز کو نہ صرف نظر انداز کیا جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات، اس طرز کے خلاف جدوجہد اور کوشش کی جاتی ہے، یا ایسے علمی وفقہی مضامین اور اقوال کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، جو مذکورہ طرز سے ہم آہنگی نہیں رکھتے۔

اسی کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تعلیمات وتصنیفات کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی، جس کی کہ ضرورت تھی، بلکہ عام علمائے کرام کو تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی کتب کا تعارف تک بھی نہیں، چہ جائیکہ ان کو تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا جائے، جبکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے طرزِ فکر میں موجودہ فقہی مسائل اور مشکلات وتنازعات کا بخوبی حل پایا جاتا ہے، جن میں تقلید سے لے کر اجتہاد تک وسعت موجود ہے، خواہ تقلیدِ شخصی ہو، یا حسبِ موقع وضرورت غیر شخصی ہو، اور اجتہاد بھی خواہ جزئی نوعیت کا ہو، یا اس سے کچھ وسیع۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا سنِ ولادت **1114** ہجری، بمطابق **1703** عیسوی ہے، اور سنِ وفات **1176** ہجری، بمطابق **1762** عیسوی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے صاحبزادگان سے بھی اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں دین کی متنوع خدمات کا کام لیا، جن میں حضرت شاہ صاحب کے صاحبزادگان شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ رفیع الدین دہلوی، شاہ عبدالقادر دہلوی اور شاہ عبدالغنی دہلوی رحمہم اللہ کے نام معروف ہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فرزند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کو علامہ ابنِ عابدین شامی کا معاصر اور ان سے تفقہ میں زیادہ بڑھا ہوا قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شاہ عبدالعزیز صاحب اور علامہ شامی معاصر ہیں، لیکن تفقہ میں شاہ صاحب بڑھے ہوئے ہیں، اور (فقہ حنفی کی) جزئیات پر حاوی شامی زیادہ ہیں، اور (فقہ حنفی کے) نقل کا سامان بھی ان کے پاس زیادہ ہے (ملفوظات محدث کشمیری، صفحہ ۲۱۹، بعنوان ''فقہ سب سے زیادہ مشکل فن ہے'' مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، تاریخ اشاعت: ربیع الاول ۱۴۳۱ھ)

اور علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ کا سنِ ولادت 1198 ہجری، بمطابق 1784 عیسوی ہے، اور سنِ وفات 1252 ہجری، بمطابق 1836 عیسوی ہے۔

اس اعتبار سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ، علامہ شامی رحمہ اللہ سے مقدم ہیں، علامہ شامی رحمہ اللہ کی ولادت، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے 22 سال بعد ہوئی۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے دین کے اصولیات سے لے کر فروعیات تک پر قلم اٹھایا، اور فنِ تفسیر، فنِ حدیث، فنِ اصولِ فقہ وغیرہ سب ہی شعبوں میں اصولی وفروعی خدمات کا فریضہ سرانجام دیا، اور اجتہاد وتقلید کے باب میں بھی وسعت واعتدال کے درجات کی تعیین و نشاندھی کی، جس سے شاہ ولی اللہ صاحب کے وسعتِ علم وفکر کا اندازہ ہوتا ہے، وہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ محقق ومحدث بھی ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ چونکہ ہندوستان کے باشندے ہیں، اور یہاں کے حالات سے زیادہ واقف ہیں، اس لیے اس علاقہ کے باشندگان کے لیے ان کی تعلیمات کی اہمیت اس جہت سے زیادہ ہونی چاہیے۔

لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے فقہی واجتہادی ذوق کے مقابلہ میں دوسرے علاقوں کے مخصوص تقلیدی وفقہی ذوق کو اختیار کیا جاتا ہے، اور اسی کے مطابق عموماً فتاویٰ جاری کیے جاتے ہیں، اور اس سے ذرہ برابر انحراف کو گوارا نہیں کیا جاتا۔

اسی طرح مخصوص کتب میں بیان کردہ اقوال کا تمام اہلِ علم واہلِ افتاء کو پابند سمجھا جاتا ہے۔

اور اسی بنیاد پر تحریر کردہ بہت سے فتاویٰ اُردو زبان میں شائع ہو کر منظرِ عام پر آ گئے ہیں، اور

www.idaraghufran.org

روز بروز نئے فتاویٰ آتے جا رہے ہیں، جن سے اگرچہ جزوی فوائد کے حاصل ہونے میں تو شبہ نہیں، لیکن ان کا ایک نقصان یہ سامنے آ رہا ہے کہ مخصوص ذوق پر مبنی ان فتاویٰ کو ہی حق کا معیار سمجھا جا رہا ہے۔

نیز موجودہ دور کے بہت سے مفتیانِ کرام نے اصل دلائل اور کتب سے مراجعت ترک کر دی ہے، اور وہ صرف اُردو فتاویٰ پر تکیہ اور سہارا حاصل کر کے بیٹھ گئے ہیں، غور وفکر، تدبر اور جزوی اجتہاد تک کو ایک طرح سے بند کر کے رکھ دیا گیا ہے، اور جو کچھ آج کے اردو فتاویٰ میں موجود ہے، اس سے عدول کو بہت بڑا جرم، بلکہ گناہ خیال کر لیا گیا ہے، اور اس کے نتیجہ میں استعدادیں کمزور رہنا شروع ہوگئی ہیں، جس طرح سے اس سے پہلے درسِ نظامی کی اُردو شروحات سے استعدادوں کو نقصان پہنچا تھا کہ خود اصل کتابوں سے عبارات نکال کر اور ان کو حل کرنے کی محنت کمزور ہوگئی تھی، اسی طرح اب اُردو فتاویٰ سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہو رہا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ بعض اوقات ایک سوال کسی خاص پسِ منظر اور مخصوص عرف وحالات پر مبنی ہوتا ہے، اور اس کا جواب بھی اسی تناظر میں ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر اس طرح کا سوال کسی دوسرے پسِ منظر اور دوسرے عرف وحالات پر مبنی ہو، تو اس کا جواب بھی اسی تناظر میں ہونا چاہئے، لیکن آج کل کے عام مفتی ان چیزوں پر نظر کئے بغیر جو بھی سوال آتا ہے، اس کا جواب گزشتہ کسی فتوے سے مِن وعَن اور جوں کا توں نقل کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے کئی مشکلات پیش آتی ہیں، اور بے اعتدالیاں پیدا ہوتی ہیں، یہ طرزِ عمل افتاء کے آداب کے خلاف ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مستند ومعتبر اہلِ علم حضرت کا طبقہ ہمت وجرأت کے ساتھ کمر بستہ ہو کر اجتہاد وتقلید اور فقہی مسائل کے سلسلہ میں معتدل ومتوسع طریقہ کو اختیار کرے، تاہم دوسروں کی تحقیر وتذلیل اور مناظرے ومباحثے کے درپے نہ ہو۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(دوسراباب)

’’اجتہاد وتقلید‘‘ پر شاہ ولی اللہ کے افکار

امامُ الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فقہی واجتہادی منہج وفکر کے متعلق، ان کی تالیفات میں اجتہاد وتقلید پر مفصل کلام ملتا ہے، جس سے یہ بات عیاں ہونے میں کوئی ابہام نہیں رہتا کہ وہ موجودہ دور کے بعض جامد ومتشدد مقلدین وغیر مقلدین میں پائے جانے والے تشدد وتعصب کے قائل نہیں تھے، اور وہ اس سلسلہ میں افراط وتفریط کے مابین معتدل موقف رکھتے تھے، جس کی دعوت وتبلیغ کے لئے وہ کوشاں رہے۔

آنے والے صفحات میں شاہ ولی اللہ صاحب کی تالیفات سے ایسی تصریحات، اور بقدرِ ضرورت ان کی توضیحات وتائیدات پیش کی جاتی ہیں، جن میں آج کل طرفین سے بہت زیادہ غلو وتشدد، یا افراط وتفریط پر مبنی طرزِ عمل سامنے آتا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ اگر طرفین سے بے جا تشدد وتعصب کرنے اور اسی کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی طرف اپنی نسبت کرنے والے حضرات، تعصب وجمود سے بالاتر اور خالی الذہن ہو کر غور فرمائیں گے، تو تعصب وتشدد سے نجات اور اعتدال وتوسع کی نعمت حاصل ہونے میں مدد ملے گی، البتہ تاویلات کا راستہ بہت طویل ہے۔

ہم نے آنے والے مضمون میں شاہ ولی اللہ صاحب کی تالیف ’’**عقدُ الجید فی أحکام الإجتھاد والتقلید**‘‘ نامی کتاب کو تو مکمل طور پر اور بالاستیعاب شامل کیا ہے، البتہ اس کی ترتیب کو ہم اپنے مرتبہ مضمون میں موضوعات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ملحوظ نہ رکھ سکے، اور بعض مقامات پر اس کی عبارات کو بوجوہ متن کے بجائے حواشی میں شامل کرنے پر مجبور ہوئے۔

Idara Ghufran

اس کے علاوہ ہم نے آنے والے مضمون میں شاہ ولی اللہ صاحب کی تالیف" **الانصاف فی بیـان اسبـاب الاختلاف** " کے بعد کے دوابواب کو بھی اسی ترتیب کے مطابق شامل کیا ہے۔

اوراس کے علاوہ شاہ ولی اللہ صاحب کی دیگر کتب ورسائل سے جابجا استفادہ کرکے متعلقہ مقام پر عبارات وحوالہ جات کو شامل کیا ہے، اور ہر عبارت وحوالہ کو شاہ ولی اللہ صاحب کی اصل کتاب، یا مضمون سے مراجعت کرکے شامل کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

اور ساتھ ہی شاہ ولی اللہ صاحب کے فقہی افکار کی دیگر حضرات سے تائیدات بھی شامل کی گئی ہیں، جس کے ضمن میں اجتہاد کے انقطاع واستمرار، اجتہاد کے مراتب ودرجات، ان کی تقسیم وتفریق، اور مجتہدِ مطلق وجزوی کی شرائط، مجتہد کے مصیب ومخطی، اور ماجور وماخوذ ہونے کی بحث، جائز وناجائز، حلال وحرام تقلید، ائمہ اربعہ کی تقلید، مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی کا التزام، تلفیق، تتبعِ رخص، انتقالِ مذہب، اختیارِ اخف، قضائے قاضی وغیرہ کی عمدہ بحثیں شامل ہیں۔

اس جہت سے شاہ ولی اللہ صاحب کے فقہی افکار پر ہماری نظر سے اب تک گزرنے والی کتب ورسائل کے مقابلہ میں آنے والا مضمون ہمارے خیال کے مطابق "بحمد اللہ تعالیٰ" زیادہ مفید اور جامع ہے۔

واللّٰہ الموفق.

(پہلی فصل)

اجتہاد کی حقیقت اور مجتہد و غیر مجتہد کی اقسام و درجات

اجتہاد و تحقیق کے باب میں ہماری بیشتر علمی دنیا میں طرح طرح کی افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔

ایک طبقہ وہ ہے کہ جو ہر طرح کے اجتہاد کا دروازہ کھولے بیٹھا ہے، جس کے لئے نہ اس کے نزدیک کوئی اصول وقاعدہ ہے، نہ کوئی شرط وصفت ضروری ہے، وہ جب چاہے، اپنی مرضی کا اجتہاد کرکے، جو چاہے حکم صادر کردے، مزید یہ کہ یہ طبقہ مسلمہ مجتہدین کے اجتہاد میں بھی کیڑے نکالتا پھرتا ہے، اوران کی شان میں زبان درازی سے بھی گریز نہیں کرتا، اس کے دل میں نہ کوئی اللہ کا خوف ہے، نہ آخرت کی کوئی فکر لاحق ہے۔

اوراس کے مقابلہ میں ایک طبقہ وہ ہے، جو قولاً نہ سہی، لیکن فعلاً ہر طرح کے اجتہاد کا باب بند کرکے بیٹھا ہوا ہے، اور امت کے موجودہ مسائل ومشکلات، اور تیزی سے بدلتے ہوئے عرف ورواج سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہے۔

جبکہ ایک طبقہ مذکورہ دونوں طبقات کے مابین وہ ہے، جس کی حالت یہ ہے کہ وہ فی الجملہ اجتہاد کو جاری سمجھتا ہے، اوراس کے نتیجہ میں اس کو امت کے موجودہ مسائل ومشکلات، اور تیزی سے بدلتے ہوئے عرف ورواج کی بھی فکر دامن گیر رہتی ہے، لیکن اس نے پہلے طبقہ کی بے اعتدالیوں سے خوف زدہ ہوکر ہر طرح کے اجتہاد کے لئے اتنی سخت شرائط عائد کررکھی ہیں کہ جن کی سابق زمانوں میں کوئی نظیر نہیں ملتی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ امت کے اجتماعی، یا انفرادی مسائل ومشکلات کا بروقت حل نہ نکلنے کی وجہ سے معاملہ انتہائی سست روی کا شکار ہے، اور بعض اوقات ان مسائل کا حل نکلتے نکلتے، اتنی تاخیر ہوجاتی ہے کہ یا تو مستفتی ومتاثرہ

شخص دنیا سے رخصت ہی ہوجاتا ہے، یا پھر ہر شخص اندھیرے میں بھٹکنے، اور ٹٹو لنے والے کی طرح، جہاں سے بھی اس کا مقصد پورا ہو، اپنا کام چلاتا ہے، جبکہ اس تاخیر کے نتیجہ میں بعض اوقات شیطانی سیلاب سارے معاشرہ کو اپنی رو میں بہا کر لے جاتا ہے، اور پھر صدیوں کی کوششوں سے بھی اس کا سدِ باب کرنا، مشکل ہوجاتا ہے۔

اور مسائل کا بڑا حصہ وہ ہے کہ جن کا حل نکالنے کی اس طبقہ کے پاس کوئی عملی صورت ہے ہی نہیں، کیونکہ رات دن، بلکہ زندگی بھر ''**قال اللّٰہ وقال الرسول، وقال فلان**'' کی تعلیم وتعلم میں مشغول ہونے، اور صدائیں بلند کرنے کے باوجود، یا تو اس کو اپنے سابق فقہاء واکابر کے برخلاف کوئی حکم جاری کرنے کی جرات وہمت نہیں ہوتی، یا پھر کسی میں بھی اس کام کی صلاحیت واستعداد نظر نہیں آتی۔

نہ ہی اس طبقہ کو اس بات کی فکر لاحق ہوتی کہ سابق زمانہ میں فقہاء واکابر نے وہ موقف جس ماحول، یا جس طبقہ کے لئے اختیار فرمایا تھا، اب سامنے کی صورتِ حال یکسر مختلف ہے، اس لئے اس سابق موقف پر ڈٹے، اور جمے رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

افراط وتفریط کی اس فضاء میں شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان فرمودہ فقہی افکار سے اصلاح واعتدال کا راستہ ملتا ہے۔

اجتہاد کی حقیقت اور اُس کا استمرار وانقطاع

لفظِ اجتہاد ''جہد'' سے ماخوذ ہے، جس کے لغوی معنیٰ ہیں ''طاقت اور مشقت'' اور اصطلاحی معنیٰ اس سے مختلف ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے خاص اجتہاد وتقلید کے موضوع پر ایک عمدہ تالیف ''**عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید**'' کے نام سے تحریر فرمائی ہے، اور اس میں اجتہاد وتقلید کے موضوع پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی ''عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقليد'' نامی کتاب کا پہلا باب ''اجتہاد کی حقیقت، اور اس کی شرط اور اس کی اقسام کے بیان میں'' ہے۔

جس کے شروع میں شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ:

حقيقة الإجتهاد على ما يفهم من كلام العلماء استفراغ الجهد فى إدراک الأحكام الشرعية الفرعية من أدلتها التفصيلية الراجعة كلياتها إلى أربعة أقسام:

الكتاب ،والسنة ،والإجماع ،والقياس.

ويفهم من هذا أنه أعم من أن يكون استفراغا فى إدراک حكم ما سبق التكلم فيه من العلماء السابقين أو لا وافقهم فى ذلک أو خالف.

ومن أن يكون ذلک بإعانة البعض فى التنبيه على صور المسائل والتنبيه على مآخذ الأحكام من الأدلة التفصيلية أو بغير إعانة منه. فما يظن فيمن كان موافقا لشيخه فى أكثر المسائل لكنه يعرف لكل حكم دليلا ويطمئن قلبه بذلک الدليل وهو على بصيرة من أمره أنه ليس بمجتهد ظن فاسد وكذلک ما يظن من أن المجتهد لا يوجد فى هذه الأزمنة اعتمادا على الظن الأول بناء على فاسد (عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد، ص ٢٠، باب فى بيان حقيقة الإجتهاد وشرطه وأقسامه، الناشر: دار الكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣٤هـ، ٢٠١٣م)

ترجمہ: اجتہاد کی جو حقیقت علماء کے کلام سے سمجھی گئی ہے، وہ شریعت کے فروعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ سے سمجھنے کی پوری کوشش کرنا ہے، ان تمام دلائل کا مرجع چار چیزیں ہیں، ایک کتابُ اللہ، دوسرے سنتِ رسول اللہ، تیسرے

اجماع اور چوتھے قیاس۔

اس سے یہ بات سمجھ آ گئی کہ اجتہاد عام ہے، خواہ اس حکم کو سمجھنے کی پوری کوشش کرنا ہو، جس میں پہلے علماء کلام کر چکے ہیں، یا اس میں پہلے علماء نے کلام نہ کیا ہو، اور خواہ یہ مجتہد پہلے علماء کی موافقت کرے، یا مخالفت کرے، اسی طرح خواہ وہ اجتہاد کسی دوسرے کی مدد سے کیا گیا ہو، مثلاً کسی نے مسائل کی صورتوں پر متنبہ کر دیا ہو، اور احکام کے مآخذ و مصادر پر تفصیلی دلائل سے متنبہ کر دیا ہو، یا وہ اجتہاد کسی کی مدد کے بغیر کیا گیا ہو۔

پس جو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو اجتہاد اکثر مسائل میں اپنے شیخ کے موافق ہو، لیکن وہ ہر حکم کی دلیل کو پہچانتا ہو، اور اس کا دل اس دلیل پر مطمئن ہوتا ہو، اور اس کو اپنے معاملہ پر بصیرت حاصل ہو، تو وہ مجتہد نہیں کہلاتا، یہ گمان فاسد ہے، اور اسی طرح پہلے خیال کی بنیاد پر جو یہ گمان کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں مجتہد نہیں پایا جاتا، یہ بھی فاسد گمان ہے، جو پہلے فاسد گمان پر مبنی ہے (عقد الجید)

شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ عبارت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اجتہاد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ صرف کسی ایسے مسئلہ کے ادراک کے لیے کوشش کی جائے، جس پر علمائے سلف میں سے کسی نے گفتگو نہ کی ہو، بلکہ اگر کوئی شخص کسی ایسے حکم کے ادراک میں سعیِ تمام صرف کرتا ہے، جس میں علمائے سلف گفتگو کر چکے ہوں، تو خواہ اس کا یہ ادراک علمائے سلف کے موافق ہو، یا مخالف، وہ اجتہاد ہی کہلائے گا۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اجتہاد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ جن مسائل میں کوشش کی جا رہی ہے، ان مسائل کی صورت اور ان کے تفصیلی دلائل پہلے کسی نے بیان نہ کیے ہوں، خود اپنے دماغ سے بغیر کسی اعانت کے دلائل سے ان کا حکم معلوم کیا جائے، بلکہ اس کوشش میں اگر علمائے سلف میں سے کسی کی اعانت بھی حاصل ہو جائے، تب بھی یہ اجتہاد ہی کہلائے گا۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص ہر حکم کی دلیل جانتا ہے، اور اس دلیل سے اس کا قلب بھی مطمئن ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، علیٰ وجہ البصیرت کہہ رہا ہے، لیکن اکثر مسائل میں وہ اپنے شیخ کی موافقت کرتا ہے، تو ایسا شخص مجتہد ہی کہلائے گا، اور اس کو مجتہد نہ سمجھنا، یہ فاسد گمان ہے۔

اور چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ تیسری بات کی بنیاد پر عام طور پر جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں مجتہد کا وجود نہیں، یہ گمان ''**بناءُ الفاسد علی الفاسد**'' ہے۔

(ماخوذ از: اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۵۳۳، ۵۳۴، باب ۷ ''اجتہاد'' مبحثِ اول، ناشر: بقا پبلیکیشنز، کراچی، اشاعتِ دوم: 1986ء)

شاہ ولی اللہ صاحب ''مقدمہ مصفیٰ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

اجتہاد در ہر عصر فرض بالکفایہ است، و مراد از اجتہاد اینجا نہ اجتہاد مستقل است، مثل اجتہاد شافعی کہ در معرفت تعدیل و جرح رجال و معرفت لغت و مثل آن محتاج بشخصے دیگر نبود، و ہمچنیں در درامد مجتہدانہ مسبوق بارشد کسے نہ، بل معرفت احکامِ شرعیہ از ادلۂ تفصیلیہ و تفریع و ترتیب مجتہدانہ، اگر چہ بارشاد صاحبِ مذہبے بودہ باشد و آنکہ گفتیم اجتہاد در ہر عصر فرض ست بجہۃ انست کہ مسائل کثیرۃ الوقوع غیر محصور ند، و معرفتِ احکامِ الٰہی در آنہا واجب وانچہ مسطور و مدون شدہ است غیر کافی، و در آنہا اختلاف بسیار کہ بدون رجوع بادلہ حل اختلاف آن نتوان کردہ، و طرق آن تا مجتہدین غالباً منقطع، پس بغیر عرض بر قواعدِ اجتہاد راست نیاید

(مقدمہ مصفیٰ فارسی، ص ۱۲، مطبع: فاروقی، دہلی)

ترجمہ: اجتہاد ہر زمانہ میں فرض بالکفایہ ہے، یہاں اجتہاد سے مراد اجتہادِ مستقل نہیں، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا اجتہاد تھا، جو جرح و تعدیل، زبان دانی وغیرہ میں کسی دوسرے کے محتاج نہ تھے، اور اسی طرح اپنی مجتہدانہ درایت میں (اپنے

پورے اقسام کے ساتھ) وہ دوسرے کے تابع نہ تھے، مقصود اجتہادِ منتسب ہے، اور وہ نام ہے احکامِ شرعی کو ان کے تفصیلی ادلہ کے ذریعہ جاننے کا، اور مجتہدین کے طریقہ پر تفریعِ مسائل اور ترتیبِ احکام کا، خواہ وہ کسی صاحبِ مذہب کی رہنمائی سے ہو، اور ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اجتہاد اس زمانہ میں فرض ہے (اور یہ محققین اہلِ علم کا مسلّمہ مسئلہ ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کثیر الوقوع ہیں، جن کا حصر ممکن نہیں، اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کا جاننا واجب ہے، اور جو تحریر و تدوین میں آچکا ہے، وہ ناکافی ہے، اور ان کے بارے میں اختلافات بہت ہیں، جن کا حل کرنا، دلائل کی طرف رجوع کیے بغیر ممکن نہیں، ائمہ مجتہدین سے جو مسائل کی روایات منقول ہیں، ان میں اکثریت میں انقطاع ہے کہ قلب ان پر اطمینان کے ساتھ اعتماد نہیں کرسکتا، اس لیے ان کو قواعدِ اجتہاد پر پیش کیے اور تحقیق کیے بغیر معاملہ بنتا نہیں'' (تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ پنجم، ص۲۱۳، ۲۱۴، باب ششم: حدیث وسنت کی اشاعت وترویج اور فقہ وحدیث میں تطبیق کی دعوت وسعی، بعنوان ''ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت''، مطبوعہ: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

شاہ ولی اللہ صاحب اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''حجۃُ اللہ البالغۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

التخريج على كلام الفقهاء وتتبع لفظ الحديث لكل منهما أصل أصيل فى الدين، ولم يزل المحققون من العلماء فى كل عصر يأخذون بهما، فمنهم من يقل من ذا ويكثر من ذلك، ومنهم من يكثر من ذا ويقل من ذلك، فلا ينبغي أن يهمل أمر وأحد منهما بالمرة كما يفعله عامة الفريقين، وإنما الحق البحت أن يطابق أحدهما بالآخر، وأن يجبر خلل كل بالآخر، وذلك قول الحسن البصرى (حجة الله البالغة، ج ا ص ا ۵ ا، تتمة، باب حكاية حال الناس قبل المائة

www.idaraghufran.org

الرابعة وبعدها، مطبوعة : دار ابن كثير ، بيروت ، الطبعة الثانية :١٤٣٣ هـ)

ترجمہ: فقہاء کے کلام پر تخریج کرنا، اور حدیث کے لفظ کا تتبع وجستجو کرنا، ان دونوں میں سے ہر ایک کی دین میں اصلِ اَصیل موجود ہے، اور محققین علماء ہر زمانے میں ان دونوں اعمال کو، سرانجام دیتے رہے (یعنی فقہاء کے کلام پر تخریج بھی کرتے رہے، اور حدیث کے الفاظ کا تتبع اور جستجو بھی کرتے رہے) پھر ان میں سے بعض ایسے ہیں، جنہوں نے مذکورہ دونوں کاموں میں سے ایک کام کو زیادہ کیا، اور دوسرے کو کم کیا، اور بعض ایسے ہیں، جنہوں نے دونوں میں سے ایک کام کو کم کیا، اور دوسرے کو زیادہ کیا، پس یہ بات مناسب نہیں کہ ان میں سے ایک کام کو کرکے، دوسرے کو چھوڑ دیا جائے، جیسا کہ دونوں فریقوں میں سے عام لوگوں کا طرزِ عمل ہے (کہ بعض صرف فقہاء کے کلام پر تخریج کرتے ہیں، اور بعض صرف احادیث کے الفاظ کے تتبع میں مشغول رہتے ہیں) اور حق بات محض یہ ہے کہ ایک کی دوسرے کے ساتھ مطابقت پیدا کی جائے، اور ہر ایک کے خلل کو دوسرے سے پورا کیا جائے، اور یہی حسن بصری کا قول ہے (حجۃ اللہ البالغہ)

یہی بات شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الإنصاف'' میں بھی بیان فرمائی ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کے کلام کی تخریج، احادیث کے تتبع اور فقہاء کے کلام اور احادیث میں تقابل کرکے، تطبیق وترجیح کا کام ہر دور میں ہوتا رہا ہے، اور ان دونوں کاموں کی ہر دور میں ضرورت ہے، جو کہ اجتہاد کا ایک طریقہ ہے۔

---

[1] واعلم أن التخريج على كلام الفقهاء وتتبع لفظ الحديث لكل منهما أصل أصيل فى الدين ولم يزل المحققون من العلماء فى كل عصر يأخذون بهما فمنهم من يقل من ذا ويكثر من ذلك ومنهم من يكثر من ذا ويقل من ذاك فلا ينبغى أن يهمل أمر واحد منهما بالمرة كما يفعله عامة الفريقين وإنما الحق البحت أن يطابق أحدهما بالآخر وأن يجبر خلل كل بالآخر وذلك قول الحسن البصرى (الانصاف فى بيان الاسباب الاختلاف للدهلوى، ص ٦١، ٦٢، باب أسباب الاختلاف بين أهل الحديث وأصحاب الرأى)

www.idaraghufran.org

موجودہ دور میں بھی، اس اجتہادی کام کی شدید ضرورت ہے، لیکن جو حضرات اجتہاد کے انقطاع کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ ان اہم کاموں کی کسی کو بھی اجازت دینے کے لیے آمادہ نہیں، اور اگر کوئی اس کام کو سرانجام دے، تو اس کی بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ ہر طرح سے اس کی مخالفت پر کمر بستہ نظر آتے ہیں۔

حالانکہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اجتہاد کے متعلق جو موقف ذکر فرمایا، وہ درست ہے، جس کی تائید دیگر محققین کی عبارات سے بھی ہوتی ہے۔

''مسلمُ الثبوت'' کی شرح ''فواتحُ الرحموت'' میں ہے کہ:

(والمفتي المجتهد من حيث يجيب السائل) فهو أخص منه (والمستفتي يقابله) أى السائل من المجتهد من حيث هو سائل (وقد يجتمعان) في شخص واحد بناء (على التجزى) في الاجتهاد فيكون في بعض المسائل مجتهدا مفتيا وفي بعضها مستفتيا (لتعدد الجهات) (فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج۲، ص ۴۳۲، خاتمة: الاجتهاد بذل الطاقة من الفقيه،فصل التقليد العمل بقول الغير من غير حجة،مطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ: 1423هـ۔ 2002ء)

ترجمہ: اور مفتی مجتہد اس حیثیت سے ہے کہ وہ سائل کو جواب دیتا ہے، پس وہ سائل کے مقابلہ میں خاص ہے، اور مستفتی اس کے مقابلہ میں ہے، یعنی مجتہد سے سوال کرنے والا، اس حیثیت سے کہ وہ سوال کرنے والا ہے۔

اور کبھی یہ دونوں صفات ایک شخص میں جمع ہو جاتی ہیں، اس بنا پر کہ اجتہاد میں تجزی ہو سکتی ہے، پس یہ بات ممکن ہے کہ ایک شخص بعض مسائل میں مجتہد اور مفتی ہو، اور بعض مسائل میں مستفتی ہو، جہات کے متعدد ہونے کی وجہ سے (فواتح الرحموت)

جمہور کا یہی قول ہے کہ ان کے نزدیک اجتہاد میں تجزی جائز ہے، لہٰذا یہ بات ممکن ہے کہ ایک

www.idaraghufran.org

شخص بعض مسائل میں مجتہد ہونے کی وجہ سے مفتی ہو، اور بعض مسائل میں مجتہد نہ ہونے کی وجہ سے مستفتی ہو، اس حیثیت سے یہ دونوں صفات ایک شخص میں جہات کے متعدد ہونے کی وجہ سے جمع ہوسکتی ہیں، پس اگر ایک شخص بعض مسائل میں دوسرے مجتہدین کا مقلد ہو، تو وہ کسی دوسرے مسئلہ، یا بعض دوسرے مسائل میں اجتہاد کر کے، دوسرے مجتہد کی تقلید سے بری ہوسکتا ہے، اور جمہور کے نزدیک ایسا ممکن و جائز ہے، علامہ ابنِ عابدین شامی اور دیگر حضرات نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے، جس کی تفصیل ہم نے دوسرے مقام پر بیان کردی ہے۔

''شرح مسلمُ الثبوت'' میں ہی ہے کہ:

ثم إن من الناس من حكم بوجوب الخلو من بعد العلامة النسفی واختتم الاجتهاد به وعنوا الاجتهاد فی المذهب .

وأما الاجتهاد المطلق فقالوا اختتم بالأئمة الأربعة حتى أوجبوا تقليد واحد من هؤلاء على الأمة ،وهذا كله هوس من هوساتهم لم يأتوا بدليل ولا يعبأ بكلامهم وإنما هم من الذين حكم الحديث أنهم أفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا، ولم يفهموا أن هذا اخبار بالغيب فی خمس لا يعلمهن إلا الله تعالى (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، الجزء الثانی، صفحة ۴۳۱،خاتمة : الاجتهاد بذل الطاقة من الفقهية ،مطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولیٰ: 1423هـ. 2002ء)

ترجمہ: پھر بعض لوگ وہ ہیں، جنہوں نے مجتہد سے خالی ہونے کے وجوب کا حکم علامہ نسفی کے بعد لگایا ہے، اور ان پر اجتہاد کو ختم قرار دیا ہے، اور انہوں نے اجتهاد فی المذهب کا عنوان قائم کیا ہے۔

جہاں تک اجتہادِ مطلق کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں ان لوگوں کا کہنا یہ ہے

www.idaraghufran.org

کہ وہ ائمۂ اربعہ پر ختم ہوگیا، یہاں تک کہ انہوں نے ان میں سے کسی ایک کی تقلید کو امت پر واجب قرار دے دیا، اور یہ تمام باتیں ان کی خوش فہمیوں پر مبنی ہیں، جس (کو وہ بہت اچھا تو سمجھتے ہیں، لیکن اس) کی انہوں نے کوئی معتبر دلیل پیش نہیں کی، اس لیے ان کے کلام کو قابلِ اعتناء قرار نہیں دیا جاسکتا، انہوں نے تو اس حدیث سے حکم نکالا ہے کہ قربِ قیامت میں نام نہاد علماء بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، پھر وہ خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، مگر ان لوگوں نے یہ بات نہیں سمجھی کہ یہ غیب کی پانچ چیزوں کی خبر دینا ہے، جس کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں (فواتح الرحموت)

مطلب یہ ہے کہ جن حضرات نے اجتہادِ مطلق کے ختم ہونے کا حکم لگایا، ان کے پاس کوئی معتبر دلیل نہیں، بلکہ ان کی خوش فہمی ہے، علامہ سیوطی کے حوالہ سے بھی یہی، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت بات منقول ہے۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے، ہر زمانے میں اجتہاد کی فرضیت کے ثبوت اور اس کے انکار کی تردید پر ایک مستقل تالیف ''**الرد علی من أخلد إلی الأرض وجهل ان الاجتهاد فی کل عصر فرض** '' کے عنوان سے تحریر کی ہے، جس میں انہوں نے چار ابواب قائم کیے ہیں۔

موصوف نے پہلے باب میں ''اجتہاد کے ہر زمانے میں فرض ہونے پر'' کلام کیا ہے، اور اس کے ثبوت میں مختلف فصلوں میں مذاہبِ اربعہ کے علماء وفقہاء کی عبارات کو ذکر کیا ہے۔

اور دوسرے باب میں ''زمانے کے مجتہد سے خالی نہ ہونے پر'' کلام کیا ہے، اور اس کے ذیل میں مختلف فصلوں میں مذاہبِ اربعہ کے علماء وفقہاء کی عبارات کو نقل کیا ہے، جن میں ایک فصل ''مجتہدین کی اقسام'' سے بھی متعلق ہے۔

اور تیسرے باب میں ''اجتہاد کی تشجیع اور تقلید کی تشنیع پر'' کلام کیا ہے، اور اس کے

ذیل میں مختلف فصلیں قائم کی ہیں، جس کے ضمن میں اجتہاد وتحقیق کے اصل اور تقلید کے عارض ہونے اور اجتہاد وتحقیق کی قدرت وصلاحیت ہونے کی صورت میں، تقلیدِ محض کی مذمت پر اہلِ علم حضرات کی تصریحات نقل کی ہیں۔

اور چوتھے وآخری باب میں ''اجتہاد سے متعلق متفرق فوائد'' ذکر کیے ہیں۔

مذکورہ تالیف کے شروع میں علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ:

وبعد، فإن الناس قد غلب عليهم الجهل، وعمهم وأعماهم حب العناد وأصمهم، فاستعظموا دعوى الاجتهاد، وعدوه منكرا بين العباد، ولم يشعر هؤلاء الجهلة أن الاجتهاد فرض من فروض الكفايات فى كل عصر وواجب على أهل كل زمان أن يقوم به طائفة فى كل قطر .

وهذا كتاب فى تحقيق ذلک سميته "الرد على من أخلد إلى الأرض جهل أن الاجتهاد فى كل عصر فرض "

وينحصر فى أربعة أبواب :

الباب الأول فى ذكر نصوص العلماء على أن الاجتهاد فى كل عصر فرض من فروض الكفايات، وأنه لا يجوز شرعا إخلاء العصر منه.

اعلم أن نصوص العلماء من جميع المذاهب متفقة على ذلک(كتاب الرد على من أخلد إلى الأرض وجهل ان الاجتهاد فى كل عصر فرض، ص ٢، ٣، الناشر: المكتبة الثقافة الدينية، القاهرة)

ترجمہ: حمد وصلاۃ کے بعد عرض ہے کہ: لوگوں میں جہل غالب آ گیا، جو اُن سب کو عام ہوگیا، اور ''عناد'' کی محبت نے ان کو اندھا اور بہرا بنا دیا، جس کے نتیجے میں

www.idaraghufran.org

انہوں نے اجتہاد کے دعوے کو بہت بڑی چیز خیال کرلیا، اوراس کو بندوں کے درمیان فعلِ منکر شمار کرلیا، اوران (مدعیانِ ختمِ اجتہاد کے) جہلاء کو یہ شعور حاصل نہ ہوا کہ اجتہاد ہر زمانے میں فروضِ کفایہ میں سے ایک فریضہ ہے، اور ہر زمانے والوں پر واجب ہے کہ وہ ہر علاقے میں مجتہدین کی ایک جماعت قائم کریں (ورنہ اجتماعی طور پر وہ سب گناہ گار ٹھہریں گے)

اور یہ کتاب اس (اجتہاد کے) مسئلے کی تحقیق میں ہے، جس کا نام میں نے ''**الرد علی من أخلد إلی الأرض، وجهل ان الاجتهاد فی کل عصر فرض** '' رکھا ہے(جس کا مطلب ہے ''اس شخص پر رَد، جو ہمیشہ کے لیے زمین سے چمٹ جائے، اوراس بات سے جاہل ہو کہ اجتہاد ہر زمانے میں فرض ہے'')

اور یہ کتاب چار ابواب میں منحصر ہے۔

پہلا باب: علماء کی اس بات پر نصوص کے ذکر میں ہے کہ اجتہاد ہر زمانے میں فروضِ کفایات میں سے ایک فریضہ ہے، اور شرعاً اس سے زمانے کو خالی کرنا جائز نہیں۔

یہ بات جان لینی چاہیے کہ تمام مذاہب کے علماء کی نصوص اس بات پر متفق ہیں (الرد علیٰ من اخلد الی الارض)

پھر علامہ سیوطی دوسرے باب میں ایک مستقل فصل قائم کرکے، لکھتے ہیں کہ:

لهج كثير من الناس اليوم بان المجتهد المطلق ،فقد من قديم، وانه لم يوجد من دهر الا للمجتهد المقيد ، وهذا غلط منهم ، ما وقفوا على كلام العلماء، ولا عرفوا الفرق بين المجتهد المطلق والمجتهد المستقل ، ولا بين المجتهد المقيد والمجتهد المنتسب، وبين كل مما ذكر فرق.

ولهذا ترى ان من وقع فى عبارته ان المجتهد المستقل مفقود من دهر ،ينص فى موضع آخر على وجود المجهتد المطلق .

والتحقيق فى ذالک ان المجتهد المطلق اعم من المجتهد المستقل، وغير المجتهد المقيد ، فان المستقل هو الذى استقل بقواعده لنفسه يبنى عليها الفقه خارجا عن قواعد المذاهب المقررة، هذا شيئ فقد من دهر ، بل لو اراده الانسان اليوم لامتنع عليه، ولم يجز له نص عليه غير واحد.......

واما المجتهد المطلق غير المستقل ، فهو الذى وجدت فيه شروط الاجتهاد التى اتصف بها المجتهد المستقل، ثم لم يبتكر لنفسه قواعد،بل سلک طريقة امام من ائمة المذاهب فى الاجتهاد ، فهذا مطلق منتسب ، لامستقل، ولا مقيد ، هذا تحرير الفرق بينهما فبين المستقل والمطلق عموم وخصوص ، فكل مستقل مطلق، وليس كل مطلق مستقلا (كتاب الرد على من أخلد إلى الأرض وجهل ان الاجتهاد فى كل عصر فرض،ص۳۸،۳۹، الباب الثانى، الناشر: المكتبة الثقافة الدينية، القاهرة)

ترجمہ: بہت سے لوگ آج کے دور میں اس بات کے دیوانے ہوگئے کہ ''مجتہدِ مطلق'' بہت زمانے سے مفقود ہیں، اور مدتِ دراز سے صرف ''مجتہدِ مقید'' ہی پائے جاتے ہیں،لیکن یہ اِن لوگوں کی غلطی ہے، یہ لوگ علماء کے کلام سے واقف نہیں ہوئے ،اور نہ انہوں نے ''مجتہدِ مطلق'' اور ''مجتہدِ مستقل'' کے درمیان فرق کو پہچانا، اور نہ ہی انہوں نے ''مجتہدِ مقید'' اور ''مجتہدِ منتسب'' کے درمیان فرق کو پہچانا،حالانکہ مذکورہ دونوں اقسام کے مجتہدین کے مابین فرق ہے۔

اوراسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ جس کسی کی عبارت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ''مجتہدِ مستقل'' مدتِ دراز سے مفقود ہیں، تو دوسرے مقام پراسی شخص کی عبارت میں ''مجتہدِ مطلق'' کے موجود ہونے کی تصریح بھی پائی جاتی ہے۔

اوراس سلسلے میں تحقیق یہ ہے کہ ''مجتہدِ مطلق'' عام ہے ''مجتہدِ مستقل'' سے، اور ''مجتہدِ مطلق''، ''مجتہدِ مقید'' کا غیر ہے، کیونکہ ''مجتہدِ مستقل'' وہ ہے، جواپنے آپ کے لیے فقہ پر مبنی ایسے مستقل قواعد قائم کرے، جو دوسرے مذاہب کے مقررہ قواعد سے خارج ہوں، اور یہ ایسی چیز ہے، جوایک زمانے سے مفقود ہے، بلکہ اگر کوئی انسان آج کے دور میں اس کا ارادہ کرے، تواس کومنع کیا جائے گا، اوراس کو جائز قرار نہیں دیا جائے گا، جس کی کئی حضرات نے تصریح کی ہے۔......

جہاں تک ''مجتہدِ مطلق غیر مستقل'' کا تعلق ہے، تو وہ، وہ مجتہد ہے، جس میں اس اجتہاد کی وہ شروط پائی جائیں، جن کے ساتھ ''مجتہدِ مستقل'' متصف ہوتا ہے، پھر وہ اپنے لیے نئے قواعد کو ایجاد نہ کرے، بلکہ وہ اجتہاد میں ائمۂ مذاہب کے کسی امام کے طریقے پر چلے، تو یہ ''مجتہدِ مطلق منتسب'' کہلاتا ہے، نہ تو ''مجتہدِ مستقل'' کہلاتا، اور نہ ''مجتہدِ مقید'' کہلاتا، پس ان دونوں کے درمیان یہ واضح فرق ہے، اور ''مجتہدِ مستقل'' اور ''مجتہدِ مطلق'' کے درمیان ''عموم وخصوص'' کی نسبت ہے، چنانچہ ہر ''مجتہدِ مستقل، مجتہدِ مطلق'' ہوتا ہے، لیکن ہر ''مجتہدِ مطلق، مجتہدِ مستقل'' نہیں ہوتا (الرد علیٰ من اخلد الی الارض)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

والذی علیه جماهیر الأمة أن الاجتهاد جائز فی الجملة ؛ والتقلید جائز فی الجملة لا یوجبون الاجتهاد علی کل أحد ویحرمون التقلید ولا یوجبون التقلید علی کل أحد ویحرمون الاجتهاد وأن

الاجتهاد جائز للقادر على الاجتهاد والتقليد جائز للعاجز عن الاجتهاد .

فأما القادر على الاجتهاد فهل يجوز له التقليد ؟ هذا فيه خلاف والصحيح أنه يجوز حيث عجز عن الاجتهاد :إما لتكافؤ الأدلة وإما لضيق الوقت عن الاجتهاد وإما لعدم ظهور دليل له ؛ فإنه حيث عجز سقط عنه وجوب ما عجز عنه وانتقل إلى بدله وهو التقليد كما لو عجز عن الطهارة بالماء .وكذلك العامى إذا أمكنه الاجتهاد فى بعض المسائل جاز له الاجتهاد فإن الاجتهاد منصب يقبل التجزى والانقسام فالعبرة بالقدرة والعجز وقد يكون الرجل قادرا فى بعض عاجزا فى بعض لكن القدرة على الاجتهاد لا تكون إلا بحصول علوم تفيد معرفة المطلوب فأما مسألة واحدة من فن فيبعد الاجتهاد فيها والله سبحانه أعلم

(مجموع الفتاوىٰ،لابن تيمية، ج ۲۰، ص ۲۰۳، ۲۰۴، كتاب أصول الفقه،الجزء الثانى: التمذهب، الاختلاف فى وجوب النظر والتقليد فى المسائل الفرعية)

ترجمہ: اور جمہورِ امت کا قول یہ ہے کہ اجتہاد فی الجملہ جائز ہے، اور تقلید بھی فی الجملہ جائز ہے، جمہورِ امت ہر ایک پر اجتہاد کو واجب اور تقلید کو حرام قرار نہیں دیتے، اور نہ ہی ہر ایک پر تقلید کو واجب اور اجتہاد کو حرام قرار دیتے ہیں، اور بے شک جو شخص اجتہاد پر قادر ہو، اس کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے، اور جو شخص اجتہاد سے عاجز ہو، اس کے لیے تقلید کرنا جائز ہے۔

جہاں تک کہ اجتہاد پر قادر شخص کا تعلق ہے، تو کیا اس کو تقلید کرنا جائز ہے؟ تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور صحیح قول یہ ہے کہ مجتہد جہاں اجتہاد سے عاجز ہو، خواہ

(دونوں طرف) دلائل برابر ہونے کی وجہ سے، یا اجتہاد کا وقت تنگ ہونے کی وجہ سے، یا اس کے لیے کسی دلیل کے راجح نہ ہونے کی وجہ سے، تو وہاں تقلید جائز ہے، کیونکہ وہ جب اجتہاد سے عاجز ہوگیا، تو اس سے اس چیز کا وجوب ساقط ہوگیا، جس سے وہ عاجز ہوگیا، اور اس اجتہاد کا حکم اس کے بدل کی طرف منتقل ہوگیا، جو کہ تقلید ہے، جیسا کہ وہ شخص جو کہ پانی کے ذریعہ طہارت حاصل کرنے سے عاجز ہوگیا، تو اس کا وجوب اس کے بدل، یعنی تیمّم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

اور اسی طریقہ سے عامی شخص جب اس کو بعض مسائل میں اجتہاد ممکن ہو، تو اس کو اجتہاد کرنا جائز ہے، کیونکہ اجتہاد ایسا منصب ہے، جو تجزی اور انقسام کو قبول کرتا ہے، پس اصل اعتبار اجتہاد پر قادر ہونے اور عاجز ہونے کا ہی ہوگا، کبھی آدمی بعض مسائل میں اجتہاد کرنے پر قادر ہوتا ہے، اور بعض میں اجتہاد کرنے سے عاجز ہوتا ہے، لیکن اجتہاد پر قدرت اتنے علوم کے حاصل ہونے سے ہی ہوگی، جو اس مطلوب کی معرفت کے لیے مفید ہوں (جس مسئلہ کے لیے اجتہاد کر رہا ہے) جہاں تک کہ کسی فن کے ایک مسئلہ کا تعلق ہے، تو اس میں اجتہاد بعید ہے (لہٰذا کسی فن کے صرف ایک جزوی مسئلہ کا علم اجتہاد کے لیے ناکافی ہے) **واللّٰہ سبحانہٗ أعلم** (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک اگر کسی شخص کو تمام مسائل میں اجتہاد ممکن نہ ہو، البتہ بعض مسائل میں اجتہاد ممکن ہو، تو ان متعلقہ مسائل کے لیے مطلوب علم کا ہونا اجتہاد کے لیے کافی ہے، اور اس کو دوسرے مجتہد کی تقلید کے وجوب کا مکلّف کرنا، جمہور کے نزدیک جائز نہیں۔

سابق حنفی مفتی ومحقق مصر علامہ **محمد بخیت المطیعی** ''المتوفی: 1354 ہجری'' (سابق رئیس: **المجلس العلمی بمحکمة مصر الکبریٰ الشرعیة ، وعضو**

المحكمة العليا بها سابقا) اپنے ایک رسالہ میں فرماتے ہیں:

قلنا: الأدلة الدالة على وجوب التمسک بالكتاب والسنة والإجماع والقياس عامة موجبة لما تفيدُه من الحكم، من غير تخصيص بشخص دون شخص، وعصرٍ دون عصرٍ، ولا يجوز العدول عن مقتضاها إلا لضرورة العجز مقدراً ذلک بقدر الضرورة.

ولذلک صرّح غير واحد من العلماء أن الاجتهاد فرض دائم، وحق قائم إلى قيام الساعة، وانقراض هذه النشأة، ودعوىٰ انقراض عصر الاجتهاد وانقضاء أهله دعوى لا دليل عليها لا من الكتاب ولا من السنة ولا إجماع ولا قياس، فهي دعوىٰ باطلة عاطلة (رسالة فی بيان الكتب التی يعول عليها وبيان طبقات علماء المذهب الحنفی والرد على ابن كمال باشا، ص ۳۹، الفصل الأول : الإجتهاد والتقليد،الناشر: دار القادری، سورية ، دمشق،الطبعةُ الاولیٰ: ۱۴۲۹ھ ،2008م)

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ کتاب وسنت، اجماعِ امت، اور قیاس سے دلیل پکڑنے کے وجوب پر دلالت عام ہے، جو حکم کے فائدہ کا موجب ہے، اس میں ایک شخص کے مقابلہ میں کسی دوسرے شخص کی تخصیص نہیں، نہ ہی کسی زمانہ کے مقابلہ میں کسی دوسرے زمانہ کی تخصیص ہے، اور اس کے مقتضیٰ سے عدول کرنا، عاجز ہونے کی ضرورت کے علاوہ جائز نہیں، جس کو ضرورت کے بقدر ہی مقدر مانا جائے گا۔

اور اسی وجہ سے متعدد علماء نے تصریح کی ہے کہ ''اجتہاد، دائمی، اور قیامت تک قائم رہنے والا فریضہ ہے'' اور اس کی حیات کے پورا ہوجانے، اور اجتہاد کے زمانہ کے ختم ہوجانے، اور اس کے اہل لوگوں کے ختم ہوجانے کا دعویٰ ایسا ہے کہ اس

www.idaraghufran.org

دعوے پر کوئی دلیل قائم نہیں، نہ تو کتابُ اللہ سے، نہ سنت سے، اور نہ ہی اجماع اور قیاس سے، پس یہ (اجتہاد منقطع ہونے کا دعویٰ) باطل اور مہمل دعویٰ ہے (رسالة فی بیان الکتب التی یعول علیها، الخ)

محقق موصوف اسی رسالہ میں مذکورہ مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وهـذه أقـوال فـاسـدة، فإنهٔ إن وقعت حادثةٌ غير منصوصة، أو فيها خلاف بين السلف، فلا بدّ فيها من الاجتهاد من كتابٍ أو سنةٍ، وما يقول سوىٰ هذا إلا صاحب هذيان. اهـ.

وكيف يسـوغ لأحـد شمّ رائحة الفهم، واوتى قسطاً ولو قليلاً من العلم، أن يقول بإقفال باب الاجتهاد، وانقراض عصره، وهو فضل اللّٰـه يؤتيـه مـن يشـاء مـن عباده فى أى عصرٍ كان. وقد قرّر أئمة الـديـن سـلـفـاً وخـلـفـاً أن الاجتهـاد فـى كل عصر فرضُ الكفاية بالإجماع.

وقـرّروا أيـضـاً أن الاحكام بعد وفاته صلى اللّٰه عليه وسلم صارت محكمة، لا تقبل النسخَ بحالٍ من الأحوال.

وقـرّروا أيـضاً أن الاجماع الذى يكون حجة هو اجماع مجتهدى الأمة فى عصر على حكم شرعى.

وحيـنـئـذٍ فما هو الدليل الذى ينسخ فرضية الاجتهاد بعد تقريرها فى كل عصرٍ؟.

إن كـان الـدلـيـل مـن الـكـتـاب أو السنة فهما لا يكونان إلا بطريق الـوحـى، ولا وحـىَ بـعـد وفـاتـه صلى اللّٰه عليه وسلم حتى يجىء الناسخُ منهما.

وإن كان الدليلُ هو الإجماع على إقفال بابه وانقراض أربابه، فمعَ القول بذلك ـــ على زعم القائل به ـ كيف يتحقق إجماع مجتهدى الأمة الذى هو حجة؟ والمفروض فى زعمه انقراضهم، وإجماع غيرهم ليس بحجة، علىٰ أن الإجماع الذى هو حجة لا ينسخ غيره، ولا ينسخه غيره على ما هو الحق، وإنما إذا أجمع المجتهدون على نسخ حكمٍ كان ذلك منهم إجماعا على وجود الناسخ من الكتاب أو السنة، وإن لم نقف عليه.

والفرض أنه لا دليل من الكتاب أو السنة أو الاجماع على انقراض الاجتهاد، بل الدليل منهما ومن الاجماع على أنهٔ فرض كفاية إلى أن تقوم الساعة.

ولو خلا عصرٌ من وجود مجتهدٍ أثِمَ أهلهٔ جميعاً.

وإن كان الدليل هو القياس، فحجية القياس تتوقف على أن يكون لهٔ أصل يقاس عليه، يكون منصوصاً عليه فى الكتاب أو السنة أوَ مجمعاً عليه.

وقد علمت أنه لا يوجد كتابٌ ولا سنةٌ ولا إجماع يدل واحد منها على نسخ فرضية الاجتهاد، لا بمنطوقه، ولا بعلته، حتى يُمكن القياس، على أن القياس فى ذاته لا يصح ولا يقوم حجةً فى مقابلة النص أو الإجماع، فضلاً عن أن يكون ناسخاً لشىء منهما (رسالة فى بيان الكتب التى يعول عليها وبيان طبقات علماء المذهب الحنفى والرد على ابن كمال باشا، ص ۴۱، ۴۲، الفصل الأول : الإجتهاد والتقليد،الناشر : دار القادرى، سورية ، دمشق،الطبعةُ الاولىٰ: ۱۴۲۹هـ ،2008م)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اور یہ اقوال فاسد ہیں، کیونکہ اگر کوئی غیر منصوص مسئلہ پیش آ جائے، یا اس میں سلف کے مابین اختلاف ہو، تو اس میں کتاب، یا سنت سے اجتہاد کرنا، واجب ہے، اور اس کے سوا ''قول'' کوئی صاحبِ ہذیان شخص ہی کرسکتا ہے۔ اھ

اور جس کسی کو ادنیٰ فہم ہو، یا اس کو تھوڑے سے علم کا حصہ بھی حاصل ہو، اس کے لئے یہ بات کہنے کی کیونکر گنجائش ہوسکتی ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اور اس کا زمانہ گزر چکا ہے، اور اجتہاد تو اللہ کا فضل ہے، وہ اپنے بندوں میں سے، جس کو چاہتا ہے، جس زمانہ میں چاہتا ہے، اس فضل سے نوازتا ہے، اور سلف وخلف ائمہ دین نے اس بات کو ثابت فرمایا ہے کہ اجتہاد ہر زمانہ میں بالاجماع ''فرضِ کفایہ'' ہے۔

اور سلف وخلف ائمہ دین نے اس بات کو بھی ثابت فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد احکام ''محکم'' ہو چکے ہیں، جو کسی بھی حالت میں نسخ کو قبول نہیں کرتے۔

اور سلف وخلف ائمہ دین نے اس بات کو بھی ثابت فرمایا ہے کہ اجماع جو حجت ہوا کرتا ہے، وہ کسی زمانہ میں امت کے مجتہدین کا حکمِ شرعی پر اجماع ہے۔

اور ایسی صورت میں وہ کون سی دلیل ہوگی، جو اجتہاد کے ہر زمانہ میں فرض ثابت ہونے کے بعد اس کو منسوخ کرے۔

اگر اس کی کتاب، یا سنت سے کوئی دلیل ہو، تو یہ تو وحی کے ذریعہ ہی ممکن ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وحی ممکن نہیں کہ اس کے منسوخ کرنے کی کوئی دلیل آئے۔

اور اگر اجتہاد کا دروازہ بند ہونے، اور اربابِ اجتہاد کے ختم ہونے کی دلیل اجماع کو قرار دیا جائے، تو اس قول کے ہوتے ہوئے، قائل کے گمان کے مطابق امت

کے مجتہدین کا اجماع، جو کہ حجت ہے، وہ کیونکر متحقق ہوگا؟ جبکہ اس مدعی کے زعم کے مطابق مجتہدین باقی ہی نہیں، اور غیر مجتہدین کا اجماع حجت ہے ہی نہیں، اس کے علاوہ جو اجماع حجت ہے، وہ اپنے علاوہ کو منسوخ کر ہی نہیں سکتا، اور اجماعِ حق کو دوسرا اجماع، منسوخ نہیں کرسکتا، اور جب مجتہدین کسی حکم کے منسوخ ہونے پر اجماع کرلیں، تو یہ ان کی طرف سے کتاب وسنت کی طرف سے ناسخ موجود ہونے پر بھی اجماع ہوا کرتا ہے، اگرچہ ہم اس سے واقف نہ ہوں۔

اور فرض یہ کیا گیا ہے کہ کتاب، یا سنت، یا اجماع میں سے کوئی دلیل بھی اجتہاد کے ختم ہونے پر موجود نہیں، بلکہ کتاب وسنت، اور اجماع کی دلیل اس بات پر موجود ہے کہ یہ اجتہاد، قیامت قائم ہونے تک فرضِ کفایہ ہے، اور اگر کوئی بھی زمانہ مجتہد کے وجود سے خالی ہوجائے، تو اس اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے تمام لوگ گناہ گار ہوتے ہیں۔

اور اگر اجتہاد کے ختم ہونے کی دلیل ''قیاس'' کو قرار دیا جائے، تو قیاس کی حجیت تو اس بات پر موقوف ہے کہ اس کی کوئی اصل موجود ہو، جس پر اسے قیاس کیا جاسکتا ہو، اور وہ کتاب، یا سنت میں منصوص علیہ چیز ہو، یا پھر مجمع علیہ چیز ہو۔

اور آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ کتاب وسنت، اور اجماع کسی میں سے بھی کوئی دلیل اجتہاد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کی موجود نہیں، نہ تو اس کے ''منطوق'' ہونے کی جہت سے، نہ اس کی علت کی جہت سے کہ اس پر قیاس کرنا ممکن ہو، اور قیاس بذاتِ خود صحیح نہیں، اور نص، یا اجماع کے مقابلہ میں کوئی حجت قائم ہی نہیں کی جاسکتی، چہ جائے کہ ان میں سے کسی چیز کے لئے کوئی ناسخ ہو (رسالة فی بيان الكتب التی يعول عليها، الخ)

پھر اس کے بعد شیخ موصوف محقق نے فرمایا:

ومـمـا أوضـحنا تعلم جلياً أن لا خلاف بين العلماء المعوّل عليهم فـي عـدم إقـفال باب الاجتهاد، وأن من قال بإقفال بابه، وانقراض أربـابـه، فـإنما أراد ذلک بالمعنیٰ المذکور مطلقاً، وحينئذٍ يکون ذلک مبـنيـاً علی قاعدةٍ أصولية قدا تفقوا عليها، وهی أن إحداث قـول خـارج عن جميع مذاهب جميع المجتهدين المتقدمين علی الـمحدث لهذا القول، بحيث يکون ذلک القول المحدث خارقاً لإجماع من قبله: لا يقبل، بل يقطع ببطلانه، لأن خرق الإجماع لا يـجـوز، بـل يحرم، لأنه حجةٌ قاطعةٌ يجب عليه العمل بها، ويحرم عليه مخالفتها، لأنهٗ أحدُ الأدلة الأربعة التی يجب علی کل مجتهدٍ أن يعمل بها فی أحکام الشريعة.

وأراد هـذا الـفـريق أيضاً أنه لا يجوز لمن لم يبلغوا مرتبة الاجتهاد فـی کـل الـمسـائـل، أو فـی بـعـضـهـا، ممن استولیٰ عليهم الجهل الـمرکب، أن يجتهدوا ويقولوا علی اللّٰه الکذب، قال تعالی: ”ولا تقفُ ما ليس لک به علم، إن السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کـان عـنـه مسئولا“ (الإسراء) هذا لا يمنع من وجود المجتهد فی ذاتـه فـی جـميع مسائل الفقه أو فی بعضها، لأن الحق أن الاجتهاد يتـجـزأ، ومـن قـال بعدم إقفال بابه وعدم انقراض أربابه، إنما أراد ذلک بالنظر إلی ذات الاجتهاد فی کل المسائل أو بعضها.

وأمـا قـولهـم: ”دليلُ المقلد قول المجتهد“ فمعناه: أن العاجز عن فـقه الدليل الشرعی، المضطر إلی التقليد، ليس عندهٗ دليل يرجح الـفعل علی الترک، أو العکس، سویٰ قول المجتهد الذی يقلده، وينتحل رأيه.

www.idaraghufran.org

وليس معناه أن غير المجتهد يجب عليه تقليد غيره، وأنه لا يجوز لہٗ التمسک بالأدلة إذا كان قادراً على أخذ الحكم منها، كما أنهٗ ليس معناه أن قول المجتهد أحد الأدلة الشرعية، لأنهم أجمعوا على أن الأدلة تنحصر فى الأربعة، وقول المجتهد ليس واحداً منها. ومن قولهم: "إن الاجتهاد يتجزأ" ــ كما هو الحق ــ تعلم أنه ليس من ضرورة، أن لا يكون مجتهداً مطلقاً أن يكون مقلداً، بل قد يكون مجتهداً فى بعض المسائل، على أنه لا يلزم من أنه غير مجتهدٍ أصلاً أن يكون مقلداً فيما يقدر على فهمه الدليل الشرعى

(رسالة فى بيان الكتب التى يعول عليها وبيان طبقات علماء المذهب الحنفى والرد على ابن كمال باشا، ص۴۵،۴۶، الفصل الأول : الإجتهاد والتقليد،الناشر: دارالقادرى، سورية ، دمشق،الطبعةُ الاولىٰ: ۱۴۲۹ھ ،2008م)

ترجمہ: ہم نے جو وضاحت کی، اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ قابلِ اعتبار علماء کے مابین اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا، اور جس نے اس کا دروازہ بند ہونے ، اور اربابِ اجتہاد کے ختم ہو جانے کا قول کیا، تو اس نے مذکورہ مطلق معنیٰ کا ارادہ کیا، اور اس صورت میں یہ قول ایک اصولی قاعدہ پر مبنی ہوگا، جس پر سب کا اتفاق ہے، اور وہ یہ ہے کہ تمام مذاہب سے خارج قول کا احداث، جو تمام متقدمین مجتہدین کے اقوال کے مقابلہ میں محدث ہو، اس طور پر کہ وہ محدث قول اپنے سے قبل کے اجماع کے لئے خارق ہو، اس کو قبول نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو قطعی باطل قرار دیا جائے گا، کیونکہ "خرقِ اجماع" جائز نہیں، بلکہ حرام ہے، کیونکہ یہ "حجتِ قاطعہ" ہے، جس پر عمل واجب ہے، اور اس کی مخالفت حرام ہے، کیونکہ یہ چار دلائل میں سے ایک دلیل ہے، ہر مجتہد پر

واجب ہے کہ وہ اس پر احکامِ شریعت میں عمل کرے۔

اور اس فریق (یعنی اجتہاد کے ختم ہونے کے مدعی) کی یہ مراد بھی ہے کہ جو لوگ تمام مسائل، یا بعض مسائل میں اجتہاد کے درجہ تک نہیں پہنچے، اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں، جن پر جہلِ مرکب مسلط ہے، ان کے لئے اجتہاد کرنا، اور اللہ پر جھوٹ باندھنا جائز نہیں، اللہ تعالیٰ کا ''سورہ اسراء'' میں ارشاد ہے''**ولا تقفُ ما لیس لک بہ علم، إن السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا** ''لیکن یہ اس بات کے لئے مانع نہیں کہ تمام، یا بعض مسائلِ فقہ میں کوئی بھی مجتہد فی نفسہ موجود ہی نہ ہو، کیونکہ حق بات یہ ہے کہ ''اجتہاد تجزی کو قبول کرتا ہے'' اور جس نے اجتہاد کا دروازہ بند نہ ہونے اور اربابِ اجتہاد کے ختم نہ ہونے کا قول کیا، اس نے صرف تمام، یا بعض مسائل میں ذاتِ اجتہاد پر نظر کرتے ہوئے یہ قول کیا ہے (نا اہل مجتہد کو مراد نہیں لیا)

اور جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ ''مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہوتا ہے'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دلیلِ شرعی کی سمجھ سے عاجز شخص، جو تقلید پر مجبور ہو، اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہوتی، جو فعل کو ترک پر، یا اس کے برعکس پر ترجیح دے، سوائے اس مجتہد کے قول کے، جس کی وہ تقلید کر رہا ہے، اور اپنی رائے کو ترک کر رہا ہے۔

اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر مجتہد پر دوسرے کی تقلید واجب ہے، اور اس کو دلائلِ شرعیہ سے دلیل پکڑنا جائز نہیں، جبکہ وہ اس پر قادر ہو، جیسا کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجتہد کا قول بھی دلائلِ شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے، کیونکہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دلائل، چار میں منحصر ہیں، اور مجتہد کا قول ان میں سے ایک بھی دلیل میں داخل نہیں۔

اور فقہاء کا یہ قول کہ ”اجتہاد تجزی کو قبول کرتا ہے“ جیسا کہ حق بھی یہی ہے، یہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اگر کوئی مجتہدِ مطلق نہ ہو، تو یہ ضروری نہیں کہ وہ مقلد ہو، بلکہ بعض اوقات وہ بعض مسائل میں مجتہد ہوتا ہے، اور یہ لازم نہیں آتا کہ اگر وہ سرے سے مجتہد ہی نہ ہو، تو وہ اس چیز میں بھی مقلد ہو، جس چیز کی دلیلِ شرعی (مثلاً حدیث) کی فہم پر وہ قادر ہو (رسالة فی بیان الکتب التی یعول علیها، الخ)

اس موقع پر ایک اہم بات یہ ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ محققین کے نزدیک آسمان سے نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا منصب، اور اسی طرح قربِ قیامت سے قبل ”ظہورِ مہدی“ کی شکل میں حضرت مہدی علیہ الرحمۃ کا درجہ ”مجتہدِ مطلق“ کا ہوگا، اور وہ کسی خاص مجتہد کی طرف انتساب کئے بغیر ”قرآن وسنت“ سے استنباط کریں گے۔ [1]

---

[1] لا دلیل فی ذلک، علی أن نبی الله عیسی علی نبینا وعلیه الصلاة والسلام یحکم بمذهب أبی حنیفة وإن کان العلماء موجودین فی زمنه فلا بد له من دلیل، ولهذا قال الحافظ السیوطی فی رسالة سماها الإعلام ما حاصله: إن ما یقال إنه یحکم بمذهب من المذاهب الأربعة باطل لا أصل له، وکیف یظن بنبی أنه یقلد مجتهدا مع أن المجتهد من آحاد هذه الأئمة لا یجوز له التقلید، وإنما یحکم بالاجتهاد، أو بما کان یعلمه قبل من شریعتنا بالوحی، أو بما تعلمه منها وهو فی السماء، أو أنه ینظر فی القرآن فیفهم منه کما کان یفهم نبینا – علیه الصلاة والسلام – اهـ واقتصر السبکی علی الأخیر.

وذکر منلا علی القاری أن الحافظ ابن حجر العسقلانی سئل هل ینزل عیسی – علیه السلام – حافظا للقرآن والسنة أو یتلقاهما عن علماء ذلک الزمان؟ فأجاب: لم ینقل فی ذلک شیء صریح، والذی یلیق بمقامه – علیه الصلاة والسلام – أنه یتلقی ذلک عن رسول الله – صلی الله علیه وسلم – فیحکم فی أمته کما تلقاه منه؛ لأنه فی الحقیقة خلیفة عنه .اهـ .وما یقال إن الإمام المهدی یقلد أبا حنیفة، رده منلا علی القاری فی رسالته المشرب الوردی فی مذهب المهدی وقرر فیها أنه مجتهد مطلق، ورد فیها ما وضعه بعض الکذابین من قصة طویلة .حاصلها: أن الخضر – علیه السلام – تعلم من أبی حنیفة الأحکام الشرعیة، ثم علمها للإمام أبی القاسم القشیری، وأن القشیری صنف فیها کتبا وضعها فی صندوق، وأمر بعض مریدیه بإلقائه فی جیحون، وأن عیسی – علیه السلام – بعد نزوله یخرجه من جیحون ویحکم بما فیه، وهذا کلام باطل لا أصل له، ولا تجوز حکایته إلا لرده کما أوضحه ط وأطال فی رده وإبطاله فراجعه(ردالمحتار، ج ۱ ص۵۷، مقدمة)

عیسی -علیه الصلاة والسلام -لا یقصر عن رتبة الاجتهاد المطلق واستنباط أحکام من القرآن ومن سنة رسول الله -صلی الله علیه وسلم(االفواکه الدوانی علی رسالة ابن أبی زید القیروانی، ج ۱، ص ۷۰،باب ما تنطق به الألسنة وتعتقده الأفئدة من واجب أمور الدیانات)

www.idaraghufran.org

جس سے صاف معلوم ہوا کہ اجتہاد کا باب تا قیامت مفتوح ہے۔

بہر حال مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''مجتہدِ مستقل'' اور پہلے مجتہدین کے مقابلہ میں مخترع مجتہد کے علاوہ دیگر مجتہدین، جو اصولِ فقہ کے دائرہ میں رہ کر اجتہاد کریں، ان کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا، ایسا سمجھنا تسامح پر مبنی ہے، اور یہ تسامح ہمارے دیار میں بہت عام ہوگیا ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

''مجتہدِ مطلق'' کی اقسام وشرائط

شاہ ولی اللہ صاحب اپنی فارسی زبان کی تالیف ''ازالۃُ الخفاء'' میں فرماتے ہیں:

واصل معنیٰ اجتہاد آنست کہ جملۂ عظیمہ از احکامِ فقہ دانستہ باشد بادلۂ تفصیلیہ از کتاب وسنت واجماع وقیاس وہر حکمے را منوط بدلیل او شناختہ باشد وظن قوی بہماں دلیل حاصل کردہ۔

پس دریں زمانہ مجتہد نمی تواند شد مگر کسیکہ جمع کردہ باشد پنج علم را۔ علمِ کتاب قراءۃً وتفسیراً، وعلمِ سنت باسانید آں ومعرفت صحیح وضعیف دراں، وعلمِ اقاویلِ سلف در مسائل تا از اجماع تجاوز نہ نماید ونزدیک اختلاف علی قولین قول ثالث اختیار نہ کند، وعلمِ عربیت ازلغت ونحو وغیرآں، وعلمِ طرق استنباط ووجوہ تطبیق بین المختلفین بعدازاں اعمال فکر کند درمسائلِ جزئیہ، وہر حکمے را منوط بدلیلِ او بشناسد ولازم نیست کہ مجتہد مستقل باشد مثل ابوحنیفہ وشافعی بلکہ مجتہدِ منتسب کہ تحقیق سلف را شناختہ واستدلالات ایشاں فہمیدہ ظنِ قوی در ہر مسئلہ بہم رساند کافی است۔

وتحقیق آنست کہ احیائے تفسیرِ قرآن نیز بغیراین علوم پنجگانہ میسر نیست لیکن معتبرآنجا احادیث اسبابِ نزول مناسب اوست وآثارسلف درباب تفسیر وحفظ وقوت، فہم سیاق وسباق وتوجیہ ومانندِ آں وبرعلمِ تفسیر قیاس باید کرد جمیع فنونِ دینیہ را۔ واللہ أعلم۔

www.idaraghufran.org

و در زمانِ صحابہ اکثر ایں شروط لازم نبود ہمیں معرفتِ قرآن و حفظِ سنت در کار می شد زیرا کہ عربیت زبان ایشاں بود بغیر تعلمِ نحو بفہمِ کلامِ عربی می رسیدند و ہنوز احادیثِ متعارضہ ظاہر نشدہ و اختلاف، سلف پدید نیامدہ بود۔

ترجمہ:......دراصل مجتہد وہ شخص ہے، جو ایک بڑا حصہ، احکامِ فقہیہ کا جانتا ہو، مع ان کے دلائلِ تفصیلیہ، یعنی کتاب وسنت واجماع وقیاس کے اور ہر حکم کو (جس کی علت مصرح نہ ہو) اس کی علت کے ساتھ مرتبط جانتا ہو، اور اس علت کا ظنِ قوی رکھتا ہو۔

اب اس زمانہ میں مجتہد وہی شخص ہوسکتا ہے، جو ان پانچ علموں کا جامع ہو، قرآن پاک کی قرائت وتفسیر کا علم، احادیث کا علم مع ان کی سندوں کے اور معرفت صحیح وضعیف کے، مسائلِ (دینیہ) میں سلف کے اقوال کا علم، تاکہ اجماع سے متجاوز نہ ہو، اور دو مختلف قولوں میں سے تیسرا قول ایجاد نہ کرے، زبانِ عرب کا علم، یعنی لغت اور صرف ونحو وغیرہ کا علم، استنباطِ مسائل کے طریقوں کا علم، اور دو مختلف (نصوص) میں تطبیق کے طریقوں کا علم، اور پانچ علموں کے حصول کے بعد مسائلِ جزئیہ میں غور وفکر کر کے ہر حکم کی علت معلوم کر چکا ہو، مجتہدِ مستقل مثل ابوحنیفہ وشافعی رحمہما اللہ کے ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ مجتہدِ منتسب (یعنی) جس نے سلف کی تحقیقات معلوم کر لی ہوں، اور ان کے استدلال کو سمجھ لیا ہو، اور ہر مسئلہ میں اس کو ظنِ قوی حاصل ہو گیا ہو، کافی ہے۔

تحقیق (مناسب مقام) یہ ہے کہ تفسیرِ قرآن کا زندہ رکھنا بھی بغیر ان پانچوں علموں کے ممکن نہیں ہے، لیکن علمِ تفسیر میں احادیث اسبابِ نزول وغیرہ اور سلف کے تفسیری اقوال اور قوتِ حافظہ کے قوی ہونے اور فہمِ سیاق وسباق اور توجیہ وغیرہ کے استعداد کی ضرورت ہے، اور یہی حال تمام علومِ دینیہ کا ہے، واللہ اعلم۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں (مجتہد بننے کے لیے) مذکورہ علوم میں سے

اکثر علوم کی ضرورت نہ تھی، صرف علمِ قرآن وحفظِ حدیث کافی تھا، عربی خود ان کی (مادری) زبان تھی، صرف ونحو وغیرہ حاصل کیے بغیر عربی کلام کو سمجھ لیتے تھے، اور اس وقت تک متعارض حدیثیں بھی ظاہر نہ ہوئی تھیں، نہ مسائل میں سلف کا اختلاف تھا (لہٰذا نصوصِ متعارضہ میں تطبیق کے طرق اور اقوالِ سلف کے علم کی ان کو ضرورت نہ تھی) (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مترجم: مولانا محمد عبدالشکور فاروقی، جلد۱، صفحہ۲۱، ۲۲، مقصدِ اول، فصلِ اول: خلافت، عامہ کا بیان، مسئلہ سوم: خلافت کے استحقاق کے شرائط، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی)

شاہ ولی اللہ صاحب اپنی دوسری تالیف ’’عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد و التقلید‘‘ میں فرماتے ہیں:

وشرطه أنه لا بد له أن يعرف من الكتاب والسنة ما يتعلق بالأحكام ومواقع الإجماع وشرائط القياس وكيفية النظر وعلم العربية والناسخ والمنسوخ وحال الرواة ولا حاجة إلى الكلام والفقه.

قال الغزالي إنما يحصل الإجتهاد فى زماننا بممارسة الفقه وهى طريق تحصيل الدراية فى هذا الزمان ولم يكن الطريق فى زمن الصحابة رضى الله عنهم ذلك.

قلت هذا إشارة إلى أن الإجتهاد المطلق المنتسب لا يتم إلا بمعرفة نصوص المجتهد المستقل وكذلك لا بد للمستقل من معرفة كلام من مضى من الصحابة والتابعين وتبعهم فى أبواب الفقه وهذا الذى ذكرناه من شرط الإجتهاد مبسوط فى كتب الأصول (عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد، ص۲۰ و ۲۱، باب فى بيان حقيقة الإجتهاد وشرطه وأقسامه، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ۱۳۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اور اجتہاد کے لیے یہ شرط ضروری ہے کہ اس کو کتابُ اللہ اور سنتِ رسولُ اللہ کے اتنے حصہ کی معرفت حاصل ہو، جس کا احکام کے ساتھ تعلق ہے، اور مواقعِ اجماع کی معرفت حاصل ہو، اور قیاس کی شرائط کی بھی معرفت ہو، اور غور کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہو، اور عربی اور ناسخ اور منسوخ اور رواۃ کی حالت کا بھی علم ہو، البتہ اجتہاد کے لیے علمِ کلام اور فقہ کی ضرورت نہیں ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اجتہاد، فقہ کی مہارت سے ہی حاصل ہوتا ہے، اور یہی اس زمانہ میں درایۃ کے حصول کا طریقہ ہے، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں یہ طریقہ نہیں تھا۔

میں کہتا ہوں کہ امام غزالی کی مراد یہ ہے کہ اجتہاد مطلق منتسب اس وقت مکمل ہوتا ہے، جبکہ مجتہدِ مستقل کی تصریحات کی معرفت حاصل ہو، اور اسی طریقہ سے مجتہدِ مستقل کے لیے صحابہ وتابعین اور ان کے متبعین کے فقہ کے ابواب میں کلام کی معرفت بھی ضروری ہے، اور اجتہاد کی جو شرائط ہم نے ذکر کیں، کتبِ اصول میں ان کی تفصیل مذکور ہے (عقد الجید)

پھر ''**عـقـدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید**'' میں آگے شاہ ولی اللہ صاحب نے امام بغوی کا کلام نقل کیا ہے، جس میں مجتہد میں پانچ علوم کے جمع ہونے کا ذکر ہے، یعنی ایک تو کتابُ اللہ، دوسرے سنتِ رسول اللہ، تیسرے سلف کے اجماع، واختلاف سے متعلق اقوال، چوتھے علمِ لغت، پانچویں علمِ قیاس۔

اور پھر ان امور سے استنباط کے طریقوں کا ذکر کیا ہے، جس کے بعد یہ بات مذکور ہے کہ جب ان مذکورہ تمام انواع کے علم کے بڑے حصہ سے واقف ہو، تو وہ اس وقت مجتہد ہوتا ہے، اور ان انواع کے پورے علم کی معرفت ضروری نہیں کہ اس سے ان کا کوئی بھی حصہ نہ رہے۔

اور جب ان انواع میں سے کسی نوع کا تعارف نہ ہو، تو اس کا راستہ ''تقلید'' ہے۔

اور اگر وہ ائمہ سلف میں سے کسی خاص مذہب کا متبحر ہو، تو اس کو ''قضاء وافتاء کا عہدہ سپرد کرنا'' جائز نہیں، اور جب وہ ان علوم کو جمع کر لے، اور وہ اھواء، وبدعت سے مجتنب، اور تقویٰ وطہارت کا مہتمم، اور کبائر سے محترز، اور صغائر پر غیر مصر ہو، تو اس کو قضاء کا عہدہ سپرد کرنا، اور اس کو اجتہاد وفتویٰ کے ذریعہ تصرف فی الشریعہ کرنا جائز ہے، اور جس کو یہ شرائط حاصل نہ ہوں، اس کو پیش آمدہ مسائل میں تقلید کرنا جائز ہے، یہاں بغوی کا کلام ختم ہوا۔ [1]

---

[1] ولا بأس أن نورد كلام البغوى فى هذا الموضع .

قال البغوى والمجتهد من جمع خمسة أنواع من العلم علم كتاب الله عز وجل وعلم سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وأقاويل علماء السلف من أجماعهم واختلافهم وعلم اللغة وعلم القياس وهو طريق استنباط الحكم من الكتاب والسنة إذا لم يجده صريحا فى نص كتاب أو سنة أو إجماع فيجب أن يعلم من علم الكتاب الناسخ أو المنسوخ والمجمل والمفصل والخاص والعام والمحكم والمتشابه والكراهة والتحريم والإباحة والندب والوجوب.

ويعرف من السنة هذه الأشياء ويعرف منها الصحيح والضعيف والمسند والمرسل ويعرف ترتيب السنة على الكتاب وترتيب الكتاب على السنة حتى لو وجد حديثا لا يوافق ظاهره الكتاب يهتدى إلى وجه محمله فإن السنة بيان الكتاب ولا تخالفه وإنما يجب معرفة ما ورد منها فى أحكام الشرع دون ما عداها من القصص والأخبار والمواعظ.

وكذلك يجب أن يعرف من علم اللغة ما أتى فى كتاب أو سنة فى أمور الأحكام دون الإحاطة بجميع لغات العرب.

وينبغى أن يتحرج فيها بحيث يقف على مرامى كلام العرب فيما يدل على المراد من اختلاف المحال والأحوال لأن الخطاب ورد بلسان العرب فمن لم يعرفه لا يقف على مراد الشارع ويعرف أقاويل الصحابة والتابعين فى الأحكام ومعظم فتاوى فقهاء الأمة حتى لا يقع حكمه مخالفا لأقوالهم فيكون فيه خرق الإجماع.

وإذا عرف من كل من هذه الأنواع معظمه فهو حينئذ مجتهد ولا يشترط معرفة جميعها بحيث لا يشذ عنه شىء منها .

وإذا لم يعرف نوعا من هذه الأنواع فسبيله التقليد.

وإن كان متبحرا فى مذهب واحد من آحاد أئمة السلف فلا يجوز له تقلد القضاء ولا الترصد للفتيا وإذا جمع هذه العلوم وكان مجانبا للأهواء والبدع مدرعا بالورع محترزا عن الكبائر غير مصر على الصغائر جاز له أن يتقلد القضاء ويتصرف فى الشرع بالإجتهاد والفتوى ويجب على من لم يجمع هذه الشرائط تقليده فيما يعن له من الحوادث انتهى كلام البغوى(عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد،ص ٢١ الٰى ٢٣ ،باب فى بيان حقيقة الإجتهاد وشرطه وأقسامه ، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولٰى: ١٤٣٤هـ، ٢٠١٣م)

www.idaraghufran.org

شاہ ولی اللہ صاحب نے ’’**الانصاف**‘‘ میں مجتہدِ مطلق کے لئے ’’مسلم، مکلّف، آزاد، عادل، سمیع، بصیر، ناطق‘‘ ہونے کے ساتھ، پانچ علوم کی معرفت ہونے کا ذکر کیا ہے، اور وہ پانچ علوم وہی ہیں، جو شاہ ولی اللہ صاحب نے ’’**عقد الجید**‘‘ میں ذکر کئے ہیں۔ [1]

شاہ ولی اللہ صاحب نے ’**عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید**‘‘ نامی کتاب کے اختتامی مراحل میں چند یادداشتوں کو نقل کیا ہے، جن کے ضمن میں امام بغوی، امام حاکم اور زمخشری کی چند عبارات کو نقل کیا ہے، جن میں انہوں نے بعض مسائل میں اپنے ائمہ سے اختلاف کیا، اور ان کا مؤاخذہ کیا، اور محدثین کے مواخذات تو اتنے زیادہ ہیں، جن کو احاطۂ شمار میں لانا مشکل ہے۔

اور پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے ’**عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید**‘‘ میں اپنے استاذ ابو طاہر شافعی کی طرف سے اجتہاد کی شرائط کا ذکر کیا ہے، جن میں ان ہی پانچ علوم کا ذکر ہے، جو پہلے ذکر کئے جا چکے۔

’’یعنی قرآن وسنت، اجماع واختلاف، قیاس، اور لسانِ عرب کی معرفت‘‘

اور اجتہاد کی ایک شرط اور بھی ذکر کی ہے۔

یعنی ’’اصولِ اعتقاد‘‘ کی معرفت، جو متکلمین کے کلامی طریقوں سے ہٹ کر ہو، تاہم ان علوم میں تبحر ضروری نہیں، بلکہ ان کا اجمالی علم کافی ہے۔

اور مجتہد ہونے کی ایک شرط یہ ذکر کی ہے کہ:

---

[1] واعلم أن المجتهد المطلق من جمع خمسة من العلوم قال النووی فی المنهاج وشرط القاضی مسلم مكلف حر عدل سميع بصير ناطق كاف مجتهد.

وهو أن يعرف من ’’القرآن والسنه‘‘ ما يتعلق بالأحكام وخاصه وعامه ومجمله ومبينه وناسخه ومنسوخه ومتواتر السنة وغيره والمتصل والمرسل وحال الرواة قوة وضعفا و’’لسان العرب لغة ونحوا‘‘ و’’أقوال العلماء من الصحابة فمن بعدهم اجتماعا واختلافا‘‘ و’’القياس‘‘ بأنواعه(الإنصاف فی بیان أسباب الاختلاف،ص ۷۹، ۸۰،باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر فی الانتساب الخ ، الناشر: دارالنفائس،بيروت، الطبعة الثالثة :۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶م)

www.idaraghufran.org

اہلِ بدعت میں سے نہ ہو، جو قیاس، یا اجماع وغیرہ کو اہلِ سنت کے مطابق نہیں مانتے، جیسا کہ خوارج، وشیعہ۔

اور اس ضمن میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ''**عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید**'' میں ایک اہم بات یہ فرمائی ہے کہ ''مجتہدِ مطلق'' میں یہ علوم، اس مفتی کے لیے شرط ہیں، جو تمام شریعت کے ابواب میں فتویٰ دیتا ہو، اور یہ بات جائز ہے کہ کوئی ایک باب میں مجتہد ہو، اور دوسرے باب میں مجتہد نہ ہو، اس لیے اس کے حق میں یہ علوم ضروری نہیں۔

چنانچہ فرمایا:

" واجتماع هذه العلوم إنما اشترط فی المجتهد المطلق الذی یفتی فی جمیع أبواب الشرع ویجوز أن یکون مجتهدا فی باب دون باب"

''یعنی مذکورہ علوم کا ''مجتہدِ مطلق'' میں ہونا، شرط ہے، جو شریعت کے تمام ابواب میں فتویٰ دے، اور یہ بات جائز ہے کہ کوئی ایک باب میں مجتہد ہو، دوسرے باب میں نہ ہو''۔ انتہٰی۔ [1]

---

[1] ولکن لا بأس أن نذکر بعض ما نحفظه فی هذه الساعة.

قال البغوی فی مفتتح شرح السنة وإنی فی أکثر ما أوردته بل فی عامته متبع إلا القلیل الذی لاح لی بنوع من الدلیل فی تأویل کلام محتمل أو إیضاح مشکل أو ترجیح قول علی آخر وقال فی باب الدعاء الذی یستفتح به الصلاة بعد ما ذکر التوجیه وسبحانک اللهم وقد روی غیر هذا من الذکر فی افتتاح الصلاة فهو من الإختلاف المباح فبأیها استفتح جاز وقال فی باب المرأة لا تخرج إلا مع محرم وهذا الحدیث یدل علی أن المرأة لا یلزمها الحج إذا لم تجد رجلا ذا محرم یخرج معها وهو قول النخعی والحسن البصری وبه قال الثوری وأحمد وإسحاق وأصحاب الرأی وذهب قوم إلی أنه یلزمها الخروج مع جماعة النساء وهو قول مالک والشافعی والأول أولی لظاهر الحدیث.

قال البغوی فی حدیث بروع بنت واشق قال الشافعی رحمة الله علیه فإن کان یثبت حدیث بروع بنت واشق فلا حجة فی قول أحد دون النبی صلی الله علیه وسلم فقال مرة عن معقل بن یسار ومرة عن معقل بن سنان ومرة عن بعض أشجع وإن لم یثبت فلا مهر لها ولها إرث انتهی قول البغوی.

وقال الحاکم بعد حکایة قول الشافعی إن صح حدیث بروع بنت واشق قلت به إن بعض مشایخه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

علامہ جلال الدین سیوطی نے "تقریر الاستناد فی تفسیر الاجتهاد" میں فرمایا کہ:

ویجوز أن یکون للعالم منصب الاجتهاد فی باب دون باب (تقریر الاستناد فی تفسیر الاجتهاد للسیوطی، ص ۴۱،۴۲، فصل شروط الاجتهاد، عند الغزالی)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال لو حضرت الشافعی لقمت علی رئوس أصحابه وقلت قد صح الحدیث فقل به انتهی قول الحاکم.

وهکذا توقف الشافعی فی حدیث بریدة الأسلمی فی أوقات الصلاة.

وصح الحدیث عند مسلم فرجع إلیه جماعات من المحدثین وهکذا فی المعصفر استدرک البیهقی علی الشافعی بحدیث عبد الله بن عمر واستدرک الغزالی علی الشافعی فی مسألة نجاسة الماء إذا کان دون القلتین فی کلام کثیر مذکور فی الأحیاء وللنووی وجه أن بیع المعاطاة جائز علی خلاف نص الشافعی.

واستدرک الزمخشری علی أبی حنیفة فی بعض المسائل.

منها ما قال فی آیة التیمم من سورة المائدة قال الزجاج الصعید وجه الأرض ترابا کان أو غیره وإن کان صخرا لا تراب علیه فلو ضرب المتیمم یده علیه ومسح لکان ذلک طهروه وهو مذهب أبی حنیفة فإن قلت فما تصنع بقوله تعالی فی سورة المائدة }فامسحوا بوجوهکم وأیدیکم منه {أی بعضه وهذا لا یتأتی فی الصخر الذی لا تراب علیه قلت قالوا إن من لابتداء الغایة فإن قلت قولهم إنها لإبتداء الغایة قول متعسف ولا یفهم من قول العرب مسحت برأسی من الدهن ومن التراب ومن الماء إلا معنی التبعیض قلت هو کما تقول والإذعان للحق أحق من المراء انتهی کلام الزمخشری.

وهذا الجنس من مؤاخذات العلماء علی أئمتهم.

لا سیما مؤاخذات المحدثین أکثر من أن تحصی.

وقد حکی لی شیخی الشیخ أبو طاهر الشافعی عن شیخه الشیخ حسن العجمی الحنفی أنه کان یأمرنا أن لا نشدد علی نسائنا فی النجاسة القلیلة لمکان الحرج الشدید وما أمرنا أن نأخذ فی ذلک بمذهب أبی حنیفة فی العفو عما دون الدرهم.

وکان شیخنا أبو طاهر یرتضی هذا القول ویقول به فی الأنوار وإنما یحصل أهلیة الاجتهاد بأن یعلم أمورا الأول کتاب الله تعالی ولا یشترط العلم بجمیعه بل بما یتعلق بالأحکام ولا یشترط حفظه بظهر القلب.

الثانی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم ما یتعلق منها بالأحکام لا جمیعا ویشترط أن یعرف منهما الخاص والعام والمطلق والمقید والمجمل والمبین والناسخ والمنسوخ ومن السنة المتواتر والآحاد والمرسل والمسند والمتصل والمنقطع وحال الرواة جرحا وتعدیلا .

الثالث أقاویل علماء الصحابة فمن بعدهم إجماعا واختلافا .

الرابع القیاس جلیه وخفیه وتمییز الصحیح من الفاسد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اور عالم کے لیے ایک باب میں اجتہاد کا منصب حاصل ہونا، اور دوسرے باب میں اجتہاد کا منصب حاصل نہ ہونا، جائز ہے (تقریر الاستناد)

یہ وہی اجتہاد میں ''تجزی'' ہے، جس کا ذکر پہلے بھی گزرا۔

پھر ''جزوی مجتہد'' کو اس ''جزوی اجتہاد'' کی حد تک ''استقلال'' حاصل ہوتا ہے، جس میں اس پر کسی ''مجتہدِ مطلق'' کی تقلید واجب نہیں رہتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن علوم کا مجتہد کے لئے شرط ہونا ضروری قرار دیا جاتا ہے، وہ ''مجتہدِ مطلق'' کے بارے میں ہیں، اور آج کل جو بعض کم علم حضرات ہر طرح کے جزوی اجتہاد کے لئے بھی ان تمام علوم کو ضروری قرار دیتے ہیں، جو ''مجتہدِ مطلق'' کے لئے ضروری ہیں، اور اس کے بغیر وہ ''مجتہدِ مطلق'' کے مقابلہ میں ''جزوی اجتہاد'' کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے، یہ تسامح، یا کم علمی پر مبنی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الخامس لسان العرب لغة وإعرابا.

ولا يشترط التبحر فى هذه العلوم بل يكفى معرفة جمل منها.

ولا حاجة أن يتتبع الأحاديث على تفرقها بل يكفى أن يكون له أصل مصحح يجمع أحاديث الأحكام كسنن الترمذى والنسائى وغيرهما كأبى داود.

ولا يشترط ضبط جميع مواضع الإجماع أو الإختلاف بل يكفى أن يعرف فى المسألة التى يقضى فيها أن قوله لا يخالف الإجماع بأن يعلم أنه وافق بعض المتقدمين أو يغلب على ظنه أنه لم يتكلم الأولون فيها بل تولدت فى عصره.

وكذا معرفة الناسخ والمنسوخ وكل حديث أجمع السلف على قبوله أو تواترت أهلية رواته فلا حاجة إلى البحث عن عدالة رواته وما عدا ذلك يبحث عن عدالة رواته.

واجتماع هذه العلوم إنما اشترط فى المجتهد المطلق الذى يفتى فى جميع أبواب الشرع ويجوز أن يكون مجتهدا فى باب دون باب .

ومن شرط الإجتهاد معرفة أصول الإعتقاد قال الغزالى ولا يشترط معرفته على طرق المتكلمين بأداتها التى يحررونها ومن لا تقبل شهادته من المبتدعة لا يصح تقليده القضاء وكذا تقليد من لا يقول بالإجماع كالخوارج أو بأخبار الآحاد كالقدرية أو بالقياس كالشيعة(عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد،ص ٧٦ الى ٨٠،باب بلاترجمة بعد فصل فى العامى، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣٤هـ، ٢٠١٣م)

''مجتہدِ مستقل ومنتسب'' اور اصحابِ ابی حنیفہ کا درجہ

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ''**عقدُ الجید فی أحکام الإجتھاد والتقلید**'' میں فرمایا:

''وقد صرح الرافعی والنووی وغیرھما ممن لا یحصی کثرۃ .

أن المجتھد المطلق الذی مر تفسیرہ علی قسمین :

مستقل ومنتسب''

ترجمہ: رافعی اور نووی وغیرہما اور دوسرے بکثرت حضرات نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ ''مجتہدِ مطلق'' جس کی تفسیر ذکر کی گئی، اس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک ''مجتہدِ مستقل'' دوسرے ''مجتہدِ منتسب''

اور اس کی تفصیل وہی ہے، جو آگے شاہ ولی اللہ صاحب کی دوسری تالیف ''**الانصاف**'' کے حوالہ سے آتی ہے۔

ساتھ ہی شاہ ولی اللہ صاحب نے ''**عقدُ الجید فی أحکام الإجتھاد والتقلید**'' میں یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ ''مجتہد'' کے بارے میں جن علوم کے جمع ہونے کا ذکر کیا گیا، وہ ''مجتہدِ مطلق'' کے لیے شرط ہیں، اور اس سے نچلے درجہ کے لوگوں کے لیے شرط نہیں، مثلاً جو ''مجتہد فی المذہب'' ہو، اور اسی طریقہ سے جو ''مجتہدِ فتیا'' یا ''متبحر فی المذہب'' ہو۔ [1]

---

[1] وقد صرح الرافعی والنووی وغیرھما ممن لا یحصی کثرۃ .
أن المجتھد المطلق الذی مر تفسیرہ علی قسمین :مستقل ومنتسب.
ویظھر من کلامھم أن المستقل یمتاز عن غیرہ بثلاث خصال:
إحداھا: التصرف فی الأصول التی علیھا بناء مجتھداتہ .
وثانیتھا :تتبع الآیات والأحادیث والآثار لمعرفۃ الأحکام التی سبق بالجواب فیھا واختیار بعض الأدلۃ المتعارضۃ علی بعض وبیان الراجح من محتملاتہ والتنبیہ لمآخذ الأ حکام من تلک الأدلۃ والذی نری واللہ أعلم أن ذلک ثلثا علم الشافعی رحمہ اللہ تعالی .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پس اجتہاد کے لیے جن علوم کا شرط ہونا ذکر کیا گیا، وہ ''مجتہدِ مطلق'' کے لیے ہیں، اور ان سے نیچے درجہ کے مجتہدین کے لیے، یا کسی خاص باب، یا خاص مسئلہ کے جزوی مجتہد کے لیے یہ تمام علوم شرط نہیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی ''ردالمحتار'' میں اس کی تصریح نقل فرمائی ہے۔ [1]

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الانصاف'' میں مجتہدِ مطلق کے بارے میں فرمایا کہ:

ثم اعلم أن هذا المجتهد قد يكون مستقلا وقد يكون منتسبا إلى المستقل.

والمستقل من امتاز عن سائر المجتهدين بثلاث خصال كما ترى ذلک فی الشافعی ظاهرا.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والثالثة :الكلام فی المسائل التی لم يسبق بالجواب فيها أخذا من تلک الأدلة والمنتسب من سلم أصول شيخه واستعان بكلامه كثيرا فی تتبع الأدلة والتنبيه للمأخذ وهو مع ذلک مستيقن بالأحكام من قبل أدلتها قادر على استنباط المسائل منها قل ذلک منه أو كثر.

وإنما تشترط الأمور المذكورة فی المجتهد المطلق وأما الذی هو دونه فی المرتبة فهو مجتهد فی المذهب وهو مقلد لإمامه فيما ظهر فيه نصه لكنه يعرف قواعد إمامه وما بنى عليه مذهبه فإذا وقعت حادثة لم يعرف لإمامه نصا فيها اجتهد على مذهبه وخرجها من أقواله وعلى منواله .

ودونه فی المرتبة مجتهد الفتيا وهو المتبحر فی مذهب إمامه المتمكن من ترجيح قول على آخر ووجه من وجوه الأصحاب على آخر والله أعلم(عقد الجيد فی أحكام الاجتهاد والتقليد،ص ٢٣، ٢٤، باب فی بيان حقيقة الإجتهاد وشرطه وأقسامه ، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣٤هـ، ٢٠١٣م)

[1] قال فی التلويح ومعنى بذل الطاقة أن يحس من نفسه العجز عن المزيد عليه وشروطه الإسلام والعقل والبلوغ وكونه فقيه النفس أی شديد الفهم بالطبع وعلمه باللغة العربية وكونه حاويا لكتاب الله تعالى فيما يتعلق بالأحكام وعالما بالحديث متنا وسندا وناسخا ومنسوخا وبالقياس وهذه الشرائط فی المجتهد المطلق الذی يفتی فی جميع الأحكام.

وأما المجتهد فی حكم دون حكم فعليه معرفة ما يتعلق بذلک الحكم مثلا كالاجتهاد فی حكم متعلق بالصلاة لا يتوقف على معرفة جميع ما يتعلق بالنكاح اهـ ومراد المصنف هنا الاجتهاد بالمعنى الأول نهر(رد المحتار على الدر المختار، ج٥،ص ٣٦٥، كتاب القضاء،مطلب فی الاجتهاد وشروطه)

www.idaraghufran.org

أحدها أن يتصرف فى الأصول والقواعد التى يستنبط منها الفقه. ...... [1]

وثانيها أن يجمع الأحاديث والآثار فيحصل أحكامها وينبه لأخذ الفقه منها ويجمع مختلفها ويرجح بعضها على بعض ويعين بعض محتملها وذلك قريب من ثلثى علم الشافعى فيما نرى والله أعلم.

وثالثها أن يفرع التفاريع التى ترد عليه مما لم يسبق بالجواب فيه من القرون المشهود لها بالخبر.

وبالجملة فيكون كثير التصرفات فى هذه الخصال فائقا على أقرانه سابقا فى حلبة رهانه مبرزا فى ميدانه.

وخصلة رابعة نتلوها وهى أن ينزل له القبول من السماء فأقبل إلى علمه جماعات من العلماء من المفسرين والمحدثين والأصوليين

---

[1] درمیان کی عبارت مندرجہ ذیل ہے، جس میں امام شافعی تک لمبی سند کے بعد ''قرآن وسنت، اجماع، اور قیاس کا'' ذکر ہے۔

كما ذكر ذلك فى أوائل الأم حيث عد صنيع الأوائل فى استنباطهم واستدرك عليهم وكما أخبرنا شيخنا أبو طاهر محمد بن إبراهيم المدنى عن مشايخه المكيين الشيخ حسن بن على العجمى والشيخ أحمد النخلى عن الشيخ محمد بن العلاء الباهلى عن إبراهيم بن إبراهيم اللقانى وعبد الرؤوف الطبلاوى عن الجلال أبى فضل السيوطى عن أبى الفضل المرجانى إجازة عن أبى الفرج الغزى عن يونس بن إبراهيم الدبوسى عن أبى الحسن بن البقر عن الفضل بن سهل الإسفرائينى عن الحافظ الحجة أبى بكر أحمد بن على الخطيب أخبرنا أبو نعيم الحافظ حدثنا أبو محمد عبد الله بن محمد بن جعفر بن حبان حدثنا عبد الله بن محمد بن يعقوب حدثنا أبو حاتم يعنى الرازى حدثنى يونس بن عبد الأعلى قال قال محمد بن إدريس الشافعى.

الأصل قرآن وسنة فان لم يكن فقياس عليهما وإذا اتصل الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وصح الإسناد منه فهو سنة والاجماع أكبر من الخبر المفرد والحديث على ظاهره وإذا احتمل المعانى فما أشبه منها ظاهره أولاها به وإذا تكافأت الأحاديث فأصحها إسنادا أولاها وليس المنقطع بشىء ما عدا منقطع ابن المسيب ولا يقاس أصل على أصل ولا يقال للأصل لم وكيف وإنما يقال للفرع لم فاذا صح قياسه على الأصل صح وقامت به الحجة انتهى.

www.idaraghufran.org

وحفاظ كتب الفقه ويمضى على ذلك القبول والإقبال قرون متطاولة حتى يدخل ذلك فى صميم القلوب.

والمجتهد المطلق المنتسب هو المقتدى المسلم فى الخصلة الأولى الجارى فى مجراه فى الخصلة الثانية

والمجتهد فى المذهب هو الذى مسلم منه الأولى والثانيةوجرى مجراه فى التفريع على منهاج تفاريعه.

ولنضرب لذلك مثلا فنقول كل من تطيب فى هذه الأزمنة المتأخرة ،إما أن يكون يقتدى بأطباء اليونان أو بأطباء الهند فهو بمنزلة المجتهد المستقل .

ثم إن كان هذا المتطبب قد عرف خواص الأدوية وأنواع الأمراض وكيفية ترتيب الأشربة والمعاجين بعقله بأن تنبه لذلك من تنبيههم حتى صار على يقين من أمره من غير تقليد واقتدر على أن يفعل كما فعلوا فيعرف خواص العقاقير التى لم يسبق بالتكلم فيها وبيان أسباب الأمراض وعلاماتها ومعالجاتها مما لم يرصده السابقون وزاحم الأوائل فى بعض ما تكلم قل فى ذلك منه أو كثر فهو بمنزلة المجتهد المطلق المنتسب.

وان سلم ذلك منهم من غير يقين كامل وكان أكثرهم توليدا للأشربة والمعاجين من تلك القواعد الممهدة كأكثر متطببى هذه الأزمنة المتأخرة فهو بمنزلة المجتهد فى المذهب (الإنصاف فى بيان أسباب الاختلاف،ص ٨٠ الىٰ ٨٢،باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر فى الانتساب الخ ، الناشر: دارالنفائس،بيروت، الطبعة الثالثة :١٤٠٦هـ، ١٩٨٦م)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: پھر یہ بات جان لیجئے کہ مجتہد کبھی مستقل ہوتا ہے، اور کبھی منتسب الی المستقل ہوتا ہے۔

اور مجتہدِ مستقل وہ ہوتا ہے، جو دوسرے مجتہدین سے تین خصلتوں میں ممتاز ہوتا ہے، جیسا کہ آپ امام شافعی میں اس خصلت کو واضح طور پر دیکھتے ہیں۔

مجتہدِ مستقل کی پہلی خصلت یہ ہے کہ وہ ان اصول وقواعد میں تصرف کرتا ہے، جن سے فقہ کا استنباط کیا جاتا ہے۔......

اور مجتہدِ مستقل کی دوسری خصلت یہ ہے کہ وہ احادیث وآثار کو جمع کرتا ہے، جن سے اس کو احکام حاصل ہوتے ہیں، اور وہ ان احادیث وآثار سے فقہ کو اخذ کرنے پر تنبیہ کرتا ہے، اور وہ مختلف احادیث وآثار میں جمع وتطبیق، اور ایک پر دوسرے کی ترجیح، اور بعض محتملات کی تعیین، کا عمل سرانجام دیتا ہے، اور یہ عمل ہماری رائے کے مطابق امام شافعی کے دوتہائی علم کے قریب ہے۔ واللہ أعلم۔ [1]

اور مجتہدِ مستقل کی تیسری خصلت یہ ہے کہ اس کے سامنے جو تفریعات آتی ہیں، وہ ان کی تفریع کرتا ہے، جن کا جواب ''قرون مشهود لها بالخير'' میں نہیں ملتا۔

اور بہر حال اس کے مذکورہ خصلتوں میں کثیر تصرفات ہوتے ہیں، جو اس کے زمانے والوں پر فائق ہوتے ہیں، اور وہ اپنے مدِ مقابل گھوڑوں پر سبقت لے جانے والا ہوتا ہے، اور اپنے میدان میں نمایاں وممتاز کردار کا حامل ہوتا ہے۔

اور مجتہدِ مستقل کی چوتھی خصلت وہ ہے، جس کو ہم بیان کرتے ہیں کہ اس کے لئے آسمان سے شرفِ قبولیت نازل ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں اس کے علم کی طرف مفسرین، محدثین، اصولیین، اور حفاظِ کتبِ فقہ سے منسلک مختلف علماء کی جماعتوں

[1] ''مجتہدِ مقید، وجزوی'' کے بجائے'' مجتہد مطلق'' کے جمیع احادیثِ احکام کا علم ہونے کا مطلب پہلے گذر چکا ہے کہ اس سے مراد، بڑا حصہ ہے، اور تمام احادیث کا کسی بھی مجتہد کو علم ہونا، واقع میں ممکن نہیں۔ محمد رضوان۔

کا رجوع ہوتا ہے، اور اس (کے کارہائے نمایاں) پر لمبے زمانوں تک قبولیت، واقبالیت کا سلسلہ گزرتا ہے، یہاں تک کہ یہ دلوں کی گہرائیوں تک داخل ہوجاتا ہے۔

اور مجتہدِ مطلق منتسب پہلی خصلت (یعنی فقہ کا استنباط کیے جانے والے اصول وقواعد میں تصرف کرنے) میں (مجتہدِ مستقل کی) اتباع کرنے اور تسلیم کرنے والا ہوتا ہے (جس پر کلام آگے آتا ہے) اور دوسری خصلت (یعنی احکام معلوم کیے جانے والی احادیث وآثار کو جمع کرنے اور ان سے فقہ کو اخذ کرنے، اور احادیث وآثار میں جمع وتطبیق کرنے، اور بعض کو بعض پر ترجیح دینے، اور محتملات کی تعیین کرنے) میں اس (مجتہدِ مستقل) کے قائم مقام ہوتا ہے (کہ وہ مذکورہ تمام امور سرانجام دیتا ہے)

اور ''مجتہد فی المذہب'' پہلی اور دوسری خصلت میں اس (مجتہدِ مستقل کو) تسلیم کرنے والا ہوتا ہے، اور اس (مجتہدِ مستقل) کی تفریعات کے طریقوں میں اس (مجتہدِ مستقل) کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اور ہم مجتہدین کی مثال بیان کرتے ہیں، پس ہم کہتے ہیں کہ اس آخری زمانہ میں جو شخص طبیب ہو، تو وہ یا تو طبابت میں یونان کے اطباء، یا ہند کے اطباء (یعنی پرانے ویدوں) کے طرزِ عمل کو اختیار کرے گا، تو وہ مجتہدِ مستقل کے درجہ میں ہوگا (یعنی وہ اس طرح کا مجتہد ہوگا، جس طرح یونان وہند کے پہلے اطباء، اپنے شعبہ میں مستقل مجتہد تھے)

پھر اگر یہ طبیب ادویہ کے خواص، امراض کی نوعیت اور مشروبات اور معجونات کی کیفیت کو اپنی عقل سے جان لے، اگرچہ اسے ان امور میں سابق اطباء کی تنبیہ سے تنبہ ہوا ہو، لیکن اس نے بغیر تقلید کے ان چیزوں کو یقین کے ساتھ جان لیا ہو، اور اسے ان چیزوں پر اس طرح قدرت ہوگئی کہ جیسا ان (اطبائے مستقلین، یا

مجتہدینِ مستقلین) نے کیا تھا، یہ بھی ایسا کرتا ہے، اور یہ خود ان جدید اشیاء کے خواص کو پہچانتا ہے، جن کے متعلق ان سے پہلے حضرات (اطباء و مجتہدین) نے کلام نہیں کیا، اور امراض کے اسباب اور علامات اور وہ ان کے علاج و معالجہ کے ایسے طریقوں کو جانتا ہے، جن کو سابق (اطباء و مجتہدین) نے بیان نہیں کیا، اور وہ سابق (اطباء و مجتہدین) کی بیان کردہ بعض اشیاء میں مخالفت کرتا ہے، خواہ یہ مخالفت کم ہو، یا زیادہ، تو یہ مجتہدِ مطلق منتسب کے درجہ میں ہوتا ہے (یعنی یہ شخص بھی مجتہدِ مطلق کا درجہ رکھتا ہے، صرف انتساب کی صفت و قید کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے یہ ''مستقل'' کے مقابلہ میں ''منتسب'' کہلاتا ہے)

اور اگر اس نے سابق (اطباء و مجتہدین) حضرات کی ان اشیاء کو کامل یقین کے بغیر قبول کیا، اور اس زمانہ کے اکثر اطباء کی طرح اس کا طریقہ یہ ہو کہ وہ سابقین کے مقرر کردہ مشروبات اور معجونات تیار کرتا ہے، تو وہ **مجتہد فی المذہب** کے درجہ میں ہوتا ہے (الانصاف)

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ''**الانصاف**''میں مزید مثالوں سے ''مجتہدین کی اقسام کی توضیح کی ہے۔

اور پھر اوائل کی صدیوں میں ''اصولِ فقہ'' پر کلام نہ کئے جانے کا جواب دیا ہے۔

اور پھر مختلف '' مجتہدینِ مستقلین'' یعنی ائمہ اربعہ کے بعد ان کی طرف منتسب ''مجتہدینِ مطلق'' کی آمد پر کلام کیا ہے کہ کس امام کی طرف منتسب ''مجتہدِ مطلق'' عملی طور پر کون کون سے زمانے تک آتے رہے۔ [1]

---

[1] وکذلک کل من نظم الشعر فی ھذہ الأزمنة أما أن یقتدی فی ذلک بأشعار العرب ویختار أوزانھم وقوافیھم وأسالیب قصائدھم أو بأشعار العجم فھو بمنزلة المجتھد المستقل ثم إن کان ھذا الشاعر مخترعا لأنواع من الغزل والتشبیب والمدح والھجو والوعظ وأتی بالعجب العجاب فی الاستعارات والبدیع ونحوھا مما لم یسبق إلی مثله بل تنبه لذلک من بعض صنائعھم فأخذ النظیر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن شاہ ولی اللہ صاحب کی اس بات میں بحث وکلام کی گنجائش ہے۔

کیونکہ جب اصولی اعتبار سے ''مجتہدِ مطلق منتسب'' کی تا قیامت آمد کو تسلیم کرلیا جائے، تو اس پر اس تفریع میں اختلاف کی زیادہ اہمیت باقی نہیں رہ جاتی کہ کس مذہب کی طرف منتسب مجتہدین کب اور کون کون ہوئے ہیں، اور آئندہ کب، کب یہ سلسلہ کون کون سے اشخاص وافراد کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقايس الشيء بالشيء واقتدر على أن يخترع بحرا لم يتكلم فيه من قبله وأسلوبا جديدا كنظم المثنوى والرباعى ورعاية الرديف أعنى كلمة تامة يعيدها فى كل بيت بعد القافية يفعل كل ذلك فى الشعر العربى فهو بمنزلة المجتهد المطلق وإن لم يكن مخترعا وإنما يتبع طرقهم فقط فهو بمنزلة المجتهد فى المذهب.

وهكذا الحال فى علم التفسير والتصوف وغيرهما من العلوم.

فان قلت ما السبب فى أن الأوائل لم يتكلموا فى أصول الفقه كثير كلام فلما نشأ الشافعى تكلم فيها كلاما شافيا وأفاد وأجاد.

قلت سببه أن الأوائل كان يجتمع عند كل واحد منهم أحاديث بلده وآثاره ولا يجتمع أحاديث البلاد فاذا تعارضت عليه الأدلة فى أحاديث بلده حكم فى ذلك التعارض بنوع من الفراسة بحسب ما تيسر له.

ثم اجتمع فى عصر الشافعى أحاديث البلاد جميعها فوقع التعارض فى أحاديث البلاد ومختارات فقهائها مرتين مرة فيما بين أحاديث بلد وأحاديث بلد آخر ومرة فى أحايث بلد واحد فيما بينها وانقصر كل رجل بشيخه فيما رأى من الفراسة فاتسع الخرق وكثر الشغب وهجم على الناس من كل جانب من الاختلافات ما لم يكن بحساب فبقوا متحيرين مدهوشين لا يستطيعون سبيلا حتى جائهم تأييد من ربهم فألهم الشافعى قواعد جمع هذه المختلفات وفتح لمن بعده بابا .وأى باب.

وانقرض المجتهد المطلق المنتسب فى مذهب الإمام أبى حنيفة بعد المائة الثالثة وذلك لأنه لا يكون إلا محدثا جهبذا واشتغالهم بعلم الحديث قليل قديما وحديثا وإنما كان فيه المجتهدون فى المذهب وهذا الاجتهاد أراد من قال أدنى الشروط للمجتهد حفظ المبسوط.

وقل المجتهد المنتسب فى مذهب مالك وكل من كان منهم بهذه المنزلة فانه لا يعد تفرده وجها فى المذهب كأبى عمر المعروف بابن عبد البر والقاضى أبى بكر بن العربى.

وأما مذهب أحمد فكان قليلا قديما وحديثا وكان فيه المجتهدون طبقة بعد طبقة إلى أن انقرض فى المائة التاسعة واضمحل المذهب فى أكثر البلاد اللهم إلا ناس قليلون بمصر وبغداد(الإنصاف فى بيان أسباب الاختلاف،ص ۸۲ الى ۸۴،باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر فى الانتساب الخ ، الناشر: دارالنفائس،بيروت، الطبعة الثالثة :۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶م)

ظاہر ہے کہ اس بات کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے، اس لئے ہم اس موقع پر مذکورہ مسئلہ پر زیادہ لب کشائی کی ضرورت نہیں سمجھتے، اور نہ ہی اس کی تحقیق پر ایک اصولی مسئلہ کی بنیاد رکھتے۔

اور ہماری نظر میں تحقیقی بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی طرف منتسب ''مجتہدینِ مطلق'' امام صاحب کے اصحاب وتلامذہ کی شکل میں جس پایہ کے مجتہد ہوئے ہیں، اس پایہ کے مجتہد ہمیں دوسرے اہلِ مذاہب کے اصحاب وتلامذہ میں نظر نہیں آتے، اور محققین کی طرف سے یہ طے ہو چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مشہور اصحاب وتلامذہ ''اجتہادِ مطلق'' کے درجہ پر فائز تھے، اور جن حضرات نے ان کو ''مجتهد فی المذهب'' خیال کیا، وہ دلائل وحقائق کے لحاظ سے مرجوح بات ہے۔

علاوہ ازیں بعض دوسرے بعد کے حنفیہ کے متعلق بھی ''مجتہدِ مطلق'' ہونے کا قول ہے۔

بعض حنفیہ نے علامہ ابنِ ہمام کو اہلِ ترجیح میں شمار کیا ہے، اور بعض نے اہلِ اجتہاد میں شمار کیا ہے۔ [1]

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الانصاف'' میں فرمایا:

ومنزلة مذهب أحمد من مذهب الشافعی منزلة مذهب أبی یوسف ومحمد من مذهب أبی حنیفة إلا أن مذهبه لم یجمع فی التدوین مع مذهب الشافعی کما دون مذهبهما مع مذهب أبی حنیفة فلذلک لم یعدا مذهبا واحدا فیما تری. والله أعلم.

ولیس تدوینه مع مذهبه تمیزا علی من تلقاهما علی وجههما

(الإنصاف فی بیان أسباب الاختلاف، ص۸۴، ۸۵، باب حکایة حال الناس قبل المائة الرابعة وبیان سبب الاختلاف بین الأوائل والأواخر فی الانتساب الخ)

---

[1] وقدمنا غیر مرة أن الکمال من أهل الترجیح کما أفاده فی قضاء البحر، بل صرح بعض معاصریه بأنه من أهل الاجتهاد ولا سیما وقد أقره علی ذلک فی البحر والنهر والمنح، ورمز المقدسی والشارح وهم أعیان المتأخرین فافهم (ردالمحتار، ج۳، ص ۶۸۸، کتاب العتق، باب التدبیر)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: امام احمد کے مذہب کو امام شافعی کے مذہب کے مقابلہ میں وہی مقام حاصل ہے، جو امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذاہب کو امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مقابلہ میں حاصل ہے، سوائے اس کے کہ مذہبِ حنبلی کو مذہبِ شافعی کے ساتھ جمع کر کے مدون نہیں کیا گیا، جیسا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذاہب کو امام ابوحنیفہ کے مذہب کے ساتھ جمع کر کے مدون کیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے امام شافعی اور امام احمد کے مذاہب کو ایک مذہب شمار نہیں کیا گیا، جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں (کہ ان کے مذاہب الگ الگ مدون ہیں) واللہ أعلم۔

اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تدوین، امام شافعی کے مذہب کے ساتھ نہیں ہوئی، تاکہ ان دونوں کے مذاہب کو اپنی اپنی جگہ تمیز حاصل رہے (الانصاف)

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الانصاف'' میں امام شافعی کے مذہب کے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں وسعت اور پھیلاؤ کے زیادہ ہونے کا ذکر کیا ہے، بالفاظِ دیگر امام شافعی کے مذہب کی تعریف و تحسین کی ہے۔

ساتھ ہی امام شافعی کے مذہب سے عداوت اور بُعد کو ''اجتہادِ مطلق'' سے محرومی کا سبب بتلایا ہے۔ [1]

---

[1] وأما مذهب الشافعي فأكثر المذاهب مجتهدا مطلقا ومجتهدا في المذهب وأكثر المذاهب أصوليا ومتكلما وأوفرها مفسرا للقرآن وشارحا للحديث وأشدها إسنادا ورواية وأقواها ضبطا لنصوص الإمام وأشدها تميزا بين أقوال الإمام ووجوه الأصحاب وأكثرها اعتناء بترجيح بعض الأقوال والوجوه على بعض

وكل ذلك لا يخفى على من مارس المذاهب واشتغل بها وكان أوائل أصحابه مجتهدين بالاجتهاد المطلق ليس فيهم من يقلده في جميع مجتهداته حتى نشأ ابن سريج فأسس قواعد التقليد والتخريج ثم جاء أصحابه يمشون في سبيله وينسجون على منواله ولذلك يعد من المجددين على رأس المائتين. والله أعلم.

ولا يخفى عليه أيضا أن مادة مذهب الشافعي من الأحاديث والآثار مدونة مشهورة مخدومة ولم يتفق مثل ذلك في مذهب غيره فمن مادة مذهبه كتاب الموطأ وهو وان كان متقدما على الشافعي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

شاہ ولی اللہ صاحب کے گذشتہ کلام سے صاف معلوم ہوا کہ اصحاب ابی حنیفہ، بالخصوص امام ابو یوسف اور امام محمد ''مجتہدینِ مطلق'' کے زمرہ میں داخل ہیں ''مجتہد فی المذہب'' میں داخل نہیں، اور راجح بھی یہی ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں تصریح ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذاہب، امام ابو حنیفہ کے مذہب سے الگ اور مستقل نوعیت کے حامل ہیں، اور ان کے مذاہب یکجا مدون ہونے کی وجہ سے ان کو بظاہر ایک مذہب سمجھا جاتا ہے۔

یہی بات کئی دوسرے محققین نے بھی فرمائی ہے، اور ہم اسی سے اتفاق کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الإنصاف فی بیان أسباب الاختلاف'' میں فرمایا:

وإنما عد مذهب أبی حنيفة مع مذهب أبی يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى واحدا مع أنهما مجتهدان مطلقان مخالفتهما غير قليلة فی الأصول والفروع لتوافقهم فی هذا الأصل ولتدوين

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فان الشافعی بنی عليه مذهبه وصحيح البخاری وصحيح مسلم وكتب أبی داود والترمذی وابن ماجه والدارمی ثم مسند الشافعی وسنن النسائی وسنن الدارقطنی وسنن البيهقی وشرح السنة للبغوی.

أما البخاری فانه وان كان منتسبا إلى الشافعی موافقا له فی كثير من الفقه فقد خالفه أيضا فی كثير ولذلک لايعد ما تفرد به من مذهب الشافعی.

وأما أبو داود والترمذی فهما مجتهدان منتسبان إلى أحمد وإسحاق وكذلک ابن ماجة والدرامی فيما نرى والله أعلم.

وأما مسلم والعباس الأصم جامع مسند الشافعی والذين ذكرناهم بعده فهم متفردون لمذهب الشافعی يناضلون دونه.

وإذا أحطت بما ذكرناه اتضح عندک أن من حاد مذهب الشافعی يكون محروما عن مذهب الاجتهاد المطلق وإن علم الحديث وقد أبى أن يناصح من يتطفل على الشافعی وأصحابه رضی الله عنهم ...وكن طفيليهم على أدب ...فلا أرى شافعا سوى الأدب ...(الإنصاف فی بيان أسباب الاختلاف، ص۸۵، ۸۶، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر فی الانتساب الخ)

مذاهبهم جميعا فی المبسوط والجامع الكبير (الإنصاف فی بیان أسباب الاختلاف، ص ۴۰، ۴۱، باب أسباب اختلاف مذاهب الفقهاء)

ترجمہ: اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کو امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب کے ساتھ ملا کر ایک مذہب شمار کیا گیا، باوجویکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ مجتہدِ مطلق ہیں، ان کی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اصول اور فروع میں مخالفت تھوڑی نہیں ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ سب اس اصل میں متفق ہیں (یعنی تینوں حضرات ابراہیم نخعی کے اجتہاد پر تخریج کرتے ہیں) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ "المبسوط" اور "الجامع الكبير" وغیرہ کتابوں میں ان سب کے مذاہب اکٹھے مدون ہیں (الانصاف)

شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ بات دلائل کی رُو سے راجح ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کو مجتہدِ مطلق ہونے کا درجہ حاصل ہے، اور ان سب کے مذاہب کو ایک مذہب کا درجہ دیئے جانے کی دوسری وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک وجہ یہ ہے کہ امام صاحب اور ان کے تلامذہ کے مذاہب عام طور پر یکجا کتابوں میں مدون ہیں۔

جہاں تک "الإنصاف" میں مذکور اس بات کا تعلق ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کا اجتہاد، ابراہیم نخعی کے مذہب پر مخرَّج ہے، تو یہ بات قابلِ غور ہے، کیونکہ جن افراد کو مجتہدِ مطلق مان لیا جائے، وہ اصول وفروع میں کسی دوسرے مجتہد کے مقلد ومتبع نہیں ہوتے۔

اسی لئے بعض حضرات نے شاہ ولی اللہ صاحب کے اس نکتہ سے اختلاف، اور اس کا تعاقب کیا ہے۔

چنانچہ محقق شیخ سائد بن محمد یحییٰ بکداش نے اپنی تالیف "**تكوين المذهب الحنفی مع تاملات فی ضوابط المفتیٰ بہٖ**" میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے مذکورہ کلام پر تعاقب کرتے ہوئے فرمایا:

www.idaraghufran.org

قلت: ويمكن الجواب عن كلامه هذا: بما قاله شيخنا العلامة الشيخ محمد عبدالرشيد النعمانى(ت ١٤٢٠ هـ) رحمه الله تعالٰى:

إن ”هذا الكلام لا يليق برفيع جناب الإمام أبى حنيفة ، كيف وفيه الحكم عليه بأن مكانه فى الفقه مكانُ المتَّبِع، لم يأت بجديدٍ إلا فى التخريج، وسرعةِ التفريع، وهو متَّبِعٌ كلَّ الإتباع، ناقلٌ كلَّ النقل لإبراهيم وأقرانه، لا يخرج عن آرائهم إلا فيما لايكون لهم اجتهاد فيه ...، ففى هذا هضمٌ لمكان أبى حنيفة الذى هو امام الأئمة ...“

كما ناقش الدكتور محمد يوسف موسى ايضاً كلام الشاه ولى الله الدهلوى هذا بقوله:

” وفيه غَمْطٌ كبيرٌ لقيمة الإمام أبى حنيفة فى تشييد المذهب الذى عرف به، والأدلة على هذا نراها قاطعة ملموسة إذا ما أجلنا النظر فى كتب الإمام محمد بن الحسن ، التى دوَّن فيها هذا المذهب، وهى كتب ظاهر الرواية “ ثم ساق الأدلة على ذلك.

قلت: وأين كلام الشاه الدهلوى هذا من الإجتهاد المطلق الذى هو بنفسه أقرَّ به للإمام وصاحبيه فى نصه السابق؟!

وهكذا ، فموافقتهم لإبراهيم النخعى فيما وافقوه فيه: ليس متابعة، وإنما هو من باب توافق المجتهدين.

وأيضا إن تعليله لمسألتنا، وهو عدُّ مذهب أبى حنيفة مع مذهب الصاحبين مذهبا واحدا، لعلة توافقهم فى متابعة النخعى: أقول: هو تعليل يأباه ما قرره هو من اجتهادهم المطلق.

www.idaraghufran.org

وينقضه أيضا واقع خلافهم فى المذهب ، وعدم صحة ما بنى عليه قولـه مـن اتكاء الإمام وصاحبيه علىٰ أقوال النخعى (تكوين المذهب الحنفى مع تاملات فى ضوابط المفتىٰ به، ص ۳۷ الىٰ ۳۹، المطلب الثالث: جواب العلامة الشاه ولى الله الدهلوى فى المسألة، النظر والتأمل فى كلام الشاه ولى الله الدهلوى، مطبوعة: شركت دار البشائر الاسلامية، بيروت لبنان، الطبعة الاولىٰ ۱۴۳۶ اهجرى)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے اس کلام کا اس سے جواب دینا ممکن ہے، جو ہمارے شیخ علامہ شیخ محمد عبدالرشید نعمانی (المتوفیٰ: ۱۴۲۰ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''یہ کلام جناب امام ابوحنیفہ کی بلند شان کے لائق نہیں، یہ کیسے درست ہوسکتا ہے، جس میں فقہ کے اندر ان کے مقام کو اتباع کرنے والے کا درجہ دے دیا گیا ہے کہ جو صرف نئی تخریج ہی کا کام سرانجام دیتا ہے، اور سریع تفریع کرتا ہے، یہ تو مکمل اتباع ہے، جس میں امام ابوحنیفہ صرف ابراہیم نخعی اور آپ کے ہم عصر حضرات کے ناقلِ محض شمار ہوتے ہیں، جو اُن کی آراء سے باہر نہیں نکلتے، سوائے اُن چیزوں میں، جن میں ان کا اجتہاد نہیں ہوتا، لہٰذا اس میں امام ابوحنیفہ کے مقام کو نیچا کرنا پایا جاتا ہے، جبکہ وہ (ابوحنیفہ) تمام ائمہ کے امام ہیں''۔

اسی طرح سے دکتور محمد یوسف موسیٰ نے بھی شاہ ولی اللہ صاحب کے اس کلام پر یہ کہہ کر مناقشہ کیا ہے کہ ''اس میں امام ابوحنیفہ کی قدر و قیمت کو بہت زیادہ گھٹانا پایا جاتا ہے، اُن کے اس مذہب کی مضبوطی کے سلسلے میں، جو معروف ہے، اور ہماری نظر میں جس کے یقینی دلائل ہیں، جو محسوس کیے جاسکتے ہیں، جب ہم امام محمد بن حسن کی اُن کتب میں گہری نظر ڈالتے ہیں، جن کو انہوں نے اس مذہب کی تدوین کے لیے مرتب کیا ہے، جو کہ کتبِ ظاہر الروایۃ ہیں'' پھر دکتور محمد یوسف

نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ پھر شاہ ولی اللہ دہلوی کا وہ کلام کہاں گیا، جس کا انہوں نے خود امام ابوحنیفہ اورآپ کے صاحبین کے لیے گزشتہ صریح عبارت میں اقرار کیا تھا۔

اوران حضرات کی ابراہیم نخعی کی اُن چیزوں میں موافقت کرنا، جن چیزوں میں ان حضرات نے ابراہیم نخعی کی موافقت کی ہے، وہ متابعت کے قبیل سے نہیں، اس کا تعلق تو صرف مجتہدین کے توافق کے باب سے ہے۔

نیز ہمارے مبحوث فیہ مسئلہ کی یہ علت بیان کرنا کہ امام ابوحنیفہ کا صاحبین کے ساتھ ایک مذہب اس لیے شمار کیا گیا ہے کہ ان حضرات کی ابراہیم نخعی کی متابعت میں موافقت پائی جاتی ہے، میں اس کے متعلق کہتا ہوں کہ اس تعلیل کا انکار خود وہ چیز کرتی ہے، جس کو شاہ ولی اللہ نے یہ کہہ کر ثابت کیا ہے کہ ان کا اجتہاد مطلق ہے۔

نیز اس کی نفی مذہب میں اِن کا اختلاف، جو واقع ہوا ہے، اس سے بھی ہوتی ہے، اوراس بات کی بھی عدمِ صحت ثابت ہوتی ہے، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ کہہ کر قائم کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے صاحبین، ابراہیم نخعی کے اقوال پر تکیہ کرتے ہیں (تکوین المذہب الحنفی)

اور بعض حضرات نے شاہ ولی اللہ صاحب کے اس جملہ کی بنیاد پر ''مجتہدِ منتسب'' کو فی الجملہ تقلید کرنے کا پابند قرار دے دیا۔ [1]

---

[1] حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ''اصولُ الافتاء و آدابہ'' میں شاہ ولی اللہ صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

" والذی یظهر من کلام الشیخ الدهلوی رحمه الله تعالیٰ ، ان المجتهد المنتسب یقلد من انتسب الیه فی أوجه الاستنباط الأساسیة ، مثل حجیة المرسل وعدمها ، والترجیح علی أساس صحة الإسناد أو علی أساس فقه الرواة ، وما الی ذالک من الأصول التی ثبتت عن المجتهدین بصراحة ، وإن کان یخالف إمامه فی بعض الأصول المذکورة فی کتب الأصول ، مثل الجمع بین الحقیقة والمجاز ، أو أن المجاز خلف عن الحقیقة فی التکلم أو فی الحکم .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

لیکن ہمارے نزدیک راجح وہی بات ہے، جو شیخ بہاؤ الدین مرجانی وغیرہ جیسے محققین وغیرہ کے حوالہ سے آگے آتی ہے کہ یہ درحقیقت ''تقلید'' نہیں، بلکہ ایک مجتہد کے اجتہاد کا دوسرے مجتہد کے اجتہاد سے توافق ہے۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب کی دوسری عبارات کے پیشِ نظر، اُن کا مندرجہ بالا ''الإنصاف'' کی عبارت سے مقصود بھی اجتہاد میں توافق ہی ہے، اس کو تقلید سمجھنے کو خود شاہ ولی اللہ صاحب نے ''فاسد گمان'' قرار دیا ہے، جیسا کہ پیچھے ''اجتہاد کی حقیقت اور اُس کا استمرار وانقطاع'' کے ذیل میں، شاہ ولی اللہ صاحب کی تالیف ''**عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید**'' کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔

لہٰذا شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک عبارت کے جملہ سے ایسا مطلب مراد لینا راجح نہ ہوگا، جو خود ان کے نزدیک فاسد گمان پر مشتمل ہے۔

اور نہ ہی اس صورت میں شاہ ولی اللہ صاحب کے اس موقف کی تردید کی ضرورت ہوگی۔

اس کے بعد عرض ہے کہ بعض محققین نے اصحابِ ابی حنیفہ، یعنی امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر وغیرہ کے لئے ''مجتہدِ مستقل'' کے الفاظ استعمال فرمائے، جس سے ان کا مقصود ''مجتہدِ مقید'' کی نفی کرنا تھا۔

اور بعض محققین نے اصحابِ ابی حنیفہ کے لئے ''مجتہدِ منتسب'' کے الفاظ استعمال فرمائے، جس سے ان کا مقصود ''مجتہدِ مطلق'' کی دو قسمیں کر کے ان کو دوسری قسم میں داخل کرنا تھا، نہ کہ ''مجتہدِ مقید'' میں داخل کرنا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ومعظم هذه الأصول لم تثبت عن الفقهاء بصراحة، وإنما استنبطها الأصوليون من الفروع المروية عنهم، والذى خالف فيه الصّاحبان أبا حنيفة رحمهم الله تعالٰى هو مثل هذه المسائل الأصولية التى قد يخالف فيها المجتهد المنتسب إمامه " (أصول الإفتاء و آدابه، ص: ۹۹ و ۱۰۰، باب: طبقات الفقهاء، "الملاحظة الأولى فى تقسيم ابن كمال باشا"، الطبعة: شعبان المعظم ۱۴۳۲ هجرى، الناشر: مكتبة معارفُ القرآن، كراتشى)

www.idaraghufran.org

اوراس طرح کا''مجتہدِ منتسب'' اپنے اجتہاد میں مستقل ہوتا ہے،اسی وضاحت کے لئے بعض محققین نے ان کے لئے''مجتہدِ مستقل'' کے الفاظ استعمال فرمائے تھے۔

لیکن'مجتہدِ منتسب'' کے الفاظ سے بعد کے بعض اہلِ علم کو یہ اشتباہ وتسامح پیدا ہوا کہ انہوں نے ان حضرات کو''مجتہدِ مقید'' سمجھ کر''مجتہد فی المذہب'' میں داخل کردیا۔

یہ تسامح ابنِ کمال باشا کو بھی ہوا،جنہوں نے فقہاء کے طبقات کی تقسیم کرتے وقت اس طرزِ عمل کواپنایا،جس کی محققین نے مدلل انداز میں تردیدفرمائی۔

لیکن بعد میں علامہ ابنِ عابدین شامی نے اپنی تالیف''رد المحتار''میں،اوراپنے رسالہ''شرح عقود رسم المفتی''میں ابنِ کمال باشا کی مذکورہ تقسیم کومن وعن نقل کردیا،اوراس کی تردید بھی نہ کی،اورعلامہ ابنِ عابدین شامی کو جب امام ابوحنیفہ کے ساتھ اصحابِ ابی حنیفہ کے اصولی وفروعی نوعیت کے کثیراختلاف کا سامنا ہوا،تواس کے لئے ایسی تاویلات وتوجیہات کواختیار کرنا پڑا،جوتکلف پرمبنی،اورحقیقت سے بعیدمحسوس ہوتی ہیں۔

اس لئے اس اہم تسامح پر چند ملاحظات ذکرکئے جاتے ہیں۔

علامہ عبدالحیئ لکھنوی (المتوفی:1304ہجری) نے''النافعُ الکبیر شرح الجامع الصغیر''کے مقدمہ میں مجتہدین کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

واعلم ان المجتهد علی اقسام ثلاثة :

احدها: المجتهد المطلق المستقل، ومن شروطه فقه النفس، وسلامة الذهن، وصحة التصرف والاستنباط والتيقظ ، ومعرفة الادلة وآلاتها المذكورة فی الاصول وشروطها، ومع الفقه والضبط لامهات المسائل.

وثانيها:المجتهد المطلق المنتسب ،وهو ان ينتسب الی امام متين من الائمة المجتهدين ، لكن لايقلده لا فی المذهب ولا فی الدليل

، لاتصافه بآلات الاجتهاد،وانما انتسب اليه لسلوكه طريقه فى الاجتهاد.

وثالثها: المجتهد فى المذهب، وهو ان يكون مقيدا بمذهب امام مستقلا بتقرير اصوله بالدليل، غير انه لايجاوز فى ادلته اصول امامه وقواعده، وشرطه كونه عالما بالمذهب واصوله، وادلة الاحكام تفصيلا، وكونه بصيرا بمسالک الاقيسة والمعانى، تام الارتياض فى التخريج والاستنباط بقياس غير المنصوص عليه على المنصوص لعلمه باصول امامه، ولايعرى عن تقليد لامامه ، لاخلاله ببعض ادوات الاجتهاد المستقل، كالنحو والحديث ونحو ذلک، كذا ذكره ابن حجر المكى فى رسالته"شن الغارة على من اظهر معرة تقوله فى الحنا وعواره"

اما القسم الاول فاتصف به الائمة الاربعة ومن بعدهم ......

واما القسم الثانى فاتصف به ابويوسف ومحمد وغيرهما من اصحاب ابى حنيفة ، وفى الشافعية كثيرون بلغوا هذه المرتبة......

واما القسم الثالث فاتصف به كثيرون من الاصحاب الحنفية كما مر ذكره مفصلا ، وفى باقى المذاهب ايضاً كثيرون بلغوا هذه المرتبة (النافع الكبير شرح الجامع الصغير، صفحة ۱۴ الٰی ۱۷، ملخصاً، مقدمة، الفصل الاول،مطبوعة:ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشى، الطبعة: ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۰م)

ترجمہ: اور یہ بات جان لینی چاہیے کہ مجتہد کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم مجتہدِ مطلق مستقل کی ہے، جس کی شرط، فقہ النفس اور سلامتِ ذہن کا ہونا اور تصرف واستنباط اور تیقظ کی صحت اور دلائل اوران کے آلات اوران شروط کی

معرفت کا پایا جانا ہے، جو اصول میں مذکور ہیں، اور فقہ کے ساتھ ساتھ امہاتُ المسائل کو ضبط کرنا بھی شرط ہے۔

اور دوسری قسم مجتہدِ مطلق منتسب کی ہے، اور مجتہدِ مطلق منتسب وہ ہے، جو مستقل ائمۂ مجتہدین میں سے کسی امام کی طرف انتساب کرے، لیکن مذہب اور دلیل میں اس کی تقلید نہ کرے، کیونکہ وہ خود اجتہاد کے آلات سے متصف ہوتا ہے، البتہ اس (مجتہدِ مستقل) کی طرف انتساب صرف اس وجہ سے کرے کہ وہ اجتہاد میں اس کے طریقہ پر چلتا ہے (لیکن وہ اصول وفروع میں اپنے انتساب کردہ امام کا مقلد نہیں ہوتا)

اور تیسری قسم **مجتهد فی المذهب** کی ہے، اور **مجتهد فی المذهب** وہ ہے، جو کسی مستقل امام کے مذہب کے ساتھ مقید ہو، یہ اپنے دلائل میں اپنے امام کے اصول وقواعد سے تجاوز نہیں کرتا، اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب اور اس کے اصول سے واقف ہو، اور تفصیلی احکام کے دلائل سے بھی واقف ہو، اور اس کو قیاس اور معانی کے مسالک کی بصیرت بھی حاصل ہو، اور وہ شخص اپنے امام کے اصولوں کے علم سے منصوص پر غیر منصوص کے قیاس کرنے کے استنباط اور تخریج کے طریقہ سے اچھی طرح واقف ہو، اور یہ اپنے امام کی تقلید سے مستغنی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اجتہادِ مستقل کے بعض آلات سے خالی ہوتا ہے، جیسا کہ نحو اور حدیث وغیرہ، ابنِ حجر مکی نے اپنے رسالہ ''**شن الغارة علی من اظهر معرة تقوله فی الحنا وعواره**'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔......

جہاں تک پہلی قسم (یعنی مجتہدِ مطلق مستقل) کا تعلق ہے، تو اس کے ساتھ ائمۂ اربعہ اور ان کے بعد کے متعدد مجتہدین حضرات متصف ہیں۔......

اور جہاں تک دوسری قسم (یعنی مجتہدِ مطلق منتسب) کا تعلق ہے، تو اس کے ساتھ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ متصف ہیں، اور شافعیہ میں اس مرتبہ تک پہنچنے والے بہت سے حضرات ہیں۔......

جہاں تک تیسری قسم (یعنی مجتهد فی المذهب) کا تعلق ہے، تو حنفیہ کے اصحاب میں سے اس کے ساتھ بے شمار حضرات متصف ہیں، جیسا کہ مفصلاً گزر چکا ہے، اور باقی مذاہب میں بھی اس مرتبہ کو پانے والوں کی تعداد بہت کثیر ہے (النافع الکبیر)

اس سے معلوم ہوا کہ مجتہدین کی مندرجہ بالا اقسام، حنفیہ کے نزدیک بھی ہیں، اور اصولی طور پر فقہاء کے مابین اِن اقسام میں اختلاف نہیں، البتہ ان کی تفریع وتطبیق میں جزوی نوعیت کا اختلاف ہے کہ کون سے افراد، کس درجہ میں داخل ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ''مجتہدِ مستقل ومنتسب'' وغیرہ کی ان اقسام کا رافعی، نووی وغیرہ اور دیگر بکثرت حضرات کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ گزرا۔

اور علامہ عبدالحیٔ لکھنوی نے ''شرحُ الوقایة'' کے ''عمدةُ الرعایة'' نامی حاشیہ کے ''مقدمہ'' میں فرمایا:

فالحق أنهما مجتهدان مستقلان، نالا برتبة الاجتهاد المطلق، إلا أنهما لحسن تعظيمها لأستاذهما، وفرط إجلالهما لإمامهما أصلا أصله، وسلكا نحوه، وتوجها إلى نقل مذهبه، وتأييده وانتصاره، وانتسبوا إليه.

فمن ثم عدهما المحدث الدهلوى فى الإنصاف ، وغيره، وعبد الوهاب الشعرانى فى الميزان من المجتهدين المنتسبين (مقدمة عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، ج ا ص ۳۴، ۳۵، الدراسة الثانية فى ذكر طبقات اصحابنا الحنفية ودرجاتهم ، الناشر: دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، سنة الطباعة : ۲۰۰۹م)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: پس حق بات یہ ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد ''مجتہدِ مستقل'' ہیں، جنہوں نے اجتہادِ مطلق کے درجہ کو پالیا ہے، مگر انہوں نے اپنے استاد کی حسنِ تعظیم اور اپنے امام کے فرطِ اجلال کی وجہ سے ان کی بنیاد کو اختیار کیا، اور وہ ان کے طرزِ عمل پر چلے، اور امام ابو حنیفہ کے مذہب کی نقل اور اس کی تائید اور نصرت کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان ہی کی طرف اپنا انتساب کیا۔ ؎[1]

اور اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''الانصاف'' وغیرہ میں اور عبدالوہاب شعرانی نے اپنی کتاب ''المیزان'' میں امام ابو یوسف اور امام محمد کو ''مجتہدینِ منتسبین'' میں شمار کیا ہے (عمدۃ الرعایۃ)

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی نے ''النافعُ الکبیر شرح الجامع الصغیر'' کے مقدمہ میں ابنِ کمال پاشا (المتوفی: 940ھ) کی طرف سے ''طبقاتِ فقہاء'' کی اقسام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا:

أن فيه أنظارا شتى من جهة إدخال من فى الطبقة الأعلى فى الأدنى قد أبداها الفاضل هارون بن بهاء الدين بن شهاب الدين المرجانى الحنفى ولا بأس بسرد عبارته لتضمنها فوائد شريفة وفوائد لطيفة وهى هذه :

؎[1] مذکورہ بالا عبارت میں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ پہلے تو امام ابو یوسف اور امام محمد کو مجتہدِ مستقل قرار دیا گیا، اور پھر ان کے امام ابو حنیفہ کے طرزِ عمل پر چلنے کا ذکر کیا گیا، اس طرزِ عمل سے امام ابو حنیفہ کی اصول، یا فروع میں تقلید مراد نہیں ہے، کیونکہ فروع، یا اصول میں تقلید کرنے والا مجتہدِ مستقل نہیں کہلاتا، اس طرزِ عمل سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے ہر ہر مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں اپنے طرزِ عمل کو نمایاں حیثیت نہیں دی، اور اجتہاد کے مختلف طریقوں میں سے امام ابو حنیفہ کے طریقہ کو پسند کیا۔

اور جن حضرات نے امام ابو یوسف اور امام محمد کو ''مجتہدِ منتسب'' کہا، ان کی مراد بھی ''مجتہد مطلق'' کی نفی نہیں، البتہ بعض حضرات کو ''مجتہدِ مستقل'' کے مقابلہ میں ''مجتہدِ منتسب'' کہہ دیا، جن میں باہم تعارض نہ تھا، لیکن اس تقسیم سے بعض لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہوئی، اور وہ ان کو ''مجتہد فی المذہب'' سمجھ بیٹھے۔ محمد رضوان۔

ليت شعرى ما معنى قوله: إن أبا يوسف ومحمدا وزفر وإن خالفوا أبا حنيفة فى بعض الأحكام لكنهم يقلدونه فى قواعد الأصول ما الذى يريد به ؟ فإن أراد منه الأحكام الإجمالية التى يبحث عنها فى كتب الأصول فهى قواعد عقلية وضوابط برهانية يعرفها المرء من حيث أنه ذو عقل وصاحب فكر ونظر سواء كان مجتهدا أوغير مجتهد ولا تعلق لها بالاجتهاد قط وشأن الأئمة الثلاثة أرفع وأجل من أن لا يعرفوا بها كما هو اللازم من تقليدهم غيرهم فيها فحاشاهم ثم حاشاهم عن هذه النقيصة وحالهم فى الفقه إن لم يكن أرفع من مالك والشافعى فليسوا بدونهما وقد اشتهر فى أفواه الموافق والمخالف وجرى مجرى الأمثال قولهم : أبو حنيفة أبو يوسف بمعنى أن البالغ إلى الدرجة القصوى فى الفقاهة أبو يوسف.

وقال الخطيب البغدادى :قال طلحة بن محمد بن جعفر :أبو يوسف مشهور الأمر ظاهر الفضل أفقه أهل عصره لم يتقدمه أحد فى زمانه وكان على النباهة فى العلم والحكم والعلم والقدر وهو أول من وضع الكتب فى أصول الفقه على مذهب أبى حنيفة ونشرها وبث علم أبى حنيفة فى أقطار الأرض وكذلك محمد بن الحسن قد بالغ الشافعى فى مدحه والثناء عليه وقد ذكر القاضى عبد الرحمن بن خلدون المالكى فى مقدمته :إن الشافعى رحل إلى العراق ولقى أصحاب الإمام أبى حنيفة وأخذ عنهم ومزج طريقة أهل الحجاز بطريقة أهل العراق وكذلك

www.idaraghufran.org

أحـمـد بن حنبل أخذ عن أصحاب أبی حنیفة مع وفور بضاعته فی الـحـدیـث انتهی ولکل واحد منهم أصول مختصة تفردوا بها عن أبی حنیفة وخالفوه فیها بل قال الغزالی :إنهما خالفا أبا حنیفة فی ثـلثـی مـذهبـه ونـقـل النووی فی تهذیب الأسماء عن أبی المعالی الـجـوینی :أن کـل مـا اختـاره الـمـزنـی أری أنـه تـخریج ملحق بـالـمـذهـب لا کـأبـی یـوسف ومـحـمـد فإنهـما یخالفان أصول صـاحبهـما وأحمد بن حنبل لم یذکره الإمام أبو جعفر الطبری فی عداد الفقهاء وقال :إنـما هو من حفاظ الحدیث فکیف یکون من الـمجتهدین فی الشرع دون أبی یوسف ومحمد؟ (النافع الکبیر شرح الـجـامـع الـصـغیـر، ص ۱۱، ۱۲، مقدمة، الفصل الاول، مطبوعة: ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراتشی، الطبعة: ۱۴۱۱ھـ، ۱۹۹۰م)

ترجمہ: ابنِ کمال باشا کی اس تقسیم میں کئی اعتبار سے غور کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ انہوں نے اعلیٰ طبقہ والوں کو ادنیٰ طبقہ والوں میں داخل کر دیا ہے، جس کو فاضل ہارون بن بہاؤ الدین بن شہاب الدین مرجانی حنفی نے واضح کیا ہے، جن کی عبارت کو نقل کرنا، متعدد شریف اور لطیف فوائد سے خالی نہیں، ان کی عبارت یہ ہے:

یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ ابنِ کمال باشا کے اس قول کے کیا معنیٰ ہیں کہ ''امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام زفر نے اگرچہ امام ابو حنیفہ کی بعض احکام میں مخالفت کی ہے، لیکن انہوں نے امام ابو حنیفہ کی اصول میں تقلید کی ہے''

اس سے ابنِ کمال باشا کی کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد اجمالی احکام ہیں، جن سے کتبِ اصول میں بحث کی جاتی ہے، تو وہ عقلی قواعد اور مضبوط ضوابط ہیں، جن کو

www.idaraghufran.org

انسان، صاحبِ عقل اور صاحبِ فکر اور صاحبِ نظر ہونے کی حیثیت سے پہچان لیتا ہے، خواہ وہ مجتہد ہو، یا غیر مجتہد ہو، ان کا اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور ائمہ ثلاثہ (یعنی امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر) کی شان اس سے بلند اور عظیم تر ہے کہ وہ ان قواعد وضوابط کی معرفت نہ رکھتے ہوں، جیسا کہ ان کے ان قواعد میں اپنے غیر کی تقلید کرنے سے لازم آتا ہے، لیکن ان کی ذات اس نقص سے پوری طرح اور فقہ میں ان کی اس حالت سے پاک ہے، اگر ان (یعنی امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر) کی حالت امام مالک اور امام شافعی سے بلند تر نہیں ہے، تو ان سے کم تر بھی نہیں ہے، اور موافق اور مخالف کی زبانوں پر یہ بات مشہور ہے، اور یہ مثال مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ، ابو یوسف ہیں، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ فقاہت میں انتہائی درجہ تک پہنچنے والے امام ابو یوسف ہیں۔

اور خطیب بغدادی نے طلحہ بن محمد بن جعفر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسف مشہور شخصیت ہیں، جن کی فضیلت بالکل واضح ہے، اپنے زمانہ والوں میں سب سے زیادہ فقیہ ہیں، ان کے زمانہ میں کوئی ان سے آگے نہیں بڑھا، علم اور حکم اور قدر و قیمت میں وہ بے مثال ہیں، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب پر اصولِ فقہ میں سب سے پہلی کتابیں وضع کیں، اور ان کی نشر واشاعت کی، اور زمین کے حصوں میں امام ابوحنیفہ کے علم کو پھیلایا۔

اور یہی حالت امام محمد بن حسن کی بھی ہے، جن کی امام شافعی نے بہت زیادہ تعریف وثناء کی ہے، اور قاضی عبدالرحمٰن بن خلدون مالکی نے اپنے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ امام شافعی عراق تشریف لے گئے، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ کے اصحاب (وتلامذہ) سے ملاقات کی، اور ان سے حصولِ علم کیا، اور اہلِ حجاز کے طریقہ کا، اہلِ عراق کے طریقہ کے ساتھ امتزاج کیا، اور اسی طریقہ سے امام احمد

بن حنبل رحمہ اللہ نے، امام ابوحنیفہ کے اصحاب (وتلامذہ) سے حصولِ علم کیا، باوجودیکہ حدیث میں ان کے پاس کافی سامان تھا، خطیب بغدادی کی بات ختم ہوئی۔ اوران (یعنی امام ابویوسف، امام محمد اور امام زفر وغیرہ) میں سے ہرایک کے مخصوص اصول ہیں، جن میں انہوں نے امام ابوحنیفہ سے الگ راستہ اختیار کیا ہے ،اورانہوں نے ان میں امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے، بلکہ امام غزالی نے فرمایا کہ امام ابویوسف اورامام محمد نے امام ابوحنیفہ کی دوتہائی مذہب میں مخالفت کی ہے، اورامام نووی نے **تھذیبُ الاسماء** میں ابوالمعالی جوینی سے نقل کیا ہے کہ ہروہ مسئلہ جس کو(شوافع میں سے)امام مزنی نے اختیار کیا ہے، میری رائے یہ ہے کہ وہ تخریج ہے، جومذہب کے ساتھ ملحق ہے، امام ابویوسف اورامام محمد کی طرح نہیں ہے، کیونکہ وہ امام ابوحنیفہ کی اصولوں میں مخالفت کرتے ہیں، اورامام احمد بن حنبل کو، امام ابوجعفر طبری نے فقہاء کے شمار میں ذکرنہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا کہ وہ حفاظ حدیث میں سے ہیں، پس وہ امام ابویوسف اورامام محمد سے **مجتھدین فی الشرع** ہونے میں کمتر کیسے ہوسکتے ہیں (النافع الکبیر)

فاضل ابوالحسن شہاب الدین ہارون بن بہاؤ الدین مرجانی حنفی (المتوفیٰ:1306ھ) کی مذکورہ عبارت ان کی کتاب"**ناظورۃ الحق فی فرضیۃ العشاء و ان لم یغب الشفق**" کے صفحہ ۵۸تاصفحہ ۶۰ پر"**مطلب فی ان التقسیم ابن الکمال تحکم**" کے تحت موجود ہے۔

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کا''مجتہدِ مطلق'' ہونا راجح ہے، اوران کا درجہ شوافع میں سے امام مزنی سے اعلیٰ ہے، لہٰذا ان کو جن حضراتِ شوافع نے مزنی وغیرہ کے ساتھ ذکر کر کے ''مجتہد فی المذہب'' وغیرہ سمجھ لیا ہے، یہ درست نہیں۔

اس کے علاوہ فاضل مرجانی موصوف نے مذکورہ تالیف میں مزید تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر

روشنی ڈالی ہے، اور ابنِ کمال پاشا کی تقسیم پر جرح ونقد فرمایا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

وبالجملة ان مدار كون ابى يوسف و محمد و زفر وغيرهم حنفيين دون مالك و الشافعى و احمد وامثالهم انهم ليس هو التقليد فى شىء بل هو العصبية والتعاون والتناصر فى نشر علمه و اذاعة مذهبه مع التلمذ له واخذ العلم منه وتفقه به الا ترىٰ زفر رحمه الله ما كونه من اجلاء اصحابِ ابى حنيفة و قدمائهم المختصين به المعتقدين فيه يساق اقواله فى كتب المتاخرين من الاصحاب مساق اقوال.

غير انهم لحسن تعظيمهم للاستاذ و فرط اجلالهم لمحله و رعايتهم لحقه تشعروا على تنويه شانه و توغلوا فى انتصاره والاحتجاج لاقواله وروايتها للناس و نقلها لهم وردهم اليها والافتاء عند وقوع الحوادث بها وتجردوا لتحقيق فروعها و اصولها و تعيين ابوابها و فصولها وتمهيد قواعد محكمة المعانى فى تضاعيف الكلام و اجروا ذلك فى تصحيح مذهبه وبيانه لمن يتمسك بهٖ لاعتقادهم انه اعلم و اورع و أحق للاقتداء بهٖ والأخذ بقوله واوثق للمفتى وارفق للمستفتى على ما قال مسعر بن كدام : من جعل ابا حنيفة بينه و بين الله تعالىٰ رجوت ان لايخاف عليه ولم يكن فرط على نفسه فى الاحتياط انتهىٰ.

ومقامه فى الفقه بمقام لا يلحق شهد له بذلك اهل بلدتهٖ و خصوصا مالك والشافعى و من ذلك الوجه امتازواعن

www.idaraghufran.org

المخالفين كالائمة الثلاثة والاوزاعى وسفيان و امثالهم لا لانهم لم يبلغوا رتبة الاجتهاد المطلق فى الشرع ولو انهم اولعوا بنشر آرائهم بين الخلق وبثها فى الناس والاحتجاج لها بالنص والقياس لكان كل ذلك مذهبا منفردا عن مذهب الامام ابى حنيفة مخالفا له هذا.

وان اراد (ابن كمال باشا) منه (اى من الاصول) الادلة الاربعة واصول الشريعة من الكتاب والسنة والاجماع والقياس فى الاخذ عنها والاستنباط منها فلا سبيل له الى ذلك، لان الشريعة مستند كل الائمة، وملجائهم فى اخذ الاحكام فلا يتصور مخالفة غيره له فيها.

فان قيل لعل مراده انهم يقلدون ابا حنيفة فى كون قول الصحابى و المراسل حجة دون الاستصحاب والمصالح المرسلة و امثالِ ذلك.

قلت: هذا ليس من التقليد فى شىء، بل انما وافق رايهم فى ذلك رايه و قامت الحجة عندهم كما قامت عنده، الا ترىٰ ان مالكا لا يلزمه تقليد ابى حنيفة من القول بحجية المراسل ولاالشافعى من القول بنفى الحجية عن المصالح ولا تقليد بعضهم لبعض من الاتفاق فى كون الاجماع و خبر الواحد بل قياس حجة، فانه انما انكر حجية الاجماع بعض المبتدعة وحجية القياس داود الظاهرى و غيره من الشذوذ.

و قد نقل عن ابى بكر القفال وابى على بن حيران والقاضى

www.idaraghufran.org

حسين من الشافعية انهم قالوا لسنا مقلدين للشافعي، بل وافق رأينا رأيه وهو الظاهر من حال الامام ابى جعفر الطحاوى فى اخذه بمذهب ابى حنيفة رحمه الله واحتجاجه له وانتصاره لاقواله على ما قال فى اول كتاب شرح الآثار أذكر فى كل كتاب منها ما فيه الناسخ والمنسوخ وتاويل العلماء واحتجاج بعضهم على بعض و اقامة الحجة لمن صح عندى قوله منهم بما يصح به مثله من كتاب او سنة او اجماع او تواتر من اقاويل الصحابة او تابعيهم اهـ.

ثم ان قوله فى الخصاف والطحاوى والكرخى لا يقدرون على مخالفة ابى حنيفة لا فى الاصول ولا فى الفروع ليس بشيء فان ما خالفوه من المسائل لايعد ولا يحصىٰ ولهم اختيارات فى الاصول والفروع واقوال مستنبطة بالقياس والمسموع واحتجاجات بالمنقول والمعقول على ما لا يخفىٰ على من تتبع كتب الفقه والخلافيات و الاصول و قد انفرد الكرخى رحمه الله عن ابى حنيفة رحمه الله وغيره فى ان العام بعد التخصيص لا يبقىٰ حجة اصلا، وان خبر الواحد الوارد فى حادثة تعم بها البلوىٰ و متروك المحاجة عند الحاجة ليس بحجة قط و ابو بكر الرازى رحمه الله فى ان العام المخصوص حقيقة، ان كان الباقى جمعا والا فمجاز أليس هذا من مسائل الاصول.

ثم انه عد ابا بكر الرازى الجصاص من المقلدين الذين لا يقدرون على الاجتهاد اصلا وهو ظلم عظيم فى حقه و تنزيل له عن رفع

www.idaraghufran.org

محله و عض منه وجهل بيّن بجلالة شانه فى العلم وباعه الممتد فى الفقه وكعبه العالى فى الاصول ورسوخِ قدمه وشدة وطأته وقوة بطشه فى معارك النظر الاستدلال ومن تتبع تصانيفه والاقوال المنقولة عنه علم ان الذين عدهم من المجتهدين من شمس الائمة و من بعده كلهم عيال لابى بكر الرازى و مصداق ذلک دلائله التى التى نصبها لاختياراته و براهينه التى كشف فيها عن وجوه استدلالاته نشأ ببغداد التى هى دار الخلافة و مدار العلم والرشاد و مدينة السلام (ناظورة الحق فى فرضية العشاء و ان لم يغب الشفق، ص ۶۰ الیٰ ۶۲ "مطلب فى ان التقسيم ابن الكمال تحكم")

ترجمہ: اور بہر حال امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر وغیرہ کے حنفی ہونے، اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کے حنفی نہ ہونے کا مدار اس پر نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب نے امام ابوحنیفہ کی کسی چیز میں تقلید کی ہے، بلکہ اصل مدار اس پر ہے کہ ان حضرات (یعنی امام ابوحنیفہ کے تلامذہ) نے امام ابوحنیفہ کے علم کو پھیلانے اور ان کے مذہب کی نشر واشاعت کرنے میں اعانت ونصرت کی ہے، ساتھ ہی انہوں نے امام صاحب سے شرفِ تلمذ بھی حاصل کیا ہے، اور ان سے علم حاصل کیا ہے، اور تفقہ کیا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام زفر، باوجودیکہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے ہیں، اور امام ابوحنیفہ کے قدیم مخصوص معتقدین میں سے ہیں، اس کے باوجود متاخرین کی کتب میں ان کے اقوال دوسرے اصحاب کے اقوال کی طرح نقل کیے جاتے ہیں۔

البتہ اتنی بات ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کی طرف سے امام ابوحنیفہ کی حسنِ تعظیم اور فرطِ جلالت اور ان کے حق کی رعایت کی وجہ سے، انہوں نے امام

ابوحنیفہ کی شان کو نمایاں کرنے کا شعار اپنایا، اور ان کی نصرت میں اور ان کے اقوال کے دلائل میں امام ابوحنیفہ کو اعلیٰ مقام دیا، اور امام ابوحنیفہ کے اقوال کو لوگوں کے لیے روایت ونقل کرنے میں اور واقعات پیش آنے کے وقت فتویٰ دینے میں مشغولی اختیار کی، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ کے اصول اور فروع کی تحقیق اور ان کے ابواب اور فصول کی تعیین اور محکم قواعد کی تمہید اور بات کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار اداء کیا، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کو صحیح قرار دینے اور امام ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل کرنے والوں کے لیے مذہب کے بیان کرنے کا اجراء کیا، کیونکہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ امام ابوحنیفہ اعلم و اورع اور اقتداء کے زیادہ مستحق ہیں، اور مفتی کے لیے زیادہ اعتماد اور مستفتی کے لیے زیادہ نرمی کا باعث ہیں، جیسا کہ مسعر بن کدام نے فرمایا کہ جس نے امام ابوحنیفہ کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ بنالیا، تو مجھے امید ہے کہ اس پر کوئی خوف نہیں ہوگا، اور اس نے اپنے نفس پر احتیاط کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اور مسعر بن کدام کا فقہ میں مقام بالکل ظاہر ہے، جس کی اہلِ زمانہ نے گواہی دی ہے، خصوصاً امام مالک اور امام شافعی نے، اور اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ کے اصحاب دوسرے مخالف ائمہ، مثلاً ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) اور امام اوزاعی اور سفیان وغیرہ سے ممتاز شمار ہوئے، نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ **مجتہدِ مطلق فی الشرع** کے درجہ کو نہیں پہنچے تھے، اور اگر وہ مخلوق اور لوگوں کے درمیان اپنی آراء کی نشر واشاعت کرنے اور ان کا نص اور قیاس سے احتجاج کرنے میں مشغول ہوتے، تو ان میں سے ہر ایک کا امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مقابلہ میں ایک انفرادی مذہب نمایاں ہوتا۔

اور اگر ابنِ کمال پاشا کی مراد اصولوں میں مخالفت نہ کرنے سے ادلۂ اربعہ اور

اصولِ شریعت ہیں، یعنی کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاس کہ انہوں نے ان اصولوں کو اختیار کیا، اور ان سے استنباط کیا، تو اس کی بھی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ شریعت تو تمام ائمہ کا مرجع ہے، اسی سے احکام اخذ کیے جاتے ہیں، لہٰذا کسی دوسرے کا ان ادلۂ اربعہ اور اصولِ شریعت میں مخالفت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اور اگر کہا جائے کہ شاید ابنِ کمال پاشا کی مراد یہ ہو کہ وہ امام ابوحنیفہ کی تقلید اس چیز میں کرتے ہیں کہ وہ صحابی کے قول اور مرسل احادیث کو حجت مانتے ہیں، نہ کہ **استصحاب اور مصالحِ مرسلۃ** وغیرہ کو، تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس کا تقلید سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس میں امام ابوحنیفہ کے اصحاب کی رائے، امام ابوحنیفہ کے موافق اس لیے ہوگئی کہ ان کے نزدیک اس کی دلیل مضبوط تھی، جیسا کہ امام صاحب کے نزدیک اس کی دلیل مضبوط تھی، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام مالک نے، امام ابوحنیفہ کی مراسل کے حجت ہونے میں تقلید نہیں کی، اور نہ امام شافعی نے مصالح کے حجت ہونے کی نفی کر کے تقلید کی، اور نہ اجماع اور خبرِ واحد اور قیاس کے حجت ہونے میں اتفاق کرنے کے باوجود کسی نے ایک دوسرے کی تقلید کی۔

البتہ اجماع کے حجت ہونے کا انکار بعض مبتدع نے کیا ہے، اور قیاس کے حجت ہونے کا انکار داؤد ظاہری وغیرہ نے کیا ہے، جس میں انہوں نے شذوذ اختیار کیا ہے (لیکن محققین کے نزدیک داؤد ظاہری کی طرف قیاس کے انکار کی نسبت محلِ نظر ہے، قیاسِ جلی کے وہ بھی منکر نہیں، جیسا کہ ہم نے دوسرے مقام پر باحوالہ ذکر کر دیا ہے۔ ناقل)

اور ابو بکر قفال اور ابو علی بن خیران اور قاضی حسین شافعیہ سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم امام شافعی کے مقلد نہیں ہیں، بلکہ (ہمارے اجتہاد کرنے کے نتیجہ

میں) ہماری رائے ان کی رائے کے موافق ہوگئی ہے، اور یہی بات امام ابوجعفر طحاوی کی حالت سے بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کو لیا ہے، اور ان کے دلائل جمع کیے ہیں، اور امام ابوحنیفہ کے اقوال کی نصرت کی ہے، جیسا کہ انہوں نے "شرح معانی الآثار" کتاب کے شروع میں فرمایا کہ میں ہر باب میں ناسخ اور منسوخ اور علماء کی تعبیر اور بعض کے مقابلہ میں بعض کے دلائل اور جو میرے نزدیک دلیل مضبوط اور راجح ہوگی، اس کے قول کو ذکر کروں گا، خواہ وہ کتاب سے ہو، یا سنت سے، یا اجماع سے، یا تواتر سے، یا صحابہ و تابعین کے اقوال سے۔ [1]

اس کے بعد ابنِ کمال پاشا کا خصاف اور طحاوی اور کرخی کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ امام ابوحنیفہ کی مخالفت پر قادر نہیں، نہ اصول میں اور نہ فروع میں، اس بات کی بھی کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی لاتعداد اور بے شمار مسائل میں مخالفت کی ہے، اور ان کے اصول اور فروع میں متعدد اختیارات ہیں، اور ان کے قیاس اور نقلی و عقلی دلائل سے مستنبط شدہ متعدد اقوال ہیں، جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں، جو فقہ اور خلافیات اور اصول کی کتابوں کا تتبع کرے، اور امام کرخی نے امام ابوحنیفہ وغیرہ سے اس بات میں انفراد اختیار کیا ہے کہ تخصیص کے بعد عام کا قطعاً حجت ہونا باقی نہیں رہتا۔

اور جو خبرِ واحد، کسی ایسے واقعہ میں وارد ہو، جس میں عمومِ بلویٰ ہو۔

اور متروکُ المحاجۃ، حاجت کے وقت قطعاً حجت نہیں ہوتا، اور ابوبکر رازی نے اس چیز میں انفراد اختیار کیا ہے کہ عام مخصوص، حقیقت ہوتا ہے، اگر باقی بہت زیادہ ہوں، ورنہ مجاز ہوتا ہے، کیا یہ اصولی مسائل میں سے نہیں ہے۔

پھر ابنِ کمال پاشا کا ابوبکر رازی جصاص کو ان مقلدین میں شمار کرنا کہ جو اجتہاد پر

---

[1] یہی وجہ ہے کہ امام طحاوی نے کئی مسائل میں امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں ان کے اصحاب، یا ان میں سے کسی ایک کے قول کو ترجیح دی ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

قطعاً قادر نہیں ہوتے، یہ ان کے حق میں ظلمِ عظیم ہے، اوران کوان کے بلند مقام سے نیچے گرانا ہے، اوران کی علمی جلالتِ شان اور فقہ میں ان کے بلند مقام اور اصول میں ان کے عالی مقام اوران کے نظر واستدلال کے سلسلہ میں گرفت کے شدید وراسخ ہونے سے واضح ناواقفیت پر مبنی ہے، اور جس نے ان کی تصانیف اور ان سے منقول اقوال کا تتبع کیا، وہ یہ بات جان لے گا کہ ان حضرات کو مجتہدین میں سے شمار کیا گیا ہے، چنانچہ شمس الائمہ اوران کے بعد کے حضرات کو ابوبکر رازی کا عیال قرار دیا گیا ہے، اوراس کا مصداق وہ دلائل ہیں، جن کو انہوں نے اختیار کیا، اور وہ براہین ہیں، جو ان کے استدلال کے طریقوں سے واضح ہوئیں، یہ بغداد میں پھلے پھولے، جو دارُ الخلافة ہے، اور علم وہدایت کا مدار ہے، اور مدینۃُ السلام ہے (ناظورۃ الحق)

اس سے معلوم ہوا کہ ابنِ کمال پاشا کی طرف سے فقہاء ومجتہدین کی بیان کردہ اقسام میں متعدد شبہات وتعارضات ہیں، اور ابنِ کمال کا امام ابوحنیفہ کے اصحاب کو ''مجتهد فی الشرع '' کے بجائے ''مجتهد فی المذهب '' شمار کرنا راجح نہیں، کیونکہ اصحابِ ابی حنیفہ میں سے ہرایک کا مذہب، امام ابوحنیفہ کے مذہب سے جدا ہے۔

حنفیہ کے بڑے فقیہ، دیارِ مصر کے مفتی اوراسکندریہ کے قاضی علامہ شیخ محمد بخیت مطیعی (المتوفیٰ:1354ھ) اپنی تالیف ''ارشاد اهل الملة الی اثبات الاهلة'' میں اصحابِ ابی حنیفہ کے مقام ودرجہ کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و لیس معنیٰ کون ابی یوسف و محمد و زفر وامثالهم حنفیین دون مالک و الشافعی و احمد وامثالهم انهم مقلدون لابی حنیفة فی الاصول او فی الفروع.

بل معنیٰ ذلک انهم تعاونوا و تناصروا علی نشر مذهبه و اذاعة

علمہٖ و تتلمذوا له واخذوا العلم عنه وتفقهوا عليه ولازموه و نقلوا مذهبه ولم يميزوا مذاهبهم عنه، و قد افتوا به فى بعض الحوادث وتجردوا لتحقيق اصولهٖ و فروعهٖ و عينوا ابواب مسائلهٖ و فصولها و مهدوا قواعده بحيث يستفاد منها الاحكام واستنبطوا من اقوالهٖ قوانين صحيحة و طرائق قويمة، يتعرف بها المعانى فى تضاعيف الكلام وبالغوا فى بيانِ مذهبهٖ لمن يتمسک بهٖ، لاعتقادهم انه اعلم و اورع و أحق بالاقتداء بهٖ والأخذ بقوله واوثق للمفتى وارفق للمستفتى.

ولذلک قال مسعر بن كدام : من جعل ابا حنفية بينه و بين الله تعالىٰ رجوت ان لايخاف عليه ولم يكن فرط على نفسه فى الاحتياط اهـ.

وكان مقام مسعر فى الفقه مقام لا يلحق شهد له بذلک اهل صناعته خصوصا مالكا والشافعى و من ذلک الوجه امتاز اصحاب ابى حنيفة بانهم حنفيون دون من خالفه كالائمة الثلاثة و غيرهم لا لانهم لم يبلغوا مرتبة الاجتهاد المطلق بل مع نشرهم مذهب شيخهم والانتصار له تجدهم نشروا آرائهم بين الخلق ايضاً و احتجوا لها بالكتاب والسنة والقياس والاجماع بحيث لولم يخلطوها بمذهب ابى حنيفة لكان لكل واحد منهم مذهب منفرد عن مذهب الامام مخالفا له اصولا و فروعا فى كثير من المواضع .

وان اراد ابن كمال باشا من الاصول التى قلدوا فيها ابا حنيفة

www.idaraghufran.org

الادلة الاربعة من الكتاب والسنة والاجماع والقياس فى الاخذ بها واستنباط الاحكام بها فلا سبيل له الى ذلک لان هذه الادلة مستند كل امام و مرجع كل مجتهد فى اخذ الاحكام منها فلا يتصور ان واحدا منهم يخالف الآخر فى شىء منها او ان واحدا منهم يعد مقلدا للآخر فى موافقته له فى ذلک بل كل مسلم مكلف قادر على اخذ الحكم منها يتعين عليه ذلک شرعا و ان لم يكن مجتهداً.

و ان كان مراده انهم يقلدون ابا حنيفة فى قوله، ان قول الصحابى و مرسل الاحاديث مما يحتج به وان الاستصحاب والمصالح المرسلة لا يحتج بها فهذا ليس من التقليد فى شىء، بل هذا من قبيل موافقة رأى المجتهد لرأى مجتهد آخر فموافقة رايهم لراى الامام لقيام الحجة عندهم على ذلک كما قامت عليه عنده لا يعد تقليداً الا ترىٰ ان مالكا قائل بحجية الاحاديث المرسلة والشافعى قائل بعدم حجية المصالح المرسلة ولم يكن واحد منهما مقلدا لابى حنيفة فيما وافقه فيه الا ترىٰ ان الجميع اتفقوا على ان كلا من الاجماع و خبر الآحاد والقياس حجة ولم يعد ذلک تقليداً من البعض للبعض الآخر ولو كانت موافقة مجتهد لمجتهد آخر فى حكم تقليدا لاقتضىٰ اجماع المجتهدين على حكم ان يكون كل واحد منهم مقلداً للآخر فيه فلا يكون اجماعاً من المجتهدين والمفروض انه اجماع منهم وقد نقل عن ابى بكر القفال وابى على بن حيران والقاضى حسين من الشافعية انهم

كانوا يقولون لسنا مقلدين للشافعي، بل وافق رأينا رأيه وهذا هو الظاهر ايضاً من حال الامام ابى جعفر الطحاوى فى اخذه بمذهب ابى حنيفة واحتجاجه له وانتصاره لاقواله حيث قال فى اول كتاب شرح الآثار أذكر فى كل كتاب ما فيه الناسخ والمنسوخ وتاويل العلماء واحتجاج بعضهم على بعض و اقامة الحجة لمن صح عندى قوله منهم اينما يصح فيه مثله من كتاب او سنة او اجماع او تواتر من اقاويل الصحابة او تابعيهم رضى الله عنهم اجمعين اهـ. واما قول ابن كمال باشا فى الخصاف والطحاوى والكرخى انهم لا يقدرون على مخالفة ابى حنيفة لا فى الاصول ولا فى الفروع فليس بصحيح بل هو مخالف للواقع فان ما خالفوا فيه ابا حنيفة من الاحكام لايعد ولا يحصىٰ ولهم اختيارات فى الاصول والفروع واقوال مستنبط احتجوا عليها بالمنقول والمعقول كما لا يخفىٰ على من تتبع كتب الفقه خصوصا الخلافيات (ارشاد اهل الملة الى اثبات الاهلة، ص ٣٦٨ الىٰ ٣٧٢، الخاتمة فى بيان الكتب التى يعول اليها وبيان طبقات علماء المذهب الخ، مطبوعة: كردستان العلمية، سن اشاعت ١٣٢٩ هجرى)

ترجمہ: اورامام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر اوران کے مثل کے حنفی ہونے اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد اوران کے مثل کے حنفی نہ ہونے کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ یہ حضرات (یعنی امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر وغیرہ) امام ابوحنیفہ کے اصول، یا فروع میں مقلد تھے۔

بلکہ ان کے حنفی ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب اور علم

کی نشر و اشاعت میں اعانت و نصرت کی، اور امام ابوحنیفہ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، اور ان سے علم حاصل کیا، اور ان سے تفقہ حاصل کیا، اور ان کی صحبت اختیار کی، اور ان کے مذہب کو نقل کیا، اور اپنے مذاہب کو امام ابوحنیفہ کے مذہب سے ممتاز کر کے بیان نہیں کیا، اور بعض واقعات میں امام ابوحنیفہ کے مذہب پر فتویٰ دیا، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ کے اصول اور فروع کی تحقیق میں تنِ تنہا خدمت سر انجام دی، اور ان حضرات نے امام ابوحنیفہ کے بیان کردہ مسائل کے ابواب اور فصول کی تعیین کی، اور امام ابوحنیفہ کے قواعد کو تیار کیا، اس طور پر کہ ان سے احکام کا استفادہ کیا جا سکے، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ کے اقوال سے صحیح قوانین اور مضبوط راستوں کا استنباط کیا، جن سے کلام کو آگے بڑھانے کے دلائل کو پہچانا جا سکتا ہے، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کو بیان کرنے میں انتھک محنت کی، ان لوگوں کے لیے جو امام ابوحنیفہ کے مذہب کو اختیار کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ ان کا نظریہ تھا کہ امام ابوحنیفہ زیادہ علم اور تقویٰ والے ہیں، اور اقتداء کے زیادہ مستحق ہیں، اور (دوسروں کو) ان کا قول لینا زیادہ بہتر ہے، اور مفتی کے لیے زیادہ اعتماد اور مستفتی کے لیے زیادہ نرمی کا باعث ہے۔

اسی وجہ سے مسعر بن کدام نے فرمایا کہ جس نے امام ابوحنیفہ کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ بنالیا، تو مجھے امید ہے کہ اس کو کوئی خوف نہیں، اور اس نے اپنے نفس پر احتیاط میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اور مسعر بن کدام کا مقام فقہ میں اتنا بلند ہے کہ جس کی شہادت اہلِ فقہ نے دی ہے، خاص طور پر امام مالک اور امام شافعی نے، اور اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ کے اصحاب، حنفی ہونے کے ساتھ ممتاز ہوئے، برخلاف ائمہ ثلاثہ وغیرہ کے۔

(اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب) اس وجہ سے حنفی شمار نہیں ہوئے کہ وہ اجتہادِ مطلق

کے مرتبہ کو نہیں پہنچے، بلکہ ان کے اپنے شیخ کے مذہب کو نشر کرنے اور ان کی نصرت کرنے کے باوجود آپ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے مخلوق کے درمیان اپنی اپنی آراء کو بھی نشر کیا، اور اپنی آراء کے لیے کتاب وسنت، قیاس اور اجماع سے دلیل پکڑی، اس طور پر کہ انہوں نے اپنی آراء کو امام ابوحنیفہ کے مذہب کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا، پس ان حضرات میں سے ہر ایک کا امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مقابلہ میں مستقل مذہب ہے، اور ان کی امام ابوحنیفہ سے بہت سے مقامات پر اصولی اور فروعی مخالفت ہے۔

اور ابنِ کمال باشا کی اگر اصول میں مخالفت نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان حضرات نے امام ابوحنیفہ کی دلائلِ اربعہ، یعنی کتابُ اللہ، سنتِ رسولُ اللہ، اجماع اور قیاس میں تقلید کی ہے کہ ان ادلہ کو اختیار کیا، اور ان سے احکام کا استنباط کیا، تو اس کی بھی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ ان دلائل سے تو ہر امام استناد کرتا ہے، اور یہ دلائل احکام کو لینے میں ہر مجتہد کا مرجع شمار ہوتے ہیں، پس یہ بات ممکن نہیں کہ ان میں سے کوئی دوسرے کی کسی چیز میں مخالفت کرے، یا ان میں سے کوئی ان کی موافقت کرنے میں دوسرے کی تقلید کرے، بلکہ ہر مکلّف مسلمان جو ان دلائل سے حکم کو لینے پر قادر ہو، اس پر شرعاً یہی متعین ہے، اگرچہ وہ مجتہد نہ ہو۔

اور اگر ابنِ کمال باشا کی (امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ کے امام ابوحنیفہ کی اصولوں میں مخالفت نہ کرنے سے) مراد یہ ہے کہ ان حضرات نے امام ابوحنیفہ کی ان کے اس قول میں تقلید کی ہے کہ صحابی کا قول، یا مرسل احادیث قابلِ حجت ہیں، اور استصحابِ حال اور مصالحِ مرسلہ قابلِ حجت نہیں، تو یہ کسی بھی حیثیت سے تقلید میں داخل نہیں، بلکہ یہ ایک مجتہد کی رائے دوسرے مجتہد کی رائے کے موافق ہونے کے قبیل سے ہے، پس امام ابوحنیفہ کے اصحاب کی رائے کا، امام ابوحنیفہ کی

www.idaraghufran.org

رائے کے موافق ہونا، اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات کے اجتہاد میں یہ قابلِ حجت ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی قابلِ حجت ہے، پس اس کو تقلید نہیں کہا جاتا۔ [1]

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام مالک احادیثِ مرسلہ کے حجت ہونے کے قائل ہیں، اور امام شافعی مصالحِ مرسلہ کے حجت نہ ہونے کے قائل ہیں، اور ان دونوں حضرات میں سے کوئی بھی امام ابوحنیفہ کا مقلد نہیں، خواہ اس میں امام ابوحنیفہ کی موافقت کیوں نہ لازم آ رہی ہو، اور کیا آپ نہیں جانتے کہ تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اجماع اور خبرِ آحاد اور قیاس میں سے ہر ایک حجت ہے، لیکن یہ چیز ایک دوسرے کی تقلید نہیں کہلاتی، اور اگر ایک مجتہد کی دوسرے مجتہد کی کسی مسئلہ میں موافقت بھی تقلید شمار ہو، تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ جس مسئلہ میں مجتہدین کا اجماع ہو، تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مقلد کہلائے، ایسی صورت میں تو وہ (ایک دوسرے کی تقلید کی بناء پر) مجتہدین کا اجماع ہی شمار نہیں ہوگا، حالانکہ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ مجتہدین کا اجماع ہے۔

اور شافعیہ میں سے ابوبکر قفال اور ابوعلی بن خیران اور قاضی حسین سے مروی ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم امام شافعی کے مقلد نہیں ہیں، بلکہ ہماری رائے، ان کی رائے کے موافق ہوگئی ہے، اور یہی بات امام ابوجعفر طحاوی کی حالت سے بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کو اختیار کیا اور امام ابوحنیفہ کے اقوال کی نصرت کی، اور دلیل پکڑی، کیونکہ انہوں نے شرح الآثار کتاب کے شروع میں خود فرمادیا ہے کہ میں کتاب میں ناسخ اور منسوخ اور علماء کی تعبیر اور بعض کی بعض پر دلیل سب کو ذکر کروں گا، اور میرے نزدیک جس قول کی کتاب، یا

---

[1] جیسا کہ شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک عبارت سے بھی ایسا سمجھا، اور اس پر کلام آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

سنت، یا اجماع، یا تواتر، یا صحابہ وتابعین کے اقوال سے حجت کا صحیح ہونا قائم ہوگا، اس کو بھی ذکر کروں گا، اھ۔

اور جہاں تک ابنِ کمال باشا کا خصاف اور طحاوی اور کرخی کے بارے میں یہ فرمانا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کی اصول اور فروع میں مخالفت پر قادر نہیں، یہ بھی صحیح نہیں، بلکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، کیونکہ ان حضرات نے امام ابوحنیفہ کی لاتعداد اور بے شمار مسائل میں مخالفت کی ہے، اور ان حضرات کے اصول اور فروع میں اپنے اقوال اور اپنی ترجیحات ہیں، اور ان کے اپنے ایسے اقوال ہیں، جن کو انہوں نے اپنے نقلی وعقلی دلائل سے مستنبط کیا ہے، جیسا کہ کتبِ فقہ کے تتبع، خصوصاً خلافیات کا تتبع کرنے والے پر مخفی نہیں (ارشاد اهل الملة)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے تلامذہ، بالخصوص امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر، دراصل مجتہدِ مطلق کے زمرہ میں داخل ہیں، اسی طرح ان کے بعد آنے والے بہت سے دیگر مجتہدینِ منتسبین کی بھی حالت ہے۔

اور خصاف، طحاوی اور کرخی وغیرہ کی بھی اپنے اجتہاد کی رو سے ترجیحات ہیں، جن میں وہ کسی ایک امام ومجتہد کے مقلد نہیں، اسی لیے ان کی ترجیحات کو امام ابوحنیفہ کا حقیقی معنیٰ میں مذہب شمار کرنا بھی راجح نہیں۔

علامہ شیخ محمد الخضری بک، سابق مدرس تاریخِ اسلامی جامعہ مصر (المتوفی:1345ھ) اصحابِ ابی حنیفہ کے مقام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولم تكن نسبتهم الى ابى حنيفة نسبة المقلد الى المقلد، بل نسبة المتعلم الى المعلم، مع استقلالهم بمابه يفتون.

فلم يكونوا يقفون عند ما افتىٰ به استاذهم، بل يخالفونه اذا ظهر لهم ما يوجب الخلاف، ولذلک تجد كتب الحنفية تورد اقوال

الائمة الاربعة بادلتها، وربما يكون فى المسألة الواحدة اربعة اقوال: لابى حنيفة قول، و لابى يوسف قول، ولمحمد قول، ولزفر قول، حسبما يظهر لهم من الآثار او المعانى.

و قد حاول بعض الحنفية ان يجعل اقوالهم المختلفة اقوالا للامام رجع عنها، ولكن هذه غفلة شديدة عن تاريخ هؤلاء الائمة، بل عما ذكر فى كتبهم فان ابا يوسف يحكى فى كتاب الخراج رأى ابى حنيفة ثم يذكر رأيه مصرحا بانه يخالفه و يبين سبب الخلاف كذلك يفعل فى كتاب خلاف ابى حنيفة و ابن ابى ليلىٰ فانه احيانا يقول برأى ابن ابى ليلىٰ بعد ذكر الرأيين.

و محمد رحمه الله يحكى فى كتبه اقوال الامام و اقوال ابى يوسف و اقواله مصرحا بالخلاف ، على انه لو كان كما قالوا: لم يكن ما رجع عنه من الآراء: مذهبا له، و من الثابت ان ابا يوسف و محمدا رجعا عن آراء كثيرة رآها الامام لما اطلعوا على ما عند اهل الحجاز من الحديث، فالمحقق تاريخيا ان ائمة الحنفية الذين ذكرناهم بعد ابى حنيفة رحمه الله ليسوا مقلدين له، لان التقليد لم يكن نشأ فى المسلمين فى ذلك التاريخ بل كان المفتون مستقلين فى الفتوىٰ بناء على ما يظهر لهم من الادلة سواء عليهم أخالفوا معلميهم ام وافقوهم ولم تكن نسبة ابى يوسف و محمد الى ابى حنيفة الا كنسبة الشافعى الى مالك (تاريخ التشريع الاسلامى للخضرى، ص ١٩٩ و ٢٠٠، تحت ترجمة "الحسن بن زياد" الدور الرابع: التشريع فى العهد من اوئل القرن الثانى الىٰ منتصف القرن الرابع،مطبوعة: دار الفكر، الطبعة الثامنة ١٣٨٧هجرى)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اور نہیں ہے ان (یعنی امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر اور حسن بن زیاد) کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف، مقلد کی مقلد کی طرف نسبت کی طرح، بلکہ اصل نسبت ''**متعلم**'' کی ''**معلم**'' کی طرف والی ہے، کیونکہ یہ حضرات اپنا فتویٰ دینے میں مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔

پس یہ (یعنی امام ابوحنیفہ کے اصحاب) اس رائے پر قائم نہیں ہوتے تھے کہ جس پر ان کے استاذ نے فتویٰ دیا، بلکہ جب ان کے لیے (اپنے استاذ سے) اختلاف کا سبب ظاہر ہو جاتا تھا، تو یہ اپنے استاذ کی مخالفت کرتے تھے، اور اسی وجہ سے آپ حنفیہ کی کتب میں ائمہ اربعہ (یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر) کے اقوال ان کے الگ الگ دلائل کے ساتھ پاتے ہیں، اور بسا اوقات ایک ہی مسئلہ میں چار اقوال ہوتے ہیں، ایک امام ابوحنیفہ کا قول اور دوسرا امام ابو یوسف کا قول، اور تیسرا امام محمد کا قول اور چوتھا امام زفر کا قول، یہ اقوال اس کے مطابق ہوتے ہیں، جو احادیث و آثار، یا دوسرے دلائل ان میں سے ہر ایک کی نظر میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اور بعض حنفیہ نے ان کے مختلف اقوال کو امام ابوحنیفہ کے وہ اقوال قرار دیا ہے، جن سے امام ابوحنیفہ نے رجوع کرلیا ہے۔ [1]

لیکن یہ ان ائمہ کی تاریخ، بلکہ جو کچھ ان کی کتابوں میں مذکور ہے، اس سے شدید غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ امام ابو یوسف **کتابُ الخراج** میں امام ابوحنیفہ کی رائے ذکر کرتے ہیں، پھر صراحتاً اس کے **بالمخالف** اپنی رائے کو ذکر کرتے ہیں، اور

---

[1] جیسا کہ علامہ ابنِ عابدین شامی نے نقل کیا ہے۔

قولهما فی کل مسألة مروی عنه(ردالمحتار، ج۲، ص ۱۸۰، کتاب الصلاة،باب العیدین)

وفی آخر الحاوی القدسی:وإذا أخذ بقول واحد منهم یعلم قطعا أنه یکون به آخذا بقول أبی حنیفة، فإنه روی عن جمیع أصحابه من الکبار کأبی یوسف ومحمد وزفر والحسن أنهم قالوا :ما قلنا فی مسألة قولا إلا وهو روایتنا عن أبی حنیفة (ردالمحتار، ج ۱، ص۶۷، مقدمة)

www.idaraghufran.org

اختلاف کے سبب کو بھی بیان کرتے ہیں، اسی طریقہ سے وہ کتاب میں امام ابوحنیفہ اور ابنِ ابی لیلیٰ کے اختلاف کو بھی ذکر کرتے ہیں، بعض اوقات دونوں کی رائے ذکر کرنے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ میری رائے ابنِ ابی لیلیٰ والی ہے۔

اور امام محمد اپنی کتب میں امام ابوحنیفہ کے اقوال اور امام ابو یوسف کے اقوال، اور اپنے اقوال کو اختلاف کی تصریح کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، پھر اگر وہی بات ہوتی، جو بعض حنفیہ نے کہی ہے (کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کے اقوال، دراصل امام ابوحنیفہ کے رجوع کردہ اقوال ہیں) تو جن آراء سے امام ابوحنیفہ نے رجوع کرلیا، تو وہ درحقیقت ان کا مذہب ہی شمار نہیں ہوتیں (کیونکہ رجوع شدہ اقوال منسوخ کا درجہ رکھتے ہیں) اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد نے بہت سی ایسی آراء سے رجوع کیا ہے، جو امام ابوحنیفہ کی آراء تھیں، جب وہ اہلِ حجاز کے پاس کسی حدیث پر مطلع ہوگئے، پس تاریخ سے یہ بات محقق ہے کہ امام ابوحنیفہ کے بعد ہم نے جن ائمہ حنفیہ کا ذکر کیا، وہ امام ابوحنیفہ کے مقلد نہیں تھے، کیونکہ تقلید اس زمانہ میں مسلمانوں میں پیدا بھی نہیں ہوئی تھی، بلکہ مفتی فتویٰ دینے میں مستقل شمار ہوتے تھے، جو دلائل ان کے سامنے آتے تھے، ان کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، خواہ وہ اپنے معلم اور استاذ کی مخالفت کریں، یا موافقت کریں، اور امام ابو یوسف اور امام محمد کی امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت صرف ایسی ہی ہے، جیسا کہ امام شافعی کی امام مالک کی طرف نسبت ہے (تاریخ تشریع اسلامی)

اس عبارت سے بھی مدلل انداز میں معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب ''مطلق مجتہدین'' کے درجہ پر فائز ہیں، اور ان کے اقوال کو امام ابوحنیفہ کے مرجوع عنہ اقوال قرار دے کر امام ابوحنیفہ کا مذہب سمجھنا بھی راجح نہیں، جیسا کہ علامہ ابنِ عابدین شامی، اور ان کی اتباع میں دیگر حضرات نے سمجھا۔

عرب کے مشہور حنفی فقیہ علامہ شیخ محمد ابوزہرہ (المتوفی: 1394ھ) فرماتے ہیں:

ولا شک ان شیخ المذهب ابا حنیفة هو من هذا الصنف من الفقهاء، ولکن ایعد اصحابه ابویوسف، و محمد، و زفر و من فی طبقتهم من ذلک الصنف من المجتهدین؟

لقد عدهم ابن عابدین تابعاً لبعض الکتاب فی المذهب الحنفی من الصنف الثانی لا من هذه الطبقة، فعدهم من طبقة المجتهدین فی المذهب، لا من طبقة المجتهدین المستقلین، فقال: طبقة المجتهدین فی المذهب کأبی یوسف ومحمد وسائر أصحاب أبی حنیفة، القادرین علی استخراج الأحکام من الأدلة المذکورة علی حسب القواعد التی قررها أستاذهم فانهم خالفوه فی بعض أحکام الفروع، لکن یقلدونه فی قواعد الأصول.

وهذا الکلام فیه نظر، فان ابایوسف، و محمداً و زفر، و غیرهم من الاصحاب کانوا مستقلین فی تفکیرهم الفقهی کل الاستقال، وما کونوا مقلدین لشیخهم بأی نحو من نواحی التقلید،و کونهم درسوا آرائه، او تلقوها علیه، وتتفقهوا فی اولیٰ دراساتهم علیه: لا یمنع استقلال تفکیرهم، وحریة اجتهادهم، والا کان کل من یتلقیٰ علیٰ شخص: لا بد ان یکون مقلدًا له.

و تنتهی القضیة لا محالة الی ان تنزل بابی حنیفة نفسه عن مرتبة المجتهدین المستقلین، فانه ابتدأ دراساته یتلقی فقه ابراهیم النخعی علیٰ شیخه حماد بن ابی سلیمان، وکان کثیر التخریج علیه، وکذلک قال من اراد ان یبخس ابا حنیفة حظه من الفقه والاجتهاد.

www.idaraghufran.org

ولكن ابا حنيفة فقيه مستقل، لانه درس آراء ابراهيم، وخالفه احيانا، ووافقه احيانا، وما وافقه فيه وافقه على بينة و استدلال، لا على مجرد التقليد والاتباع، وكذلك كان اصحاب ابى حنيفة منه درسوا فقهه، وتلقوا عليه طريقة اجتهاده، فوافقوه فى بعضها، وخالفوه فى غيره، وما كانت الموافقة عن تقليد، بل عن اقتناع واستدلال، و تصديق للدليل، وما ذلك شأن المقلد.

واذا كانت الاصول التى بنى عليها استنباط عند هؤلاء التلاميذ و شيخهم متحدة فى اكثرها، فليست متحدة فى كلها، وحسبهم تلك المخالفة لتثبت لهم صفة الاستقلال، وانهم ان اتحدوا فى طرق الاستنباط: فليس ذلك عن اتباع، بل عن اقتناع، وهذا هو الفارق بين من يقلد، ومن يجتهد، وهو القسطاس المستقيم.

وان من يدرس حياة اولئك الائمة: يبعد عنهم صفة التقليد ابعاداً تاماً، فهم لم يكتفوا بما درسوه على شيخهم، بل درسوا من بعده، فابو يوسف لزم اهل الحديث، واخذ عنهم احاديث كثيرة لعل ابا حنيفة لم يطلع على كثير منها، ثم هو قد اختبر القضاء، وعرف احوال الناس، فصقل ما وافق فيه شيخه بصقل قضائى، وخالف شيخه متسلحا بما هداه اليه اختياره للحكم والقضاء بين الناس.

ومن التجنى على الحقائق: ان نقول ان ذلك كله قد قاله ابوحنيفة، واختاره ابو يوسف.

و محمد لم يلازم ابا حنيفة الا مدة قليلة فى صدر حياته العلمية، ثم اتصل بمالك، وروىٰ عنه المؤطا، وروايته له تعد من اصح

www.idaraghufran.org

الروايات اسنادا، فاذا كان مقلدا ،فلأىّ الامامين، لابى حنيفة ام لمالك ام لهما معا، ان الانصاف والمنطق يوجبان ان نقول انه لا محالة كان مجتهداً اجتهاداً مطلقاً مستقلا، و كذلك كل الصحاب (ابو حنيفة حياته و عصره، آراؤه وفقهه، ص ۳۸۴، ۳۸۵، القسم الثانى آراؤه وفقهه، المجتهدون والمخرجون فى المذهب، مطبوعة: دارالفكر العربى، القاهرة ، الطبعة الثانية)

ترجمہ: اور یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ مذہب کے شیخ امام ابوحنیفہ، فقہاء کی اس قسم (یعنی **طبقة المجتهدين فى الشرع**) سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن کیا امام ابوحنیفہ کے اصحاب، یعنی امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر اور وہ حضرات جو ان کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں (جیسے حسن بن زیاد) کیا وہ بھی مجتہدین کی اس قسم میں داخل ہیں، یا نہیں؟

تو ابنِ عابدین شامی نے بعض کتابوں کی اتباع کرتے ہوئے ان حضرات کو، مجتہدین کی دوسری قسم (یعنی **مجتهدين فى المذهب**) میں مذہبِ حنفی کے اندر شمار کیا ہے، اس (یعنی **مجتهدين فى الشرع**) کی قسم میں شمار نہیں کیا، یعنی انہوں نے ان حضرات کو **مجتهدين فى المذهب** کے طبقہ میں شمار کیا ہے، **مجتهدين مستقلين** کے طبقہ میں شمار نہیں کیا، چنانچہ انہوں نے (اپنے رسالہ ''**شرح عقود رسمُ المفتى**'') میں فرمایا کہ دوسرا طبقہ **مجتهدين فى المذهب** کا ہے، جیسا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد اور تمام اصحابِ ابی حنیفہ، جو مذکورہ دلائل کے ذریعہ سے، احکام کے استخراج پر قادر ہیں، ان قواعد کے مطابق جن کو ان کے استاذ (امام ابوحنیفہ) نے مقرر کیا ہے، کیونکہ یہ حضرات بعض فروعی احکام میں تو امام ابوحنیفہ کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن قواعدِ اصول میں وہ امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں (علامہ ابنِ عابدین کا کلام مکمل ہوا)

مگر علامہ ابنِ عابدین کے اس کلام میں نظر ہے۔

کیونکہ امام ابو یوسف، اور امام محمد اور امام زفر اور دوسرے اصحابِ ابی حنیفہ (جیسا کہ امام حسن بن زیاد) وہ اپنی فقہی فکر میں مکمل طور پر مستقل تھے، اور وہ اپنے شیخ کے کسی بھی حیثیت سے مقلد نہیں تھے، اور ان کا امام ابوحنیفہ کی آراء کا درس دینا، یا امام ابوحنیفہ سے تلقی کرنا اور امام ابوحنیفہ سے ابتدائی درس کے دوران تفقہ حاصل کرنا، یہ ان کی فکر کے مستقل اور ان کے اجتہاد کے آزاد ہونے کے لیے مانع نہیں، ورنہ تو لازم آئے گا کہ جو شخص بھی کسی سے تلقی اور تعلیم و تفقہ حاصل کرے، وہ ضروری طور پر اس کا مقلد بھی کہلائے۔

اور یہ معاملہ لامحالہ چلتے ہوئے یہاں تک پہنچے گا کہ خود امام ابوحنیفہ کو بھی مجتہدِ مستقل ہونے کے درجہ سے نیچے کردے، کیونکہ انہوں نے ابتدائی فقہی درس ابراہیم نخعی سے اپنے شیخ حماد بن ابی سلیمان کے واسطہ سے حاصل کیا، امام ابوحنیفہ کثرت سے ابراہیم نخعی کی تخریج پر عمل کیا کرتے تھے، اور اسی وجہ سے بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے فقہ و اجتہاد کے حصہ میں کمی کردی ہے (کہ ان کو مجتہد مستقل قرار دینے کے بجائے، ابراہیم نخعی کا مقلد قرار دے دیا)

حالانکہ امام ابوحنیفہ مستقل فقیہ تھے، انہوں نے ابراہیم نخعی کی آراء کی تدریس کی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے بعض اوقات ابراہیم نخعی کی مخالفت کی، اور بعض اوقات موافقت کی، اور جن چیزوں میں انہوں نے ابراہیم نخعی کی موافقت کی، وہ دلیل اور استدلال کی بنیاد پر کی، نہ کہ محض تقلید اور اتباع کی بنیاد پر۔ [1]

---

[1] پس جس حیثیت سے امام ابوحنیفہ کے اصحاب کو امام ابوحنیفہ کا مقلد سمجھا جاتا ہے، اس حیثیت سے تو امام ابوحنیفہ کا بھی، ابراہیم نخعی کا مقلد ماننا لازم آئے گا، اور امام ابوحنیفہ کو ابراہیم نخعی کا مقلد قرار دینا درست نہیں، اسی طرح اصحابِ ابی حنیفہ کو امام ابوحنیفہ کا مقلد قرار دینا بھی درست نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارت کے ذیل میں بھی اس پر کلام گزر چکا ہے۔ محمد رضوان۔

اوراسی طریقہ سے امام ابوحنیفہ کے اصحاب (یعنی امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر وغیرہ) نے امام ابوحنیفہ کے فقہ کی تدریس کی، اوران کے اجتہاد کے طریقہ کو حاصل کیا، انہوں نے بھی بعض مسائل میں امام ابوحنیفہ کی موافقت کی، اور بعض میں مخالفت کی، اوران کی موافقت تقلید کی بناء پر نہیں تھی، بلکہ دلیل اوراستدلال کی بناء پر تھی، اور دلیل کی تصدیق کی بناء پر تھی (جس طرح مخالفت بھی اسی اجتہاد کی بناء پر تھی) اور یہ مقلد کی شان نہیں ہوا کرتی (بلکہ مجتہد کی شان ہوا کرتی ہے)

اور جب وہ اصول جن پر ان کے تلامذہ نے استنباط کو مبنی کیا، اوران کے شیخ اکثر میں ان کے ساتھ متحد ہیں، تو تمام اصولوں میں تو متحد نہیں، اوران کے تلامذہ کی یہ مخالفت کرنا، ان کے اجتہادی استقلال کی صفت ثابت ہونے کے لیے کافی ہے، اور وہ حضرات جو استنباط (واجتہاد) کے طریقوں میں متحد ہیں، تو یہ اتباع وتقلید کی وجہ سے نہیں، بلکہ دلیل پر اطمینان ہونے کی وجہ سے ہے، اور یہی چیز مقلد اور مجتہد کے درمیان حد فاصل ہے، اور یہی سیدھا راستہ ہے (پس بڑے حصہ میں اجتہادی موافقت کو امام ابوحنیفہ کی تقلید سمجھنا راجح نہیں، البتہ ان موافقت والے امور کو امام ابوحنیفہ سے مروی اقوال قرار دینے میں مضائقہ نہیں، لیکن اس سے ان کے مقلد ہونے کا حکم لگانا، اوران کے مذاہب کو متحد قرار دینا لازم نہیں آتا)

اور جو شخص ان ائمہ کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرے گا، تو وہ یہ جان لے گا کہ (امام ابوحنیفہ کے اصحاب) صفتِ تقلید سے مکمل طریقہ پر دور تھے، انہوں نے اپنے شیخ کے ذریعہ حاصل کردہ آراء کے درس پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ ان (یعنی امام ابوحنیفہ اوران کی آراء) کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رکھا، چنانچہ امام ابو یوسف نے اصحابِ حدیث کے ساتھ التزام کیا، اوران سے بہت سی احادیث حاصل کیں، شاید کہ امام ابوحنیفہ ان میں سے بہت سی احادیث پر مطلع نہیں ہوئے (جیسا کہ

دیگر محققین نے بھی تصریح کی ہے) پھر امام ابو یوسف نے قضاء کے شعبہ کو اختیار کیا، اور لوگوں کے احوال کی معرفت حاصل کی، پس ان کو قضاء کے تجربات سے بعض ان امور پر شرح صدر ہوگیا، جو ان کے شیخ کے موافق تھے، اور اس کے برعکس انہوں نے جن چیزوں کو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے وقت اور حکم بیان کرتے وقت اپنے شیخ کے مخالف اپنے تجربہ میں صحیح پایا، ان کو اختیار کیا۔

اور ان حقائق کے ہوتے ہوئے ہمیں یہ حکم لگانے سے بچنا چاہئے کہ یہ تمام آراء امام ابوحنیفہ کی تھیں، جن کو امام ابو یوسف نے اختیار کرلیا (جیسا کہ علامہ ابنِ عابدین شامی اور ان کی اتباع میں بعض علماء کا خیال بن گیا ہے)

اور امام محمد نے امام ابوحنیفہ کی اپنے ابتدائی علمی زمانہ میں صحبت اختیار کی، پھر امام مالک کے ساتھ وابستہ ہوگئے، اور ان سے مؤطا کو روایت کیا، اور ان کی مؤطا کی روایت سند کے اعتبار سے اصح الروایات شمار ہوتی ہے، پس اگر وہ (یعنی امام محمد) مقلد تھے، تو سوال یہ ہے کہ دو اماموں میں سے کس کے مقلد تھے، آیا امام ابوحنیفہ کے، یا امام مالک کے، یا ان دونوں کے؟ مگر انصاف اور حقیقت دونوں چیزیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ ہم یہ کہیں کہ وہ لامحالہ مطلق اور مستقل مجتہد تھے، اور اسی طریقہ سے تمام اصحابِ ابی حنیفہ (یعنی امام محمد، امام زفر، امام حسن وغیرہ) بھی مطلق مجتہد تھے (ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ)

اس عبارت سے بھی واضح اور مدلل انداز میں معلوم ہوا کہ جس طرح امام ابوحنیفہ، اپنے اجتہاد میں مستقل تھے، اسی طرح امام ابوحنیفہ کے اصحاب بھی اپنے اپنے اجتہاد میں مستقل تھے۔

اس موقع پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے تلامذہ واصحاب کو بعض حضرات ''مجتہدِ مستقل'' قرار دیتے ہیں، اور بعض ''مجتہدِ منتسب'' قرار دیتے ہیں، ان میں یہ ٹکراؤ کیوں پیدا ہوا، اور ان میں سے کون سے قول کو ترجیح دی جائے؟

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ جن حضرات نے ''مجتہدِ مستقل'' قرار دیا، ان کا مقصود ''مجتهد فی المذهب ، و مجتهد مقيد'' ہونے کی نفی کرنا تھا، اور جن حضرات نے ''مجتہد منتسب'' قرار دیا، ان کا مقصود، امام ابوحنیفہ کے اجتہاد وفقہ کی طرف اس انتساب کو ثابت کرنا تھا، جو تقلید کو متضمن نہیں ہوتا، اس انتساب کا مقصود امام ابوحنیفہ کے اجتہاد سے مناسبت، ان کی مناصرت اور ان کے مذہب کی نشر واشاعت اور ان سے شرفِ تلمذ وحصولِ تفقہ وغیرہ کا حصول ہے، اور ان دونوں باتوں کے مابین کوئی حقیقی تعارض نہ تھا، پھر بعد کے بعض حضرات اس ''انتساب'' یا ''منتسب'' کی نسبت سے تسامح کا شکار اور خطاء میں مبتلا ہوئے، اور انہوں نے ان الفاظ سے ''اجتہادِ مقید'' یا ''مجتہدِ مقید'' یا ''مجتهد فی المذهب'' ہونا سمجھ لیا۔

اور پھر نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ ان تمام مجتہدین کے مذاہب واقوال کے ماننے والے کو ''مذہبِ معین اور مذہبِ واحد'' کا مقلد ومتبع سمجھا جانے لگا، اور ''مذہبِ معین'' کے التزام کا بھی حکم لگایا جانے لگا، جس کا حقیقت سے تعلق نہیں، اور اس پر مذہبِ حنفی کا اطلاق ''مجازِ محض'' کے قبیل سے ہے۔

شیخ محمد زاہد الکوثری (المتوفیٰ: 1371ھ) نے ''لمحاتُ النظر فی سیرة الإمام زفر'' میں فرمایا کہ:

> بعد أن علم أن زفر مع أبی يوسف كفرسی رهان فی الإجتهاد لا يبقى وجه للالتفات إلى قول من ظن أن زفر فی عداد المجتهدين فی المذهب كما أوضحنا ذلک فی غير موضع. وإنما وقع فی ذلک الظن من رأى كثرة تنويه زفر بأقوال الإمام الأعظم مع أن ذلک التنويه والموافقة لآرائه إنما كان بمعرفة لدليل الحكم كما عرف هو. لا تقليدا له.

www.idaraghufran.org

قال ابن أبی العوام حدثنی محمد بن احمد بن حماد سمعت محمد بن شجاع سمعت أبا عاصم الضحاک بن مخلد يقول سمعت زفر يقول: ماخالفت أبا حنيفة فی قول إلا وقد كان أبوحنيفة يقول به. وحدث ابن أبی العوام أيضا عن الطحاوی عن ابن أبی عمران سمعت سوار بن عبداللّٰه العنبری القاضی ــ يعنی الحفيد ــ يقول سمعت أبا عاصم يقول قال زفر بن الهذيل: كل أقوالی هذه قد قالها أبو حنيفة قبلی ثم وقف منها على أشياء لم أقف انا عليها فخالفها لما وقف عليه منها وثبت أنا عليها.

قال احمد بن أبی عمران فأنكرت ذلک، فأتيت محمد بن شجاع فحدثته بذلک فقال لی: مكانک ثم دخل منزله وخرج وفی يده كتاب فقرأ علی منه هذه الحكاية عن أبی عاصم كما سمعتها من سوار العنبری اهـ.

و فی الكردرية ان يحيی بن أكثم روی عن والده أنه سمع زفر يقول (لم أجترئ أن أخالف الإمام بعد وفاته لأنی إذا خالفته فی حياته وابرزت الدليل و أتيت به ألزمنی بالحق الظاهر من ساعته وردنی إلی قوله فأما بعد وفاته فكيف أخالفه؟ وربما لو كان حيا و حاج لردنی إلی قوله)

وهذا ليس بتقليد له بل سكوت عما لا يعلم دليله واطمئنان الی الدليل وفهم صحيح للدليل فيما يعلم وهو الاجتهاد بعينه، وأبوحنيفة هو الذی كان ينهی أصحابه عن التقليد ويأمرهم بابداء ما عندهم من الحجج فيناقشهم فيها حتی يستقر الحق فی نصابه، وكان لأصحابه مقام عظيم فی سرد الدلائل و تحقيق المسائل بل

كان أبو حنيفة يقول لا يحل لأحد أن يفتى بقولى ما لم يعلم من أين قلته.

ومع ذلك كله كان لزفر مخالفات فى الأصول والفروع مدونة فى كتب القوم فلا يكون تأدب زفر تجاه استاذه و محافظته على الانتساب إليه وعرفانه لجميله عليه مما ينزل مقامه فى الاجتهاد المطلق على حدة ذهنه فى قياس المسائل وقوة ضبطه للدلائل و إتقانه للحديث كما أقر بذلك أمثال ابن حبان، وورعه البالغ معروف عند الجميع رضى اللّٰه عنه وعن استاذته و أصحابه أجمعين.

ولزفر نحو سبع عشرة مسألة يفتى بها فى المذهب عند نقاد المذهب ألف فيها السيد أحمد الحموى شارح الأشباه والنظائر رسالة سماها (عقود الدرر فيما يفتى به فى المذهب من أقوال زفر) وشرحها الشيخ عبدالغنى النابلسى، ومحصها ابن عابدين، وانفرادات زفر فى المسائل مدونة فى منظومة النسفى فى الخلاف و شروحها ببسط.

وقد أشار أبو زيد الدبوسى فى تأسيس النظر فى فصل خاص إلى مخالفات زفر فى الأصول والفروع كما أشير إلى آرائه الخاصه فى الأصول فى كتب الأصول المبسوطة كشامل الاتقانى وبحر الزركشى وشروح أصول البزدوى خاصة، فان كان شأن المجتهد المطلق الانفراد بمسائل فى الأصول والفروع فها هو زفر له انفردات فى الناحيتين على أن الموافقة لإمام فى الرأى فى

www.idaraghufran.org

بعض مسائل الأصول أو الفروع عن علم بأدلتها لا تخل بالاجتهاد المطلق أصلا كما أوضحت ذلك في كثير من المواضع والله سبحانه اعلم (لمحاتُ النظر في سيرة الإمام زفر، ص ٢٠ و ٢١، زفر في طبقة المجتهد المطلق في التحقيق، مطبوعة: مطبعة الانوار، نهاية شارع، بيبرس بالحمزاوی بالقاهرة)

ترجمہ: بعد اس کے کہ یہ بات معلوم ہو چکی کہ امام زفر، امام ابو یوسف کے ساتھ اجتہاد میں مقابلہ میں برابر کی مسابقت والے گھوڑے کے مثل ہیں، تو اس شخص کے قول کی طرف التفات کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی، جس کا گمان یہ ہے کہ امام زفر کو **مجتهدين في المذهب** میں شمار کیا جائے، جیسا کہ ہم اس کی کئی جگہ وضاحت کر چکے ہیں، اور یہ بات صرف اُس شخص کے گمان میں پیدا ہوئی، جس نے امام زفر کو امام اعظم کے اقوال کو کثرت سے نشر کرتے ہوئے دیکھا، حالانکہ امام ابوحنیفہ کی بکثرت آراء کو نشر کرنے اور اُن کی آراء کی موافقت کی وجہ صرف حکم کی دلیل کی معرفت کا حاصل ہونا تھا، جیسا کہ امام زفر کے بارے میں معروف ہے، یہ طرزِ عمل امام ابوحنیفہ کی تقلید کی بناء پر نہیں تھا۔

ابنِ ابی العوام کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن احمد بن حماد نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن شجاع سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عاصم ضحاک بن مخلد سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام زفر کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے امام ابوحنیفہ کی جس قول میں مخالفت کی تو اس قول کو امام ابوحنیفہ کہا کرتے تھے، اور ابنِ ابی العوام نے ہی طحاوی سے، اور انہوں نے ابنِ ابی عمران سے روایت کیا ہے کہ میں نے سوار بن عبداللہ عنبری حفید سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے ابو عاصم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ امام زفر بن ہذیل نے فرمایا کہ میرے یہ تمام اقوال مجھ سے پہلے امام ابو حنیفہ کے اقوال ہیں، پھر امام ابوحنیفہ چند ایسی چیزوں پر واقف ہو گئے کہ میں اُن

پر واقف نہیں ہوا تھا، اس واقفیت کے بعد امام ابو حنیفہ نے اُن اقوال کی مخالفت کی ،اور میں اُن اقوال پر قائم رہا۔

احمد بن ابی عمران کہتے ہیں کہ میں نے اس بات کا انکار کیا، پھر میں محمد بن شجاع کے پاس آیا، اور میں نے یہ بات اُن سے ذکر کی، تو انہوں نے فرمایا کہ آپ یہیں ٹھہرے رہیں، پھر وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے، اور اُن کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی، پھر انہوں نے اس واقعہ کی اس کتاب سے قرائت کی، ابو عاصم کی سند سے، اسی طرح جس طرح میں نے سوار عنبری سے سنا تھا۔

اور ''الکردریة'' میں ہے کہ یحییٰ بن أکثم نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے امام زفر کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد مجھے اُن کی مخالفت کی جرائت نہیں ہوئی، کیونکہ جب میں اُن کی حیات میں اُن کی مخالفت کرتا تھا، اور میں دلیل کو ظاہر کیا کرتا تھا اور میں امام ابو حنیفہ کے پاس آتا تھا، تو آپ مجھے حق بات اُسی وقت ظاہر کر دیا کرتے تھے، اور مجھے اپنے قول کی طرف لوٹا دیا کرتے تھے، تو آپ کی وفات کے بعد میں کیونکر اُن کی مخالفت کروں گا؟ اور اگر وہ حیات ہوتے، اور میرے سامنے دلیل پیش کرتے، تو مجھے اپنے قول کی طرف لوٹا دیتے۔

اور امام زفر کا یہ طرزِ عمل امام ابو حنیفہ کی تقلید کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ جس چیز کی دلیل اُن کو معلوم نہیں تھی، اُس سے سکوت تھا، اور دلیل کی طرف اطمینان تھا، اور جو چیز اُن کو معلوم تھی، اُس کی دلیل کی فہمِ صحیح تھی، اور یہ بعینہٖ اجتہاد کہلاتا ہے، اور امام ابو حنیفہ خود ہی اپنے اصحاب کو تقلید سے منع فرمایا کرتے تھے، اور اُن کو یہ حکم فرماتے تھے کہ اُن کے پاس جو دلائل ہوں، وہ اُن کو ظاہر کریں، پھر دلائل میں اُن کے ساتھ مناقشہ کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے حصہ میں حق مستقر ہو جاتا

تھا، اور امام ابو حنیفہ کے اصحاب کا بھی دلائل کو پیش کرنے اور مسائل کی تحقیق کرنے میں مقامِ عظیم تھا، بلکہ امام ابو حنیفہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ میرے قول پر فتویٰ دے، جب تک یہ بات نہ جان لے کہ میں نے وہ قول کس دلیل کی بناء پر اختیار کیا ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود امام زفر کی امام ابو حنیفہ کے ساتھ اصولوں اور فروعوں میں مخالفات، لوگوں کی کتابوں میں مدون ہیں، پس امام زفر کا اپنے استاد کے سامنے ادب اختیار کرنا، اور اُن کی طرف نسبت کرنے کی محافظت کرنا، اور امام ابو حنیفہ کی اچھی طرح معرفت حاصل کرنا، اُن چیزوں سے تعلق نہیں رکھتا کہ امام زفر کے مقام کو اجتہادِ مطلق سے نیچے کر دیا جائے، یہ امام زفر کے مسائلِ قیاسیہ میں بلند ذہنی اور دلائل کی قوتِ ضبط اور حدیث کے اتقان کے خلاف ہے، جیسا کہ ابنِ حبان جیسی شخصیات نے اس کا اقرار کیا ہے، اور تمام علماء رحمهم اللّٰہ کے نزدیک امام زفر اور آپ کے استاذ اور تمام اصحاب کا انتہائی ورع و تقویٰ معروف ہے۔

اور امام زفر کے تقریباً سترہ مسئلوں میں حنفیہ کے مذہب میں نقادِ مذہب کے نزدیک فتویٰ دیا جاتا ہے، جن کے متعلق سید احمد حموی ''الاشباہ والنظائر'' کے شارح نے مستقل رسالہ تالیف کیا ہے، جس کا نام ''عقود الدرر فیما یفتیٰ به فی المذهب من أقوال زفر'' رکھا ہے، اور اس کی شیخ عبدالغنی نابلسی نے شرح کی ہے، اور ابنِ عابدین نے ان کو شمار کیا ہے، اور امام زفر کے انفرادی مسائل نسفی کی منظوم ''الخلاف'' اور اس کی شروح میں تفصیل کے ساتھ مدون ہیں۔

اور ابو زید دبوسی نے ''تأسیس النظر'' میں ایک خاص فصل کے ضمن میں امام زفر کے اصولی و فروعی مسائل میں مخالفات کی طرف اشارہ کیا ہے، جیسا کہ امام زفر کی

خاص اصول میں آراء کی طرف تفصیلی کتبِ اصول میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ ''شامل اتقانی ''اور''بحرِ زرکشی''اور''اصولِ بزدوی '' کی شروح میں خاص کر اشارہ کیا گیا ہے، پس اگر مجتہدِ مطلق کی شان اصولی اور فروعی مسائل میں انفراد (واستقلال) کو اختیار کرنا ہے، تو یہ بات امام زفر کو حاصل ہے کہ اُن کو دونوں جہات (یعنی اصولی وفروعی) سے انفراد (واستقلال) حاصل ہے، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ کی بعض مسائلِ اصول، یا فروع میں جو موافقت کی ہے، وہ دلائل کے علم کی وجہ سے ہے، جو اجتہادِ مطلق سے بالکل خالی (وجُدا) چیز نہیں، جیسا کہ میں نے بہت سے مواقع پر اس کی وضاحت کردی ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم (لمحاتُ النظر)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب، بشمول امام زفر کے، مجتہدینِ مطلق کے زمرہ میں داخل ہیں، جو اصول، یا فروع میں امام ابوحنیفہ کے مقلد نہیں۔

اور اصحابِ ابی حنیفہ کے اقوال کو امام ابوحنیفہ کی روایات قرار دینے پر کلام پہلے گزر چکا ہے، اور آگے بھی آتا ہے۔

استاذ عبدالستار حامد الدباغ (أستاذ الشريعة الإسلامية فی الجامعة الإسلامية بغداد و رئيسها) اپنی محققانہ تالیف ''الحسن بن زياد و فقهُهٗ بين معاصريه'' میں لکھتے ہیں:

والواقع أن الحسن بن زياد قد بلغ مرتبة المجتهد المنتسب كما أكدتهُ النتجية التی انتهينا إليها (الحسن بن زياد و فقههٗ بين معاصريه، الباب الثانی: الحسن بن زياد فقيهاً، الفصل الثانی: مكانة الحسن فی الاجتهاد والافتاء، المبحث الثانی: مكانته فی الافتاء، ص ۲۴۵، مطبوعة: دارالكتب العلمية بيروت، لبنان، سنة الطباعة: ۲۰۰۵م)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: واقعہ یہ ہے کہ حسن بن زیاد مجتہدِ منتسب کے درجہ کو پہنچ گئے تھے، جیسا کہ میں نے اس نتیجہ کو مؤکد کیا، جس کی طرف ہماری رسائی ہوئی (الحسن بن زیاد)

حسن بن زیاد کا شمار بھی امام ابوحنیفہ کے اصحاب وتلامذہ میں ہوتا ہے۔

مذکورہ عبارت سے حسن بن زیاد کا بھی مجتہدِ منتسب ہونا معلوم ہوگیا، اوراس طرح سے امام ابوحنیفہ کے مذہب کا امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر اور حسن بن زیاد کے مذاہب سے جدا ہونا، اوراس کے نتیجہ میں موجودہ شکل میں مذہبِ حنفی کا مجموعی طور پر پانچ مستقل مجتہدین کے مذاہب کا مجموعہ ہونا بھی معلوم ہوگیا، جس پر مذہبِ واحد کے اطلاق کی حیثیت ''مجاز'' سے زیادہ نہیں۔

عرب کے محقق سائد بن محمد یحیٰ بکداش نے اپنی تالیف ''تکوین المذهب الحنفی مع تاملات فی ضوابط المفتٰی بہٖ'' میں علامہ ابنِ عابدین شامی کی طرف سے اصحابِ ابی حنیفہ کے اقوال کی تاویل کی تردید کرتے ہوئے مدلل انداز میں واضح کیا ہے کہ صاحبین اور امام صاحب کے دیگر اصحاب کے اقوال، درحقیقت امام ابوحنیفہ کی روایات اور امام ابوحنیفہ کا مذہب نہیں ہیں، بلکہ وہ خود صاحبین اور دیگر اصحاب کا اپنا اپنا مذہب ہیں، اور صاحبین و اصحابِ ابی حنیفہ کے بہت سے قواعدِ اصول ہیں، جو ان کے ساتھ خاص ہیں، لہٰذا ان کو امام ابوحنیفہ کی مرویات قرار دینا، اوران حضرات کے اقوال پر فیصلہ کرنے کو امام ابوحنیفہ کی رائے کے موافق فیصلہ قرار دینا، راجح نہیں۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ:

وقفت لابن عابدين فى غير الحاشية على رأى آخر له غير الذى ذكره عنه الكوثرى، يصرح فيه ابن عابدين ان لاصحاب الامام ابى حنيفة قواعد خاصة بهم فى الاستنباط، فقد قال فى رسالته فى ''شرح منظومته: عقود رسم المفتى''

”وأما المسائل التى قال بها أبويوسف ونحوه من أصحاب الإمام فكثير منها مبنى على قواعد لهم خالفوا فيها قواعد الإمام، لأنهم لم يلتزموا قواعده كلها، كمايعرفه من له معرفة بكتب الاصول.

نعم قد يقال اذا كانت اقوالهم روايات عنه ، على مامر، تكون تلك القواعد له ايضاً، لابتناء تلك الاقوال عليها، اه كلام ابن عابدين“.

قلت: واثبات ابن عابدين اولاً ان كثيرا من اقوال ابى يوسف ونحوه من اصحاب ابى حنيفة مبنية على قواعد خاصة بهم، ثم تعقيبه بقوله: ”نعم، قد يقال....“، وبهذه الصيغة، يدل هٰذا علىٰ انه يرجح ان اقوالهم ليست روايات عن الامام كما قال البعض.

بل سمى ابنُ عابدين قولَ ابى يوسف، وقولَ محمد: مذهباً، فقال: ”واما اذا حكَمَ الحنفى بمذهب ابى يوسف، او محمدٍ، او نحوهما من اصحاب الامام: فليس حكماً بخلاف رأيه...“

قلت: ومن أراد معرفة هذه القواعد الأصولية الكثيرة الخاصة بالصاحبين، فهى منثورةٌ فى كتب الشروحِ المطوَّلة التى تذكُرُ وجهة نظر الإمام أبى حنيفة، ووجهة نظر الصاحبين عند ذكر الخلاف بين الإمام وأصحابه، وتبسط فى التدليل لكل قول منها من كل النواحى الحديثية والأصولية واللغوية وغيرها، مثل ”بدائع الصنائع“ للكاسانى، و”تبيين الحقائق“ للزيلعى، و”فتح القدير“ لابن الهمام، و ”البناية“ للعينى ، و”البحرالرائق“ لابن نجيم، ونحوها .

www.idaraghufran.org

وهناك رسالة علمية متخصصةٌ فى علم أصول الفقه نوقشت فى مرحلة الماجستر فى الجامعة الإسلامية ببغداد، خاصة بهذا الموضوع، بعنوان" الخلافات الأصولية بين أبى حنيفة وتلاميذه" كتبها : الأستاذ حكمت صبيح نورى القادرى (تكوين المذهب الحنفى مع تاملات فى ضوابط المفتىٰ به، ص ٢٥ و ٢٦، الفصل الاول ، المطلب الثانى مناقشة العلامة الكوثرى لجواب الامام النابلسى، النظر والتأمل فى كلام العلامة الكوثرى، مطبوعة: شركة دار البشائر الاسلامية، بيروت، لبنان، الطبعة الاولىٰ ١٤٣٦ ھجرى)

ترجمہ: ابنِ عابدین شامی کے اس حاشیہ کی جس عبارت کا علامہ کوثری نے ذکر کیا ہے (جس میں ابنِ کمال باشا کے اصحابِ ابی حنیفہ کے مجتہد فی المذہب ہونے کی رائے کو علامہ شامی نے پسند کیا ہے)

میں اس کے علاوہ ابنِ عابدین کی ایک اور عبارت پر مطلع ہوا، جس میں ابنِ عابدین نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کے مخصوص قواعدِ استنباط ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنے ''عقود رسم المفتی'' کے منظوم رسالہ کی شرح میں فرمایا کہ ''رہے وہ مسائل جو امام ابویوسف ، یا امام ابوحنیفہ کے دوسرے اصحاب (امام ابویوسف ، یا امام زفر وغیرہ) نے اختیار کیے ہیں، تو ان میں سے اکثر اُن حضرات کے اپنے قواعد پر مبنی ہیں، جن میں انہوں نے امام ابوحنیفہ کے قواعد کی مخالفت کی ہے، کیونکہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کے تمام قواعد کا التزام نہیں کیا، جیسا کہ کتبِ اصول کی معرفت رکھنے والے کو یہ بات معلوم ہے۔

البتہ بعض اوقات یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب امام ابوحنیفہ کے اصحاب کے اقوال، امام ابوحنیفہ کی روایات ہیں، جیسا کہ گزر چکا، تو یہ قواعد بھی امام ابوحنیفہ کے شمار ہوں گے، کیونکہ یہ اقوال ان ہی قواعد پر مبنی ہیں، ابنِ عابدین کا کلام ختم ہوا''

میں (یعنی سائد بکداش) کہتا ہوں کہ ابنِ عابدین کا پہلے امام ابو یوسف اور ان جیسے امام ابوحنیفہ کے اصحاب کے اکثر اقوال کو ان کے مخصوص قواعد پر مبنی قرار دینا، پھر اس کے بعد یہ کہنا کہ ''نعم قد يُقالُ'' اس صیغہ سے بظاہر اس بات کے راجح ہونے پر دلالت ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کے اقوال، امام صاحب کی روایات نہیں، جیسا کہ بعض نے فرمایا، بلکہ ابنِ عابدین نے (شرح عقود رسمُ المفتی ہی میں) امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کو مذہب کا نام دیا ہے، چنانچہ فرمایا کہ جب حنفی امام ابو یوسف کے مذہب، یا امام محمد کے مذہب، یا اسی طرح امام ابوحنیفہ کے دوسرے اصحاب میں سے کسی کے مذہب پر فیصلہ کردے، تو وہ امام ابوحنیفہ کی رائے کے خلاف فیصلہ کرنے والا نہیں کہلائے گا۔

میں (یعنی سائد بکداش) کہتا ہوں کہ جو شخص اُن کثیر قواعدِ اصول کی معرفت حاصل کرنا چاہے، جو صاحبین کے ساتھ خاص ہیں، تو وہ مطول شروحات کی کتب میں پھیلے ہوئے ہیں، جن میں امام ابوحنیفہ کے موقف کی وجوہات اور صاحبین کے موقف کی وجوہات کو ذکر کیا جاتا ہے، جب امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے مابین، اختلاف کا ذکر کیا جاتا ہے، اور اُن میں سے ہر قول کے لیے حدیث اور اصول اور لغت وغیرہ کی تمام جہات سے اُن اقوال کے ذیل میں دلائل کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ کاسانی کی ''بدائعُ الصنائع ''میں، اور زیلعی کی ''تبیینُ الحقائق ''میں، اور ابنِ ہمام کی ''فتحُ القدير ''میں، اور عینی کی ''البناية''میں، اور ابنِ نجیم کی'' البحرُ الرائق ''میں، اور ان جیسی دوسری کتابوں میں۔

اس کے علاوہ علمِ اصولِ فقہ میں ایک علمی تخصص پر مشتمل رسالہ بھی ہے، جس کا ماسٹر کے مرحلہ میں ''جامعہ اسلامیہ، بغداد'' میں مناقشہ کیا گیا، جو اس موضوع کے

ساتھ خاص ہے، اوراس کا عنوان ''الخلافات الأصولية بين أبي حنيفة وتلاميذه'' ہے، جس کو استاذ حکمت صبیح نوری قادری نے تحریر کیا ہے (تكوين المذهب الحنفي)

محقق سائد بکداش نے مذکورہ تالیف میں فرمایا کہ امام ابو یوسف ودیگر اصحابِ ابی حنیفہ کے جملہ اقوال کو امام ابوحنیفہ کی روایت، یا ان کا مذہب قرار دینے کی تاویل درست نہیں، اور یہ تاویل حقیقت اورامرِ واقعہ سے بعید ہے، اور جس تاویل کا حقیقت اورامرِ واقعہ سے تعلق نہ ہو، اس کا اعتبار نہیں ہوا کرتا۔

چنانچہ انہوں نے فرمایا:

وان فی نسبة اقوالهم التی استقروا علیها للامام، لاثبات هذه القضية ، تكلف ظاهر، وبُعد عن الحقيقة، فهی ليست اقوالا له مرجوعا عنها، انما هی من باب تطريق الاقوال والاحتمالات، لتدريب تلاميذه وتفقيههم ، حتی وان كانت اقوالا له سابقة، فالمرجوع عنه: لايكون مذهبا للراجع، كما هو معلوم ومشهور.

واما الوجه الذی ذكره العلامة الكوثری فی الجواب عن اصل المسألة، فهی يلتقی تماما مع العلامة النابلسی فی ان اقوال الاصحاب هی روايات عن الامام باعتبارات معينة .

ويجاب عن هذا: بانها فی الحقيقة ليست بروايات عنه ، وجعلها روايات: فيه بعد عن الواقع، وتكلف واضح.

بل كيف تقبل من ناحية الدراية الرواية القائلة: ان ابا يوسف ما قال قول خالف فيه الامام الا وهو قول قد قاله ابوحنيفة، ثم رغب عنه؟ وقد تقدم مايثبت غير هذا.

www.idaraghufran.org

وایضا فقد عاش ابویوسف اثنتین وثلاثین سنة بعد حیاة الامام ابی حنیفة، وھی سنی تمام نضجه العلمی؟ ومعلوم کم ھو قدر السنة فی حیاة امام مجتھد فذ من الائمة، وکم تمثل فی تغییر آرائه الفقھیة وصقلھا وتحریرھا.

وھکذا ایضاً عاش الامام محمد بن الحسن تسعا وثلاثین سنة بعد حیاة الامام ابی حنیفة، وکانت له احوال علمیة متقدمة ومتبدلة

(تکوین المذھب الحنفی مع تاملات فی ضوابط المفتیٰ به، ص ۳۲ و۳۳، الفصل الاول، المطلب الثانی مناقشة العلامة الکوثری لجواب الامام النابلسی،، النظر والتأمل فی کلام العلامة الکوثری، مطبوعة: شرکة دار البشائر الاسلامیة، بیروت لبنان، الطبعة الاولیٰ ۱۴۳۶ ھجری)

ترجمہ: اور اس قضیہ کو (یعنی امام صاحب کے اصحاب کے اقوال کو مذہبِ حنفی) ثابت کرنے کے لیے امام ابوحنیفہ کے اصحاب کے ان اقوال کی امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت کرنا، جن پر امام ابوحنیفہ کے اصحاب کی رائے قائم ہوئی، یہ بظاہر تکلف اور حقیقت سے بعید ہے، کیونکہ ان حضرات کے اقوال، درحقیقت امام ابوحنیفہ کے مرجوع عنہا اقوال نہیں ہیں، بلکہ اقوال اور احتمالات کے مختلف راستوں کے باب سے متعلق ہیں، جو اپنے تلامذہ کی تمرین اور ان کو تفقہ کی تعلیم دینے کے لیے ہوتے ہیں۔

پھر اگر وہ امام ابوحنیفہ کے سابق اقوال قرار دیئے جائیں، تو مرجوع عنہ، دراصل راجع کے لیے مذہب شمار نہیں ہوتا، جیسا کہ یہ بات معلوم اور مشہور ہے۔

اور جس وجہ کا علامہ کوثری نے اس مسئلہ کے جواب میں ذکر کیا ہے، وہ تو بعینہٖ نتیجہ کے اعتبار سے وہی بات ہے، جو علامہ نابلسی نے کہی ہے کہ امام صاحب کے اصحاب کے اقوال امام صاحب کی روایات ہیں (جس کی دراصل اپنے مضمون

www.idaraghufran.org

میں علامہ کوثری خود ہی تردید کرنا چاہتے ہیں)

پس اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اصحابِ ابی حنیفہ کے اقوال درحقیقت امام صاحب کی روایات نہیں ہیں، اور ان کو امام صاحب کی روایات قرار دینا، واقعہ سے بعید اور واضح تکلف ہے۔

اور درایت کی رو سے بھی یہ روایت کیسے قبول کی جاسکتی ہے کہ امام ابو یوسف نے جو قول بھی امام ابو حنیفہ کے برخلاف اختیار کیا، تو وہ امام ابو حنیفہ کا قول تھا، جس سے امام ابو حنیفہ نے رجوع فرمالیا تھا، جبکہ اس کے برعکس جو کچھ ثابت ہے، اس کا ذکر گزر چکا ہے (وہ یہ کہ امام ابو یوسف ودیگر اصحابِ ابی حنیفہ، اصول وفروع میں ''مجتہد مطلق'' ہیں، اور ان کے مسائل میں اپنے دلائل اور رجحانات ہیں، اور ان کے اصول وقواعد تک میں اختلاف ہے، تو کیا امام ابو حنیفہ کی فقہ کے اپنے مخصوص اصول وقواعد نہیں، اور کیا مختلف ومتضاد اصول وقواعد کو ایک مجتہد کی طرف منسوب کرنا درست ہے؟)

علاوہ ازیں امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ کے بعد بتیس (32) سال حیات رہے، اور یہ پختہ علم کی مکمل عمر کا ایک بڑا حصہ ہوتا ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ یہ ائمہ میں سے کسی بھی مجتہد امام کی زندگی کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے، جس میں کتنی فقہی آراء میں تغیر پیدا ہوجاتا ہے، اور کتنی آراء میں مضبوطی اور پختگی قائم ہوجاتی ہے۔

اور اسی طریقہ سے امام محمد بن حسن، امام ابو حنیفہ کے بعد انتالیس (39) سال حیات رہے، جس میں ان کے کتنے متقدم اور متبدل علمی احوال تھے (تکوین المذہب الحنفی)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے اپنی تالیف ''تقلید کی شرعی حیثیت'' میں واضح طور پر اصحابِ ابی حنیفہ کو ''مجتہد فی المذہب'' قرار دیا ہے۔

چنانچہ فرمایا:

’’ایسے حضرات اپنے مجتہد سے بہت سے فروعی احکام میں اختلاف رکھتے ہیں، مثلاً فقہ حنفی میں امام ابو یوسف، اور امام محمد (تقلید کی شرعی حیثیت، ص ۱۰۸، تقلید کے مختلف درجات، بعنوان ’’تیسرا درجہ مجتہد فی المذہب کی تقلید‘‘ مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء)

تاہم جیسا کہ گزرا کہ یہ موقف محققین کے نزدیک نہایت کمزور ہے۔

البتہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ’’اصول الافتاء وآدابہ‘‘ میں ’’اصحابِ ابی حنیفہ‘‘ کا مجتہدِ مطلق ہونا تسلیم فرمایا ہے۔

چنانچہ انہوں نے ’’اصولُ الافتاء‘‘ میں فرمایا:

ومن ھنا یظھر وجاھۃ ماقالہ العلامۃ المرجانی والشیخ اللکنوی رحمھما اللہ تعالیٰ من انہ لایصح کون الامام ابی یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ من المجتھدین فی المذھب، وانما کل واحد منھما مجتھد مطلق منتسب الیٰ ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ، والظاھر ان الامام زفر کذلک (اصول الافتاء وآدابہ، ص ۱۰۰، طبقات الفقھاء الحنفیۃ، الملاحظۃ الاولیٰ فی تقسیم ابن کمال باشا، الناشر: مکتبۃ معارف القرآن کراتشی، باکستان، الطبعۃ: شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ، جولائی ۲۰۱۱م)

ترجمہ: اور یہاں سے علامہ مرجانی اور شیخ لکھنوی رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کی مضبوطی ظاہر ہوتی ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مجتہدین فی المذہب ہونا صحیح نہیں، بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک مجتہدِ مطلق، منتسب الیٰ ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہے، اور ظاہر بات یہ ہے کہ امام زفر کا بھی یہی مقام ہے (اصولُ الافتاء)

شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اسی بحث کے ضمن میں ’’مجتہدِ منتسب‘‘ کے مصداق کے بارے میں علامہ لکھنوی کا قول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اختلفوا فی مصداقه علی ثلاثة اقوال:

احدها :ماذکره الشیخ اللکنوی رحمه الله تعالیٰ من ان المجتهد المنتسب مجتهد مطلق فی الحقیقة ولایقلد احدا لافی الفروع ولا فی الاصول ولکنه ینسب نفسه الی استاذه اجلالا وتعظیما

(اصول الافتاء وآدابه، ص ۹۶، طبقات الفقهاء الحنفیة، الملاحظة الاولیٰ فی تقسیم ابن کمال باشا، الناشر: مکتبة معارف القرآن کراتشی، باکستان، الطبعة: شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ، جولائی ۲۰۱۱م)

ترجمہ: ''مجتہدِ منتسب'' کے مصداق کے بارے میں تین مختلف اقوال ہیں:

جن میں سے ایک قول وہ ہے، جس کو شیخ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ''مجتہدِ منتسب'' درحقیقت ''مجتہدِ مطلق'' ہوتا ہے، جو کسی کی نہ فروع میں تقلید کرتا، اور نہ اصول میں، البتہ وہ اپنے آپ کو اپنے استاد کی طرف اکرام وتعظیم کی خاطر منسوب کرتا ہے (اصول الافتاء)

پیچھے شیخ موصوف کا رجحان، علامہ مرجانی اور علامہ لکھنوی کے موقف کی طرف گزر چکا ہے۔

پھر اس کے بعد حضرت شیخ موصوف مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ''مجتہدِ منتسب'' کے مصداق کے متعلق دوسرا قول امام نووی سے ابنِ صلاح کا ذکر کیا ہے کہ ''مجتہدِ منتسب'' ہونا، تو ''مجتہدِ مطلق'' ہی ہے، البتہ وہ مستقل مجتہد کی طرف اس لئے منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ اجتہاد کے طریقہ میں اس ''مجتہدِ مستقل'' کے طریقہ کو اختیار کرتا ہے۔

لیکن غور کرنے سے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ دونوں اقوال میں درحقیقت کوئی زیادہ بڑا فرق نہیں، جب انسان کسی اُستاذ، یا شیخ سے استفادہ کرتا ہے، تو وہ فطری طور پر اُس کے طریقہ کو پسند بھی کرتا ہے، اور اس کے طریقہ کو نقل بھی کرتا ہے، لیکن اگر وہ مجتہد ہو، تو اپنے اجتہادی اُمور میں وہ دوسرے کا مقلد نہیں ہوتا، البتہ جس طرح مجتہدِ مستقل کا اجتہاد بعض

مسائل میں دوسرے مجتہدِ مستقل کے موافق ہوجایا کرتا ہے، اسی طرح مجتہدِ مطلق منتسب کا اجتہاد بھی بعض مسائل میں اپنے اُستاذ، یا شیخ وغیرہ کے موافق ہوجایا کرتا ہے، جس کو وہ بسا اوقات اپنے قول کے ساتھ نقل کردیتا ہے، جس سے بادی النظر میں دوسرا اس کو مقلد سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتا ہے، اسی طرح جہاں اس مجتہدِ مطلق منتسب کو اجتہاد میں کوئی عارض پیش آئے، یا اس کو کسی مسئلہ میں اجتہاد کا وقت نہ ہو، تو وہ اس موقع پر اپنے استاذ، یا شیخ کے اجتہاد اور اس کے اقوال سے واقفیت ہونے کی وجہ سے اس کی موافقت کرتا ہے، چنانچہ بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ اور دیگر ''مجتہدینِ مستقلین'' کی اپنے معاصر اور اپنے اکابر کی موافقت ثابت ہے، اور یہ موافقت، ان کو مجتہدِ مطلق کے درجہ سے نیچے نہیں کرتی، ورنہ تو تمام مسلّمہ ''مجتہدینِ مستقلین'' کو بھی ''مجتہدینِ مستقلین'' کے درجہ سے نزول کرنا لازم آئے گا، جیسا کہ پیچھے گزرا۔

پھر اس کے بعد شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی طرف سے ''مجتہدِ منتسب'' کے مصداق کے متعلق تیسرا قول عبدالوہاب شعرانی کا یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جو اپنے امام کے مقرر کردہ قواعد سے خروج نہیں کرتا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تو دراصل وہی قول ہے، جس کی علامہ شامی نے ابنِ کمال باشا کی اتباع میں پیروی کی ہے، اور جس کی طرف خود شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا بھی رجحان نہیں، اور اسی قول کی تردید کے لیے محققین نے کلام کیا ہے، جن میں علامہ مرجانی، اور علامہ لکھنوی وغیرہ بھی شامل ہیں، جنہوں نے اصول اور فروع کسی بھی جہت سے اصحابِ ابی حنیفہ کو امام ابوحنیفہ کا مقلد قرار نہیں دیا۔

اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بھی اس قول کی طرف یہ فرما کر اپنا رجحان ظاہر کیا ہے کہ:

''ومن ھنا یظھر وجاھة ماقاله العلامة المرجانی والشیخ اللکنوی رحمھما اللہ تعالیٰ من انه لایصح کون الامام ابی یوسف ومحمد

رحمهما الله تعالیٰ من المجتهدين في المذهب، وانما كل واحد منهما مجتهد مطلق منتسب الیٰ ابی حنيفة رحمه الله تعالیٰ، والظاهر ان الامام زفر كذلک"(اصول الافتاء وآدابه، ص ۱۰۰)

یہ عبارت پہلے گزر چکی ہے۔

ممکن ہے کہ جن حضرات نے اصحابِ ابی حنیفہ وغیرہ کو اصول میں امام ابوحنیفہ کا مقلد قرار دیا، انہیں مجتہدِ منتسب کی دوسری اقسام سے غلط فہمی ہوئی ہو، جو "**مجتهدين في المذهب**" کے قبیل سے تعلق رکھتی ہیں، یعنی انہوں نے دوسری اقسام کی تعریف کو پہلی قسم پر منطبق کر لیا ہو، یا پھر "مستقل" کے مقابلہ میں "منتسب" کے لفظ سے ان کو غلط فہمی پیدا ہوگئی ہو، کیونکہ اصحابِ ابی حنیفہ کو محققین نے "امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل" جیسے "مجتہدین مستقلین" سے جدا کر کے بیان کیا ہے، اور جن حضرات نے مذکورہ بالا ائمہ کے ساتھ ذکر کیا، انہوں نے مستقل وغیر مستقل کی تقسیم سے قطع نظر کرتے ہوئے "بحیثیتِ مطلق" کے ذکر کر دیا۔

اور پیچھے تفصیلاً ذکر کیا جا چکا کہ محققین کے نزدیک "مجتہد منتسب" کے کچھ درجات ہیں، جن میں سے پہلا درجہ "مجتہدِ مطلق" کا ہے، اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب اس درجہ میں داخل ہیں، اور اس کے بعد دیگر درجات مجتہدِ مقیّد، یا مجتہد فی المذہب کے ہیں۔

بہر حال گزشتہ متعدد عبارات سے یہ ظاہر ہو چکا کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب "مجتہدِ مطلق" ہیں، جو اصول وفروع میں امام ابوحنیفہ، یا کسی دوسرے مجتہد کے مقلد نہیں، اور اگر ان کو "مجتہدِ منتسب" قرار دیا جائے، تو اسی حیثیت سے قرار دینا راجح ہے، جس حیثیت سے محققین نے قرار دیا ہے، جس کی رو سے وہ "مجتہدِ مطلق" کے درجے میں داخل ہیں، جیسا کہ گزرا۔

علامہ ابنِ عابدین شامی نے آگے "**شرح عقود رسم المفتی**" وغیرہ میں امام ابوحنیفہ کے اصحاب کے تمام اقوال کو امام ابوحنیفہ کی روایات قرار دیا ہے، اور اسی بنیاد پر اصحابِ ابی

حنیفہ کے اقوال کو اختیار کرنے کی صورت میں امام ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل پیرا ہونے والا قرار دیا ہے۔

جس کی علامہ شیخ زاہد الکوثری نے توضیح کی ہے، اس توضیح کو نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ''اصولُ الافتاء و آدابُه'' میں فرماتے ہیں:

والحاصل ان اصحاب الامام ابی حنیفة رحمهم الله تعالٰی ، انما اختاروا فی کل مسئلة من احد الاحتمالات التی اثارها الامام ابو حنیفة رحمه الله تعالٰی ، ثم ما استقر علیه رأی الامام صارا مذهبا له ، وما استقر علیه رأی احدی اصحابه نسب الیه (اصول الافتاء وآدابه، ص ۱۷۲، تلخیص قواعد رسم المفتی علی مذهب الحنفیة ،الاصل الثالث، الناشر: مکتبة معارف القرآن کراتشی، باکستان، الطبعة: شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ، جولائی ۲۰۱۱م)

ترجمہ: خلاصہ اس کا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ نے ہر مسئلہ میں ان احتمالات میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہے، جس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، پھر جس قول پر امام ابوحنیفہ کی رائے قائم ہوگئی، وہ ان کا مذہب کہلایا، اور جس قول پر امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے کسی کی رائے قائم ہوگئی، وہ ان کی طرف منسوب کہلایا (اصول الافتاء)

تاہم غور کرنے سے موصوف کی یہ رائے راجح وقوی معلوم نہ ہوسکی کہ اصحابِ ابی حنیفہ کے ہر مسئلہ میں اقوال کو فرداً فرداً امام ابوحنیفہ کے بیان فرمودہ احتمالات، یا روایات قرار دیا جائے۔

اور یہ دراصل علامہ ابنِ شامی کے اسی موقف کا حاصل ہے، جس کی تردید کی جارہی ہے، اور اس کی مفصل تردید وتحقیق ''سائد بکداش'' نے اپنے مذکورہ بالا رسالہ میں بیان کردی ہے، جس کے ضمن میں انہوں نے فرمایا:

ويناقش جواب ابن عابدين بما يلى:

أولا: قوله: إن أقوال الأصحاب هى رواية عن الإمام:

قد تقدم الجواب عنه فى مناقشة كلام العلامة الكوثرى رحمه الله.

ثانياً: قوله: إنهم بنو آراء هم على قواعده التى أسسا لهم:

أيضا قد تقدم الجواب عنه، وأن لهم أصولا وقواعد فى الإستنباط خاصة بهم.

ثالثاً:ان جعل ابن عابدين ماخرجه علماء المذهب على قاعدة: اذا صح الحديث فهو مذهبى: يكون من المذهب ومن قول الامام:

يجاب عنه بما قاله العلامة الكبير الفقيه المدقق الشيخ احمد رضا خان (ت ١٣٤٠) فى رسالته ”اجلى الاعلام ان الفتوىٰ مطلقا على قول الامام“:

”كلام غير معقول، ولا مقبول، الا ترى ان تحديد الرضاع بثلاثين شهرا، وهو قول الامام ابى حنيفة ، دليله ضعيف بل ساقط عند اكثر المرجحين، ولا يجوز لاحد ان يقول: الاقتصار على عامين، وهو قول الصاحبين ومالک والشافعى واحمد، هو مذهب الامام“ اهـ .

وهكذا، لو دققنا النظر اكثر فيما قاله ابن عابدين لرأيناه كلام عجيب وبعيد من عدة وجوه، وبيان ذلک فيما يلى:

١ ـــ : هل اقوال الاصحاب الكثيرة البالغة الثلث او الثلثين المخالفة لقول الامام بنوها كلها على هذه القاعدة؟

Idara Ghufran

والجواب : لا.

٢ ـ : ثم هل لهذه القاعدة واقع عملی فی مسائل المذهب؟

والجواب: لا، وان وجد مثل هذه المسائل المخرجه على هذه القاعدة، فهی نادرة، والنادرلاحكم له.

٣ـ : وأيضا لو فكرنا فی هذه القاعدة ومعناها، لوجدنا أن صحة الحديث لا تكفی للعمل به، وليست هی الأول والآخر فی الاستدلال عندالمجتهد، بل لا بد للمجتهد من استقراء الأدلة، لسلامة التعارض.

فقد يصح الحديث ولا يأخذ به المجتهد لسبب من الأسباب، إما لناسخ، أو مقيد، أو مخصص، أو أنه مضٰى العمل على خلافه، أو يكون له تأويل، أو معارض، أو غير هذا من الأسباب التی بسطها علماء اصول الفقه فی كتبهم.

وقد يصح الحديث ولكن تختلف فيه وجوه الاستدلال، وطرق الاستنباط، كما لو كان صحيحا غيرمتواتر فلا يخص به قطعی الكتاب على قاعدة الحنفية، وهكذا.....

بل إن آيات القرآن الكريم ثابتة قطعيا، ومع هذا فهناك اختلاف كبير فی دلالتها، وفی الأحكام المستنبطة منها والآية المستدل بها هی نفسها.

وهكذا فليس المقام هنا لبيان وجوه العمل بالحديث.

وعليه: يكون المراد بالصحة فی قاعدة: إذا صح الحديث فهو مذهبی: هی صحة العمل من الناحية الفقهية التی هی من خصائص

www.idaraghufran.org

المجتهد، لا الصحة الاصطلاحية التی يريدها المحدثون.

۴ـ : وأيضا: فإن مسألة تضعيف الحديث وتصحيحه: مسألة اجتهادية عريضة، مختلف فيها كثيراً ، فقد يصححه هذا الإمام لوجه ما، ويضعفه آخر لوجه آخر، وكلها وجوه معتبرة (تكوين المذهب الحنفی مع تاملات فی ضوابط المفتیٰ به، ص ۴۱ الیٰ ۴۴ ،الفصل الأول عرض أقوال علماء الحنفية فی هذه المسألة وما ذكر حولها من مناقشات، المطلب الرابع، جواب الامام ابن عابدين عن المسألة، النظر والتأمل فی كلام ابن عابدين، مطبوعة: شركة دار البشائر الاسلامية، بيروت لبنان، الطبعة الاولیٰ ۱۴۳۶ هجری)

ترجمہ: اور ابنِ عابدین کے جواب کا مناقشہ درجِ ذیل طریقے پر کیا جائے گا:

پہلے تو ابنِ عابدین کا یہ کہنا کہ ''اصحاب کے اقوال، امام ابوحنیفہ کی روایت ہیں'' اس کا جواب، علامہ کوثری رحمہ اللہ کے کلام کے مناقشہ میں گزر چکا ہے۔

دوسرے ابنِ عابدین کا یہ کہنا کہ ''امام ابوحنیفہ کے اصحاب نے اپنی آراء کو اُن قواعد پر مبنی کیا ہے، جن کو ان کے لیے امام ابوحنیفہ نے مقرر کیا ہے''

اس کا جواب بھی پہلے گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کے استنباط کے اپنے اصول وقواعد ہیں، جو اُن کے ساتھ مختص ہیں۔

تیسرے ابنِ عابدین کا علمائے مذہب کی طرف سے تخریج کردہ اس قاعدہ پر ''جب حدیث صحیح ہو، تو وہ میرا مذہب ہے'' مبنی مسائل کو امام کا مذہب اور امام کا قول قرار دینا۔

اس کا جواب وہ ہے، جو علامہ، کبیر، فقیہ، مدقق، شیخ احمد رضا خان نے اپنے رسالہ ''**أجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام**'' میں بیان کیا ہے کہ ''یہ کلام غیر معقول اور غیر مقبول ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رضاعت کی تیس

مہینوں (یعنی ڈھائی سال) سے تحدید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے، جس کی دلیل ضعیف ہے، بلکہ اکثر اصحابِ ترجیح کے نزدیک ساقط ہے، اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ دو سالوں (یعنی چوبیس مہینوں) کی تحدید صاحبین اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد کا قول بھی ہے اور امام ابوحنیفہ کا مذہب بھی ہے۔انتھٰی۔

اور اسی طریقہ سے اگر ہم باریک بینی سے ابنِ عابدین کے قول میں غور کریں، تو ہم اس کو عجیب کلام اور مندرجہ ذیل چند جہات سے بعید خیال کرتے ہیں۔

1:...... چنانچہ کیا امام ابوحنیفہ کے اصحاب کے وہ کثیر اقوال جو ایک تہائی، یا دو تہائی تک امام ابوحنیفہ کی مخالفت میں پہنچے ہوئے ہیں، ان تمام مسائل کی ان اصحاب نے اسی (مذکورہ) قاعدہ پر بنیاد رکھی ہے؟

اس کا جواب نفی میں ہے۔

2:...... پھر کیا اس قاعدہ کا مذہب کے مسائل میں عملاً وجود پایا جاتا ہے؟

اس کا جواب بھی نفی میں ہے، اور اگر ان مسائل میں سے کچھ اس قاعدہ پر مخرَّج ہوں، تو وہ نادر ہیں، اور نادر کو کوئی حکم حاصل نہیں ہوتا۔

3:...... نیز اگر ہم اس قاعدہ اور اس کے معنیٰ میں غور وفکر کریں، تو ہم یہ بات پائیں گے کہ کسی حدیث پر عمل کرنے کے لیے اس کا محض صحیح ہونا کافی نہیں، اور مجتہد کے نزدیک استدلال کرنے میں محض حدیث کی صحت، استدلال کی ابتداء وانتہاء نہیں، بلکہ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ دلائل کا احاطہ کرے، تاکہ تعارض سے حفاظت ہوجائے۔

بعض اوقات حدیث صحیح ہوتی ہے، لیکن مجتہد اس کو مختلف اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے نہیں لیتا، یا تو ناسخ ہونے کی وجہ سے، یا مقید ہونے کی وجہ سے، یا

مخصص ہونے کی وجہ سے، یا اس وجہ سے کہ عمل اس کے خلاف پر جاری ہو چکا ہے، یا اس کی کوئی تاویل ہوتی ہے، یا اس کا کوئی معارض ہوتا ہے، یا اس کے علاوہ اُن اسباب میں سے کوئی سبب ہوتا ہے، جس کی علمائے اصولِ فقہ نے اپنی کتابوں میں تفصیل بیان کی ہے۔

اور بعض اوقات حدیث صحیح ہوتی ہے، لیکن اس میں استدلال کی وجوہات اور استنباط کے طریقے مختلف ہوتے ہیں، جیسا کہ اگر کوئی حدیث صحیح غیر متواتر ہو، تو حنفیہ کے قاعدہ کے مطابق اس کی وجہ سے کتاب کی قطعیت کو خاص نہیں کیا جاتا، اور اسی طرح سے حنفیہ کے اور بھی قواعد ہیں۔....

بلکہ قرآن کریم کی آیات، باوجودیکہ قطعی طور پر ثابت ہیں، لیکن ان کی دلالت میں، اور ان سے استنباط کیے جانے والے احکام میں بڑا اختلاف واقع ہوا ہے، حالانکہ جس آیت سے استدلال کیا جا رہا ہے، وہ ایک ہی آیت ہے۔

اور بہرحال یہ مقام **عمل بالحدیث** کی وجوہ کو بیان کرنے کا نہیں ہے۔

پس اس بناء پر" **إذا صح الحديث فهو مذهبي** " کے قاعدہ میں صحت سے مراد، اس عمل کی صحت ہے، جو فقہی جہت سے ہو، جو مجتہد کی خصوصیات میں سے ہے، نہ کہ وہ اصطلاحی صحت، جس کو محدثین مراد لیا کرتے ہیں۔

4:...... نیز حدیث کو ضعیف اور اس کو صحیح قرار دینا، ایک وسیع اجتہادی مسئلہ ہے، جس میں بکثرت اختلاف واقع ہوتا ہے، بعض اوقات یہ امام کسی وجہ سے حدیث کو صحیح قرار دے دیتا ہے، اور دوسرا امام کسی دوسری وجہ سے ضعیف قرار دے دیتا ہے، اور تمام وجوہات (**فی نفسها**) معتبر ہوا کرتی ہیں (تکوین المذہب الحنفی)

مطلب یہ ہے کہ علامہ ابنِ عابدین شامی اور ان کی اتباع میں بعض علماء کا امام ابوحنیفہ کے اصحاب کے اقوال کو امام ابوحنیفہ کی روایت، یا مسلک اور مذہب قرار دینے کے لیے مذکورہ

تاویلات کرنا راجح نہیں۔

پھر اگر اس بات کو درست مان لیا جائے کہ اگر حدیث صحیح ہو، یا دلائل سے امام صاحب کے قول کا مرجوح ہونا، مجتہد کے نزدیک ثابت ہوجائے، تو اس میں امام ابوحنیفہ کے اصحاب وتلامذہ کی کیا خصوصیت رہے گی، جو حضرات مسلّمہ مجتہد ہیں، بلکہ ''مجتہدِ مستقل'' ہیں، جیسا کہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ان کے اس طرح کے اقوال ومذاہب کو بھی، جو صحیح احادیث اور قوی ترین دلائل پر مشتمل ہیں، امام ابوحنیفہ کا مذہب قرار دینا لازم آئے گا، اصحابِ ابی حنیفہ کو مجتہد مطلق ماننے کا تقاضا یہی ہے، اور اس طرح سب مذاہب کو ایک مذہب قرار دینا لازم آئے گا، اس حیثیت سے مذکورہ بالا جواب کا مزید تکلف پر مبنی، اور حقیقت سے بعید تر ہونا واضح ہوجائے گا۔

اس طرح کے لوازمات سے بچنے کا تقاضا یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اقوال کو ان کا اپنا مذہب اور اصحابِ ابی حنیفہ کے اقوال کو ان کا اپنا اپنا مذہب قرار دیا جائے، اور مروّجہ فقہ حنفی کو ان ائمۂ مجتہدین کے مذاہب کا مجموعہ قرار دیا جائے، اور عامی کو ایک سے زیادہ مجتہدین کی تقلید ممنوع نہیں، اور اصحابِ ترجیح واجتہاد کو مختلف مذاہب میں ترجیح بھی ممنوع نہیں۔

اور نہ تو امام صاحب کے قول کو ان کے اصحاب، کے خلاف حجت قرار دیا جائے، اور نہ ہی اصحابِ حنفیہ کے قول کو امام صاحب کے خلاف حجت قرار دیا جائے، کیونکہ ایک مجتہد کا قول دوسرے مجتہد پر حجت نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ''اصول الافتاء وآدابه'' میں ''طبقاتِ فقہاء'' سے متعلق ، علامہ ابنِ عابدین شامی کی طرف سے ابنِ کمال باشا کی بیان کردہ تقسیم وتفریع کو ''طبقات الفقهاء الحنفية'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

اور اس پر ملاحظات ومواخذات کو بھی نقل فرمایا ہے۔

اور پھر اس کے بعد حضرت شیخ نے الگ سے ''طبقات الفقهاء الشافعية'' کا عنوان قائم

www.idaraghufran.org

کیا ہے، جس کے ضمن میں ابنِ صلاح کے حوالہ سے فقہاء کے پانچ طبقات کا ذکر فرمایا ہے، اوراس بحث کے آخر میں حضرت شیخ موصوف نے فرمایا:

وهـذه الـطبـقات التى ذكرها ابن كمال باشا من الحنفية والحافظ ابـن الـصـلاح رحـمهـماالله تعالىٰ من الشافعية توجد فى المالكية والـحـنـابـلة وان لم اجد منهم التصريح بهذه الاسماء (اصول الافتاء وآدابــه، ص ۲ ۱ ۱ ، طبـقـات الـفـقـهـاء، طبـقـات الـفـقـهـاء الشـافعية، مكتبة: معارف القرآن، كراتشى، باكستان، الطبعة: شعبان ۱۴۳۲ ھـ، ۲۰۱۱ م)

ترجمہ: اور یہ طبقات جن کا حنفیہ میں سے ابنِ کمال باشا نے اور شافعیہ میں سے حافظ ابنِ صلاح رحمہما اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، مالکیہ اور حنابلہ میں بھی یہ طبقات پائے جاتے ہیں، اگرچہ میں نے ان کی طرف سے، ان ناموں کے ساتھ تصریح نہیں دیکھی (اصول الافتاء)

''**اصـول الافتـاء وآدابه**'' میں پہلے ''**طبـقـات الـفـقهاء الحنفية**'' کا جو عنوان قائم کر کے ابنِ کمال باشا کی تقسیم کو ذکر کیا گیا، اور پھر اس کے بعد الگ سے ''**طبـقـات الفقهاء الشافعية**'' کا عنوان قائم کیا گیا، جس کے ضمن میں ابنِ صلاح کے حوالہ سے فقہاء کے پانچ طبقات کا ذکر کیا گیا، اوراس کے بعد مذکورہ بالا عبارت میں مجمل انداز میں جو بات ذکر کی گئی، اس سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ حنفیہ اور غیر حنفیہ کے مابین ''طبقاتِ فقہاء'' کی تقسیم میں اختلاف ہے، ابنِ کمال باشا کی بیان کردہ تقسیم ''حنفیہ'' کی ہے، اور ابنِ صلاح اور امام نووی کی بیان کردہ تقسیم ''غیر حنفیہ'' کی ہے۔

حالانکہ یہ حقیقت سے بعید بات ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے حوالہ سے پیچھے جو عبارت نقل کی گئی، اس میں یہ الفاظ صاف طور پر موجود ہیں:

”وقد صرح الرافعي والنووي وغيرهما ممن لا يحصى كثرة .
أن المجتهد المطلق الذي مر تفسيره على قسمين :
مستقل ومنتسب“

ترجمہ: رافعی اور نووی وغیرہما اور دوسرے بکثرت حضرات نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ ”مجتہدِ مطلق“ جس کی تفسیر ذکر کی گئی، اس کی دو قسمیں ہیں۔
ایک ”مجتہدِ مستقل“ دوسرے ”مجتہدِ منتسب“

اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ امام نووی نے اس تقسیم کو ابنِ صلاح سے نقل کیا ہے۔
اور اس تقسیم کو علامہ لکھنوی نے بھی ذکر فرمایا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب، اور علامہ لکھنوی وغیرہ نے جو تقسیم ذکر کی ہے، وہ حنفیہ وغیر حنفیہ سب کے نزدیک ہے، اور اس کو شافعیہ کی سمجھنا راجح نہیں۔
جہاں تک ابنِ کمال باشا کی تقسیم کا تعلق ہے، تو اس سے خود حنفیہ کو بھی اختلاف ہے۔
اور جہاں تک ابنِ صلاح کا تعلق ہے، تو وہ صاف طور پر فرماتے ہیں:

”ومنذ دهر طويل طوى بساط المفتي المستقل المطلق، والمجتهد المستقل، وأفضى أمر الفتوى إلى الفقهاء المنتسبين إلى أئمة المذاهب المتبوعة.

وللمفتي المنتسب أحوال أربع:

الأولى: أن لا يكون مقلدًا "لإمامه"، لا في المذهب ولا في دليله لكونه قد جمع الأوصاف والعلوم المشترطة في المستقل، وإنما ينتسب إليه لكونه سلك طريقه في الاجتهاد، ودعا إلى سبيله

(أدب المفتي والمستفتي، ص ۹۱، القول في شروط المفتي وصفاته وأحكامه وآدابه، شروطه وصفاته)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: طویل زمانے سے ''مفتی مستقل مطلق، اور'' مجتہدِ مستقل'' کی بساط لپیٹی جا چکی ہے، اور فتوے کا معاملہ ''ائمہ مذاہبِ متبوعہ کی طرف منتسب فقہاء کی جانب جا پہنچا ہے۔

اور مفتی منتسب کے چار احوال ہیں:

پہلی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے امام کا مقلد نہ ہو، نہ تو مذہب میں، اور نہ اس کی دلیل میں، کیونکہ اس نے اُن اوصاف اور علوم کو جمع کرلیا ہے، جو مفتی مجتہد میں شرط ہیں، اور یہ اُس امام کی طرف صرف اس وجہ سے منسوب ہوتا ہے کہ وہ اجتہاد میں اس کے طریقے پر چلتا ہے، اور اس کے راستے کی دعوت دیتا ہے (ادبُ المفتی والمستفتی)

پھر اس کے بعد ابنِ صلاح نے مفتی منتسب کی بقیہ وہ تین حالتیں بیان کی ہیں، جن کا ذکر پیچھے علامہ عبدالحیٔ لکھنوی کی عبارت میں گذر چکا ہے۔

اسی کے ساتھ ابنِ صلاح اور امام نووی نے یہ بھی فرمایا:

والصحیح الذی ذھب إلیه المحققون ما ذھب إلیه أصحابنا وھو أنھم صاروا إلی مذھب الشافعی لا تقلیدا له (المجموع شرح المھذب، ج ۱، ص ۴۳، مقدمة، باب آداب الفتوی والمفتی والمستفتی)

ترجمہ: اور صحیح بات، جس کی طرف محققین گئے ہیں، وہی ہے، جس کی طرف ہمارے اصحاب گئے ہیں کہ مجتہدینِ منتسبین امام شافعی کے مذہب کی طرف ان کی تقلید کی بناء پر متوجہ نہیں ہوئے (المجموع)

پھر ابنِ صلاح اور امام نووی نے چند ہی سطروں کے بعد مجتہدِ منتسب کے بارے میں فرمایا:

ثم فتوی المفتی فی ھذہ الحالة کفتوی المستقل فی العمل بھا والاعتداد بھا فی الإجماع والخلاف (المجموع شرح المھذب، ج ۱، ص ۴۳، مقدمة، باب آداب الفتوی والمفتی والمستفتی)

ترجمہ: پھر اس حالت میں مفتی (یعنی مجتہد منتسب) کا فتویٰ عمل میں ''مجتہد مستقل'' کے فتوے کی طرح ہوتا ہے، جس کا اجماع، اور اختلاف میں اعتبار کیا جاتا ہے (المجموع)

ظاہر ہے کہ جس کا فتویٰ، مستقل حیثیت کا حامل ہو، اور اس کا مجتہدِ مستقل کے ساتھ اجماع واختلاف میں اعتبار کیا جائے، یہ شان مجتہدِ مطلق ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔

حضرت شیخ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے حافظ ابنِ صلاح اور امام نووی کی ان تصریحات کا ''اصول الافتاء وآدابہ ''میں ذکر نہیں فرمایا، جس کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ ''امام ابوحنیفہ کے اصحاب'' کو عمومی نوعیت کے ساتھ ''مجتہدِ مطلق'' کے اس درجہ میں بھی تسلیم نہیں کرتے، جس درجہ میں حافظ ابنِ صلاح، اور امام نووی، مزنی وغیرہ کو تسلیم کرتے ہیں۔

اور ہوسکتا ہے یہ وجہ ہو کہ انہوں نے اس توجیہ کو حنفیہ کے معمول بہا مسائل میں ''تلفیق'' لازم آنے سے بچنے کے لئے، اختیار فرمایا ہو۔

اور ہوسکتا ہے یہ وجہ ہو کہ وہ ''مجتہدِ منتسب'' کے ''انقطاع'' کے قائل ہوں۔

یا پھر کوئی اور وجہ بھی ہوسکتی ہے۔

لیکن پہلی اور تیسری وجوہات تو جمہور محققین، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے موقف کے برخلاف ہیں۔

جہاں تک دوسری وجہ کا تعلق ہے، تو اس میں شاہ ولی اللہ صاحب اور بعض دیگر محققین کو کلام ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ذکر کیا جاچکا ہے۔

اس سلسلہ میں مزید تفصیل آگے ''ضمیمہ'' میں ''ابنِ صلاح وامام نووی کی عبارت، اور ان کے موقف پر کلام'' میں آتی ہے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب اصحابِ ابی حنیفہ کی بہت سے اصول اور فروع میں امام ابوحنیفہ سے مخالفت، اور اصحابِ ابی حنیفہ کا مجتہدِ مطلق ہونا، قبول کرلیا گیا، اور اصحابِ ابی حنیفہ کے

جملہ اقوال کو اصولی وفروعی درجہ کے اختلافات پر مبنی ہونا تسلیم کرلیا گیا، تو پھر اس کے بعد اس قسم کی قیود لگانے کی کیا ضرورت کہ اصحابِ ابی حنیفہ کے جملہ اقوال امام ابوحنیفہ کی روایات ہیں، یا درحقیقت مذہبِ واحد کا درجہ رکھتے ہیں، کیونکہ اس کا حاصل تو پھر یہی ہوگا کہ اصحابِ ابی حنیفہ، مجتہدِ مطلق نہیں۔

دوسرے ہر مجتہد کے سامنے مختلف نوعیت کے اجتہادی مسائل پیش آتے ہیں، جن میں اجتہاد کا اسی کو موقع حاصل ہوتا ہے، جن کا بعض اوقات دوسرے کو موقع حاصل نہیں ہوتا، امام ابوحنیفہ کے اصحاب نے امام صاحب کی وفات کے بعد بھی عرصۂ دراز تک اپنے اجتہادی سلسلہ کو جاری رکھا۔

تیسرے کسی مجتہد کے دو متضاد اقوال صحیح نہیں ہوا کرتے، اور ایک امام سے جو مختلف متباین اقوال صادر ہوتے ہیں، تو وہ مختلف زمانوں پر مبنی ہوتے ہیں، جس کی وجہ پہلے قول کے لیے کسی ناسخ دلیل کا ظاہر ہوجانا ہوتی ہے، جس کی بنیاد پر اس کا اجتہاد تبدیل ہوجایا کرتا ہے۔

چوتھے کسی مجتہد کے مرجوع عنہا، یا مرجوح اقوال واحتمالات کو اس کا مذہب قرار دینا ویسے بھی درست نہیں ہوا کرتا۔

اس طرح اور بھی متعدد مفاسد اس قول وتاویل پر مرتب ہوتے ہیں، جیسا کہ گذرا۔

اور ایک مجتہد کے چند، یا بہت سے اقوال کا دوسرے کے موافق ہونا، درحقیقت ''تقلید'' نہیں، بلکہ ایک مجتہد کے اجتہاد کا دوسرے مجتہد کے اجتہاد سے توافق کہلاتا ہے، اس کو بعض حضرات کا تقلید سمجھنا درست نہیں، کیونکہ جب اصولی طور پر کسی کو مجتہدِ مطلق مان لیا، تو پھر تقلید کے کیا معنیٰ؟ ''اجتہادِ مطلق'' کا مفہوم ''تقلید'' کے منافی ہے۔

اور اگر اصحابِ ابی حنیفہ میں سے کسی سے معتبر سند کے ساتھ اس طرح کی کوئی بات ثابت ہو کہ انہوں نے جو قول بھی کیا ہے، وہ امام ابوحنیفہ کی روایت ہے، تو اس کو، یا تو کسی خاص مسئلہ، یا خاص مسائل واقوال پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

یا پھر اس کا مطلب یہ مراد لیا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے اصحاب کو اپنے اپنے اجتہاد کی پیروی واتباع کا حکم فرمایا تھا، جو کہ معتبر سند کے ساتھ ثابت ہے، لہٰذا اس حیثیت سے اصحابِ ابی حنیفہ کا امام ابو حنیفہ سے اختلاف کرنا، اس اصولی روایت کے مطابق ہے، اسی کو امام ابو حنیفہ کی روایت قرار دے دیا گیا، اس کو حقیقی معنیٰ میں ''مذہبِ واحد'' سمجھنا راجح نہیں، اگرچہ کسی دوسری جہت سے بعض حضرات نے ''مذہبِ واحد'' کا اطلاق کیا ہو۔

اور یہ کہا جانا بھی ممکن ہے کہ اصحابِ ابی حنیفہ کا اجتہاد دراصل ان کے استاد وشیخ امام ابو حنیفہ کا ہی علمی فیضان ہے، اسی کی تعبیر انہوں نے اپنے الفاظ میں بیان فرمادی ہو، جیسا کہ حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ کے موقف سے ایک مسئلہ میں اختلاف کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

مسائلِ شرعیہ میں آزادانہ اظہارِ رائے ترکِ ادب نہیں، بلکہ شاگردوں کا اظہارِ خیال انہی بزرگوں کا معنوی فیض ہوتا ہے (فقہی مقالات، جلد۲، صفحہ ۵۶، مقالہ ''رمضان میں نفل کی جماعت''، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، اشاعت: جولائی 1996ء)

اور جب کسی روایت کا ایسا محمل دستیاب ہو کہ جس کی وجہ سے مجتہدِ مطلق کا اصولی وظیفہ ومنصب متاثر نہ ہوتا ہو، اس وقت تک اس روایت کو اس طرح کے محمل پر محمول کرنا، ضروری ہے، تاکہ اس کا اپنے سے قوی تر اصول سے معارضہ لازم نہ آئے، اور ظاہر ہے کہ مختلف مجتہدینِ مطلق کے مذاہب کو ''مذہبِ واحد'' سمجھنا، اور ایک کے قول کو دوسرے کی طرف منسوب کرنا، علمی ودینی دیانت داری کے تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب کو اگر ''مجتہدِ مستقل'' تسلیم نہ کیا جائے، تو مجتہدِ مطلق کی ''مجتہدِ منتسب'' والی قسم سے تنزلی کرنا، کسی طرح درست نہیں، اور اس طرح کا مجتہد اصول، یا فروع میں کسی دوسرے مجتہد کا مقلد نہیں ہوا کرتا، اور اس کو اپنے اجتہاد میں ''استقلال'' حاصل ہوا کرتا ہے۔

www.idaraghufran.org

اس کی مزید تفصیل ہم اپنی تالیف ''التوضیح والتصریح'' میں باحوالہ ذکر کرچکے ہیں۔

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تالیف ''عقدُ الجید فی أحکام الإجتھاد والتقلید''میں ''فقہی مذاہب کی طرف منتسب لوگوں کے چار درجات کا باب'' قائم کیا ہے۔

جس کے ضمن میں شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ ان مذاہب کو لینے، یا ان کی طرف نسبت کرنے والے لوگوں کے چار درجات ہیں۔

ایک تو ''مجتہدِ منتسب'' دوسرے ''مجتہد فی المذہب'' تیسرے ''متبحر فی المذہب'' چوتھے ''عامیِ محض، یا مقلدِ محض'' جو مختلف مذاہب کے علماء سے فتویٰ طلب کرکے اس کے مطابق عمل کیا کرتا ہے۔ [1]

''مجتہدِ منتسب'' کا درجہ واحکام

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تالیف ''عقدُ الجید فی أحکام الإجتھاد والتقلید''میں فقہی مذاہب کی طرف منتسب مذکورہ چاروں درجات کا الگ الگ، چار فصلوں میں ذکر کیا ہے۔

''مجتہد منتسب'' اجتہاد میں ''مطلق مجتہد'' کا درجہ رکھتا ہے، اس لئے وہ تقلید کا مکلّف نہیں،

---

[1] اعلم أن الناس فی الأخذ بهذه المذاهب علی أربعة منازل ولكل قوم حد لا يجوز أن يتعدوه :
أحدها :مرتبة المجتهد المطلق المنتسب إلی صاحب مذهب من تلك المذاهب.
ثانيهما :مرتبة المخرج وهو المجتهد فی المذهب.
وثالثها: مرتبة المتبحر فی المذهب الذی حفظ المذهب وأتقنه وهو يفتی بما أتقن وحفظ من مذهب أصحابه .
ورابعها:المقلد الصرف الذی يستفتی علماء المذاهب ويعمل علی فتواهم.
وكتب القوم مشحونة بشروط كل منزل وأحكامه إلا أن من لا يميز بين المنازل فيتخبط فی تلك الأحكام ويظنها متناقضة فأردنا أن نجعل لكل منزل فصلا ونشير إلی أحكام كل منزل علی حدة (عقد الجيد فی أحكام الاجتهاد والتقليد،ص۴۷،باب اختلاف الناس فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلك ، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولیٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

جیسا کہ ''الانصاف'' میں مذکور، گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا۔ [1]
اور مختلف مذاہب کی طرف منتسب ''مجتہدین'' کی تعداد بہت ہے۔

---

[1] فصل فی المجتہد المطلق المنتسب:
وقد قدمنا شرطه فلا نعيده وحاصل كل ذلك أنه جامع بين علم الحديث والفقه المروى عن أصحابه وأصول الفقه كحال كبار العلماء من الشافعية وهم وإن كانوا كثيرين فى أنفسهم لكنهم أقلون بالنظر إلى المنازل الأخرى وحاصل صنيعهم على ما استقرينا من كلامهم أن تعرض المسائل المنقولة عن مالك والشافعى وأبى حنيفة والثورى وغيرهم رضى الله عنهم من المجتهدين المقبولة مذاهبهم وفتاواهم على موطأ مالك والصحيحين ثم على أحاديث الترمذى وأبى داود فأى المسألة وافقتها السنة نصا أو إشارة أخذوا بها وعولوا عليها وأى مسألة خالفتها السنة مخالفة صريحة ردوها وتركوا العمل بها وأى مسألة اختلفت فيها الأحاديث والآثار اجتهدوا فى تطبيق بعضها ببعض إما بجعل المفسر قاضيا على المبهم وتنزيل كل حديث على صورة أو غير ذلك فإن كانت من باب السنن والآداب فالكل سنة وإن كانت من باب الحلال والحرام أو من باب القضاء واختلف فيها الصحابة والتابعون والمجتهدون جعلوها على قولين أو على أقوال ولم ينكروا على أحد فيما أخذ منها ورأوا فى الأمر سعة إذا كان يشهد الحديث والآثار لكل جانب ثم استفرغوا جهدهم فى معرفة الأولى والأرجح إما بقوة الرواية أو بعمل أكثر الصحابة أو كونه مذهب جمهور المجتهدين أو موافقا للقياس كفئا لنظرائه ثم عملوا بذلك الأقوى من غير نكير على أحد ممن أخذ بالقول الآخر فإن لم يجدوا فى المسألة حديثا من تينك الطبقتين أجالوا قداح نظرهم فى شواهد أقوالهم من آثار الطبقة الثالثة من كتب الحديث وإلى ما يفهم من كلامهم من الدليل والتعليل فإذا اطمأن الخاطر بشىء أخذوا به فإن لم يطمئن بشىء مما ذكروه واطمأن بغيره وكانت المسألة مما ينفذ فيه اجتهاد المجتهد ولم يسبق فيه إجماع وقام عندهم الدليل الصريح قالوا به مستعينين بالله متوكلين عليه وهذا باب نادر الوقوع صعب المرتقى يجتنبون مزالقة أشد اجتناب وإن لم يقم عندهم دليل صريح اتبعوا السواد الأعظم وأى مسألة ليس فيها تصريح أو تعليل صحيح من السلف استفرغوا الجهد فى طلب نص أو إشارة أو إيماء من الكتاب والسنة أو أثر من الصحابة والتابعين فإن وجدوا قالوا به وليس عندهم أن يقلدوا عالما واحدا فى كل ما قال اطمأنت به نفوسهم أو لا وإن كنت فى ريب مما ذكرنا فعليك بكتب البيهقى وكتاب معالم السنن وشرح السنة للبغوى فهذه طريقة المحققين من فقهاء المحدثين وقليل ما هم وهم غير الظاهرية من أهل الحديث الذين لا يقولون بالقياس ولا الإجماع وغير المتقدمين من أصحاب الحديث ممن لم يلتفتوا إلى أقوال المجتهدين أصلا ولكنهم أشبه الناس بأصحاب الحديث لأنهم صنعوا فى أقوال المجتهدين ما صنع أولئك فى مسائل الصحابة والتابعين (عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد، ص۴۸ الى ۵۰، باب اختلاف الناس فى الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلك، فصل فى المجتهد المطلق المنتسب، ، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الانصاف'' میں بلقینی کے مذہبِ شافعی کے خلاف، جواب کے ضمن میں ابنِ زیاد شافعی کی طرف سے، بلقینی کے بارے میں ''اِمام مجتہد مطلق منتسب غیر مستقل'' ہونا نقل فرمایا ہے۔ [1]

اور اصحابِ ابی حنیفہ کے ''مجتہدِ مستقل و مجتہدِ منتسب'' ہونے پر تفصیلی کلام پہلے گذر چکا ہے۔

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الانصاف'' میں فرمایا کہ:

وقد قال الجلال السيوطى فى شرح التنبيه فى باب الطلاق ما لفظه وما وقع للأئمة من الاختلاف من تغير الاجتهاد فيصححون فى كل موضع ما أدى إليه اجتهادهم فى ذلك الوقت وقد كان المصنف يعنى صاحب التنبيه من الاجتهاد بالمحل الذى لا ينكر وصرح غير واحد من الأئمة بأنه وابن الصباغ وإمام الحرمين

---

[1] ومن شواهد ما ذكرناه كلام الفقيه ابن زياد الشافعي اليمنى فى فتاواه حيث سئل عن مسألتين أجاب فيهما البلقينى بخلاف مذهب الشافعي فقال فى الجواب إنك لا تعرف توجيه كلام البلقينى ما لم تعرف درجته فى العلم فانه إمام مجتهد مطلق منتسب غير مستقل من أهل التخريج والترجيح وأعنى بالمنتسب من له اختيار وترجيح يخالف الراجح فى مذهب الإمام الذى ينتسب إليه وهذا حال كثير من جهابذة أكابر أصحاب الشافعي من المتقدمين والمتأخرين وسيأتى ذكرهم وترتيب درجاتهم.

ومن نظم البلقينى فى سلك المجتهدين المطلقين المنتسبين تلميذه الولى أبو زرعة فقال قلت مرة لشيخنا الإمام البلقينى ما تقصير الشيخ تقى الدين السبكى عن الاجتهاد وقد استكمل إليه وكيف يقلد قال ولم أذكره هو أى شيخه البلقينى استحياء منه لما أردت أن أرتب على ذلك فسكت فقلت فما عندى أن الامتناع من ذلك إلا للوظائف التى قدرت للفقهاء على المذاهب الأربعة وأن من خرج عن ذلك واجتهد لم ينله شيء من ذلك وحرم ولاية القضاء وامتنع الناس من استفتائه ونسب إليه البدعة فتبسم ووافقنى على ذلك انتهى قلت أما أنا فلا أعتقد أن المانع لهم من الاجتهاد ما أشار إليه حاشا منصبهم العلى على ذلك وأن يتركوا الاجتهاد مع قدرتهم عليه لغرض القضاء أو الأسباب هذا ما لا يجوز لأحد أن يعتقده فيهم وقد تقدم أن الراجح عند الجمهور وجوب الاجتهاد فى مثل ذلك كيف ساغ للولى نسبتهم إلى ذلك ونسبة البلقينى إلى موافقته على ذلك (الإنصاف فى بيان أسباب الاختلاف، ص ۷۳، ۷۴، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر الخ)

www.idaraghufran.org

والغزالی بلغوا رتبة الاجتهاد المطلق.

وما وقع فی فتاوی ابن الصلاح من أنهم بلغوا رتبة الاجتهاد فی المذهب دون المطلق فمراده أنهم كانت لهم درجة الاجتهاد المنتسب دون المستقل وأن المطلق كما قرره هو فی كتابه آداب الفتيا والنووی فی شرح المهذب نوعان مستقل وقد فقد من رأس الأربعمائة فلم يمكن وجوده.

ومنتسب وهو باق إلى أن تأتی أشراط الساعة الكبری ولا يجوز انقطاعه شرعا لأنه فرض كفاية ومتی قصر أهل عصر حتی تركوه أثموا كلهم وعصوا بأسرهم كما صرح به الأصحاب منهم الماوردی والرويانی فی البحر والبغوی فی التهذيب وغيرهم.

ولا ينادی هذا الفرض بالاجتهاد المقيد كما صرح به ابن اصلاح والنووی فی شرح المهذب والمسألة مبسوطة فی كتابنا المسمی بالرد علی من أخلد إلى الأرض وجهل أن الاجتهاد فی كل عصر فرض ولا يخرج هولاء عن الاجتهاد المطلق المنتسب من كونه شافعية كما صرح به النووی وابن الصلاح فی الطبقات وتبعه ابن السبكی (الإنصاف فی بيان أسباب الاختلاف، ص ۷۴، ۷۵، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر الخ)

ترجمہ: اور جلال الدین سیوطی نے ''شرحُ التنبيه'' کے ''بابُ الطلاق'' میں فرمایا کہ ائمہ میں جو تغیرِ اجتہاد سے متعلق اختلاف واقع ہوا، تو وہ ہر مقام پر اس چیز کو صحیح قرار دیتے ہیں، جن کی طرف ان کا اجتہاد، اس وقت میں پہنچا دے، اور مصنف یعنی ''صاحبِ تنبیہ'' اجتہاد کے اس مقام پر فائز تھے کہ جس پر نکیر نہیں کی جاسکتی، اور ایک سے زیادہ ائمہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ''صاحبِ تنبیہ''

www.idaraghufran.org

اور ابنِ صباغ اور امامُ الحرمین اور امام غزالی، اجتہادِ مطلق کے درجہ کو پہنچ گئے تھے۔
اور فتاویٰ ابنِ صلاح میں جو یہ بات واقع ہوئی ہے کہ یہ حضرات، **اجتهاد فی المذهب** کے درجہ کو پہنچ گئے تھے، نہ کہ مطلق اجتہاد کے درجہ کو، تو اس کی مراد یہ ہے کہ ان کا اجتہاد میں درجہ ''منتسب'' ہونے کا تھا ''مستقل'' ہونے کا نہیں تھا، اور مطلق اجتہاد کے بارے میں ابنِ صلاح نے اپنی کتاب ''**ادابُ الفتیا**'' میں اور امام نووی نے ''**شرحِ المهذب**'' میں یہ بات واضح فرمائی ہے کہ مجتہدِ مطلق کی دو قسمیں ہیں، ایک مستقل، جو کہ چوتھی صدی سے مفقود ہو چکے، اور ان کا وجود ممکن نہیں۔
اور مجتہدِ مطلق کی دوسری قسم منتسب کی ہے، یہ قسم قیامتِ کبریٰ کی علامات آنے تک باقی ہے، اور اس کا انقطاع شرعاً جائز نہیں، کیونکہ یہ فرضِ کفایہ ہے، اور جب کسی زمانے کے لوگ اس میں کوتاہی کا ارتکاب کریں، اور وہ اس کو ترک کر دیں، تو وہ سب گناہ گار ٹھہرتے ہیں، اور وہ سب کے سب عاصی شمار ہوتے ہیں، جیسا کہ مختلف اصحاب نے تصریح کی ہے، جن میں ماوردی اور رویانی کی ''**البحر**'' میں اور بغوی کی ''**التهذيب**'' وغیرہ کی تصریح شامل ہے۔
اور اس فریضہ کو اجتہادِ مقید کا نام نہیں دیا جا سکتا، جیسا کہ اس کی ابنِ صلاح اور امام نووی نے ''**شرح المهذب**'' میں تصریح کی ہے، اور اس مسئلہ کی تفصیل ہماری کتاب میں موجود ہے، جس کا نام ''**الرَّد على من أخلد إلى الارض وجهل أن الاجتهاد في كل عصر فرض**'' ہے، اور یہ حضرات اجتہادِ مطلق منتسب میں سے شمار ہونے کے باوجود شافعی وغیرہ ہونے سے خارج نہیں ہوتے، جیسا کہ اس کی نووی اور ابنِ صلاح نے ''**الطبقات**'' میں تصریح کی ہے، اور ابنِ سبکی نے اس کی اتباع کی ہے (الانصاف)

www.idaraghufran.org

مذکورہ عبارت میں مجتہدِ مطلق کی دوسری قسم ''مجتہدِ منتسب'' کی قرار دی گئی ہے، اوراس قسم کو قیامتِ کبریٰ کی علامات آنے تک باقی رہنے، اوراس کے انقطاع کے شرعاً جائز نہ ہونے، اوراس کے فرضِ کفایہ ہونے، اورکسی زمانے کے لوگوں کی طرف سے اس میں کوتاہی کا ارتکاب کرنے پر، سب کوگناہ گار ٹھہرایا گیا ہے۔

پھراس کے بعدشاہ ولی اللہ صاحب نے ''الانصاف'' میں، ابوجعفرطبری (المتوفیٰ: 310ھ) کے ''مجتہدِ مستقل'' یا ''منتسب'' ہونے کے اقوال کا ذکرکیا ہے۔

اورامام بخاری وغیرہ کے طبقاتِ شافعیہ میں ہونے کے اقوال کا ذکر کیا ہے، جن میں تاج الدین سبکی کے حوالہ کا بھی ذکر ہے۔ [1]

---

[1] ولهذا صنفوا في المذهب كتبا وأفتوا وتداولوا وولوا وظائف الشافعية كما ولى المصنف وابن الصباغ تدريس النظامية ببغداد وولى إمام الحرمين والغزالى تدريس النظامية بنيسابور وولى ابن عبد السلام الجابية والظاهرية بالقاهرة وولى ابن دقيق العيد الصلاحية المجاورة لمشهد إمامنا الشافعي رضى الله عنه والفاضلية والكاملية وغير ذلک

أما من بلغ رتبة الاجتهاد المستقل فانه يخرج بذلک عن كونه شافعيا ولا تنقل أقواله فى كتب المذهب ولا أعلم أحدا بلغ هذه الربتة من الأصحاب إلا أبا جعفر بن جرير الطبرى فانه كان شافعيا ثم استقل بمذهب ولهذا قال الرافعي وغيره ولا يعد تفرده وجها فى المذهب انتهى .

وهى عندى أحسن مما سلک الولى أبو زرعة رضى الله عنه إلا أن كلامه يقتضى أن ابن جرير لا يعد شافعيا وهو مردود فقد قال الرافعى فى أول كتاب الزكاة من الشرح تفرد ابن جرير لا يعد وجها فى مذهبنا وان كان معدودا فى طبقات أصحاب الشافعي قال النووى فى التهذيب ذكره أبو عاصم العبادى فى الفقهاء الشافعية فقال هو من أفراد علمائنا وأخذ فقه الشافعي على الربيع المرادى والحسن الزعفرانى انتهى ومعنى انتسابه إلى الشافعي أنه جرى على طريقته فى الاجتهاد واستقراء الأدلة وترتيب بعضها على بعض ووافق اجتهاده وإذا خالف أحيانا لم يبال بالمخالفة ولم يخرج عن طريقه إلا فى مسائل وذلک لا يقدح فى دخوله فى مذهب الشافعي.

ومن هذا القبيل محمد بن إسماعيل البخارى فانه معدود فى طبقات الشافعية ،وممن ذكره فى طبقات الشافعية الشيخ تاج الدين السبكى وقال إنه تفقه بالحميدى والحميدى تفقه بالشافعي واستدل شيخنا العلامة على ادخال البخارى فى الشافعية بذكره فى طبقاتهم وكلام النووى الذى ذكرناه شاهد له وذكر الشيخ تاج الدين السبكى فى طبقاته ما لفظه كل تخريج أطلقه المخرج إطلاقا فظهر أن ذلک المخرج إن كان ممن يغلب عليه المذهب والتقليد كالشيخ أبى حامد والقفال عد من المذهب وان كان ممن يكثر خروجه كالمحمدين الأربعة يعنى محمد بن جرير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الانصاف'' میں فرمایا کہ:

ومن شواهد ما ذكره أيضا ما فى كتاب الأنوار حيث قال والمنتسبون إلى مذهب الشافعي وأبي حنيفة ومالك وأحمد أصناف.

أحدها: العوام وتقليدهم للشافعي متفرع على تقليد الميت.

الثاني: البالغون إلى رتبة الاجتهاد والمجتهد لا يقلد مجتهدا وإنما ينسبون إليه لجريهم على طريقه فى الاجتهاد واستعمال الأدلة وترتيب بعضها على بعض.

الثالث المتوسطون وهم الذين لم يبلغوا درجة الاجتهاد لكنهم وقفوا على أصول الإمام وحكوا من قياس ما لم يجدوه منصوصا على ما نص عليه.

وهؤلاء مقلدون له وكذا من يأخذ بقوله من العوام والمشهور أنهم لا يقلدون فى أنفسهم لأنهم مقلدون،انتهى كلام الأنوار (الإنصاف فى بيان أسباب الاختلاف ٧٧،باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر فى الانتساب إلى مذهب من المذاهب الخ)

ترجمہ: اور جو بات (سبکی نے) ذکر کی، اس کے شواہد میں سے وہ بات بھی ہے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومحمد بن خزيمة ومحمد بن نصر المروزي ومحمد بن المنذر فلا يعد أما المزني وبعده ابن شريح فبين الدرجتين لم يخرجوا خروج المحمدين ولم يتقيدوا بقيد العراقيين والخراسانيين انتهى.

وممن ذكره السبكي فى طبقاته الشيخ أبا الحسن الأشعري إمام أهل السنة والجماعة وقال إنه معدود من الشافعية فانه تفقه بالشيخ أبي إسحاق المروزي انتهى قول ابن زياد(الإنصاف فى بيان أسباب الاختلاف ٧٥ الى ٧٧،باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر فى الانتساب إلى مذهب من المذاهب الخ)

www.idaraghufran.org

جو ’’کتابُ الأنوار ‘‘میں مذکور ہے کہ امام شافعی، اور امام ابوحنیفہ، اور امام مالک اور امام احمد کی طرف نسبت کئے جانے والے حضرات (یعنی منتسب) کی چند قسمیں ہیں۔

پہلی قسم عوام کی ہے، اور ان کا امام شافعی کی تقلید کرنا، میت کی تقلید پر متفرع ہے (یعنی جن کے نزدیک میت کی تقلید جائز ہے، اور بظاہر راجح اور معمولی بہ بھی یہی ہے، ان کے نزدیک عوام کا فوت شدہ مجتہدین کی تقلید کرنا بھی جائز ہے)

(اور منتسب لوگوں کی) دوسری قسم ان حضرات کی ہے، جو اجتہاد کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں، اور ایک مجتہد، دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کیا کرتا، اور ان ’’مجتہدینِ منتسبین‘‘ کی امام کی طرف نسبت اس وجہ سے ہے کہ یہ ’’مجتہدینِ منتسبین‘‘ حضرات، اجتہاد، اور دلائل کے استعمال، اور بعض دلائل کی بعض پر ترتیب میں اس امام کے طریقہ پر چلتے ہیں۔

(اور منتسب لوگوں کی) تیسری قسم ان متوسطین کی ہے، جو اجتہاد کے درجہ تک نہیں پہنچے، لیکن وہ امام کے اصول پر مطلع ہوگئے، اور انہوں نے امام کے بیان کردہ مسائل پر قیاس کر کے وہ مسائل نقل کردئے، جو مسائل انہوں نے امام سے منصوص نہیں پائے۔

اور یہ حضرات امام کے مقلد شمار ہوتے ہیں، اور اسی طرح وہ عوام بھی مقلد شمار ہوتے ہیں، جو اِن متوسطین کے قول کو لیتے ہیں۔

لیکن مشہور یہ ہے کہ ان متوسط طبقہ والوں کی بذاتِ خود تقلید نہیں کی جاتی، کیونکہ یہ خود امام کے مقلد ہوتے ہیں ’’کتابُ الانوار ‘‘ کی بات ختم ہوئی (الانصاف)

’’کتابُ الانوار ‘‘ دراصل امام یوسف بن ابراہیم شافعی (التوفی: 779ھ) کی تالیف ہے جس کا پورا نام ’’الأنوار لأعمال الأبرار فی الفقه الشافعی ‘‘ ہے، اس کی ’’کتاب

أدب القضاء ‘‘ کے ’’خاتمة: نصب قاض فی کل بلد ‘‘میں مذکورہ عبارت موجود ہے (ملاحظہ ہو: جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۴۵۹، ۴۶۰، مطبوعہ: دار الضیاء، جدة، السعودیة، الطبعةُ الاولیٰ: ۱۴۲۷ ھـ) جس کو اصل مرجع سے ملاحظہ کر کے صحت کے ساتھ ہم نے نقل کیا ہے، کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تالیف ’’الانصاف‘‘ کے نسخہ میں کتابت کی کچھ غلطی تھی۔

نیز ’’کتابُ الا نوار ‘‘میں اس کے بعد ’’العامی لا مذهب لهٗ‘‘ کا قول بھی مذکور ہے۔

اس کے علاوہ ابوالقاسم شافعی قزوینی (المتوفیٰ: 623ھ) نے بھی ’’الشرحُ الکبیر ‘‘میں اس مسئلہ کی تفصیل بیان کی ہے، جس کے ضمن میں انہوں نے فرمایا:

’’والمشهور :أنه لا يقلدهم فی أنفسهم؛ لأنهم مقلدون، وقد نجد ما يشعر بخلافه؛ هذا أبو الفتح الهروی وهو من أصحاب الإمام - قدس الله روحه -يقول فی الأصول :مذهب عامة أصحابنا أن العامی لا مذهب له، فإن وجد مجتهدا قلده، وإلا ووجد متبحرا فی مذهب، فإنه يفتيه على مذهب نفسه، وإن كان العامی لا يعتقد مذهبه، وهذا قول :بأنه يقلد المتبحر فی نفسه‘‘

ترجمہ: اور مشہور یہ ہے کہ ائمہ کی طرف منتسب مجتہدین کی بذاتِ خود تقلید نہیں کی جاتی، کیونکہ وہ خود مقلد ہوتے ہیں، لیکن ہم نے اس کے برخلاف خبر دینے والی چیز کو پایا، یہ ابوالفتح ہروی، جو امام شافعی قدس اللہ روحہٗ کے اصحاب میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اکثر اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوا کرتا، پس اگر وہ کسی مجتہد کو پائے، تو وہ اس کی تقلید کرتا ہے، ورنہ اگر وہ کسی مذہب کے متبحر کو پائے، تو وہ (متبحر) اس (عامی) کو اپنی ذات کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتا ہے، اگرچہ عامی اس (متبحر) کے مذہب کا اعتقاد نہ رکھتا ہو، اور

اس قول کی رو سے متبحر کی بذاتِ خود تقلید کی جایا کرتی ہے (العزیز شرح الوجیز) [1]

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُ الجید'' نامی کتاب کے آخر میں ''کتابُ الأنوار'' کی مذکورہ بالا عبارت ذکر کی ہے، اور مزید تفصیل بھی بیان کی ہے، جس سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ ''متبحر فی المذهب'' کی بھی تقلید کی جایا کرتی ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُ الجید'' میں فرمایا:

وفی الأنوار أيضا: ولا يشترط أن يكون للمجتهد مذهب مدون. وإذا دونت المذاهب جاز للمقلد أن ينتقل من مذهب إلى مذهب. وعند الأصوليين إن عمل به فی حادثة فلا يجوز فيها ويجوز فی غيرها وإن لم يعمل جاز فيها وفی غيرها ولو قلد مجتهدا فی مسائل وآخر مسائل جاز وعند الأصوليين لا يجوز ولو اختار من كل مذهب الأهون قال أبو إسحاق يفسق وقال ابن أبی هريرة لا ورجحه فی بعض الشروح.

---

[1] واعلم أن الذين يقال لهم أصحاب الشافعی وأصحاب أبی حنيفة ومالک -رحمهم الله- ثلاثة أصناف العوام، وتقليدهم إياهم مفرع على جواز تقليد الميت، وقد عرفته، والبالغون درجة الاجتهاد، وقد ذكرنا أن المجتهد لا يقلد المجتهد، وإنما ينسب هؤلاء إلى الشافعی -رضی الله عنه- وغيره؛ لأنهم يجرون على طريقته فی الاجتهاد واستعمال الأدلة وترتيب بعضها على بعض، ويوافق اجتهادهم اجتهاد ممهدی تلک الطرق. وإذا خالف أحيانا لم يبالوا بالمخالفة، وهذا كما أن الشافعی -رضی الله عنه- يقول فی كلامه: وقال بعض أصحابنا: ويريد به مالكا؛ لتوافقهما على اتباع السنة المأثورة عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم-. والصنف الثالث: المتوسطون بين الصنفين الأولين، وهم الذين لم يبلغوا رتبة الاجتهاد فی أصل الشرع ولكنهم وقفوا على أصول الإمام الذی ينتسبون إليه فی الأبواب، وتمكنوا من قياس ما لم يجدوه منصوصا له على ما وجد، وهؤلاء مقلدون له تفريعا على تقليد الميت.

وكذا من يأخذ بقولهم من العوام تقليدا له، والمشهور: أنه لا يقلدهم فی أنفسهم؛ لأنهم مقلدون، وقد نجد ما يشعر بخلافه؛ هذا أبو الفتح الهروی وهو من أصحاب الإمام -قدس الله روحه- يقول فی الأصول: مذهب عامة أصحابنا أن العامی لا مذهب له، فإن وجد مجتهدا قلده، وإلا ووجد متبحرا فی مذهب، فإنه يفتيه على مذهب نفسه، وإن كان العامی لا يعتقد مذهبه، وهذا قول: بأنه يقلد المتبحر فی نفسه (العزيز شرح الوجيز المعروف بالشرح الكبير، ج۱۲، ص۴۲۲، كتاب أدب القضاة، الباب الأول)

www.idaraghufran.org

وفی الأنوار أیضا المنتسبون إلی مذهب الشافعی وأبی حنیفة ومالک وأحمد رحمهم الله أصناف:

أحدها: العوام وتقلیدهم للشافعی متفرع علی تقلید المیت.

الثانی :البالغون إلی رتبة الإجتهاد والمجتهد لا یقلد مجتهدا وإنما ینتسبون إلیه لجریهم علی طریقته فی الإجتهاد واستعمال الأدلة وترتیب بعضها علی بعض .

الثالث: المتوسطون وهم الذین لم یبلغوا رتبة الإجتهاد لکنهم وقفوا علی أصول الإمام وتمکنوا من قیاس ما لم یجدوه منصوصا علی ما نص علیه.

وهؤلاء مقلدون له ، وکذا من یأخذ بقولهم من العوام .

والمشهور أنهم لا یقلدون فی أنفسهم لأنهم مقلدون .

وقال أبو الفتح الهروی وهو من تلامذة الإمام مذهب عامة الأصحاب فی الأصول أن العامی لا مذهب له فإن وجد مجتهدا قلده وإن لم یجده ووجد متبحرا فی مذهب قلده فإنه یفتیه علی مذهب نفسه.

وهذا تصریح بأنه یقلد المتبحر فی نفسه.(عقد الجید فی أحکام الاجتهاد والتقلید،ص ۸۰ الیٰ ۸۲،باب بلاترجمة بعد فصل فی العامی ، الناشر: دارالکتب، بشاور، الطبعة الأولیٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

ترجمہ: اور ’’کتابُ الأنوار ‘‘میں ہی ہے کہ مجتہد کے لیے مذہب کا مدوّن ہونا ضروری نہیں، اور جب مذاہب مدون ہو گئے، تو مقلد کے لیے ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا جائز ہے۔

اور اصولیین کے نزدیک اگر کسی خاص واقعہ میں عمل کر کے فارغ ہو چکا ہے، تو اس

www.idaraghufran.org

سابق عمل میں رجوع کرنا جائز نہیں، اوراس کے علاوہ میں منتقل ہونا جائز ہے۔

اوراگراس نے عمل نہیں کیا، تو اس میں اوراس کے علاوہ میں منتقل ہونا جائز ہے، اوراگر چند مسائل میں ایک مجتہد کی تقلید کرے، اور دوسرے چند مسائل میں کسی اور مجتہد کی تقلید کرے، تو بھی جائز ہے، لیکن اصولیین کے نزدیک جائز نہیں، اور اگر ہر مذہب سے اھوَن چیز کواختیار کرے، تو ابواسحاق نے اس کے فاسق ہونے کا حکم لگایاہے، اورابنِ ابی ہریرہ نے فاسق ہونے کی نفی کی ہے، اوراسی قول کوبعض شروح میں راجح قرار دیا گیا ہے۔

اور''کتابُ الأنوار ''میں مذکور ہے کہ امام شافعی، اورامام ابوحنیفہ، اورامام مالک اورامام احمد کی طرف نسبت کئے جانے والے حضرات (یعنی منتسب) کی چند قسمیں ہیں۔

پہلی قسم عوام کی ہے، اورعوام کا امام شافعی (یا دوسرے فوت شدہ امام) کی تقلید کرنا، میت کی تقلید پر متفرع ہے (یعنی جن کے نزدیک میت کی تقلید جائز ہے، اور بظاہر راجح بھی یہی ہے، ان کے نزدیک عوام کا فوت شدہ مجتہدین کی تقلید کرنا بھی جائز ہے)

(اور منتسب لوگوں کی) دوسری قسم ان حضرات کی ہے، جو اجتہاد کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں، اورایک مجتہد، دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کیا کرتا (لہٰذا یہ مجتہدین بھی کسی دوسرے مجتہد کے مقلد نہیں ہوتے)

اور ان ''مجتہدینِ منتسبین'' کی امام کی طرف نسبت اس وجہ سے ہے کہ یہ ''مجتہدینِ منتسبین'' اجتہاد، اور دلائل کے استعمال، اور بعض دلائل کی بعض پر ترتیب میں اس امام کے طریقہ پر چلتے ہیں۔

(منتسب لوگوں کی) تیسری قسم ان متوسطین کی ہے، جو اجتہاد کے درجہ تک نہیں

پہنچے، لیکن وہ امام کے اصول پر مطلع ہوگئے، اورانہوں نے امام کے بیان کردہ مسائل پر قیاس کر کے وہ مسائل نقل کردئے، جو مسائل انہوں نے امام سے منصوص نہیں پائے۔

اور یہ حضرات امام کے مقلد شمار ہوتے ہیں، اوراسی طرح وہ عوام بھی مقلد شمار ہوتے ہیں، جو اِن متوسطین کے قول کو لیتے ہیں۔

لیکن مشہور یہ ہے کہ ان متوسط طبقہ والوں کی بذاتِ خود تقلید نہیں کی جاتی، کیونکہ یہ خودامام کے مقلد ہوتے ہیں۔

اورابوالفتح ہروی نے فرمایا، جو کہ امام کے تلامذہ میں سے ہیں کہ اکثر اصحاب کا اصول میں مذہب یہ ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوا کرتا، اس لیے وہ اگر کسی مجتہد کو بھی پائے، تو وہ اس کی تقلید کرلے، اوراگر وہ مجتہد کو نہ پائے، اور **متبحر فی المذهب** کو پائے، تو اس کی تقلید کرلے، پس وہ **متبحر فی المذهب**، اپنے مذہب کے مطابق اس کو فتویٰ دے دے۔

اور یہ اس بات کی تصریح ہے کہ متبحر کی بذاتِ خود تقلید کی جایا کرتی ہے (اور راجح بھی یہی ہے) (عقد الجید)

اور جب ''متبحر'' ہی کی بذاتِ خود، تقلید کیے جانے کا قول راجح ہے، تو ''مجتہدِ منتسب'' کی تقلید کیا جانا، بدرجۂ اولیٰ راجح ہوگا۔

پس دلائل کی رُو سے راجح یہی ہے، اور تعامل بھی بظاہر اسی کے مطابق ہے کہ ''ائمہ کی طرف منتسب مجتہدین، اور متبحرین علماء'' کی بذاتِ خود تقلید کی جاتی ہے، کیونکہ بسا اوقات ایک ہی مذہب کی طرف منتسب متبحرین میں اختلاف ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں عوام میں سے کوئی کسی کی اور کوئی کسی دوسرے کی اتباع کیا کرتا ہے، خواہ اسے ''محض اتباع'' سے تعبیر کیا جائے، یا ''تقلید'' سے، اس سے اصل مقصود پر فرق واقع نہیں ہوتا۔

www.idaraghufran.org

بہت سے متبحر فی المذہب حضرات اپنی طرف سے دوسرے مذہب کے کسی مسئلہ کو ترجیح اوراس پرفتویٰ دیتے ہیں، اوراس فتوے پرعوام کا بڑا طبقہ عمل پیرا ہوتا ہے۔

تقریباً ہر مذہب میں اس طرح کے مسائل کی بڑی مقدار پائی جاتی ہے۔

”مجتهد فی المذهب ومجتهدفی المسائل“ کے احکام

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ”عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید“ میں ”مجتهد فی المذهب“ یا ”مجتهد فی المسائل“ کے متعلق تفصیل، اوراس کے ضمن میں چند مسائل بیان فرمائے ہیں۔

چنانچہ شاہ صاحب موصوف نے پہلے مسئلہ کے ضمن میں فرمایا کہ:

> ”مجتہد فی المذہب“ پر واجب ہے کہ وہ متعلقہ مسئلہ میں سنن وآثار کا اتنا علم حاصل کرے کہ اس کی وجہ سے صحیح حدیث، اورسلف کے اتفاق کی مخالفت کا شکار نہ ہوجائے، اورمتعلقہ مسئلہ میں فقہ کے اس قدر دلائل کو حاصل کرے کہ اس کو اپنے مذہب کے اصحاب کے اقوال کے ماخذ کی معرفت حاصل ہوجائے۔
>
> اور اگرسوال کیے جانے والا مسئلہ متفق علیہ ہو، تو اس کے مطابق جائز وناجائز ہونے کا حکم لگادے، اور اختلافی مسئلہ ہو، تو فلاں، فلاں کا قول ہونے کا ذکر کردے، اور جب تک ان کی دلیل کو نہ پہچان لے، اس وقت تک کسی ایک قول کو ترجیح نہ دے، کیونکہ اصحابِ مذاہب سے ان کے قول کی دلیل معلوم ہوئے بغیر قول کرنے کی ممانعت منقول ہے۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] مسألة: اعلم أن الواجب على المجتهد فى المذهب أن يحصل من السنن والآثار ما يحترز به من مخالفة الحديث الصحيح واتفاق السلف ومن دلائل الفقه ما يقتدر به على معرفة مأخذ أصحابه فى أقوالهم.

وهو معنى ما فى الفتاوى السراجية لا ينبغى لأحد أن يفتى إلا أن يعرف أقاويل العلماء ويعلم من أين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید'' میں ''مجتهد فی المذهب'' کے متعلق دوسرے مسئلہ کے ضمن میں فرمایا کہ:

محققینِ فقہاء کے نزدیک مذہب میں مذکور مسائل چار قسم کے ہیں، جن کے احکام مختلف ہیں۔

پہلی قسم ان مسائل کی ہے، جو ظاہر الروایہ میں طے ہو چکے ہیں۔

اس قسم کے مسائل کا حکم یہ ہے کہ ان کو وہ حضرات ہر حال میں قبول کرتے ہیں، خواہ وہ اصولوں کے موافق ہوں، یا مخالف ہوں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قالوا ويعرف معاملات الناس فإن عرف أقاويل العلماء ولم يعرف مذاهبهم.
فإن سئل عن مسألة يعلم أن العلماء الذين يتخذ مذهبهم قد اتفقوا عليها فلا بأس بأن يقول هذا جائز وهذا لا يجوز ويكون قوله على سبيل الحكاية وإن كانت مسألة قد اختلفوا فيها فلا بأس بأن يقول هذا جائز فى قول فلان وفى قول فلان لا يجوز وليس له أن يختار .فيجيب بقول بعضهم ما لم يعرف حجتهم .
وفى الفصول العمادية فى الفصل الأول وإن لم يكن من أهل الإجتهاد لا يحل له أن يفتى إلا بطريق الحكاية فيحكى ما يحفظ من أقوال الفقهاء وعن أبى يوسف وزفر وعافية بن زيد أنهم قالوا لا يحل لأحد أن يفتى بقولنا ما لم يعلم من أين قلنا.
وفيها أيضا عن بعضهم قالوا لو أن الرجل حفظ جميع كتب أصحابنا لا بد أن يتلمذ للفتوى حتى يهتدى إليه لأن كثيرا من المسائل أجاب عنها أصحابنا على عادة أهل بلدهم ومعاملاتهم فينبغى لكل مفت أن ينظر إلى عادة أهل بلده وزمانه فيما لا يخالف الشريعة.
فى عمدة الأحكام من المحيط فأما أهل الاجتهاد فهو من يكون عالما بالكتاب والسنة والآثار ووجوه الفقه .
ومن الخانية نقل عن بعضهم لا بد للإجتهاد من حفظ المبسوط ومعرفة الناسخ والمنسوخ والمحكم والمؤول والعلم بعادات الناس وعرفهم.
فى السراجية قيل أدنى الشروط للإجتهاد حفظ المبسوط ذكر هذه الرواية فى خزانة المفتين .
أقول هذه العبارات معناها الفرق بين المفتى الذى هو صاحب تخريج وبين المفتى الذى هو متبحر فى مذهب أصحابه يفتى على سبيل الحكاية لا على سبيل الاجتهاد(عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد،ص ٥٠ الٰى ٥٢ ،باب اختلاف الناس فى الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلك ،فصل فى المجتهد فى المذهب وفيه مسائل ، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولٰى: ١٤٣٤هـ، ٢٠١٣م)

www.idaraghufran.org

دوسری قسم ان مسائل کی ہے، جو امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب سے ''روایتِ شاذہ'' کے طور پر مروی ہیں۔

اس قسم کے مسائل کا حکم یہ ہے کہ ان کو وہ حضرات اصولوں کے موافق ہونے کی صورت میں ہی قبول کرتے ہیں۔

لیکن ہدایہ وغیرہ میں روایاتِ شاذہ پر مشتمل کئی مسائل ایسے ہیں، جن کی دلیل کے پیشِ نظر تصحیح کی گئی ہے۔

اور تیسری قسم ان مسائل کی ہے، جو متاخرین کی تخریج پر مبنی ہیں، جن پر جمہور حنفیہ نے اتفاق کیا ہے۔

اس قسم کے مسائل کا حکم یہ ہے کہ وہ حضرات ان پر ہر حال میں فتویٰ دیتے ہیں۔

اور چوتھی قسم ان مسائل کی ہے، جو متاخرین کی تخریج پر مبنی ہیں، لیکن ان پر جمہور حنفیہ کا اتفاق نہیں ہوا۔

اس قسم کے مسائل کا حکم یہ ہے کہ **مجتہد فی المذہب** اس کو اصول اور سلف کے کلام میں مذکور نظائر پر پیش کرے گا، اگر اس کے موافق ہو، تو اس پر فتویٰ دے گا، ورنہ اس کو ترک کردے گا''۔ [1]

---

[1] مسألة :اعلم أن القاعدة عند محققي الفقهاء ان المسائل على أربعة أقسام:
قسم :تقرر في ظاهر المذهب وحكمه أن يقبلوه على كل حال وافقت الأصول أو خالفت ولذلك ترى صاحب الهداية وغيره يتكلفون بيان الفرق في مسائل التجنيس.
وقسم :هو رواية شاذة عن أبي حنيفة رحمه الله وصاحبيه وحكمه أن لا يقبلوه إلا إذا وافق الأصول وكم في الهداية ونحوها من تصحيح لبعض الروايات الشاذة بحال الدليل .
وقسم :هو تخريج من المتأخرين اتفق عليه جمهور الأصحاب وحكمه أنهم يفتون به على كل حال.
وقسم :هو تخريج منهم لم يتفق عليه جمهور الأصحاب وحكمه أن يعرضه المفتي على الأصول والنظائر من كلام السلف فإن وجده موافقا لها أخذ به وإلا تركه.
في خزانة الروايات نقلا عن بستان الفقيه أبي الليث في باب الأخذ عن الثقات ولو أن رجلا سمع حديثا أو سمع مقالة فإن لم يكن القائل ثقة فلا يسعه أن يقبل منه إلا أن يكون قولا يوافق الأصول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شیخ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ''اصولُ الافتاء وآدابہ'' میں بھی ''تقسیم الشیخ ولی اللہ الدھلوی لمسائل الحنفیۃ'' کا عنوان قائم فرما کر، شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ عبارت کو نقل فرمایا ہے۔

لیکن یہ امر ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ مذکورہ تقسیم کا لحاظ حنفی کے ''اجتہاد فی المذھب'' کرنے کی جہت سے ہے۔

اور جو شخص کسی مسئلہ میں دوسرے مذہب کے اعتبار سے اجتہاد کرے، اس کے لئے اس مذہب کے اعتبار سے احکام ہوں گے۔

اور جو شخص کسی مسئلہ میں عمومی نوعیت کے اعتبار سے اجتہاد کرے، جس میں اس کے پیشِ نظر ایک سے زیادہ مجتہدین کے مذاہب، یا مسائل میں اجتہاد وترجیح پیشِ نظر ہو، اس کا حکم جدا ہے۔

یہ بات اس لئے پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ آج کل اس قسم کی عبارات کی بنیاد پر ہر ایک کے لئے مذکورہ تقسیم کے مطابق پابندی کو لازم ٹھہرا دیا جاتا ہے۔

اور اس پر غور نہیں کیا جاتا کہ آخر آج کے زمانہ سے قبل بھی تو مختلف ادوار اور حالات میں اس طرح کے اجتہاد وترجیح کا عمل ہوتا رہا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فیجوز العمل به وإلا فلا وكذا لو وجد حديثا مكتوبا أو مسألة فإن كان موافقا للأصول جاز أن يعمل به وإلا فلا.

وفی البحر الرائق عن أبی اللیث قال سئل أبو نصر عن مسألة وردت علیه ما تقول رحمک الله وقعت عندنا كتب أربعة كتاب إبراهيم بن رستم وآداب القاضی عن الخصاف وكتاب المجرد وكتاب النوادر من جهة هشام هل يجوز لنا أن نفتی منها أو لا وهذه الكتب محمودة عندک فقال ما صح عن أصحابنا فذلک علم محبوب مرغوب فیه مرضی به وأما الفتیا فإنی لا أری لأحد أن یفتی بشیء لا یفهمه ولا یحتمل أثقال الناس فإن كانت مسائل قد اشتهرت وظهرت وانجلت عن أصحابنا رجوت أن یسع لی الاعتماد علیها فی النوازل(عقد الجید فی أحکام الاجتهاد والتقلید، ص ۵۲، و۵۳، باب اختلاف الناس فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما یجب علیهم من ذلک ،فصل فی المجتهد فی المذهب وفیه مسائل ، الناشر: دارالکتب، بشاور، الطبعة الأولیٰ: ۱۳۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

www.idaraghufran.org

پھر کیا وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ جو انقلاب وتنوع کے اعتبار سے، پہلے ادوار کے مقابلہ میں اس عمل کے لئے زیادہ توجہ کا مستحق تھا، اس کو اس کا حق کیوں فراہم نہیں کیا جاتا۔

عبدالغنی نابلسی نے اپنے ایک رسالہ میں فرمایا:

والمجتهد المقيد فى المذهب له أن يجتهد فى أصول غير إمامه، لأنه فى معنى المقلد الذى لا يلزمه التزام مذهب معين كما سبق، إذ هو ليس بمجتهد مطلق صاحب مذهب مستقل حتى يمتنع عليه ذلك (خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد والتلفيق ،ص١٦ ،وأما المقصد الخامس: فهل يجوز التقليد بعد الفعل أم لا؟ طبعة جديدة بالأوفست مكتبة حقيقة ،استانبول،تركيا، ١٤٣٢هـ ، ٢٠١١م)

ترجمہ: ''مجتہدِ مقید فی المذہب'' کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے امام کے علاوہ، دوسرے کے اصول میں اجتہاد کرے، اس لیے کہ وہ اس مقلد کے درجے میں ہے، جس پر مذہبِ معین کا التزام واجب نہیں، جیسا کہ گزرا، کیونکہ وہ ایسا مجتہدِ مطلق نہیں، جس کا مستقل مذہب ہو کہ اس کے لیے اس کو ممنوع قرار دیا جائے (خلاصۃ التحقیق)

یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقد الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید'' میں ''مجتهد فی المذهب'' کے متعلق تیسرے مسئلہ کے ضمن میں فرمایا کہ:

جس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ، اور صاحبین کے مابین اختلاف ہے ''مجتهد فی المذهب'' کے لئے ان میں سے دلیل کے اعتبار سے قوی، اور تعلیل کے اعتبار سے قیاس کے زیادہ موافق، اور لوگوں کے لئے آسان قول کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔

اور ''مجتهد فی المذهب ، بلکہ متبحر فی المذهب'' کو احتیاج کے وقت

دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا بھی جائز ہے۔۔انتھیٰ۔ [1]

''متبحر فی المذهب ومتبحر فی المسائل'' کے احکام

جہاں تک ''متبحر فی المذهب'' کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید'' میں ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے، اس کے لیے فہم کے صحیح ہونے، عربی اور اسالیبِ کلام، اور ترجیح کے مراتب، اور مجتہدین کے کلام کے معانی کی غالب درجے میں معرفت وسمجھ بوجھ ہونے کو شرط قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی فرمایا کہ یہ شرائط ''مطلق متبحر فی المذهب'' کے لیے ہیں، جزوی باب، یا مخصوص مسئلہ میں تبحر کے لیے صرف متعلقہ باب، یا مسئلہ کی حد تک، ان امور کی معرفت کافی ہے۔

---

[1] مسألة اعلم أن المسألة إذا كانت ذات اختلاف بين أبى حنيفة وصاحبيه فحكمها أن المجتهد فى المذهب يختار من أقوالهم ما هو أقوى دليلا وأقيس تعليلا وأرفق بالناس ولذلك أفتى جماعات من علماء الحنفية على قول محمد رحمه الله فى طهارة الماء للمستعمل وعلى قولهما فى أول وقت العصر والعشاء وفى جواز المزارعة وكتبهم مشحونة بذلك لا يحتاج إلى إيراد النقول.
وكذلك الحال فى مذهب الشافعى رحمه الله فى المنهاج وغيره فى الفرائض أن أصل المذهب عدم توريث ذوى الأرحام وقد أفتى المتأخرون عند عدم انتظام بيت المال بتوريثهم وقد نقل فقيه اليمن ابن زياد فى فتاواه مسائل أفتى المتأخرون فيها بخلاف المذهب منها إخراج الفلوس من الزكاة المفروضة من النقدين وعروض التجارة أفتى البلقينى بجوازه وقال أعتقد جوازه ولكنه مخالف لمذهب الشافعى رحمه الله وتبع البلقينى فى ذلك البخارى ومنها دفع الزكاة إلى الأشراف العلويين أفتى الإمام فخر الدين الرازى بجوازه فى هذه الأزمنة حين منعوا سهمهم من بيت المال وأضر بهم الفقر ومنها بيع النحل فى الكوارات مع ما فيها من شمع وغيره اجاب البلقينى بالجواز ونقل ابن زياد عن الإمام ابن عجيل أنه قال ثلاث مسائل فى الزكاة يفتى فيها بخلاف المذهب نقل الزكاة ودفع الزكاة إلى واحد ودفعها إلى أحد الأصناف.
أقول وعندى فى ذلك رأى وهو أن المفتى فى مذهب الشافعى سواء كان مجتهدا فى المذهب أو متبحرا فيه إذا احتاج فى مسألة إلى غير مذهبه فعليه بمذهب أحمد رحمه الله فإنه أجل أصحاب الشافعى رحمه الله علما وديانة ومذهبه عند التحقيق فرع لمذهب الشافعى رحمه الله ووجه من وجوهه والله أعلم(عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد، ص ۵۳ و ۵۴، باب اختلاف الناس فى الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلك، فصل فى المجتهد فى المذهب وفيه مسائل، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ۱۴۳۴ هـ، ۲۰۱۳م)

Idara Ghufran

پھر اسی کے ساتھ اس کے فتویٰ دینے کی صورتوں کو بیان کیا ہے، ایک یہ کہ اس کے پاس معتبر سند سے امام کا قول پہنچا ہو، یا وہ مسئلہ معتبر و مشہور کتاب میں ہو، جو اُس مذہب کے لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہو، جس مذہب کے مطابق وہ فتویٰ دے۔ [1]

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ''**عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد و التقلید**'' میں ''**متبحر فی المذهب**'' کے بارے میں ایک مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے کہ جب اس کو کوئی صحیح حدیث، اپنے مذہب کے مخالف ملے، تو اس کے لیے حدیث کو لینے، اور اپنے مذہب کو ترک کرنے کے بارے میں علماء نے طویل بحث کی ہے، اور اس میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ [2]

---

[1] فصل فی المتبحر فی المذهب وهو الحافظ لکتب مذهبه وفیه مسائل:
مسألة: من شرطه أن یکون صحیح الفهم عارفا بالعربیة وأسالیب الکلام ومراتب الترجیح متفطنا لمعانی کلامهم لا یخفی علیه غالبا تقیید ما یکون مطلقا فی الظاهر والمراد منه المقید وإطلاق ما یکون مقیدا فی الظاهر والمراد منه المطلق نبه علی ذلک ابن نجیم فی البحر الرائق.
ویجب علیه أن لا یفتی إلا بأحد وجهین إما أن یکون عنده طریق صحیح یعتمد علیه إلی إمامه أو تکون المسألة فی کتاب مشهور تداولته الأیدی.
فی النهر الفائق فی کتاب القضاء طریق نقل المفتی المقلد عن المجتهد أحد أمرین إما أن یکون له سند إلیه أو أخذه من کتاب معروف تداولته الأیدی نحو کتب محمد بن الحسن ونحوها من التصانیف المشهورة للمجتهدین لأنه بمنزلة الخبر المتواتر أو المشهور وهکذا ذکر الرازی فعلی هذا لو وجد بعض النسخ النوادر فی زماننا لا یحل عزو ما فیها إلی محمد ولا إلی أبی یوسف رحمهما الله لأنها لم تشتهر فی عصرنا فی دیارنا ولم تتداول نعم إذا وجد النقل عن النوادر مثلا فی کتاب مشهور معروف کالهدایة والمبسوط کان ذلک تعویلا علی ذلک الکتاب انتهی وفی فتاوی القنیة فی باب ما یتعلق بالمفتی إن ما یوجد من کلام رجل ومذهبه فی کتاب معروف وقد تداولته النسخ فإنه جاز لمن نظر فیه أن یقول قال فلان أو فلان کذا وإن لم یسمعه من أحد نحو کتب محمد بن الحسن وموطأ مالک رحمهما الله ونحوهما من الکتب المصنفة فی أصناف العلوم لأن وجود ذلک علی هذا الوصف بمنزلة الخبر المتواتر والاستفاضة لا یحتاج مثله إلی إسناد (عقد الجید فی أحکام الاجتهاد والتقلید، ص ۵۵، ۵۶، باب اختلاف الناس فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما یجب علیهم من ذلک، فصل فی المتبحر فی المذهب، الناشر: دارالکتب، بشاور، الطبعة الأولیٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

[2] مسألة: إذا وجد المتبحر فی المذهب حدیثا صحیحا یخالف مذهبه فهل له أن یأخذ بالحدیث ویترک مذهبه فی تلک المسألة فی هذه المسألة بحث طویل وأطال فیها صاحب خزانة الروایات نقلا عن دستور المساکین فلنورد کلامه من ذلک بعینه فإن قیل لو کان المقلد غیر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید'' میں مختار قول، اس کو قرار دیا ہے، جو ابنِ صلاح اور ان کی اتباع میں امام نووی نے اختیار کیا ہے، اور اس کی تصحیح و تحسین کی ہے، وہ یہ ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المجتهد عالما مستدلا يعرف قواعد الأصول ومعانى النصوص والأخبار هل يجوز أن يعمل عليها وكيف يجوز وقد قيل لا يجوز لغير المجتهد أن يعمل إلا على روايات مذهبه وفتاوى إمامه ولا يشتغل بمعانى النصوص والأخبار ويعمل عليها كالعامى قيل هذا فى العامى الصرف الجاهل الذى لا يعرف معانى النصوص والأحاديث وتأويلاتها أما العالم الذى يعرف النصوص والأخبار وهو من أهل الدراية وثبت عنده صحتها من المحدثين أو من كتبهم الموثوقة المشهورة المتداولة فيجوز له أن يعمل عليها وإن كان مخالفا لمذهبهم يؤيده قول أبى حنيفة ومحمد والشافعى وأصحابه رحمهم الله تعالى وقول صاحب الهداية فى روضة العلماء الزندوستية فى فضل الصحابة رضى الله تعالى عنهم سئل أبو حنيفة رحمه الله تعالى إذا قلت قولا وكتاب الله يخالفه قال اتركوا قولى بكتاب الله فقيل إذا كان خبر الرسول صلى الله عليه وسلم يخالفه قال اتركوا قولى بخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقيل إذا كان قول الصحابة يخالفه قال اتركوا قولى بقول الصحابة وفى الامتاع روى البيهقى فى السنن عند الكلام على القرائة بسنده قال قال الشافعى رحمه الله تعالى إذا قلت قولا وكان النبى صلى الله عليه وسلم قال خلاف قولى فما يصح من حديث النبى صلى الله عليه وسلم أولى فلا تقلدونى ونقل إمام الحرمين فى النهاية عن الشافعى رحمه الله تعالى أنه قال إذا بلغكم خبر صحيح يخالف مذهبى فاتبعوه واعلموا أنه مذهبى وقد صح منصوصا أنه قال إذا بلغكم عنى مذهب وصح عندكم خبر على مخالفته فاعلموا أن مذهبى موجب الخبر وروى الخطيب بإسناده أن الدارکی من الشافعية كان يستفتى وربما يفتى بغير مذهب الشافعى وأبى حنيفة رحمهما الله تعالى فيقال له هذا يخالف قولهما فيقول ويلكم حدث فلان عن فلان عن النبى صلى الله عليه وسلم هكذا والأخذ بالحديث أولى من الأخذ بقولهما إذا خالفاه وكذا يؤيده ما ذكر فى الهداية فى مسألة صوم المحتجم لو احتجم وظن أن ذلك يفطره ثم أكل متعمدا عليه القضاء والكفارة لأن الظن ما استند إلى دليل شرعى إلا إذا أفتاه فقيه بالفساد لأن الفتوى دليل شرعى فى حقه ولو بلغه الحديث واعتمده فكذلك عن محمد رحمه الله تعالى لأن قول الرسول صلى الله عليه وسلم لا ينزل عن قول المفتى فى الكافى والحميدى أى لا يكون أدنى درجة من قول المفتى وقول المفتى يصلح دليلا شرعيا فقول الرسول صلى الله عليه وسلم أولى وعن أبى يوسف خلاف ذلك لأن على العامى الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء فى حقه إلى معرفة الاحاديث وإن عرف تأويله تجب الكفارة وفى المناوى بالإتفاق وأما الجواب عن قول أبى يوسف إن للعامى الإقتداء بالفقهاء فمحمول على العامى الصرف الجاهل الذى لا يعرف معنى الأحاديث وتأويلاتها لأنه أشار إليه بقوله لعدم الإهتداء أى فى حقه إلى معرفة الأحاديث وكذا قوله وإن عرف العامى تأويله تجب الكفارة يشير إلى أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’جس نے کوئی ایسی حدیث پائی، جو اس کے مذہب کے مخالف ہے، تو وہ غور کرے، اگر اس کو اجتہادِ مطلق کے ذرائع مکمل طور پر حاصل ہیں، یا خاص اس باب میں حاصل ہیں، یا خاص اس مسئلہ میں حاصل ہیں، تو اس کو اس پر عمل کرنے میں استقلال حاصل ہوگا (یعنی وہ کسی مجتہد کی تقلید کا پابند نہیں ہوگا) اور اگر اس کو مذکورہ ذرائع مکمل حاصل نہیں اور بحث کے بعد اسے حدیث کی مخالفت کا کوئی شافی جواب نہیں ملتا، تو بھی اس کو اس حدیث پر عمل کرنا جائز ہے، جبکہ اس حدیث پر امام شافعی کے علاوہ کسی اور مستقل امام (یعنی مجتہد) نے عمل کیا ہو، اور یہ اس کے لیے یہاں اپنے امام کا مذہب ترک کرنے میں عذر بن جائے گا، ابنِ صلاح کے اس قول کی نووی نے تحسین فرمائی ہے، اور اس کو برقرار رکھا ہے‘‘۔انتہیٰ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المراد من العامی غير العالم وفی الحميدی العامی منسوب إلى العامة وهم الجهال فعلم من هذه الإشارات أن مراد أبی يوسف رحمه الله تعالى أيضا من العامی الجاهل الذی لا يعرف معنى النص أو تأويله فيما ذكر من قول أبی حنيفة والشافعی ومحمد رحمهم الله يندفع قول القائل يجب العمل بالرواية بخلاف النص انتهى ما نقلناه من خزانة للروايات.

وفی المسألة قول آخر وهو أنه إذا لم يجمع آلات الإجتهاد لا يجوز له العمل على الحديث بخلاف مذهبه لأنه لا يدری أنه منسوخ أو مؤول أو محكم محمول على ظاهره ومال إلى هذا القول ابن الحاجب فی مختصره وتابعوه ورد بأنه إن أراد عدم التيقن بنفی هذه الإحتمالات فالمجتهد أيضا لا يحصل له اليقين بذلك وإنما يبنی أكثر أمره على غالب الظن وإن أراد أنه لا يدری ذلك بغالب الرأی منعناه فی صورة النزاع لأن المتبحر فی المذهب المتتبع لكتب القوم الحافظ من الحديث والفقه بجملة صالحة كثيرا ما يحصل له غالب الظن بأن الحديث غير منسوخ ولا مؤول بتأويل يجب القول به وإنما البحث فيما حصل له ذلك (عقد الجيد فی أحكام الاجتهاد والتقليد، ص ٥٦ الىٰ ٥٩، باب اختلاف الناس فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلك، فصل فی المتبحر فی المذهب، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣٤ھ، ٢٠١٣م)

[1] والمختار ههنا هو قول ثالث وهو ما اختاره ابن الصلاح وتبعه النووی وصححه قال ابن الصلاح.

من وجد من الشافعية حديثا يخالف مذهبه نظر إن كملت له آلة الإجتهاد مطلقا أو فی ذلك الباب والمسألة كان له الإستقلال بالعمل به وإن لم تكمل وشق مخالفة الحديث بعد أن يبحث فلم يجد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید'' میں ''متبحر فی المذهب'' کو اپنے امام کے مذہب کے خلاف عمل کرنے، اور تلفیق و تتبعِ رُخص وغیرہ کرنے کے بارے میں نہایت منقح ومحقق بحث کرتے ہوئے فرمایا:

إذا أراد هذا المتبحر فی المذهب أن یعمل فی مسألة بخلاف مذهب إمامه مقلدا فیها لإمام آخر هل یجوز له ذلک؟

اختلفوا فیه فمنعه الغزالی وشرذمة.

وهو قول ضعیف عند الجمهور لأن مبناه علی أن الإنسان یجب علیه أن یأخذ بالدلیل فإذا فات ذلک لجهله بالدلائل أقمنا اعتقاد أفضلیة إمامه مقام الدلیل فلا یجوز له أن یخرج من مذهبه کما لا یجوز له أن یخالف الدلیل الشرعی .

ورد بأن اعتقاد أفضلیة الإمام علی سائر الأئمة مطلقا غیر لازم فی صحة التقلید إجماعا لأن الصحابة والتابعین کانوا یعتقدون أن خیر هذه الأمة أبو بکر ثم عمر رضی الله عنهما وکانوا یقلدون فی کثیر من المسائل غیرهما بخلاف قولهما ولم ینکر علی ذلک أحد فکان إجماعا علی ما قلناه.

وأما أفضلیة قوله فی هذه المسألة فلا سبیل إلی معرفتها للمقلد الصرف فلا یجوز أن یکون شرطا للتقلید إذ یلزم أن لا یصح تقلید

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لمخالفته جوابا شافیا عنه فله العمل به إن کان عمل به إمام مستقل غیر الشافعی رحمه الله ویکون هذا عذرا فی ترک مذهب إمامه ههنا وحسنه النووی وقرره(عقد الجید فی أحکام الاجتهاد والتقلید،ص ۵۹،۶۰،باب اختلاف الناس فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما یجب علیهم من ذلک ،فصل فی المتبحر فی المذهب، الناشر: دارالکتب، بشاور، الطبعة الأولیٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

www.idaraghufran.org

جمهور المقلدين ولو سلم ففى مسألتنا هذه هذا عليكم لا لكم لأنه كثيرا ما يطلع على حديث يخالف مذهب إمامه أو يجد قياسا قويا يخالف مذهبه فيعتقد الأفضلية فى تلك المسألة لغيره .

وذهب الأكثرون إلى جوازه منهم الآمدى وابن الحاجب وابن الهمام والنووى وأتباعه كابن حجر والرملى وجماعات من الحنابلة والمالكية ممن يفضى ذكر أسمائهم إلى التطويل وهو الذى انعقد عليه الإتفاق من مفتى المذاهب الأربعة من المتأخرين واستخرجوه من كلام أوائلهم ولهم رسائل مستقلة فى هذه المسألة .

إلا أنهم اختلفوا فى شرط جوازه فمنهم من قال لا يرجع فيما قلد اتفاقا فسره ابن الهمام فقال أى عمل به .

واختلف الشراح فى معنى هذه الكلمة فقيل فيما عمل به بخصوصه بأن يقضى تلك الصلوات الواقعة على المذهب الأول مثلا وهو الصحيح الذى لا يتجه غيره عند التحقيق .

وقيل بجنسه ورد بأنه ليس اتفاقيا بل أكثر ما روى عن السلف هو العمل بخلاف المذهب فيما كانوا يعملون به.

ومنهم من قال لا يلتقط الرخص فقيل يعنى ما سهل عليه ورد بأن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا خير اختار أهون الأمرين ما لم يكن إثما.

وقيل ما لا يقويه الدليل بل الدليل الصحيح الصريح قام بخلافه مثل المتعة والصرف وهذا وجه وجيه.

www.idaraghufran.org

وجدت فى كتاب التلخيص فى تخريج أحاديث الرافعى للحافظ ابن حجر العسقلانى فى كتاب النكاح منه نقلا عن الحاكم فى كتاب علوم الحديث بإسناده إلى الأوزاعى قال يجتنب أو يترك من قول أهل العراق خمس ومن أقوال أهل الحجاز استماع الملاهى والمتعة وإتيان النساء فى أدبارهن والصرف والجمع بين الصلاتين بغير عذر ومن قول أهل العراق شرب النبيذ وتأخير العصر حتى يكون ظل الشىء أربعة أمثاله ولا جمعة إلا فى سبعة أمصار والفرار من الزحف والأكل بعد الفجر فى رمضان.

ثم قال ابن حجر وروى عبد الرزاق عن معمر لو أن رجلا أخذ بقول أهل المدينة فى استماع الغناء وإتيان النساء فى أدبارهن وبقول أهل مكة فى المتعة والصرف وبقول أهل الكوفة فى المسكر كان شر عباد الله.

ومنهم من قال لا يلفق بحيث يتركب حقيقة ممتنعة عند الإمامين قيل الممنوع أن يتركب حقيقة ممتنعة فى مسألة واحدة مثل الوضوء بلا ترتيب ثم خرج منه الدم السائل لا فى مسألتين كما إذا طهر الثوب بمذهب الشافعى وصلى بمذهب أبى حنيفة ويتجه أن يقال فيه بحث لأنه إن كان المقصود من هذا القيد أن لا يخرج مجموع ما انتحله من الاتفاق فهو حاصل فى مسألتين أيضا.

وإن كان المقصود أن لا يخرج هذه المسألة وحدها من الإجماع فيكفى عنه اشتراط كونه مذهبا للإجتهاد فيه مساغ كما يأتى.

ومنهم من قال لا يكون المذهب الذى يذهب إليه مما ينقض فيه

Idara Ghufran

قضاء القاضى وهذا وجيه والإحتراز منه يحصل إذا قلد مذهبا من المذاهب الأربعة المقبولة المشهورة.

ومنهم من قال ينشرح صدره فى تلك المسألة بما قلد فيه غير إمامه ولا يتصور إلا فى المتبحر .

وقيل إذا تبع الأكثر والقول المشهور فخروجه من مذهب إمامه حسن وإذا كان بالعكس فقبيح هذا خلاصة ما فى رسائلهم مع تنقيح وتحرير.

وأنا أختار فى الجواز شرط أن لا ينقض قضاء قاض به سواء كان النقض لإجتماع معنيين كل واحد منهما صحيح كالنكاح بغير شهود مجتمعين ولا إعلان أو لغيره.

وفى الاختيار شرط انشراح الصدر لمعنى فى الدليل أو كثرة من عمل به فى السلف أو كونه أحوط أو كونه تفصيا من مضيق لا يمكن له الطاعة معه لقوله صلى الله عليه وسلم إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه بما استطعتم ونحو ذلك من المعانى المعتبرة فى الشرع لا مجرد الهوى وطلب الدنيا وفى الوجوب شرط أن يتعلق به حق لغيره فيقضى القاضى بخلاف مذهبه (عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد، ص ٦٠ الىٰ ٦٤، باب اختلاف الناس فى الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلك ،فصل فى المتبحر فى المذهب، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣٤هـ، ٢٠١٣م)

ترجمہ: اگر متبحر فى المذهب کسی مسئلے میں اپنے امام کی رائے کو چھوڑ کر کسی دوسرے امام کی رائے کو اختیار کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہے، تو کیا وہ کر سکتا ہے؟

www.idaraghufran.org

اس بارے میں اہلِ علم وفضل کی آراء مختلف ہیں، امام غزالی اور ایک قلیل جماعت نے اس سے منع کیا ہے۔

لیکن (امام غزالی اور ان کی ہم رائے قلیل جماعت کا) یہ قول جمہور علماء کے نزدیک ضعیف ہے، کیونکہ امام غزالی اور ان کی ہم خیال قلیل جماعت کے اس ضعیف قول کا مدار اس بات پر ہے کہ آدمی پر مذہب کا دلیل کے ساتھ قبول کرنا واجب ہے، اور جب یہ شرط اس کے دلائل سے ناواقف ہونے کی وجہ سے فوت ہوگئی، تو ہم اس کے امام کی افضلیت کے اعتقاد کو ہی اس دلیل کے قائم مقام بنادیں گے، لہٰذا اب اس کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرے، جیسا کسی دلیلِ شرعی کی مخالفت جائز نہیں۔

مگر امام غزالی اور ان کی ہم خیال قلیل جماعت کی یہ دلیل مردود ہے، کیونکہ تقلید صحیح ہونے کے لئے بالاجماع یہ ضروری نہیں کہ کوئی مقلد یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا امام دوسرے تمام ائمۂ مجتہدین سے افضل ہے، کیونکہ یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ صحابہ اور تابعین یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اس امت میں حضرت ابوبکر اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما سب سے افضل ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ بہت سے مسائل میں (ان کے قول کے برخلاف) دوسرے صحابہ کی اتباع کیا کرتے تھے، اور صحابہ وتابعین کے اس عمل پر کسی نے نکیر نہیں کی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہم نے جو بات کہی (کہ صحتِ تقلید کے لیے اس مجتہد کے افضل ہونے کا عقیدہ رکھنا ضروری نہیں) اس پر اجماع ہوگیا۔

رہا اس مسئلہ میں امام کے قول کا افضل ہونا، تو مقلدِ محض کے لیے اس کی معرفت کی کوئی صورت نہیں، اس لیے یہ ممکن نہیں کہ اس کو تقلید کی شرط قرار دیا جائے، اگر اس شرط کو درست قرار دیا جائے، تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ جمہور مقلدین کا

تقلید کرنا ہی درست نہ ہو(کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ مقلدین میں اکثریت عوام، اور مقلدینِ محض کی ہی ہوا کرتی ہے) ۱

اگر اس بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ جو شخص جس امام کی پیروی کرتا ہے، وہ اس کی دوسرے اماموں پر افضلیت کا بھی قائل ہو، تو اس مسئلے میں یہ نظریہ خود ان کے خلاف پڑے گا، جو اس کے قائل ہیں، اور وہ اس طرح کے جب وہ کسی مسئلے میں اپنے امام کے مسلک کے خلاف کوئی حدیث پاتا ہے، یا کوئی قوی قیاس اس کے سامنے آتا ہے، تو وہ اس وقت اس مسئلے میں اپنے امام کے علاوہ دوسرے امام کی افضلیت کا قائل ہوتا ہے۔ ۲

اور اکثر اہلِ علم اس (یعنی متبحر فی المذہب کے لیے کسی مسئلہ میں اپنے امام کی رائے چھوڑ کر دوسرے امام یا مجتہد کی تقلید) کے جواز کے قائل ہیں، جن میں آمدی اور ابن حاجب اور ابنِ ہمام اور نووی داخل ہیں، اور ان کے متبعین مثلاً ابن حجر اور رملی اور حنابلہ اور مالکیہ کی جماعتیں، جن کے اسمائے گرامی بہت طویل ہیں، وہ بھی اسی کے قائل ہیں، اور مذاہبِ اربعہ کے متاخر مفتیوں کا اسی پر اتفاق منعقد ہو چکا ہے، اور اس کا انہوں نے اپنے متقدمین حضرات کے کلام سے استخراج کیا ہے،

---

۱ مطلب یہ ہے کہ کسی امام کے مخصوص مسئلہ میں قول کے دوسرے کے مقابلہ میں افضل ہونے کی عام مقلد کو معرفت حاصل نہیں ہوا کرتی، اور مقلد کے لیے اپنے امام، یا مذہب کے افضل ہونے کا عقیدہ رکھنا بھی ضروری نہیں۔

لہٰذا ایک مذہب، یا امام کے مسلک کو ترک کر کے دوسرے امام، یا مسلک کی طرف انتقال، یا کسی خاص مسئلہ میں تقلید ممنوع نہیں۔

۲ یعنی جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اپنے امام، یا مذہب کے متعلق دوسرے تمام مجتہدین، یا مسالک سے افضل سمجھنا ضروری ہے۔

اور وہ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی مقلد اپنے امام کے خلاف کوئی حدیث، یا قیاس کی قوی دلیل پائے، تو وہ اپنے امام کے قول کو ترک کردے۔

حالانکہ اس صورت میں وہ یہاں دوسرے امام کی فضیلت کا قائل ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اپنے امام کے متعلق دوسرے مجتہدین، یا دوسرے مسالک سے افضل ہونے کا عقیدہ رکھنا ضروری نہیں۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

جن کے اس مسئلہ میں مستقل رسائل بھی موجود ہیں۔

مگران جمہور کا اس (اپنے امام کے مذہب کے خلاف، دوسرے امام کے قول پر عمل) کے جائز ہونے کی شرط میں اختلاف واقع ہوا ہے، جس میں کئی اقوال ہیں۔

جن میں سے بعض کا قول تو یہ ہے کہ جس نے کسی مسئلہ میں تقلید کرلی، اس میں اس کو رجوع کرنا جائز نہیں ہے، جس کی ابنِ ہمام نے تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اس پر عمل کر چکا ہو۔

پھر شارحین کا اس عمل کرنے کے الفاظ کے معنیٰ میں بھی اختلاف واقع ہوگیا، جس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ خاص اس مسئلہ پر عمل کرلیا ہو، بایں طور کہ مثلاً جو نمازیں پہلے مذہب کے مطابق پڑھ چکا تھا، ان کو قضاء کرے (یعنی مثلاً جن نمازوں کو پہلے کسی کے مذہب کے مطابق اداء کر چکا تھا، اب دوسرے مذہب پر عمل کرنے کے بعد، ان کو قضاء کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگلی نمازوں کو دوسرے کے مذہب کے مطابق پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ امام شافعی کی تقلید کرتے ہوئے، خون نکلنے کے بعد وضو کیے بغیر نماز پڑھ چکا، تو اس کے بعد امام ابوحنیفہ کی تقلید کرنے پر امام شافعی کی تقلید کے مطابق، پڑھی ہوئی نماز کو باطل قرار نہیں دیا جائے گا)

اور یہ قول صحیح ہے، اور تحقیق کے وقت اس کے علاوہ رائے وزنی معلوم نہیں ہوتی۔

مطلب یہ ہے کہ جس مسئلہ پر کوئی شخص ایک مذہب، یا امام کے قول کے مطابق عمل کر چکا ہے، اور اس عمل کے آثار بھی ختم ہوگئے، اس کے بعد دوسرے امام، یا مذہب پر عمل کرنا جائز ہے، یہی تفسیر راجح ہے۔ [1]

---

[1] پس اگر کسی نے ایک امام، یا مذہب کے مطابق نمازیں پڑھ لیں، اور یہ نمازیں دوسرے مذہب کے مطابق درست نہ تھیں، اس کے بعد اس نے اس دوسرے امام، یا مذہب کی تقلید کر کے عمل شروع کردیا، تو اس کے بعد وہ ان نمازوں کو قضاء نہیں کرے گا، جو نمازیں وہ دوسرے امام، یا مذہب کے مطابق پہلے پڑھ چکا تھا، بلکہ وہ نمازیں صحیح شمار ہوں گی، یہی قول صحیح اور تحقیق پر مبنی ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

اور ایک قول یہ ہے کہ ابنِ ہمام کے اس کلمہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس عمل کی جنس سے کوئی کام کر چکا ہو، اسی جنس کے کسی عمل میں پہلے قول سے رجوع نہ کرے۔

مگر اس قول کو رد کر دیا گیا ہے، کیونکہ یہ قول اتفاقی نہیں ہے، بلکہ سلف سے اکثر جو مروی ہے، وہ اس مذہب کے خلاف ہے، جس پر وہ عمل کر چکے تھے۔ [1]

اور بعض نے کہا کہ (اپنے امام کے مذہب کے خلاف، دوسرے امام کے قول پر عمل) کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ تلقطِ رخص نہ کرے۔

پھر اس ''تلقطِ رخص، یا تتبعِ رخص'' کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ (اس تلقطِ رخص، یا تتبعِ رخص کا مطلب یہ ہے کہ) دوسرے مذہب کا، وہ قول نہ لے، جو اس پر سہل ہو۔

مگر اس قول کو اس وجہ سے رد کر دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اختیار دیا جاتا تھا، تو دو کاموں میں سے ہلکے کو اختیار کرتے تھے، جب تک وہ گناہ والا کام نہیں ہوتا تھا۔ [2]

اور اس (تلقطِ رخص، یا تتبعِ رخص کے بارے میں) کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قول کو کوئی دلیل قوی قرار نہ دے، بلکہ صحیح اور صریح دلیل اس قول کے

---

[1] مطلب یہ ہے کہ دوسرے مذہب، یا امام کی تقلید کرنے کے بارے میں بعض نے یہ تفسیر کی کہ جس مسئلہ پر ایک امام، یا مذہب کے مطابق عمل کرتا رہا، اب آئندہ اس طرح کے مسئلہ میں دوسرے مذہب یا امام کے قول پر عمل نہیں کر سکتا، لیکن یہ تفسیر اکثر سلف کے تعامل کے خلاف ہے۔ محمد رضوان۔

[2] مطلب یہ ہے کہ ایک امام، یا ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے امام، یا دوسرے مذہب کی تقلید کرنے کے جائز ہونے کے لیے بعض نے ''تتبعِ رخص، یا تلقطِ رخص'' کی شرط کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ اپنے لیے آسانی اور سہولت والے اقوال نہ لے کہ اسے دوسرے امام، یا دوسرے مذہب کے اندر جہاں آسانی نظر آئے، اُس کو اختیار نہ کرے۔

لیکن یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی وفعلی احادیث کے خلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہلکے پہلو کو اختیار کرتے تھے، جب تک گناہ والا کام نہ ہوتا، اور مجتہدین کے عام اقوال گناہ کی فہرست میں نہیں آتے، اس لیے ''تتبعِ رخص'' کی تشریح سہل قول ومذہب کو نہ لینے کے ساتھ کرنا، اور پھر اس کی شرط لگانا، مرجوح ہے۔

البتہ ''تتبعِ رُخص'' کی صحیح وراجح توضیح، اگلے قول کے ضمن میں آتی ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

خلاف پائی جائے (جس کو وہ اختیار کرنا چاہتا ہے) مثلاً متعہ اور بیع صرف کے جواز کا قول (کہ اس طرح کے قول کو اختیار کرنا جائز نہیں)

اور یہ ''تتبعِ رخص وتلقطِ رخص'' کی بہت معقول ومضبوط توجیہ ہے (بلکہ ''تتبعِ رُخص'' کی اصل تشریح بھی یہی ہے)

چنانچہ میں نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی ''**کتاب التلخیص فی تخریج احادیث الرافعی** '' کے کتاب النکاح میں ان سے امام حاکم کی کتاب ''علومِ حدیث'' سے اپنی سند کے ساتھ امام اوزاعی کا یہ قول پایا ہے کہ وہ اجتناب کرے، یا ترک کرے، اہلِ عراق کی پانچ باتوں کو، اور اہلِ حجاز کے ان اقوال کو، ایک تو موسیقی سننے کو، دوسرے متعہ کو، تیسرے عورتوں کی دُبر سے شہوت پوری کرنے کو، چوتھے بیع صرف کو، پانچویں بغیر عذر کے جمع بین الصلاتین کرنے کو، اور اہلِ عراق کے نبیذ پینے کے قول کو، اور عصر میں اتنی تاخیر کرنے کو کہ کسی چیز کا سایہ چار مثل کے برابر ہو جائے، اور اس قول کو کہ جمعہ صرف سات شہروں میں جائز ہے، اور جہاد سے راہِ فرار اختیار کرنے کو، اور رمضان میں فجر کے بعد کھانے کو۔

پھر حافظ ابنِ حجر نے فرمایا کہ عبدالرزاق نے معمر سے روایت کیا کہ اگر کوئی آدمی گانا سننے میں اور عورتوں کی دُبر میں شہوت پوری کرنے میں، اہلِ مدینہ کے قول کو لے، اور متعہ اور بیع صرف میں اہلِ مکہ کے قول کو لے، اور نشہ آور چیز میں اہلِ کوفہ کے قول کو لے، تو وہ اللہ کے بندوں میں شریر تر ہے (یعنی ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف منسوب، اس طرح کے انتہائی مرجوح ومہجور، اور شاذ اقوال کو لینا جائز نہیں، اور یہ قول مضبوط ہے، بلکہ ''تتبعِ رُخص'' کے راجح معنیٰ بھی یہی ہیں) [1]

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے دوسرے امام، یا مذہب کے قول پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں ''تتبعِ رخص، یا تلقطِ رخص'' نہ کرنے کی اس توجیہ کو معقول ومضبوط قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے مذہب،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض نے کسی دوسرے امام کے قول کو اختیار کرنے کے جائز ہونے کی یہ شرط

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یا امام کے اس طرح کے اقوال کو لینا جائز نہیں کہ جن کی دلیل قوی نہ ہو، بلکہ صریح دلیل ان کے خلاف ہو، چنانچہ امام اوزاعی اور معمر کی روایات میں جو امور اوپر ذکر کیے گئے، ان کے جواز کی دلیل کمزور ہے، اور قوی دلیل ان کے جواز کے خلاف ہے، لہٰذا اس طرح کے اقوال میں مذہبِ غیر پر عمل پیرا ہونا جائز نہیں، اور جو اقوال اس نوعیت کے نہ ہوں، یعنی ان کی دلیل کمزور نہ ہو، اور صریح دلیل ان کے خلاف نہ پائی جائے، ان میں عدمِ جواز کا حکم نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ دوسرے مجتہد فیہ مسائل کے بارے میں رخصت کی روایات بھی مروی ہیں، اس لیے ہمارے نزدیک بھی راجح یہی ہے کہ جن پہلے حضرات سے ''تتبعِ رُخص'' کی ممانعت اور یہاں تک کہ اس کی بناء پر فسق کا حکم منقول ہے، اُن کے نزدیک ''تتبعِ رُخص'' سے اسی قسم کے مہجور اور شاذ اقوال مراد ہیں، اور جو اقوال مہجور اور شاذ نہ ہوں، بلکہ مذہب کے مضبوط و مشہور اقوال ہوں، یا معتبر فقہی دلیل پر مبنی ہوں، تو اُن کو سہل وآسان ہونے کی بنیاد پر لینا، ناجائز و ممنوع نہیں۔

اور جن بعض متاخرین نے ''تتبعِ رُخص'' کی مراد یہ سمجھی، وہ بھی مرجوح ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی قول کو صرف سہل وآسان ہونے کی بناء پر لینا، ممنوع اور گناہ ہے، اور اس میں نصوص کی مخالفت لازم آئے گی، کیونکہ نصوص میں یُسر وسہولت کی نہ صرف تحسین کی گئی ہے، بلکہ اس کی ترغیب دی گئی ہے، اور بعض مقامات پر اس کی تاکید بھی کی گئی ہے، اس لیے ''تتبعِ رُخص'' کا وہ معنیٰ اور مطلب مراد لینا ہی راجح ہوگا، جو متقدمین سے منقول ہے، اور نصوص سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اور ایسی مراد لینا راجح نہیں ہوگا، جس کا نصوص سے معارضہ لازم آتا ہو۔

علامہ ابنِ ہمام کا موقف بھی یہی ہے، جس کی تفصیل ہم نے دوسرے مقام پر ذکر کر دی ہے۔ محمد رضوان۔

حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب قال: أخبرنا العباس بن الوليد البيروتي قال: ثنا أبو عبد الله بن بحر قال: سمعت الأوزاعي يقول: " يجتنب أو يترك من قول أهل العراق خمس، ومن قول أهل الحجاز خمس ، ومن قول أهل العراق: شرب المسكر، والأكل عند الفجر في رمضان، ولا جمعة إلا في سبعة أمصار، وتأخير صلاة العصر حتى يكون ظل كل شيء أربعة أمثاله، والفرار يوم الزحف، ومن قول أهل الحجاز: استماع الملاهي، والجمع بين الصلاتين من غير عذر، والمتعة بالنساء، والدرهم بالدرهمين، والدينار بالدينارين يدا بيد، وإتيان النساء في أدبارهن "(معرفة علوم الحديث للحاكم،ص ٦٥،ذكر النوع العشرين من علم الحديث)

أخبرنا يحيى بن طالب الأنطاكي ، حدثنا محمد بن مسعود ، حدثنا عبد الرزاق ، أخبرنا معمر ، قال : لو أن رجلا ، أخذ بقول أهل المدينة في السماع -يعني الغناء -وإتيان النساء في أدبارهن ، وبقول أهل مكة في المتعة والصرف ، وبقول أهل الكوفة في السكر ، كان شر عباد الله (الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لابي بكر الخلال،ص ٦٦،باب ذكر الغناء وإنكاره)

أخبرنا عبد الله بن أحمد بن حنبل ، قال :سمعت أبي يقول :سمعت محمد بن يحيى القطان ، يقول : لو أن رجلا ، عمل بكل رخصة :بقول أهل الكوفة في النبيذ ، وأهل المدينة في السماع - يعني الغناء -وأهل مكة في المتعة ، أو كما قال :لكان به فاسقا (الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لابي بكر الخلال، ص ٦٦ ،باب ذكر الغناء وإنكاره)

www.idaraghufran.org

بیان کی کہ وہ اس طرح تلفیق نہ کرے کہ یہ مسئلہ مرکب ہوکر ایسی حقیقت اختیار کرلے کہ جو دونوں اماموں کے نزدیک ممنوع ہو۔

لیکن اس قول کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ممنوع صورت صرف یہ ہے کہ ایک مسئلہ میں ہی ایسی حقیقت مرکب ہو جائے، مثلاً بغیر ترتیب کے وضو کیا، پھراس سے بہتا خون بھی نکلا (یہاں دونوں مسئلوں کا تعلق، خاص ایک وضو سے ہے)

دو مسئلوں میں تلفیق ممنوع نہیں، جیسا کہ جب امام شافعی کے مذہب کے مطابق کپڑا پاک ہوگیا، اور اس کپڑے میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق نماز پڑھی (یہاں کپڑا پاک ہونے کا مسئلہ الگ ہے، اور نماز پڑھنے کا مسئلہ الگ ہے)

تاہم اس میں بھی بحث کی گنجائش ہے، کیونکہ اس (مذکورہ طریقے پر ترکیب وتلفیق نہ ہونے کی) قید سے اگر مقصود یہ ہے کہ عمل کرنے والے نے اس طرح جو کیا، وہ اگر صرف اتفاق ہے، تو وہ دونوں مسئلوں (یعنی الگ الگ اور ایک مسئلہ) میں موجود ہے (لہٰذا دونوں صورتوں کا حکم، یکساں جواز کا ہونا چاہیے)

اور اگر اس (مذکورہ طریقے پر ترکیب وتلفیق نہ ہونے کی) قید سے یہ مقصود ہے کہ صرف یہ مسئلہ اجماع سے خارج نہ ہو، تو اس سے بہتر شرط یہ ہے کہ وہ مسئلہ ایسا ہو کہ جس میں اجتہاد کرنے کی گنجائش ہو ''کما یأتی'' (جیسا کہ اس کی تفصیل اگلی عبارت میں آتی ہے، کہ اگر کوئی بعض مجتہَد فیہ مسائل میں ایک امام کی اور بعض میں دوسرے امام کی تقلید کرے، یہاں تک کہ ہر مذہب سے اہون کو اختیار کرے، جیسا کہ حنفی جب فصد کرائے اور امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہوئے وضو نہ کرے، یا کوئی شافعی اپنی فرج یا عورت کو چھوئے اور امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے

ہوئے وضو نہ کرے، تو جائز ہے، البتہ اگر وہ اس امام کی تقلید کیے بغیر اس رخصت، یا دوسرے قول کو اختیار کرے، تو وہ گناہ گار ہوگا) [1]

اور بعض نے دوسرے امام کا قول لینے کے جائز ہونے کی یہ شرط رکھی کہ وہ مسئلہ ایسا نہ ہو، جس میں قاضی کے فیصلہ کے خلاف عمل کرنا لازم آتا ہو۔

اور (دوسرے امام کا قول لینے کے جائز ہونے کی) یہ بہت عمدہ شرط ہے، اور اس شرط سے احتراز اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب چاروں مقبول اور مشہور مذاہب

---

[1] چنانچہ ''عقد الجید'' کی وہ عبارت درج ذیل ہے، جس کا حاصل اوپر بین القوسین ذکر کیا گیا۔

وفی الظهيرية ومن فعل فعلا مجتهدا فيه أو قلد مجتهدا فی فعل مجتهد فيه فلا عار ولا شناعة ولا إنكار عليه..........إذا دونت هذه المذاهب جاز للمقلد أن ينتقل من مذهب مجتهد إلى مذهب آخر وكذا لو قلد مجتهدا فی بعض المسائل وآخر فی البعض الآخر حتی لو اختار من كل مذهب الأهون كالحنفی إذا إفتصد وأراد أن يأخذ بالشافعی رحمه الله لئلا يتوضأ أو الشافعی مس فرجه أو امرأة وأراد أن يأخذ بالحنفی لئلا يتوضأ وغير ذلک من المسائل جاز هذا حاصل كلام صاحب الأنوار فی كتاب القضاء، وقال فی باب الإحتساب لو رأى الشافعی شافعيا يشرب النبيذ أو ينكح بلا ولی ويطؤها فله أن ينكر لأن علی كل مقلد اتباع مقلده ويعصی بالمخالفة ولو رأى الشافعی الحنفی يأكل الضب أو متروک التسمية عمدا فله أن يقول إما أن تعتقد أن الشافعی أولى بالإتباع وإما أن تترک هذا كلامه فی الإحتساب وبين القولين اختلاف أقول وحل الإختلاف عندی والله أعلم أن معنی قوله يعصی بالمخالفة أنه يعصی بالمخالفة إذا عزم علی تقليده فی جميع المسائل أو فی هذه المسألة ثم أقدم علی المخالفة فهذه معصية بلا شک وأما إذا قلد فی هذه المسألة غيره فذلک الغير هو مقلده ولم يخالف مقلده،ونقول المسألة الثانية(ای اذا التزم مذهبا معينا،فلايجوز الانتقال، فهو) مبنية علی قول الغزالی وشرذمة والأولى علی قول الجمهور(فانهم عندهم يجوز فی هذه الصورة الانتقال ، ولا يلتزم فی هذه الصورة مذهب معين) فافهم، فإن حل هذا الإختلاف قد صعب علی بعض المصنفين(عقد الجيد فی أحكام الاجتهاد والتقليد،ص ٦٥ الٰی ٦٧ ،باب اختلاف الناس فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلک ،فصل فی المتبحر فی المذهب وهو الحافظ لكتب مذهبه ، الناشر : دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولٰی: ١٤٣٤هـ، ٢٠١٣م)

مطلب یہ ہے کہ اگر دوسرے امام، یا مذہب کے قول پر عمل کی ممانعت ایک مسئلہ میں تلفیق کی صورت میں اس وجہ سے ہو کہ دونوں فقہاء کے نزدیک ممنوع صورت پائی جاتی ہے، تو اس صورت میں بھی ہونی چاہیے، جب مسئلے دو ہوں، مگر عمل درست قرار دیا جارہا ہو، کہ ایک امام کے مطابق کپڑا پاک کیا، دوسرے کے مطابق نماز پڑھی، کیونکہ یہاں بھی کسی کے نزدیک نماز درست نہیں، ایک کے نزدیک نماز درست نہ ہونے اور دوسرے کے نزدیک کپڑے کی طہارت نہ ہونے کی وجہ سے، لٰہذا یہ شرط بھی درست نہیں، اس کے بجائے یہ شرط لگانا بہتر ہے کہ وہ مسئلہ مجتہَد فیہ ہو۔ محمد رضوان۔

میں سے کسی مذہب کی تقلید کرے۔ [1]

اور بعض نے دوسرے امام کا قول لینے کے جائز ہونے کو اس صورت کے ساتھ مشروط کیا ہے، جبکہ اس مسئلہ میں اس کو شرح صدر ہو جائے، جس میں اس نے اپنے امام کے علاوہ کی تقلید کی ہے۔

لیکن اس شرح صدر ہونے کا تصور صرف متبحر عالم کے بارے میں ہی ہو سکتا ہے۔

اور ایک قول کے مطابق، دوسرے امام کا قول لینے کے جائز ہونے کی یہ شرط ہے کہ جب وہ اکثر فقہاء اور مشہور قول کی اتباع کرے، تو اس کے لیے اپنے امام کے مذہب سے خروج (نہ صرف جائز ہے، بلکہ) بہتر ہے، اور اس کے برعکس ہو (یعنی اکثر فقہاء اور مشہور قول کو چھوڑ کر اقل فقہاء اور غیر مشہور کو اختیار کرے) تو قبیح صورت ہے۔

یہ خلاصہ ہے، علماء وفقہاء کے اس سلسلہ میں مرتب کردہ رسائل میں تنقیح اور تحریر کے ساتھ جو کچھ مذکور ہے، اس کا۔

اور میں (یعنی شاہ ولی اللہ) ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب پر عمل کے جائز ہونے کو اختیار و پسند کرتا ہوں، صرف اس شرط کے ساتھ کہ اس عمل سے قاضی کا فیصلہ نہ ٹوٹے، خواہ قاضی کے اس فیصلہ کا نہ ٹوٹنا، ایسے دو معنیٰ کے جمع ہونے سے ہوتا ہو کہ ان میں سے ہر ایک صحیح ہو، جیسا کہ دو گواہوں کے ایک جگہ جمع ہوئے بغیر نکاح کرنا، اور اعلان کے بغیر نکاح کرنا، یا قاضی کے اس فیصلے کا نہ ٹوٹنا، کسی دوسری وجہ سے ہو۔ [2]

---

[1] مطلب یہ ہے کہ عام طور پر قاضی چاروں مشہور فقہاء میں سے کسی ایک مسلک کے مطابق ہوتے ہیں، لہٰذا یہ شرط لگانا کہ قاضی کے فیصلے کے خلاف عمل لازم نہ آتا ہو، کا مطلب یہ ہوگا کہ ائمۂ اربعہ سے خروج نہ کرے۔

[2] اور یہ شرط جس طرح متبحر فی المذہب پر صادق آتی ہے، اسی طرح عامی شخص پر بھی صادق آتی ہے کہ جب دوسرے مذہب کا کوئی مسئلہ لینے سے قاضی کے فیصلہ کا ٹوٹنا لازم نہ آتا ہو، تو اس کو دوسرے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے، بلکہ عامی شخص پر بدرجۂ اولیٰ صادق آتی ہے، کیونکہ وہ اپنی حسبِ ضرورت مذہبِ معین کی پابندی کے بغیر، جس مسئلہ میں چاہے، فقہاء ومجتہدین کی اتباع کر سکتا ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

اور دوسرے مذہب پر عمل کرنے کو اس شرط کے ساتھ اختیار و پسند کرنے کی، یہ شرط بھی ہوسکتی ہے کہ دوسرے مذہب پر عمل کرنے والے کو اس مسئلہ میں مضبوط اور معقول دلیل کی وجہ سے، یا سلف کے اس پر عمل کرنے کی وجہ سے، یا اس قول کے زیادہ احتیاط پر مبنی ہونے کی وجہ سے شرح صدر حاصل ہوجائے، یا اس قول کی وجہ سے ایسی تنگی سے چھٹکارا پایا جائے، جس کی موجودگی میں عمل کرنا ممکن نہ ہو، جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ قول ہے کہ جب میں تمہیں کسی کام کا حکم کروں، تو اپنی حسبِ استطاعت اس پر عمل کرو، اور اس کے علاوہ دوسرے مذہب، یا دوسرے امام کے قول کی طرف منتقل ہونے کے مستحسن ہونے کی ایسی وجوہات بھی ہوسکتی ہیں، جو شریعت میں معتبر ہوں۔

صرف اتباعِ ہویٰ اور دنیا کی طلب کی وجہ سے ایسا نہ کیا جائے۔ [1]

اور میں اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب پر عمل کرنے کو اس شرط کے پائے جانے کی صورت میں واجب سمجھتا ہوں، جبکہ اس کے ساتھ دوسرے کا حق متعلق ہو، اور قاضی نے اس کے مذہب کے خلاف فیصلہ کردیا ہو (عقد الجید)

یعنی جب قاضی نے اس کے مذہب کے خلاف، دوسرے مذہب کے مطابق فیصلہ کردیا، جس کے مطابق قاضی کا فیصلہ ہوا ہے، اس کے نتیجہ میں دوسرے کا حق، اپنے ذمہ میں متعلق ہوجاتا ہے، تو ایسی صورت میں اس شخص کو مذہبِ غیر کے مطابق کیے گئے، قاضی کے اس فیصلہ پر عمل کرنا واجب ہے، ورنہ قضائے قاضی کی خلاف ورزی اور اس کے نتیجہ میں دوسرے کی حق تلفی لازم آئے گی، اور نظم وضبط میں خلل، اور فتنہ وفساد بھی پیدا ہوگا، جس کو شاہ ولی اللہ صاحب

---

[1] یعنی دوسرے مذہب کے مسئلہ پر عمل کرنے کی وجہ اگر یہ ہو کہ اس مذہب کے مسئلہ پر شرح صدر ہو، یا اس میں زیادہ احتیاط پائی جاتی ہو، یا تنگی سے چھٹکارا پایا جاتا ہو، یا اسی طرح کی کوئی ایسی وجہ ہو، جو شریعت کی نظر میں معتبر ہے، مگر صرف اتباعِ ھویٰ اور طلبِ دنیا پیشِ نظر نہ ہو، تو ان تمام صورتوں میں دوسرے مذہب پر عمل مستحسن ہے، اور محض سہولت ویسر کو اتباعِ ھویٰ سمجھ لینا، درست نہیں، اتباعِ ھویٰ ہر چیز میں ممنوع ہے، اور یسر وسہولت شریعت کی نظر میں مرغوب ومحمود ہے۔

www.idaraghufran.org

نے دوسرے مقام پر بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

بلکہ اس طرح کے امور میں، عامی شخص کو بھی قاضی کے فیصلہ کی پابندی واجب ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ''حجةُ اللّٰہ البالغة'' میں فرمایا:

قال محمد رحمه الله فی أمالیه: لو أن فقیها قال لامرأته: أنت طالق ألبتة، وهو ممن یراها ثلاثا، ثم قضی علیه قاض بأنها رجعیة، وسعه المقام معها، وکذا کل فصل مما یختلف فیه الفقهاء من تحریم أو تحلیل أو إعتاق أو أخذ مال أو غیره، ینبغی لفقیه المقضی علیه الأخذ بقضاء القاضی ویدع رأیه، ویلزم نفسه ما ألزم القاضی، ویأخذ ما أعطاه.

قال محمد رحمه اللّٰہ: وکذلک رجل لا علم له، ابتلی ببلیة، فسأل عنها الفقهاء، فأفتوه فیها بحلال أو بحرام، وقضی علیه قاضی المسلمین بخلاف ذلک، وهی مما یختلف فیه الفقهاء، فینبغی له أن یأخذ بقضاء القاضی، ویدع ما أفتاه الفقهاء (حجة اللّٰہ البالغة، ج ۱ ص ۱۵۲، تتمة، باب ۴: حکایة حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها، مطبوعة: دار ابن کثیر، بیروت، الطبعة الثانیة: ۱۴۳۳ ھ)

ترجمہ: امام محمد نے اپنی ''امالی'' میں فرمایا کہ اگر کسی فقیہ نے اپنی عورت کو یہ کہا کہ ''أنت طالق ألبتة'' اور وہ فقیہ ان الفاظ سے تین طلاق کے واقع ہونے کی رائے رکھتا ہے، پھر اس کے متعلق کسی قاضی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ رجعی طلاق ہے، تو اس فقیہ کو اس عورت کے ساتھ قیام کرنا جائز ہے، اور یہی حکم ہر اس مسئلہ میں ہے، جس میں فقہاء کا اختلاف ہو، حرام، یا حلال کا مسئلہ ہو، یا غلام و باندی کے آزاد ہونے کا مسئلہ ہو یا مال وغیرہ لینے کا مسئلہ ہو، اس فقیہ کے لیے جس کے

www.idaraghufran.org

خلاف فیصلہ ہو، مناسب ہے کہ وہ قاضی کے فیصلہ کو اختیار کرے، اور اپنی رائے کو ترک کردے، اور اپنے آپ پر اس چیز کا التزام کرے، جو قاضی نے لازم کیا ہے، اور جو قاضی اسے دے، وہ لے لے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسی طریقہ سے اس شخص کا بھی حکم ہے، جس کو علم نہ ہو (یعنی وہ فقیہ نہ ہو) اور وہ کسی مسئلہ میں مبتلا ہو جائے، پھر وہ اس مسئلہ کے متعلق فقہاء سے سوال کرے، پھر فقہاء اس کو اس مسئلہ کے متعلق حلال، یا حرام کا فتویٰ دے دیں، لیکن مسلمانوں کا قاضی اس کے متعلق اس کے خلاف فیصلہ کردے، اور وہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہو، جن میں فقہاء کا اختلاف ہے، تو اس عامی شخص کے لیے بھی قاضی کے فیصلہ کو لینا، اور فقہاء جس پر فتویٰ دیں، اس کو چھوڑ دینا مناسب ہے (حجۃ اللہ البالغۃ)

شاہ ولی اللہ صاحب کی دوسری تالیف ''الانصاف'' میں بھی یہی تفصیل مذکور ہے۔ [1]

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی فارسی زبان کی تالیف ''ازالۃُ الخفاء'' میں فرمایا:

اطاعتِ خلیفہ لازم است بر مسلمین ہر چہ امر فرماید خلیفہ از مصالحِ اسلام و از آنچہ مخالفِ شرع نباشد، خواہ خلیفہ عادل باشد خواہ جائر و اگر قوم در مذاہبِ فروع مختلف باشند و خلیفہ حکم فرماید بامرے کہ مجتہَد فیہ ست غیر مخالف کتاب و سنتِ مشہورہ و اجماعِ سلف و قیاسِ جَلی بر اصل واضح الثبوت لازم است سخنِ او شنیدن

---

[1] قال محمد رحمه الله فى أماليه لو أن فقيها قال لامرأته أنت طالق البتة وهو ممن يراها ثلاثا ثم قضى عليه قاض بأنها رجعية وسعه المقام معها وكذا كل فصل مما يختلف فيه الفقهاء من تحريم أو تحليل أو إعتاق أو أخذ مال أو غيره ينبغي للفقيه المقضى عليه الأخذ بقضاء القاضى ويدع رأيه ويلزم نفسه ما ألزم القاضى ويأخذ ما أعطاه.

قال محمد رحمه الله وكذلك رجل لا علم له ابتلى ببلية فسأل عنها الفقهاء فأفتوه فيها بحلال أو بحرام وقضى عليه قاضى المسلمين بخلاف ذلك وهى مما يختلف فيه الفقهاء فينبغى له أن يأخذ بقضاء القاضى ويدع ما أفتاه الفقهاء(الإنصاف فى بيان أسباب الاختلاف للدهلوى، ص ١١١، باب حكاية ما حدث فى الناس بعد المائة الرابعة، التقليد فى المذاهب الاربعة، الناشر: دار النفائس، بيروت، الطبعة الثالثة :١٤٠٦هـ، ١٩٨٦م)

www.idaraghufran.org

وبمقتضای قضائے اور فتن ہر چند موافقِ مذہب محکوم علیہ نباشد۔

وحرام ست خروج بر سلطان بعد ازانکہ مسلمین بروی مجتمع شدند مگر آنکہ کفر بَوَاح ازدی دیدہ شود، اگر چہ آں سلطان مستجمع شروط نباشد۔

ترجمہ:......رعایا پر خلیفہ کی اطاعت لازم ہے، مصالحِ اسلام کے متعلق، خلیفہ جو کچھ حکم فرمائے، اور (نیز اس حکمران کا جو حکم) شرع کے مخالف نہ ہو (اس کی بجاآوری) مسلمانوں پر لازم ہے، خواہ خلیفہ عادل ہو، یا ظالم، اور اگر لوگ مذہب کے فروعات میں مختلف ہوں، اور خلیفہ کسی ایسی بات کا حکم دے، جو اجتہادی ہے، اور کتاب اور سنتِ مشہورہ اور اجماعِ سلف کے مخالف نہیں ہے، اور (نیز) اس قیاسِ جلی کے مخالف نہیں ہے، جو واضح الثبوت اصل پر مبنی ہے، تو خلیفہ کی اس بات کو سننا اور اس کے حکم کے موافق چلنا لازم ہے، اگر چہ (خلیفہ کا یہ حکم) اس شخص کے مذہب کے موافق نہ ہو (جس کو خلیفہ نے حکم دیا ہے)

کسی سلطان (کی حکومت) پر مسلمانوں کے متفق ہو جانے کے بعد اس سلطان سے بغاوت کرنا حرام ہے، اگر چہ وہ سلطان خلافت کی شرطوں کا جامع نہ ہو، مگر اس صورت میں کہ اس سے صریح کفر ظاہر ہو (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مترجم: مولانا محمد عبدالشکور فاروقی، جلد ۱، صفحہ ۱۳۱، مقصدِ اول، فصلِ اول: خلافت، عامہ کا بیان، مسئلہ سوم: خلافت کے استحقاق کے شرائط، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی)

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''حجۃُ اللہ البالغۃ'' میں بھی ''متبحر'' کے لیے ''تلفیق'' کو اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ وہ مسئلہ مجتہَد فیہا ہو، اس میں قضائے قاضی نافذ ہو سکتی ہو، اور اس میں مجتہد، مفتی کا فتویٰ جاری ہو سکتا ہو۔

اور اس کے برخلاف میں ''تلفیق'' کو ممنوع قرار دیا ہے۔

چنانچہ ''حجۃُ اللہ البالغۃ'' میں فرماتے ہیں:

وأوسطها من كلتا الطريقتين أن يحصل له من معرفة القرآن والسنن ما يتمكن به من معرفة رؤوس مسائل الفقه المجمع عليها بأدلتها التفصيلية، ويحصل له غاية العلم ببعض المسائل الاجتهادية من أدلتها وترجيح بعض الأقوال على بعض ونقد التخريجات ومعرفة الجيد والزيف، وإن لم يتكامل له الأدوات كما يتكامل للمجتهد المطلق، فيجوز لمثله أن يلفق من المذهبين إذا عرف دليلهما، وعلم أن قوله ليس مما لا ينفذ فيه اجتهاد المجتهد، ولا يقبل فيه قضاء القاضي، ولا يجرى فيه فتوى المفتين (حجة الله البالغة، ج ا ص ۵۱۴، تتمة، باب ۴ :حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها ،فصل فى مسائل ضلت فى بواديها الأفهام، مراتب تتبع الأدلة لمعرفة الاحكام مطبوعة : دار ابن كثير ، بيروت ، الطبعة الثانية :۱۴۳۳ هـ)

ترجمہ: اوراس (کتاب وسنت کے تتبع اوراحکامِ شرعیہ کی معرفت) کا اوسط درجہ جو دونوں طریقوں کے درمیان ہے، وہ یہ ہے کہ اس کو قرآن وسنت کی اتنی معرفت حاصل ہو کہ وہ فقہ کے بنیادی مجمع علیہا مسائل سے تفصیلی دلائل کے ساتھ معرفت کا تمکن حاصل کر سکتا ہو، اور اس کو بعض مسائلِ اجتہادیہ کا دلائل کے ساتھ اور بعض اقوال کی بعض پر ترجیح اور تخریجات کی تنقیح اور کامل اور ناقص کی معرفت کا غایت درجہ علم ہو، اگرچہ اس کو کامل اجتہاد کے ذرائع حاصل نہ ہوں، جیسا کہ مجتہدِ مطلق کو کامل طریقہ پر حاصل ہوتے ہیں، تو اس جیسے شخص کے لیے دو مذہبوں کے درمیان تلفیق کرنا جائز ہے، جبکہ ان دونوں کی دلیل کو پہچان لے، اور یہ بات جان لے کہ اس کا قول ان چیزوں میں سے نہیں ہے، جس میں مجتہد کا اجتہاد نافذ نہیں ہوتا، اور اس میں قضائے قاضی کو قبول نہیں کیا جاتا، اور اس میں مفتیوں کا فتویٰ جاری نہیں ہوتا (حجۃ اللہ البالغۃ)

www.idaraghufran.org

اور یہ بات معلوم ہے کہ مجتہدین کے درمیان، جو عمومی نوعیت کے اجتہادی واختلافی مسائل ہیں، ان میں مجتہد کا اجتہاد بھی نافذ ہوتا ہے، اور اس طرح کے مسائل قضائے قاضی کو بھی قبول کرتے ہیں، اور اس میں ''مجتہد و متبحر'' کو فتویٰ دینا بھی جائز ہوتا ہے، خواہ اس کا اجتہاد اور تبحر اس جزوی مسئلہ تک ہی محدود کیوں نہ ہو۔

جس کا حاصل یہی نکلا کہ اجتہادی واختلافی مسائل میں قضائے قاضی کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، تو تلفیق جائز ہے، اور یہ بات دوسرے مقام پر ذکر کی جا چکی ہے کہ ''عامی'' کا مذہب، اس کے ''مفتی'' کا مذہب ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی ''عامی'' کو ''مفتی'' نے اس طرح تلفیق کا فتویٰ دیا، یا عامی شخص نے معتبر ذریعہ سے یہ بات جان لی کہ اس کا تعلق مجتہَد فیہا مسائل سے ہے، اور اس پر عمل کرنے کی وجہ سے قضائے قاضی کی خلاف ورزی بھی لازم نہیں آتی، تو مذکورہ تحقیق کی روشنی میں تلفیق جائز ہوگی۔

تاہم ''تتبعِ رُخص'' سے اجتناب کی شرط کا لحاظ ضروری ہے، اور ''تتبعِ رُخص'' کا راجح مطلب گزر چکا ہے کہ اس سے مراد انتہائی مرجوح اور مہجور اقوال ہیں، جیسا کہ متعہ اور عورت کی دُبر سے قضائے شہوت، اور استماعِ غناء وغیرہ کے اقوال۔

علامہ ابنِ تیمیہ نے اس قسم کے مہجور وشاذ اقوال کو ''**زلات العلماء**'' کا نام دیا ہے، جن کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ کسی کے لیے ''زلاتِ علماء'' کی اتباع وتقلید جائز نہیں، اور ان ''زلاتِ علماء'' کے مرتکب علماء کی شان اور ایمان میں کلام کرنا بھی جائز نہیں، اور جو شخص اس طریقہ سے ہٹے گا، وہ تقلید میں اتباعِ ھویٰ کرنے والا شمار ہوگا۔ [1]

---

[1] وليس لأحد أن يتبع زلات العلماء كما ليس له أن يتكلم فى أهل العلم والإيمان إلا بما هم له أهل؛ فإن الله تعالى عفا للمؤمنين عما أخطئوا كما قال تعالى: ''ربنا لا تؤاخذنا إن نسينا أو أخطأنا'' قال الله: قد فعلت .وأمرنا أن نتبع ما أنزل إلينا من ربنا ولا نتبع من دونه أولياء وأمرنا أن لا نطيع مخلوقا فى معصية الخالق ونستغفر لإخواننا الذين سبقونا بالإيمان .فنقول: ''ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان'' الآية .وهذا أمر واجب على المسلمين فى كل ما كان يشبه هذا من الأمور .ونعظم أمره تعالى بالطاعة لله ورسوله؛ ونرعى حقوق المسلمين؛ لا سيما أهل العلم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

''تلفیق'' اور ''تتبع رخص'' پر مزید کلام آگے ضمیمہ میں آتا ہے۔

پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے ''**عقدُ الجید**'' میں ''**متبحر فی المذهب**'' کے کسی مسئلہ میں تقلید کر چکنے کے بعد دوسرے فقیہ کی طرف رجوع کرنے کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''جب کسی فقیہ کی کسی مسئلہ میں تقلید کرلے، تو اس کے بعد دوسرے فقیہ کی طرف رجوع کرنے کے مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ اس نے کسی متعین مذہب کا التزام نہ کیا ہو۔

اس صورت میں ابنِ حاجب نے کہا ہے کہ جس مسئلہ پر تقلید کر کے عمل پیرا ہو چکا، اس کے بعد بالاتفاق رجوع نہیں کرسکتا (کیونکہ وہ عمل گزر چکا)

اور جس مسئلہ پر تقلید کر کے عمل نہیں کیا (خواہ اس جیسے دوسرے مسئلہ پر عمل کر چکا) اس کے بارے میں مختار قول رجوع کے جواز کا ہے، کیونکہ جس کی پہلے مسئلہ میں تقلید کر چکا، اس کی طرف ہی رجوع کو واجب قرار دینے میں نص کو مقید کرنا لازم آتا ہے، جو کہ نسخ کے قائم مقام ہے، اور نص ''**فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون**'' ہے (جو ہر ایک کی اتباع کو عام ہے)

اس کے علاوہ سلف کے زمانے میں عوام، فقہاء سے معین آدمی کی تعیین کے بغیر استفتاء کیا کرتے تھے، جن پر نکیر نہیں ہوتی تھی، پس یہ جواز پر اجماع کی دلیل ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے کسی متعین مذہب کا التزام کر لیا ہو، اور اس نے یہ کہہ دیا ہو کہ میں اس مذہب کا التزام اور اس کی اتباع کرنے والا ہوں۔

اس صورت میں ابنِ حاجب نے اپنے مذہب میں اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں ایک قول ''مطلق عدمِ جواز'' کا ہے، اور دوسرا قول ''مطلق جواز''

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ **منهم كما أمر الله ورسوله .ومن عدل عن هذه الطريق فقد عدل عن اتباع الحجة إلى اتباع الهوى فى التقليد وآذى المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا: فهو من الظالمين. ومن عظم حرمات الله وأحسن إلى عباد الله كان من أولياء الله المتقين .والله سبحانه أعلم(مجموع الفتاوىٰ، ج٣٢، ص ٢٣٩، كتاب النكاح، باب وليمة العرس،ليس لأحد أن يتبع زلات العلماء)**

www.idaraghufran.org

کا ہے، اور تیسرا قول اس صورت اور پہلی صورت کا حکم برابر ہونے (یعنی جواز) کا ہے (حنفیہ کے نزدیک بھی یہی راجح ہے کما مر)“۔انتھٰی۔ [1]

پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے ”عقدُ الجید“ میں ”عمدةُ الاحکام“ کے حوالہ سے مجتہد کے کسی فعل کے کرنے، یا اس طرح کے مسئلہ میں کسی مجتہد کی تقلید کرنے پر نکیر نہ کرنے کا حکم ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

”فلا ينكر على من فعل فعلا مجتهدا أو تقلد بمجتهد“

یعنی ”جو شخص مجتہد ہونے کی بنیاد پر کسی فعل کو اختیا کرے، یا مجتہد کی تقلید کی بنیاد پر کوئی فعل کرے، تو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی“۔انتھٰی۔ [2]

---

[1] فى خزانة الروايات فى كشف القناع وإذا قلد فقيها فى شىء هل يجوز له أن يرجع عنه إلى فقيه آخر. المسألة على وجهين.

أحدهما :أن لا يكون التزم مذهبا معينا كمذهب أبى حنيفة والشافعى وغيرهما رحمهم الله تعالى.

والثانى: التزم فقال إنى ملتزم متبع.

ففى الوجه الأول قال ابن الحاجب لا يرجع بعد تقليده فيما قلد اتفاقا.

وفى حكم آخر المختار الجواز لقوله تعالى (فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون)

فالقول بوجوب الرجوع إلى من قلد أولا فى مسألة يكون تقييد النص وهو يجرى مجرى النسخ على ما تقرر فى الأصول. ولقوله صلى الله عليه وسلم أصحابى كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم.

وإن العوام فى السلف كانوا يستفتون الفقهاء من غير رجوع إلى معين من غير إنكار فحل محل الإجماع على الجواز كذا فى شرح ابن الحاجب .

وأما الجواب فى الوجه الثانى وهو ما إذا التزم مذهبا معينا كأبى حنيفة والشافعى رحمهما الله تعالى فقد أشار ابن الحاجب إلى الإختلاف فى ذلك من اختلاف مذهبه وأشار إلى أنه اختلف العلماء فى ذلك على ثلاثة أقاويل. فقيل لا يجوز مطلقا .وقيل يجوز مطلقا. القول الثالث أن الحكم فى هذا الوجه والوجه الأول سواء فلا يجوز أن يرجع عنه بعد تقليده فيما قلد أى عمل به ويجوز فى غيره(عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد،ص ۶۴،۶۵ ،باب اختلاف الناس فى الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلك ،فصل فى المتبحر فى المذهب ، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

[2] وفى عمدة الأحكام من الفتاوى الصوفية سئل عن يوم عيد الفطر إنا نرى بعض الناس يتطوعون فى الجامع عند الزوال فمنعهم عن ذلك ونخبرهم عن ورود النهى عن الصلاة فى الأوقات الثلاثة قال أما المنع فلا كيلا يدخل تحت قوله تعالى (أرأيت الذى ينهى عبدا إذا صلى)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

شاہ ولی اللہ صاحب نے ”عقد الجید“ کی اس سے پہلی عبارت میں ”کما یأتی“ فرما کر جس عبارت کا ذکر فرمایا تھا، اس میں بھی مجتہَد فیہ فعل کے کرنے پر، یا مجتہَد فیہ مسائل میں دوسرے کی تقلید کر کے عمل کرنے پر، نکیر نہ کرنے، اور اس فعل کے قابلِ شناعت اور قابلِ عار نہ ہونے کا ذکر ہے۔

چنانچہ وہ عبارت مندرجہ ذیل ہے:

وفی الظهيرية ومن فعل فعلا مجتهدا فيه أو قلد مجتهدا فی فعل مجتهد فيه فلا عار ولا شناعة ولا إنكار عليه وفی المنهاج للبيضاوی لو رأى الزوج لفظا كناية ورأته المرأة صريحا فله الطلب ولها الإمتناع فيرجعان إلى غيرهما .

فائدة :استشكل رجل شافعی الإختلاف بين عبارتی الأنوار فأجبته بما يحل الإختلاف فی كتاب القضاء من كتاب الأنوار ما حاصله. إذا دونت هذه المذاهب جاز للمقلد أن ينتقل من مذهب مجتهد إلى مذهب آخر وكذا لو قلد مجتهدا فی بعض المسائل وآخر فی البعض الآخر حتى لو اختار من كل مذهب الأهون كالحنفی إذا إفتصد وأراد أن يأخذ بالشافعی رحمه الله لئلا يتوضأ أو الشافعی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولا يتعين وقت الزوال بل عسى أن يكون قبله أو بعده ولئن كان وقته فقد روى عن أبی يوسف رحمه الله لا يكره ذلك التطوع عند الزوال يوم الجمعة والشافعی رحمه الله لا يكره ذلك فی جميع الأيام فلئن اعترضت على هذا المصلی فعسى أن يجيبك أنه تقلد فی هذه المسألة من يرى جواز ذلك أو يحتج عليك بما احتج به من اختار ذلك فليس لك أن تنكر على من قلد مجتهدا أو احتج بدليل وفيها أيضا من التجنيس والمزيد وربما قلده هذا المصلی فلا ينكر على من فعل فعلا مجتهدا أو تقلد بمجتهد (عقد الجيد فی أحكام الاجتهاد والتقليد،ص ٦٥ ،باب اختلاف الناس فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلك ،فصل فی المتبحر فی المذهب، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ١٤٣٤هـ، ٢٠١٣م)

مس فرجه أو امرأة وأراد أن يأخذ بالحنفى لئلا يتوضأ وغير ذلك من المسائل جاز هذا حاصل كلام صاحب الأنوار فى كتاب القضاء، وقال فى باب الإحتساب لو رأى الشافعى شافعيا يشرب النبيذ أو ينكح بلا ولى ويطؤها فله أن ينكر لأن على كل مقلد اتباع مقلده ويعصى بالمخالفة ولو رأى الشافعى الحنفى يأكل الضب أو متروك التسمية عمدا فله أن يقول إما أن تعتقد أن الشافعى أولى بالإتباع وإما أن تترك.

هذا كلامه فى الإحتساب.

وبين القولين اختلاف.

أقول وحل الإختلاف عندى والله أعلم أن معنى قوله يعصى بالمخالفة أنه يعصى بالمخالفة إذا عزم على تقليده فى جميع المسائل أو فى هذه المسألة ثم أقدم على المخالفة فهذه معصية بلا شك وأما إذا قلد فى هذه المسألة غيره فذلك الغير هو مقلده ولم يخالف مقلده.

ونقول المسألة الثانية مبنية على قول الغزالى وشرذمة والأولى على قول الجمهور فافهم فإن حل هذا الإختلاف قد صعب على بعض المصنفين (عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد، ص ٦٥ الٰى ٦٧، باب اختلاف الناس فى الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلك، فصل فى المتبحر فى المذهب، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولٰى: ١٤٣٤ھ، ٢٠١٣م)

ترجمہ: اور ظہیریہ میں ہے کہ جس نے مجتہد فیہ فعل کو اختیار کیا، یا مجتہد فیہ فعل میں کسی مجتہد کی تقلید کی، تو اس کو نہ تو عار دلائی جائے گی، اور نہ اس میں کوئی برائی

ہوگی، اور نہ اس پر نکیر کی جائے گی، اور بیضاوی کی منہاج میں ہے کہ اگر شوہر کسی لفظ کو کنائی خیال کرتا ہے، اور اس کی بیوی اس کو صریح خیال کرتی ہے (اور شوہر نے وہ الفاظ طلاق کی نیت کے بغیر، بیوی کو کہے) تو مرد کا عورت کو طلب کرنا جائز ہے، اور عورت کو منع کرنا جائز ہے، لہٰذا وہ اپنے علاوہ کسی اور (مفتی یا، حاکم) کی طرف رجوع کریں گے۔

فائدہ: ایک شخص کو ''انوار'' نامی کتاب کی دو عبارتوں کے درمیان اختلاف میں اشکال پیدا ہوگیا، تو میں نے اس کو اس اختلاف کے حل کا جواب دیا۔

''کتابُ الانوار'' کی ''بحثِ قضاء'' کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:

''جب یہ مذاہب مدون ہوگئے، تو مقلد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ایک مجتہد کے مذہب سے دوسرے مجتہد کے مذہب کی طرف منتقل ہو، اور اسی طریقہ سے اگر وہ بعض مسائل میں کسی مجتہد کی اور بعض مسائل میں کسی دوسرے مجتہد کی تقلید کرے، تو بھی جائز ہے، یہاں تک کہ اگر وہ ہر مذہب سے اھون (اور آسان) پہلو کو اختیار کرے، جیسا کہ حنفی ''فصد'' کرانے (اور خون نکلنے کے بعد) امام شافعی (یا امام مالک) رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہوئے وضو نہ کرے، یا کوئی شافعی اپنی فرج، یا عورت کو چھوئے، اور امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہوئے وضو نہ کرے، یا اسی طرح کے دوسرے مسائل پر عمل کرے، تو جائز ہے''۔

یہ صاحبِ انوار کی ''کتابُ القضاء'' کی عبارت کا حاصل ہے۔

اور صاحبِ انوار نے ''بابُ الاحتساب'' میں فرمایا کہ:

''اگر کوئی شافعی دوسرے شافعی کو نبیذ پیتے ہوئے، یا بغیر ولی کے نکاح کرنے کے بعد عورت سے وطی کرتے ہوئے دیکھے، تو اس پر نکیر کرنا جائز ہے، کیونکہ مقلد پر اپنے امام کی تقلید واجب ہے، اور وہ مخالفت کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، اور اگر

کوئی شافعی کسی حنفی کو ''گوہ'' کو کھاتے ہوئے، یا متروکُ التسمیة عمداً کے گوشت کو کھاتے ہوئے دیکھے، تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ کہے کہ یا تو آپ یہ اعتقاد کریں کہ امام شافعی اتباع کے اعتبار سے زیادہ اولیٰ ہیں، یا پھر اس فعل کو چھوڑ دیں''۔

یہ صاحبِ انوار کے ''بابُ الاحتساب'' کا کلام تھا۔

اور دونوں قولوں میں اختلاف پایا جاتا ہے (کہ ایک جگہ دو اماموں کے اقوال پر عمل کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور دوسری جگہ، ایک امام کے مقلد کو، اسی امام کی تقلید کرنے والے کی مخالفت کرنے پر نکیر کو جائز قرار دیا گیا ہے)

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک واللّٰہ اعلم اس اختلاف کا حل یہ ہے کہ ان کے قول ''یعصی بالمخالفة'' (یعنی وہ مخالفت کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا) کا مطلب یہ ہے کہ وہ مخالفت کرنے کی وجہ سے اس صورت میں گناہ گار ہوگا، جب کہ وہ تمام مسائل میں، یا خاص اس مسئلہ میں ایک امام کی تقلید کا عزم کرے، اور پھر اس کی مخالفت پر اقدام کرے، تو یہ بلا شک وشبہ معصیت ہے، لیکن جب وہ اس مسئلہ میں کسی اور کی تقلید کرے، تو وہ غیر ہی اس کا امام ہوگا، جس کی اس نے مخالفت نہیں کی۔

اور ہم اس موقع پر کہتے ہیں کہ دوسرا (یعنی ''کتابُ الاحتساب'' کا) مسئلہ ، امام غزالی اور ایک مختصر جماعت کے قول پر مبنی ہے (جن کے نزدیک مذہب کا التزام کرنے والے پر، اس سے خروج جائز نہیں ہوتا) اور پہلا (یعنی ''کتابُ القضاء'' کا) مسئلہ، جمہور کے قول پر مبنی ہے (جن کے نزدیک مذہبِ معین کا التزام کرنے والے پر بھی یہ التزام واجب نہیں ہوتا) اس بات کو سمجھ لیجیے، کیونکہ اس اختلاف کا حل بعض مصنفین پر دشوار ہو جاتا ہے (عقدالجید)

www.idaraghufran.org

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک ''متبحر فی المذھب'' کو بھی اپنے مذہب کی پابندی واجب نہیں، بلکہ اس کے لیے دوسرے مذہب پر عمل کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کی وجہ سے قاضی کا فیصلہ نہ ٹوٹے، اور جب دوسرے مذہب کی دلیل کے مضبوط ہونے پر شرح صدر ہو جائے، تو پھر دوسرے مذہب پر عمل کرنا مستحسن ہے، اور اگر قاضی نے اس کے مذہب کے خلاف فیصلہ کر دیا ہو، اور اس فیصلہ کے ساتھ دوسرے کا حق متعلق ہو، تو پھر اس کے مطابق دوسرے مذہب پر عمل واجب ہو جاتا ہے۔ [1]

جہاں تک عامی کا تعلق ہے، اس کی بحث آگے آتی ہے، مگر وہاں شاہ ولی اللہ صاحب نے مذہبِ غیر پر عمل کرنے، اور اس کے جائز ہونے کی مذکورہ بحث سے تعرض ہی نہیں فرمایا، جس کی وجہ واضح ہے کہ عامی کا کوئی متعین مذہب ہوتا ہی نہیں، بلکہ اس کا ''مذہب'' عام حالات میں ''اس مفتی کا مذہب ہوتا ہے، جس سے وہ فتویٰ طلب کرے، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو'' پھر اس عامی کے لئے اپنے، یا پرائے مذہب کی بحث کو چھیڑنے کی کیا ضرورت، اور کیا مطلب؟

---

[1] ملحوظ رہے کہ ابنِ ملا فروخ نے اپنے مذہب کے صواب ہونے کا عقیدہ رکھنے کے وجوب کو مجتہد فی المذہب میں سے اصحابِ ترجیح کے ساتھ خاص کیا ہے، اور اس طرح کے مجتہد کو ہی تبحر فی المذہب کہا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تبحر فی المذہب کے لیے مذہب سے خروج جائز نہیں۔

لیکن عبدالغنی نابلسی وغیرہ نے اس کی تردید فرمائی ہے۔

ولا يحتاج أن يحمل ذلک على المجتهدين فی المذهب أصحاب الترجيح، كأبی الحسن الكرخی والطحاوی والسرخسی ونحوهم .كما حمل ذلک على أمثال هؤلاء الشيخ محمد بن الفروخ المكی فی رسالته حيث قال: بأن هذا فی حق أئمتنا ومن أخذ بقولهم من أهل النظر، كأبی الحسن الكرخی والطحاوی وأمثالهم .إذا سئلوا يجيبوا بما ذكر .وليس المراد أن يكلف كل مقلد أن يعتقد ذلک فيما قلد فيه إلى آخر كلامه.

وقد علمت فساد هذا الحمل بما ذكرنا من النقول فی جواز تقليد المفضول مع العلم بالفاضل وإن ذلک لا يختص بمقلد دون مقلد، وإن الخلاف فی ذلک فی حق كل مقلد والله الموفق(خلاصة التحقيق فی بيان حكم التقليد والتلفيق لعبدالغنی النابلسی، ص ۱۲ ،وأما المقصد الثالث: فهل يجوز التقليد من غير اعتقاد الأرجحية فيما قلده ام لا؟ طبعة جديدة بالأوفست مكتبة حقيقة ،استانبول،تركيا، ۱۴۳۲ھ، ۲۰۱۱م)

بلکہ ایسے شخص کو تو مفتی کے خلاف حدیث ملنے کی صورت میں بھی، حدیث پر عمل کر لینا جائز ہے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے دوسری جگہ تصریح کی ہے۔

جہاں تک ''اخف وایسر'' قول کو اختیار کرنے کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب اوپر ''عقدُ الجید'' کی عبارت میں واضح فرما چکے ہیں کہ تلقطِ رخص کے یہ معنیٰ مراد لینا کہ ''دوسرے مذہب کا، وہ قول نہ لے، جو اس پر سہل ہو'' تو اس کی نصوص سے تائید نہیں ہوتی، اس لیے وہ قول شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک راجح نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے دوسرے مقام پر ''اخف وایسر'' قول کے اختیار کرنے کو جائز، بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن قرار دیا ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب، اپنی فارسی تالیف ''ازالۃُ الخفاء'' میں فرماتے ہیں:

بست وسوم: اختیارِ تشدد در عبادات وراضی برخصِ شرعیہ نہ شدن فی المصابیح ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن الدین یسر، ولن یشاد الدین أحد إلا غلبہ، فسددوا وقاربوا، وأبشروا، واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیء من الدلجۃ'' (بخاری)

ذکر البغوی عن عمیر '' قال: من أدرکت من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم أکثر من سبعین، فما رأیت قوما أھون سیرۃ ولا أقل تشدیدا منھم.

قال إبراھیم: إذا بلغک فی الإسلام أمران، فخذ أیسرھما.

وقال الشعبی: إذا اختلف علیک فی أمرین، فخذ أیسرھما، فإن أیسرھما أقربھما من الحق، لأن اللہ سبحانہ وتعالی، یقول: یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر'' (شرح السنۃ)

وازیں آثار مفہوم می شود کہ تلقط رخص از مذاہبِ اربعہ بعد ازاں کہ نصِ قرآن وحدیثِ مشہور واجماعِ سلف وقیاسِ جلی وحدیثِ صحیح ازاں باز نداشتہ باشد حسن

است ''خلافا للفقهاء المتاخرين بل نسبه بعضهم الى الفسق''

ترجمہ:......تیئیسویں حالت، عبادات میں تشدد (اور سختی اختیار کرنا) اور رخصتِ شرعی کے ساتھ راضی نہ ہونا ہے، مصابیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک دین (سرتاپا) آسانی ہے، اور ہرگز کوئی شخص دین میں تشدد نہ کرے گا، مگر یہ کہ دین اس پر غالب آجائے گا (اور وہ نیک اعمال کرنے سے عاجز ہوگا) لہٰذا تم سیدھے رہو اور (عمل کے) قریب ہوجاؤ اور بشارت پاؤ اور صبح وشام اور کچھ رات (کی عبادت) سے مدد چاہو، اور بغوی نے عمیر سے روایت کی ہے، وہ کہتے تھے کہ میں جن صحابہ سے ملا ہوں وہ ستر سے زیادہ تھے، میں نے کسی قوم کو سیرت (وعادت) میں آسان (اور امورِ دین میں) کم تشدد کرنے والا ان سے بڑھ کر نہ دیکھا، ابراہیم (نخعی) کہتے ہیں کہ جب تم کو اسلام میں دو کام معلوم ہوں (اور ایک ان میں آسان ہو اور دوسرا مشکل ہو) تو ان دو میں جو آسان ہو اسے اختیار کرو، اور (امام) شعبی کہتے ہیں کہ جب دو کام تم کو پیش آئیں، تو ان میں سے جو آسان ہو، اسے اختیار کرو، کیونکہ جو ان دونوں میں آسان ہے، وہی حق سے قریب تر ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے ''یرید الله بكم اليسر تا آخر'' (ترجمہ: اللہ تمھارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ دشواری نہیں چاہتا) ان آثار سے مفہوم ہوتا ہے کہ مذاہبِ اربعہ میں سے رخصت کے مسائل کو چن چن کر اختیار کرلینا، بعد اس کے کہ نصِ قرآن اور حدیثِ مشہور اور اجماعِ سلف اور قیاسِ جلی اور حدیثِ صحیح ان سے نہ روکے، مستحسن ہے۔

مگر فقہائے متاخرین کا اس میں اختلاف ہے، بلکہ بعض فقہاء نے اس فعل کو فسق کی طرف منسوب کیا ہے (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مترجم: مولانا محمد عبدالشکوری فاروقی، جلد ۱، صفحہ ۵۲۲، فصل پنجم: بیانِ فتن، درذیل ''زمانۂ فتن میں لوگوں کی تیس حالتوں کا بیان''، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی)

www.idaraghufran.org

شاہ ولی اللہ صاحب نے مذکورہ عبارت میں مذاہبِ اربعہ میں سے رخصت کے مسائل چن چن کر اختیار کر لینے، یا اختیارِ اخف کو اس وقت تک مستحسن قرار دیا ہے، جب تک کہ نصِ قرآن اور حدیثِ مشہور اور اجماعِ سلف اور قیاسِ جلی اور حدیثِ صحیح ان سے نہ روکے۔

ساتھ ہی شاہ ولی اللہ صاحب نے اختیارِ اخف کے سلسلہ میں اختلاف کو فقہائے متاخرین کی طرف منسوب کیا ہے، اور بعض متاخرین کی طرف سے اس کے باعثِ فسق ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔

اور جواز اس قول پر مبنی ہے، جس کی رُو سے مذہبِ معین کا التزام واجب نہیں۔

اس بنیاد پر عامی شخص کے لیے فقہائے کرام کے اقوال میں سے اخف کو اختیار کرنا جائز ہے۔

جہاں تک عالم کا تعلق ہے، تو اگر وہ مجتہد ہے، تو اس کو تو اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا حکم ہے، اور اگر کوئی عالم غیر مجتہد ہو، تو اس کو اختیارِ اخف اختیار کرتے وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق یہ دیکھ لینا کافی ہے کہ وہ اخف نصِ قرآن اور حدیثِ مشہور اور اجماعِ سلف اور قیاسِ جلی اور حدیثِ صحیح کے خلاف نہ ہو، اور عامی شخص کو یہ بات کسی عالم سے بھی معلوم ہو سکتی ہے۔

اور جو انتہائی مرجوح اور مہجور اقوال ہیں، جیسا کہ متعہ اور عورت کی دُبر سے قضائے شہوت، اور استماعِ غناء وغیرہ کے اقوال، وہ مذکورہ قیود کی وجہ سے خارج ہو گئے، کیونکہ نصِ قرآن، حدیثِ صحیح، اجماعِ سلف اور قیاسِ جلی سے ان کی تائید نہیں ہوتی، بلکہ ان میں سے بعض چیزیں، ان اقوال کی تردید کرتی ہیں، لہٰذا اس طرح کے مہجور اقوال کو ''اخف وایسر'' میں داخل مان کر اختیار کرنے کی اجازت نہیں، اور ''تتبعِ رُخص'' کا یہی مفہوم راجح بھی ہے، اور اس طرح کے اقوال کو اختیار کرنے میں اتباعِ ہویٰ بھی لازم آتی ہے۔

اگرچہ اس سلسلہ میں اہلِ علم واہلِ فقہ حضرات کے دوسرے اقوال بھی ہیں، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جس قول کو اختیار فرمایا، وہ بھی متعدد اہلِ فقہ واہلِ علم

www.idaraghufran.org

حضرات کا ہے، اس لیے وہ قول بھی باطل نہیں۔

اور اگر کوئی محقق عالم نیک نیتی اور دلائل کی بنیاد پر اس قول کو اختیار کرتا ہے، تو وہ باعثِ ملامت نہیں۔

چنانچہ سابق مفتی دیارِ مصر علامہ محمد بخیت المطیعی حنفی ''المتوفیٰ: 1354 ہجری'' (سابق رئیس: المجلس العلمی بمحکمة مصر الکبریٰ الشرعیة ، وعضو المحکمة العلیا بها سابقا) اپنے رسالہ ''الاجوبة المصرية على الاسئلة التونسية'' میں فرماتے ہیں:

حقق بعض المحققين من الاصوليين انه يجوز للعامی ان يتتبع الرخص فی المذاهب متى كان القصد مجرد التخفيف على نفسه ، ولم يكن القصد متابعة شهواته وهواه (الاجوبة المصرية على الاسئلة التونسية، ص۱۰۸، ۱۰۹، مطبعة النيل بمصر، سنة ۱۳۲۴ هـ)

ترجمہ: بعض اصولی محققین کی یہ تحقیق ہے کہ عامی شخص کے لیے مذاہب میں تتبعِ رخص کرنا جائز ہے، جبکہ اس کا مقصد صرف اپنے آپ پر تخفیف اور آسانی پیدا کرنا ہو، اور اس کا مقصد اپنی شہوت اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ ہو (الاجوبة المصرية)

اور اس میں شک نہیں کہ فقہی امور میں بلاوجہ کی سختی اور تشدد کرنا، خاص طور پر خود ساختہ، یا من گھڑت احادیث و دلائل کی بنیاد پر ہو، یا مغلوبُ الحال بزرگوں کے واقعات و احوال کی بنیاد پر ہو، یا کسی بزرگ کے کشف کی بنیاد پر ہو، تو یہ غلو فی الدین کے قبیل سے ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے گزرا۔

اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ متفرد نہیں ہیں، بلکہ بہت سے فقہاء کا یہی قول ہے، بالخصوص متقدمین کا، اگرچہ بعض فقہائے متاخرین کے اقوال اس سلسلہ میں دوسرے بھی پائے جاتے ہیں، جیسا کہ خود شاہ صاحب رحمہ اللہ نے وضاحت فرما دی۔

''تلفیق اور تتبعِ رخص'' کی مزید تفصیل آگے ''ضمیمہ'' میں آتی ہے۔

www.idaraghufran.org

شاہ ولی اللہ صاحب نے ’’عقد الجید‘‘ میں فرمایا:

’’امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا اختلاف ہونے کی صورت میں بعض مشائخِ حنفیہ کا ایک قول پہلے علی الاطلاق امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ ہونے کا، پھر امام ابو یوسف کے قول پر، اور اس کے بعد امام محمد کے قول پر، اور پھر امام زفر، اور حسن بن زیاد کے قول پر ہونے کا ہے۔

اور بعض مشائخِ حنفیہ کا دوسرا قول امام ابوحنیفہ کے ایک طرف، اور صاحبین کے دوسری طرف ہونے کی صورت میں، مفتی کو اختیار حاصل ہونے کا ہے، لیکن اس کو اس صورت کے ساتھ خاص ہونے کو اصح قرار دیا گیا ہے، جب مفتی مجتہد ہو (خواہ اس خاص مسئلہ میں ہی مجتہد ہو، کیونکہ جمہور کے نزدیک اجتہاد میں تجزی جائز ہے) اور اگر مفتی مذکورہ درجہ کا مجتہد نہ ہو، تو پھر پہلا قول ’’اصح‘‘ ہے۔

اور بعض مشائخِ حنفیہ کا تیسرا قول یہ ہے کہ اگر امام ابوحنیفہ ایک طرف ہوں، اور صاحبین دوسری طرف ہوں، تو مفتی کو امام ابوحنیفہ، یا صاحبین کا قول لینے میں اختیار حاصل ہے۔

اور اگر امام ابوحنیفہ کے صاحبین میں سے کوئی ایک طرف ہو، اور ان میں سے دوسرا امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہو، تو پھر ان دونوں کا قول لینا ضروری ہوگا، الا یہ کہ مشائخِ حنفیہ نے اس ایک کے قول کو لینے، یہاں تک کہ امام زفر کے قول کو لینے کی تصریح کردی ہو، تو پھر اسی ایک کے قول کو لیا جائے گا۔

اور زمانہ کی مصلحت پر نظر کرتے ہوئے، مشائخ کو حنفیہ کے اصحاب میں سے کسی کا قول بھی لے لینا جائز ہے۔[1]

---

[1] جیسا کہ سابق مشائخ کا بھی یہی طریقہ تھا، یہی وجہ ہے کہ اگر سابق مشائخ موجودہ زمانے میں ہوتے، تو وہ بھی اس موجودہ زمانے کی مصلحت کے مطابق فتویٰ دیتے، خواہ وہ فتویٰ امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں، آپ کے اصحاب میں سے کسی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور بعض مشائخِ حنفیہ کا چوتھا قول یہ ہے کہ جس مسئلہ کا تعلق قضاء وعدالت کے باب سے ہو، اس میں امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا، کیونکہ ان کا اس شعبہ میں زیادہ تجربہ ہے (ظاہر ہے کہ ان اقوال کا تعلق بھی غیر مجتہد مفتی سے ہے، مجتہد پر اس کے اجتہاد پر جاری رہنے کا اصول مسلم ہے، اور مجتہدِ مستقل سے نیچے کا اجتہاد، اب بھی مشروع وجاری ہے)

اور مفتی کو "جرِ منفعت" کی خاطر مہجور اقوال پر فتویٰ ممنوع ہے، اس کے بجائے مشائخ کے اقوال کو اختیار کرنا، اور سلف کے طریقہ کی اقتداء کرنی چاہیئے"۔ انتہٰی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کے قول کے مطابق بھی ہوتا، نہ یہ کہ سابق زمانے کے مشائخ کی مصلحت پر مبنی قول کو پکڑ کر بیٹھ جائیں، اور اپنے زمانے کی مصلحت کو نظر انداز کر دیں" جو غالباً اس مرجوح قول، یا غلط فہمی پر مبنی ہے کہ اجتہاد کے تمام تر درجات مسدود، یا مفقود ہو چکے ہیں، جبکہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی تصریح فرما چکے ہیں کہ اجتہادِ مطلق کا اجتہادِ انتساب والا درجہ بھی تا قیامت باقی ہے، چہ جائیکہ اس کے بعد والے درجے مفقود ہو چکے ہوں، جن میں جزوی اجتہاد کا ادنیٰ درجہ بھی مفقود ہو چکا ہو، اور دیگر محققین نے بھی یہی تصریح فرمائی ہے۔ محمد رضوان۔

[1] مسألة :اختلفوا فى الفتوى بالروايات الشاذة المهجورة.

فى خزانة الروايات فى السراجية ثم الفتوى على الاطلاق على قول أبى حنيفة رحمه الله ثم بقول أبى يوسف رحمه الله ثم بقول محمد بن الحسن الشيبانى رحمه الله تعالى ثم بقول زفر بن هذيل والحسن بن زياد رحمهما الله تعالى.

وقيل إذا كان أبو حنيفة رحمه الله فى جانب وصاحباه فى جانب فالمفتى بالخيار والأول أصح إذا لم يكن المفتى مجتهدا .

لأنه كان أعلم زمانه حتى قال الشافعي الناس كلهم عيال أبى حنيفة رحمه الله .

فى الفقه فى المضمرات وقيل إذا كان أبو حنيفة رحمه الله فى جانب وأبو يوسف ومحمد رحمهما الله فى جانب فالمفتى بالخيار إن شاء أخذ بقوله وإن شاء اخذ بقولهما.

وإن كان أحدهما مع أبى حنيفة يأخذ بقولهما البتة إلا إذا اصطلح المشايخ على الأخذ بقول ذلك الواحد فيتبع اصطلاحهم كما اختار الفقيه أبو الليث قول زفر فى قعود المريض للصلاة أنه يقعد المصلى فى التشهد لأنه أيسر على المريض وإن كان قول أصحابنا أن يقعد المريض فى حال القيام متربعا أو محتبيا ليكون فرقا بين القعدة والقعود الذى هو فى حكم القيام ولكن هذا يشق على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

البتہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ’’فیوضُ الحرمین ‘‘میں امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے اقوال کے متعلق، اپنے رجحان کا اظہار اس طرح فرمایا ہے کہ:

یؤخذ من اقوال الثلاثة قول اقر بهم بها (ای بالسنة المعروفة)فی المسئلة ، ثم بعد ذلک یتبع اختیارات الفقهاء الحنفیین الذین کانوا من علماء الحدیث .

فرب شیئ سکت عنه الثلاثة فی الاصول ، وماتعرضوا لنفیه ، ودلت الاحادیث علیه، فلیس بد من اثباته والکل مذهب حنفی

(فیوض الحرمین، ص۴۸، ۴۹، المشاهدة التاسعة والعشرون، مطبوعه: مطبع احمدی، دهلی)

ترجمہ: اقوالِ ثلاثہ، یعنی امام اعظم اور صاحبین سے جو قول اُس (سنتِ معروفہ) کے زیادہ قریب ہو، اس کو لیا جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المریض لأنه لم یتعود هذا القعود. وکذلک اختاروا تضمین الساعی إلی السلطان بغیر إذن وهذا قول زفر رحمه الله تعالی سدا لباب السعایة وإن کان قول أصحابنا لا یجب الضمان لأنه لم یتلف علیه مالا.

ویجوز للمشایخ أن یأخذوا بقول واحد من أصحابنا عملا لمصلحة الزمان.

فی القنیه فی باب ما یتعلق بالمفتی من النوادر قال رضی الله عنه والفتوی فیما یتعلق بالقضاء علی قول أبی یوسف رحمه الله تعالی لزیادة تجربته.

وفی المضمرات ولا یجوز للمفتی أن یفتی ببعض الأقاویل المهجورة لجر منفعة لأن ضرر ذلک فی الدنیا والآخرة أتم وأعم بل یختار أقاویل المشایخ واختیارهم ویقتدی بسیر السلف ویکتفی بإحراز الفضیلة والشرف.

فی القنیة فی کتاب أدب القاضی فی باب مسائل متفرقة .مسألة: المسائل التی تتعلق بالقضاء فالفتوی فیها علی قول أبی یوسف لأنه حصل له زیادة علم بالتجربة(عقد الجید فی أحکام الاجتهاد والتقلید،ص۶۸ الٰی ۷۰،باب اختلاف الناس فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما یجب علیهم من ذلک ،فصل فی المتبحر فی المذهب، الناشر: دارالکتب، بشاور، الطبعة الأولٰی: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

پھر اس کے بعد (یعنی اگر کسی کا قول سنتِ معروفہ کے زیادہ قریب معلوم نہ ہو، تو) ان فقہائے حنفی کے اختیار کردہ اقوال کی پیروی کی جائے، جو علمائے حدیث ہیں۔

پس کئی چیزیں ایسی ہیں کہ اُن سے تینوں مذکورہ حضرات نے اصول میں سکوت اختیار کیا ہے، اور ان کی نفی سے تعرّض نہیں کیا، اور احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں، ایسی صورت میں (احادیث کے پیشِ نظر) اُن کو ثابت مانے بغیر کوئی چارہ نہیں، اور یہ سب کچھ مذہبِ حنفی میں ہی داخل ہے (اس سے خارج نہیں) (فیوض الحرمین)

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقد الجید'' میں ''عوام کی سہولت کے لئے رخصت پر مشتمل قول کو لینے کا مسئلہ'' بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وفى عمدة الأحكام من كشف البزدوى يستحب للمفتى الأخذ بالرخص تيسيرا على العوام مثل التوضؤ بماء الحمام والصلاة فى الأماكن الطاهرة بدون المصلى وعدم الاحتراز عن طين الشوارع فى موضع حكموا بطهارته فيها ولا يليق ذلك بأهل العزلة بل الأخذ بالإحتياط والعمل بالعزيمة أولى بهم وفى القنية ثم ينبغى للمفتى أن يفتى الناس بما هو أسهل عليهم كذا ذكره البزدوى فى شرح الجامع الصغير ينبغى للمفتى أن يأخذ بالأيسر فى حق غيره خصوصا فى حق الضعفاء لقوله عليه الصلاة والسلام لأبى موسى الأشعرى ومعاذ حين بعثهما إلى اليمن يسروا ولا تعسروا وفى عمدة الأحكام فى كتاب الكراهية سؤر الكلب والخنزير نجس خلافا لمالك وغيره ولو أفتى بقول مالك جاز (عقد الجيد فى أحكام

www.idaraghufran.org

الاجتهاد والتقليد، ص ۷۰، ۷۱، باب اختلاف الناس فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلك، فصل فی المتبحر فی المذهب، الناشر: دار الكتب، بشاور، الطبعة الأولیٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

ترجمہ: **کشف البزدوی** کے حوالہ سے **عمدۃُ الاحکام** میں ہے کہ مفتی کے لئے مستحب ہے کہ عوام کی آسانی کی غرض سے رخصتوں کو اختیار کرے، جیسے حمام کے پانی سے وضو کرنا، اور پاک جگہوں میں بغیر جائے نماز کے نماز پڑھنا، اور جن مواقع میں طہارت کا حکم لگایا ہے، وہاں کے راستوں کی مٹی اور کیچڑ سے نہ بچنا، لیکن جو لوگ اہلِ عزل وخواص ہیں، ان کے لئے احتیاط کو لینا اور عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے۔

قنیۃ میں ہے کہ پھر مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو ایسا فتویٰ دے، جوان پر زیادہ سہل ہو، اسی طریقہ سے بزدوی نے جامع صغیر کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ مفتی کے لیے مناسب یہ ہے کہ دوسرے کے حق میں آسان ترین پہلو کو اختیار کرے، خاص طور پر کمزوروں کے حق میں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن روانہ کیا، تو یہ فرمایا کہ ''تم لوگوں پر آسانی پیدا کرنا اور تنگی پیدا مت کرنا'' اور **عمدۃُ الاحکام** کی **کتاب الکراھیۃ** میں ہے کہ کتے اور خنزیر کا جوٹھا ناپاک ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک پاک ہے، اور اگر کوئی امام مالک کے قول پر فتویٰ دے، تو جائز ہے (عقد الجید)

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ''**عقد الجید**'' میں مختلف کتبِ فقہ کے حوالہ سے چند عبارات ذکر فرمائی ہیں، جن میں سے بعض عبارات میں تین طلاقوں کے بعد، زوجِ ثانی سے دخول کے بغیر حلت کا فتویٰ دینے پر تعزیر کا ذکر ہے۔

اور بعض عبارات میں ''تتبعِ رُخص'' پر ''اثم'' یا ''فسق'' کا ذکر ہے۔

اس پر شاہ ولی اللہ صاحب کا تفصیلی کلام پہلے گزر چکا ہے، اس لیے یہاں اس پر مزید بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ [1]

مذکورہ تمام تفصیل ''متبحر فی المذهب'' کے بارے میں ہے۔

اور یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ جس طریقہ سے کوئی شخص کسی مخصوص مذہب کا متبحر ومجتہد ہوسکتا ہے، اسی طرح خاص مسائل کا بھی ہوسکتا ہے، مثلاً نماز کے مسائل کا، بلکہ خاص مسئلہ کا، جو اجتہاد میں تجزی کے جواز پر مبنی ہے۔ [2]

---

[1] وفی القنية فقيه يفتی بمذهب سعيد بن المسيب ويزوج للزوج الأول بقيت مطلقة بثلاث تطليقات كما كانت ويعزر الفقيه وفقيه يحتال فی الطلقات الثلاث ويأخذ الرشا بذلک ويزوجها للأول بدون دخول الثانی هل يصح النكاح وما جزاء من يفعل ذلک قالوا يسود ويبعد.
فی الفتاوی الإعتمادية من فتاوی السمرقندی أن سعيد بن المسيب رجع عن قوله إن دخول المحلل ليس بشرط فی التحليل فلو قضی به قاض لا ينفذ قضاؤه ولو حكم به فقيه لا يصح ويعزز الفقيه .
وفی التحفة شرح المنهاج نقل الغزالی الإجماع علی تخير المقلد بين قولی إمامه أی علی جهة البدل لا الجمع إذا لم يظهر ترجيح أحدهما وكأنه أراد إجماع أئمة مذهبه.
وكيف ومقتضی مذهبنا كما قاله السبكی منع ذلک فی القضاء والإفتاء دون العمل لنفسه وبه يجمع بين القول الماوردی يجوز عندنا وانتصر له الغزالی كما يجوز لمن أداه اجتهاده إلی تساوی جهتين أن يصلی إلی أيهما شاء إجماعا وقول الإمام يمتنع إن كانا فی حكمين متضادين كإيجاب وتحريم بخلاف نحو خصال الكفارة وأجری السبكی ذلک وتبعوه فی العمل بخلاف المذاهب الأربعة أی مما علمت نسبته لمن يجوز تقليده وجميع شروطه عنده وحمل علی ذلک قول ابن الصلاح لا يجوز تقليد غير الأئمة الأربعة أی فی قضاء وإفتاء ومحل ذلک وغيره من صور التقليد ما لم يتتبع الرخص بحيث تنحل ربقة التقليد عن عنقه وإلا أثم به بل قيل فسق وهو وجيه قيل محل ضعفه أن يتتبعها من المذاهب المدونة وإلا فسق قطعا انتهی(عقد الجيد فی أحكام الاجتهاد والتقليد، ص ١٧، ٢٧، باب اختلاف الناس فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلک ،فصل فی المتبحر فی المذهب، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولٰی: ١٤٣٤هـ، ٢٠١٣م)

[2] وفی شرح الإرشاد لو كان عالما بمسائل الصلاة متبحرا فيها غير متبحر فی سائر العلوم فإنه أولی من المتبحر فی سائر العلوم .اهـ .كاكی (حاشية الشلبی علٰی تبيين الحقائق، ج ١ ص ١٣٤، كتاب الصلاة، باب الامامة والحدث فی الصلاة)
المجتهد فی الشرع مطلقا يفتی، وأن المتبحر فی مذهب بعض الأئمة المجتهدين يفتی أيضا علی الصحيح(روضة الطالبين وعمدة المفتين للنووی، ج ١٠ ص ٢٢٣، كتاب السير)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو عمل ''متبحر فی المذھب'' کے لیے جائز ہے، وہ اپنے سے پہلے اور اعلیٰ درجہ کے شخص یعنی ''مجتھد فی المذھب'' کے لیے بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

اس موقع پر یہ بات ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص مجتہدین کی ایک قسم میں شامل ہو، تو اس میں دوسری قسم کے اجتہاد کی صلاحیت ہونے کی نفی نہیں کی جا سکتی، بالخصوص جبکہ اجتہاد میں تجزی کے جواز والے جمہور کے قول کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من عرف مذهب مجتهد، وتبحر فيه، لكن لم يبلغ رتبة الاجتهاد، هل له أن يفتي ويأخذ بقول ذلك المجتهد؟ فعلى الصحيح يجوز .هكذا صوروا الفرع(روضة الطالبين وعمدة المفتين للنووى، ج ١١ ص ٩٩، كتاب القضاء)

مجتهد الفتوى وهو المتبحر في مذهبه المتمكن من ترجيح أحد قوليه على الآخر إذا أطلقهما(حاشية البجيرمي على الخطيب، ج ١ ص ٥١، مقدمة الكتاب، مبحث في قوله أما بعد)

[1] قال العلامة اللكنوى فى عمدة الرعاية:

قال فى المصباح المنير: اجتهدَ فى الأمرِ بذلَ وسعه وطاقتَه فى طلبه؛ ليبلغَ مجهوده، ويصلُ إلى نهايته .انتهى .ومعنى بذل الطاقة :أن يحسَّ من نفسِهِ العجزَ عن المزيد عليه. وشرطه :الإسلام، والعقل، والبلوغ، وكونه فقيه النفس؛ أى شديد الفهم بالطبع، وعملُه باللغة العربية، وكونه حاوياً لكتاب الله تعالى فيما يتعلّق بالأحكام، وعالماً بالحديث متناً وسنداً، وناسخاً ومنسوخاً، وبالقياس، وهذه الشرائط فى المجتهدِ المطلق الذى يفتى فى جميعِ الأحكام، وأمّا المجتهدُ فى حكمٍ دون حكم فعليه معرفةُ ما يتعلّق بذلك الحكم مثلاً كالاجتهادِ فى حكمٍ متعلّقٍ بالصلاة لا يتوقّف على معرفةِ جميعِ ما يتعلّق بالنكاح .كذا فى التلويح(مقدمة عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، ج٥ص ٤١٨، الناشر:دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، سنة الطباعة : ٢٠٠٩م)

وقال عبد القادر بن بدران الدمشقي:

تنبيه:إن هذه الشروط المذكورة كلها إنما تشترط للمجتهد المطلق الذى يفتى فى جميع الشرع أما من أفتى فى فن واحد فى مسألة واحدة ووجدت فيه شروط الاجتهاد بالنسبة إلى ذلك الفن أو تلك المسألة فلا يشترط له ذلك وجاز له أن يجتهد فيما حصل شروط الاجتهاد فيه وإن لم تتوفر فيه الشروط فى غيرها وخالف قوم فى هذا وهذا مبنى على أنه هل يجوز تجزىء الاجتهاد أم لا يجوز والحق أنه يتجزأ لأن كثيرا من أئمة السلف الصحابة وغيرهم كانوا يسألون عن بعض مسائل الأحكام فيقولون لا ندرى حتى إن مالكا رضى الله عنه قال لا أدرى فى ست وثلاثين مسألة من ثمانى وأربعين مسألة وقد توقف الشافعي وأحمد بل الصحابة والتابعون فى الفتاوى كثيرا فلو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی وجہ سے شیخ محمد زاہد الکوثری (المتوفیٰ: 1371 ہجری) نے ''حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی'' میں مفصل ومدلل انداز میں امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ کے اجتہادی مقام پر بحث فرمانے، اور ابنِ کمال پاشا کی تقسیم وتفریع اور تمثیل سے اختلاف کرنے کے بعد فرمایا:

والحق أن الإجتهاد له طرفان ، أعلى وأدنى، وفيما بين الطرفين درجات متفاوتة جد التفاوت ومنازل متخالفة كل التخالف ، فلا تظهر منزلة الفقيه بمجرد عده من طبقة أهل الإجتهاد المطلق المستقل، وكم بين الذين حافظوا على الإنتساب من هو أعلى منزلة من الذين حاولوا الإستقلال على أن الإستقلال بالمعنى الصحيح ، لايوجد بين الأئمة المتبوعين المعروفين، فضلا عمن بعدهم ، لأن أبا حنيفة تابع فى معظم اتجاهه طريقة فقهاء العراق من أصحاب على وابن مسعود رضى الله عنهما، وأصحاب أصحابهم ، ولا سيما ابراهيم النخعى (حسن التقاضى فى سيرة الامام ابى يوسف القاضى، ص٢٥، ٢٦، منزلته فى الإجتهاد وبعد غوره فى التأصيل التفريع، الناشر: المكتبة الأزهرية للتراث، خلف الجامع الأزهر الشريف، القاهرة، مصر، الطبعة : ٢٠٠٢ م)

ترجمہ: اور حق بات یہ ہے کہ اجتہاد کی دو طرفیں ہیں، ایک اعلیٰ، اور ایک ادنیٰ، اور ان دونوں طرفوں کے مابین مختلف درجات ہیں، جن میں غیر معمولی تفاوت پایا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ كان الاجتهاد المطلق فى جميع الأحكام شرطا فى الاجتهاد فى كل مسألة على حدتها لما كان هؤلاء الأئمة مجتهدين لكنه خلاف الإجماع فدل على أن ذلک لا يشترط ولا يشترط عدالة المجتهد فى اجتهاده لكنها مشترطة فى قبول فتياه وخبره هذا ما يذكره علماء الأصول فى المجتهد المطلق ويسمى عندهم بالمجتهد المستقل ويعرفونه بأنه الذى يستقل بإدراک الأحكام الشرعية من الأدلة الشرعية من غير تقليد ولا تقييد بمذهب معين (المدخل إلى مذهب الإمام أحمد بن حنبل، ج ١ ، ص٣٧٣، الىٰ ٣٧٤، عقد نضيد فى الاجتهاد والتقليد)

www.idaraghufran.org

جاتا ہے، اوران کے مابین ایک دوسرے کے بھرپور مخالف منازل ہیں، پس کسی فقیہ کا درجہ صرف اس وجہ سے غالب نہیں ہوتا کہ اس کو اہلِ اجتہاد کے ''مطلق مستقل'' کے طبقہ میں شمار کیا گیا ہو، چنانچہ کتنے مجتہدین ایسے ہیں کہ جنہوں نے انتساب کو اختیار کیا، لیکن وہ درجہ میں ان حضرات سے آگے بڑھ گئے، جنہوں نے اجتہاد میں استقلال کو پایا، اس کے علاوہ صحیح معنیٰ میں استقلال تو معروف ومشہور ائمہ متبوعین کے مابین بھی نہیں پایا جاتا، چہ جائیکہ ان کے بعد والے حضرات میں پایا جائے، کیونکہ امام ابوحنیفہ نے اپنے بڑے حصہ میں فقہائے عراق کے طریقہ کی متابعت کی ہے، مثلاً حضرت علی اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما کے اصحاب کی، اوران کے اصحاب کے اصحاب کی، اور بطورِ خاص ابراہیم نخعی کی (حسن التقاضی)

اور حضرت شیخ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ''اصولُ الإفتاء و آدابه ''میں فقہاء ومجتہدین کی متعدد اقسام ذکر کرنے کے بعد جو کچھ فرمایا، اس کا حاصل یہ ہے کہ:

مجتہدین کی بعض اقسام ایک دوسرے کے مباین ہیں، مثلاً مجتہدِ مطلق اور مجتہد فی المذہب، اور بعض اقسام ایک دوسرے کے مباین نہیں ہیں، اور یہ ممکن ہے کہ ایک شخص میں ایک سے زیادہ اقسام جمع ہوجائیں، مثلاً کوئی مجتہد فی المسائل کے ساتھ ساتھ اصحابِ تخریج اور اصحابِ ترجیح میں سے بھی ہو۔

اور یہ اقسام وظائف کے اعتبار سے ہیں، اشخاص کے اعتبار سے نہیں ہیں، اوران کا مطلب یہ ہے کہ فقہاء کا وظیفہ ان اقسام کی طرف تقسیم ہوتا ہے۔

جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک آدمی ان تمام وظائف، یا ان میں سے بعض وظائف کا ایک وقت میں حامل نہ ہوسکے۔ انتہٰی۔[1]

---

[1] الملاحظة الثانية: ان بعض هذه الطبقات اقسام متباينة، مثل المجتهد المطلق والمجتهد فى المذهب، وبعضها ليست اقساما متباينة، فيمكن ان تجتمع فى شخص واحد، مثل ''المجتهدين فى المسائل'' و ''اصحاب التخريج'' و ''اصحاب الترجيح''. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ہماری نظر میں یہ بات تو درست ہے کہ عمومی نوعیت کے ساتھ ''مجتہدِ مطلق'' اور ''مجتہد فی المذہب'' ایک دوسرے کے متباین ہیں، اور مجتہدِ مطلق کا عمومی وظیفہ اجتہاد کرنا ہوتا ہے، لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ''مجتہد فی المذہب'' ہر مسئلہ، یا جملہ مسائل میں اپنے مذہب کی تقلید کا پابند ہو، اور اس کے لئے ''اجتہاد، یا تقلید کر کے'' مذہب سے خروج کی گنجائش نہ ہو، کیونکہ جب اس کی گنجائش ''مجتہد فی المذہب'' کے بعد والے درجات کے لئے بھی ہے، تو اس سے پہلے درجہ والے مجتہد کے لئے کیونکر گنجائش نہ ہوگی۔

چنانچہ عبدالغنی نابلسی کی یہ عبارت پہلے گزر چکی ہے کہ:

والمجتهد المقيد فى المذهب له أن يجتهد فى أصول غير إمامه، لأنه فى معنى المقلد الذى لا يلزمه التزام مذهب معين كما سبق، إذ هو ليس بمجتهد مطلق صاحب مذهب مستقل حتى يمتنع عليه ذلك (خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد والتلفيق ،ص ١٦ ،وأما المقصد الخامس:فهل يجوز التقليد بعد الفعل أم لا؟ طبعة جديدة بالأوفست مكتبة حقيقة ،استانبول،تركيا، ١٤٣٢هـ، ٢٠١١م)

ترجمہ: ''**مجتہدِ مقید فی المذہب**'' کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے امام کے علاوہ، دوسرے کے اصول میں اجتہاد کرے، اس لیے کہ وہ اس مقلد کے درجے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والذى يظهر لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه ان هذه الاقسام للوظائف لا للاشخاص، والمراد ان وظائف الفقهاء تنقسم الى هذه الاقسام الثلاثة، ولا يلزم من ذلك ان لا يكون الرجل الواحد يتولى جميع هذه الوظائف، او بعضها فى وقت واحد، وهذا كما ان العلماء ينقسمون الى مفسر و محدث و فقيه و متكلم، ولكن ربما يقع ان الرجل الواحد تصدق عليه جميع هذه الالقاب، فهو من حيث اشتغاله بالقرآن مفسر، و من حيث اشتغاله بالحديث محدث، و من حيث اشتغاله بالفقه فقيه، فكذلك يجوز ان يكون الرجل الواحد مجتهداً فى المسائل و اهلا للتخريج والترجيح فى وقت واحد (اصول الافتاء و آدابه، لتقى العثمانى، ص ١٠١، ١٠٢، طبقات الفقهاء، طبقات الفقهاء الحنفية، الناشر: مكتبة معارف القرآن كراتشى، باكستان، الطبعة: شعبان المعظم ١٤٣٢هـ، جولائى ٢٠١١ء)

www.idaraghufran.org

میں ہے، جس پر مذہبِ معین کا التزام واجب نہیں، جیسا کہ گزرا، کیونکہ وہ ایسا مجتہدِ مطلق نہیں، جس کا مستقل مذہب ہو کہ اس کے لیے اس کو ممنوع قرار دیا جائے (خلاصۃ التحقیق)

اور جب ایسا ہے، تو ممکن ہے کہ ایک شخص ایک جہت سے مجتہد فی المذہب ہو، اور دوسری جہت سے دوسرے وظائف کا حامل ہو، کیونکہ اجتہاد میں تجزی جائز ہے۔

’’عامی، یا مقلد‘‘ کے احکام

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی معرکۃ الآراء تالیف ’’حجة الله البالغة‘‘ میں فرمایا:

وقد علم من هذا أن مذهب العامى فتوى مفتية، وفيه أيضا فى باب قضاء الفوائت إن كان عاميا ليس له مذهب معين فمذهبه فتوى مفتية كما صرحوا به.

فإن أفتاه حنفى أعاد العصر والمغرب، وإن أفتاه شافعى، فلا يعيدهما ولا عبرة برأيه وإن لم يستفت أحدا، أو صادف الصحة على مذهب مجتهد أجزأه ولا إعادة عليه.

قال ابن الصلاح :من وجد من الشافعية حديثا يخالف مذهبه نظر إن كملت له آلة الاجتهاد مطلقا، أو فى ذلك الباب، أو المسألة، كان له الاستقلال بالعمل به، وإن لم تكمل وشق مخالفة الحديث بعد أن بحث، فلم يجد للمخالفيه جوابا شافيا عنه -فله العمل به إن كان عمل به إمام مستقل غير الشافعى، ويكون هذا عذرا له فى ترك مذهب أمامه ههنا، وحسنه النووى وقرره (حجة الله البالغة، ج ۱ ص ۵۱۸، تتمة، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها، فصل بلا ترجمة، مراتب تتبع الأدلة لمعرفة الاحكام، مطبوعة : دار ابن كثير ، بيروت ، الطبعة الثانية :۱۴۳۳ هـ)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اوراس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ عامی کا مذہب اس کے مفتی کا فتویٰ ہوتا ہے، اور اس (محیط) ہی میں ''قضاءِ فوائت'' کے باب میں ہے کہ اگر عامی ہو، جس کا کوئی مذہب معین نہیں، تو اس کا مذہب اس کے مفتی کا فتویٰ ہوتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے صراحت کی ہے۔

پس اگراس کو حنفی نے فتویٰ دے دیا، تو وہ عصر اور مغرب کا اعادہ کرے، اور اگر اس کو شافعی نے فتویٰ دے دیا، تو وہ ان دونوں کا اعادہ نہ کرے، اور اس (عامی) کی اپنی رائے کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور اگر اس نے کسی سے فتویٰ نہیں لیا، اور کسی بھی مجتہد کے مذہب کے مطابق اس کی نماز کی صحت واقع ہوگئی، تو بھی اس کے لیے کافی ہے، اور اس پر اس کا اعادہ نہیں ہے۔ [1]

ابنِ صلاح نے فرمایا کہ جس شافعی نے کوئی ایسی حدیث پائی، جو اس کے مذہب کے مخالف ہے، تو وہ غور کرے، اگر اس کو اجتہادِ مطلق کے ذرائع مکمل طور پر حاصل ہیں، یا خاص اس باب میں حاصل ہیں، یا خاص اس مسئلہ میں حاصل ہیں، تو اس کو اس پر عمل کرنے میں استقلال حاصل ہوگا (یعنی وہ کسی مجتہد کی تقلید کا پابند نہیں ہوگا) اور اگر اس کو مذکورہ ذرائع مکمل حاصل نہیں اور بحث کے بعد اسے حدیث کے مخالف کوئی شافی جواب نہیں ملتا، تو بھی اس کو اس حدیث پر عمل کرنا جائز ہے، جبکہ اس حدیث پر امام شافعی کے علاوہ کسی اور مستقل امام (یعنی مجتہد) نے عمل کیا ہو، اور یہ اس کے لیے یہاں اپنے امام کا مذہب ترک کرنے میں عذر بن جائے گا، ابنِ صلاح کے اس قول کی نووی نے تحسین فرمائی ہے، اور اس کو برقرار رکھا ہے (حجۃ اللہ البالغۃ)

---

[1] یہ سب باتیں، اس پر مبنی ہیں کہ ''عامی کا اپنا کوئی مذہب متعین نہیں ہوتا'' اس کے باوجود اگر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کسی عبارت کے ٹکڑے سے یہ مطلب مراد لیا جائے کہ عامی کو ''حنفی، یا شافعی، وغیرہ'' کسی مذہب کی پابندی واجب ہے، تو یہ درست نہیں، اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کا موقف بالکل واضح ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

اس کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کی بیان کردہ مزید تفصیل آگے ''عقدُ الجید'' کی عبارت کے بعد ''الا نصاف'' کے حوالہ سے آتی ہے۔

اورشاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُ الجید'' میں ''عامیِ محض، یامقلدِ محض'' کے بارے میں فرمایا:

اعلم أن العامى الصرف ليس له مذهب وإنما مذهبه فتوى المفتى. فى البحر الرائق لو احتجم أو اغتاب فظن أنه يفطره ثم أكل إن لم يستفت فقيها ولا بلغه الخبر فعليه الكفارة لأنه مجرد جهل وأنه ليس بعذر فى دار الإسلام وإن استفتى فقيها فأفتاه لا كفارة عليه لأن العامى يجب عليه تقليد العالم إذا كان يعتمد على فتواه فكان معذورا فيما صنع .وإن كان المفتى مخطئا فيما أفتى.

وإن لم يستفت ولكنه بلغه الخبر وهو قوله صلى الله عليه وسلم أفطر الحاجم والمحجوم وقوله عليه الصلاة والسلام الغيبة تفطر الصائم ولم يعرف النسخ ولا تأويله لا كفارة عليه عندهما لأن ظاهر الحديث واجب العمل به. خلافا لأبى يوسف لأنه ليس للعامى العمل بالحديث لعدم علمه بالناسخ والمنسوخ.

ولو لمس امرأة أو قبلها بشهوة أو اكتحل فظن أن ذلك يفطر ثم أفطر عليه الكفارة إلا إذا استفتى فقيها فأفتاه بالفطر أو بلغه خبر فيه .

ولو نوى الصوم قبل الزوال ثم أفطر لم يلزمه الكفارة عند أبى حنيفة رحمه الله تعالى خلافا لهما كذا فى المحيط .

وقد علم من هذا أن مذهب العامى فتوى مفتيه وفيه أيضا فى باب

قضاء الفوائت عند قوله ويسقط لضيق الوقت والنسيان إن كان عاميا ليس له مذهب معين فمذهبه فتوى مفتيه كما صرحوا به فإن أفتى حنفى أعاد العصر والمغرب وإن أفتاه شافعى فلا يعيدهما ولا عبرة برأيه ،وإن لم يستفت أحدا وصادف الصحة على مذهب مجتهد أجزأه ولا إعادة عليه انتهى .

وفى شرح منهاج البيضاوى لابن إمام الكاملية فإذا وقعت لعامى حادثة فاستفتى فيها مجتهدا وعمل فيها بفتوى ذلك المجتهد فليس له الرجوع عنه إلى فتوى غيره فى تلك الحادثة بعينها بالإجماع كما نقله ابن الحاجب وغيره وفى جمع الجوامع الخلاف فيه وإن كان قبل العمل فقال النووى المختار ما نقله الخطيب وغيره أنه إن لم يكن هنالك مفت آخر لزمه بمجرد فتواه إن لم تسكن نفسه وإن كان هناك آخر لم يلزمه بمجرد إفتائه إذ له أن يسأل غيره وحينئذ فقد يخالفه فيجىء فيه الخلاف فى اختلاف المفتين أما إذا وقعت له حادثة غير ذلك فالأصح أنه يجوز له أن يستفتى فيها غير من استفتاه فى الحادثة السابقة وقطع الكيا الهراسى بأنه يجب على العامى أن يلزم مذهبا معينا واختار فى جمع الجوامع أنه يجب ذلك ولا يفعله لمجرد التشهى بل يختار مذهبا يقلده فى كل شىء يعتقده أرجح أو مساويا لغيره لا مرجوحا وقال النووى الذى يقتضيه الدليل أنه لا يلزمه التمذهب بمذهب بل يستفتى من شاء لكن من غير تلقط للرخص ولعل من منعه لم يثق بعدم تلقطه وإذا التزم مذهبا معينا فيجوز له الخروج

عنه على الأصح. وفى كتاب الزبد لابن رسلان:

والشافعي ومالك والنعمان وأحمد بن حنبل وسفيان

وغيرهم من سائر الأئمة على هدى والإختلاف رحمه

وفى شرحه غاية البيان لو اختلف جواب مجتهدين متساويين فالأصح أن للمقلد أن يتخير بقول من شاء منهما وقد مر ما فى التحفة فى هذه المسألة.

وهذا الذى ذكرناه من الأمرين هو الذى مشى عليه جماهير العلماء من الآخذين بالمذاهب الأربعة ووصى به أئمة المذاهب أصحابهم.

قال الشيخ عبد الوهاب الشعرانى فى اليواقيت والجواهر روى عن أبى حنيفة أنه كان يقول لا ينبغى لمن لم يعرف دليلى أن يفتى بكلامى وكان إذا أفتى يقول هذا رأى النعمان بن ثابت يعنى نفسه وهو أحسن ما قدرنا عليه فمن جاء بأحسن منه فهو أولى بالصواب.

وكان الإمام مالك يقول ما من أحد إلا ومأخوذ من كلامه ومردود عليه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم.

وروى الحاكم والبيهقى عن الشافعى أنه كان يقول إذا صح الحديث فهو مذهبى وفى رواية إذا رأيتم كلامى يخالف الحديث فأعملوا بالحديث واضربوا بكلامى الحائط .

وقال يوما للمزنى يا إبراهيم لا تقلدنى فى كل ما أقول وانظر فى ذلك لنفسك فإنه دين .

وكان رحمة الله عليه يقول لا حجة فى قول أحد دون رسول الله صلى الله عليه وسلم وإن كثروا ولا فى قياس ولا فى شيء وما ثم إلا طاعة الله ورسوله بالتسليم .

وكان الإمام أحمد يقول ليس لأحد مع الله ورسوله كلام وقال أيضا لرجل لا تقلدنى ولا تقلدن مالكا ولا الأوزاعى ولا النخعى ولا غيرهم وخذ الأحكام من حيث أخذوا من الكتاب والسنة انتهى.

ثم نقل عن جماعة عظيمة من علماء المذاهب أنهم كانوا يعملون ويفتون بالمذاهب من غير التزام مذهب معين من زمن أصحاب المذاهب إلى زمانه على وجه يقتضى كلامه أن ذلك أمر لم يزل العلماء عليه قديما وحديثا حتى صار بمنزلة المتفق عليه فصار سبيل المسلمين الذى لا يصح خلافه ولا حاجة بنا بعد ما ذكره وبسطه إلى نقل الأقاويل (عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد، ص ۷۲ الیٰ ۷۶، باب اختلاف الناس فى الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلك ،فصل فى العامى، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

ترجمہ: یہ بات جان لینی چاہیے کہ جو محض عامی ہوتا ہے، اس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، بس اس کا مذہب تو مفتی کا فتویٰ ہوتا ہے۔ [1]

''البحر الرائق'' میں ہے کہ اگر کسی نے حجامہ کرایا، یا غیبت کی، پھر اس نے یہ سمجھا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا، پھر اس نے کھا پی لیا، تو اگر اس نے کسی فقیہ سے فتویٰ طلب نہیں کیا، اور نہ ہی اس کو حدیث پہنچی، تو اس پر کفارہ واجب ہوگا، کیونکہ

---

[1] اس عبارت میں بھی شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح فرمادی ہے کہ ''عامی کا کوئی مذہب متعین نہیں ہوتا'' پھر آگے اسی دعوے کے ثبوت میں مختلف عبارات نقل کی گئی ہیں۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

یہ جہلِ محض ہے، جو کہ دارُالاسلام میں عذر نہیں، اور اگر اس نے کسی (غیر حنفی) فقیہ سے فتویٰ لیا، جس نے اس کے روزہ فاسد ہونے کا فتویٰ دے دیا، تو اس پر کفارہ واجب نہیں، اس لیے کہ عامی پر عالم کی تقلید واجب ہے، جب اس عالم کے فتوے پر اعتماد کیا جاتا ہو، تو وہ اپنے عمل میں معذور ہوگا، اگرچہ مفتی اپنے فتویٰ میں خطاء کار کیوں نہ ہو۔ ۱

اور اگر اس نے کسی سے فتویٰ نہیں لیا، لیکن اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''**افطر الحاجم والمحجوم**'' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''**الغیبة تفطر الصائم**'' پہنچ گئی، لیکن اس نے، نہ تو اس حدیث کے منسوخ ہونے کو جانا، اور نہ اس کی تاویل کو جانا، تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ ظاہرِ حدیث پر عمل واجب ہوتا ہے۔ ۲

اور امام ابو یوسف کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا، کیونکہ عامی کے لیے خود سے حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ اسے ناسخ اور منسوخ کا علم نہیں ہوتا۔ ۳

اور اگر کسی نے عورت کو چھوا، یا شہوت سے بوسہ لیا، یا سرمہ لگایا، اور اس نے یہ گمان کیا کہ اس کا روزہ فاسد ہوگیا، پھر اس نے کھا پی لیا، تو اس پر کفارہ لازم ہوگا، الَّا یہ کہ اس نے کسی فقیہ سے فتویٰ لیا، اور اس نے مذکورہ صورتوں میں اس کے روزہ فاسد ہونے کا فتویٰ دیا، یا اس کو حدیث پہنچی، جس میں روزہ فاسد ہونے کا ذکر تھا

---

۱ ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں عامی نے غیر حنفی کے فتوے پر عمل کیا، جس کو معتبر قرار دیا گیا، اس کی وجہ یہی ہے کہ ''عامی کا کوئی مذہب متعین نہیں ہوتا'' اور اس پر امام ابو حنیفہ اور امام محمد، اور امام ابو یوسف سب کا اتفاق ہے، جیسا کہ ہم نے دوسرے مقام پر باحوالہ نقل کر دیا ہے۔ محمد رضوان۔

۲ اور ''عامی'' کا کوئی مذہب ہوتا نہیں، پس اس صورت میں طرفین کے نزدیک اس مسئلہ میں اس کا مذہب یہی حدیث کہلائے گی۔ محمد رضوان۔

۳ لیکن طرفین کے مقابلہ میں، امام ابو یوسف کا یہ قول، دلیل کی بناء پر حنفیہ کے نزدیک مرجوح ہے، جس کی تفصیل آگے ضمیمہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

(تو پھر کفارہ واجب نہ ہوگا) ۱؎

اور اگر کسی نے زوال سے پہلے روزہ کی نیت کی، پھر روزہ توڑ دیا، تو اس پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفارہ واجب نہیں ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا، محیط میں اسی طرح ہے۔

اور اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ عامی کا مذہب اس کے مفتی کا فتویٰ ہوتا ہے۔ ۲؎

اور اس (محیط) ہی میں ''قضاءِ فوائت'' کے باب میں ''اس کے قول اور وقت کی تنگی اور نسیان کی وجہ سے ساقط ہوجائے گی'' کے قریب میں ہے کہ اگر عامی ہو، جس کا کوئی مذہب معین نہیں، تو اس کا مذہب اس کے مفتی کا فتویٰ ہوتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے صراحت کی ہے، پھر اگر اس نے حنفی سے فتویٰ لیا، تو عصر اور مغرب کا اعادہ کرے گا، اور اگر شافعی سے فتویٰ لیا، تو اعادہ نہیں کرے گا، اور اس عامی کی اپنی رائے کا اعتبار نہیں ہوگا، اور اگر کسی سے فتویٰ نہیں لیا، لیکن کسی مجتہد کے مذہب کے مطابق نماز صحیح ہوگئی، تو بھی اس کی نماز درست ہوجائے گی، اور اس پر اعادہ واجب نہیں ہوگا، بحر کا کلام ختم ہوا۔ ۳؎

اور ابنِ امام کلیہ کی **منہاج البیضاوی** کی شرح میں ہے کہ جب عامی شخص کو کوئی مسئلہ پیش آیا، اور اس نے کسی مجتہد سے فتویٰ لے کر عمل کرلیا، تو اس کو بالاجماع

۱؎ جس کی وجہ پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مذہب مفتی کا فتویٰ، یا حدیث ہوتا ہے۔ محمد رضوان۔

۲؎ جس میں اعظم المفتیین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ، یعنی حدیث بھی داخل ہے، اور مذہب کی تعیین کے بغیر کسی بھی مذہب کے مفتی کا فتویٰ بھی داخل ہے، پھر یہ کہنا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک ''عامی'' کے لئے مخصوص مذہب کی پابندی ضروری ہے، یہ کیسے درست ہوسکتا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کا موقف اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے مطابق ہے۔ محمد رضوان۔

۳؎ یہ سب حنفیہ کی تصریحات ہیں، جن میں بلا تردد شافعی، اور حنبلی وغیرہ سے فتوے کو جائز قرار دیا جا رہا ہے، پھر ''تقلیدِ شخصی، ومذہبِ معین کا وجوب'' کہاں رہا؟ محمد رضوان۔

اس واقعہ میں (عمل کے بعد) دوسرے فتویٰ کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں، جیسا کہ ابنُ الحاجب وغیرہ نے یہ بات نقل کی ہے، اور جمعُ الجوامع میں اس بارے میں اختلاف منقول ہے (یعنی جمع الجوامع میں ایک قول رجوع کرنے کا بھی ہے)

اور اگر ایک مفتی سے فتویٰ لینے کے بعد عمل کرنے سے پہلے اس سے رجوع کرنا چاہے، اور کسی دوسرے مفتی کے فتویٰ پر عمل کرنا چاہے، تو نووی کہتے ہیں کہ مختار وہ ہے، جس کو خطیب وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ وہاں دوسرا کوئی مفتی موجود نہ ہو، تو اس کو صرف اسی کے فتویٰ پر عمل لازم ہوگا، اگرچہ اس کا نفس مطمئن نہ ہو۔ [1]

اور اگر وہاں دوسرا مفتی موجود ہو، تو اس کو پہلے مفتی سے صرف فتویٰ لینے کی وجہ سے عمل لازم نہیں ہوگا، بلکہ اس کو جائز ہوگا کہ وہ دوسرے سے سوال کرے، اور اس صورت میں کبھی وہ اس کی مخالفت بھی کرے گا، تو اس حکم میں اختلاف دو مفتیوں کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوگا۔ [2]

اور اگر اس پہلے واقعہ کے علاوہ کوئی دوسرا واقعہ پیش آیا، تو اصح یہ ہے کہ اس کو اس مسئلہ میں اس کے علاوہ سے فتویٰ لینا جائز ہے، جس سے اس نے پہلے مسئلہ میں فتویٰ لیا تھا۔ [3]

---

[1] اس سلسلہ میں حنفیہ کی تصریحات پہلے نقل کی جا چکی ہیں۔
اور یہ شافعیہ کی تصریح ہے، جس کا حاصل بھی یہی ہے کہ تقلیدِ شخصی کا وجوب، اس صورت کے ساتھ خاص ہے، جب دوسرا مفتی، یا مجتہد، یا اس کا قول معتبر طریقہ سے دستیاب نہ ہو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی ''الانصاف'' میں اس کی صراحت فرمائی ہے، جس کو دوسرے مقام پر نقل کیا جا چکا ہے۔ محمد رضوان۔

[2] اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر کوئی ''عامی شخص''، حنفی، یا شافعی مفتی سے فتویٰ لے، تو فتویٰ لینے کے باوجود اس پر اس کی تقلید واجب نہ ہوگی، بلکہ اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے مذہب کے مفتی سے فتویٰ لینا جائز ہوگا، اور اس صورت میں بھی اس کو عمل میں اختیار حاصل ہوگا، جس کی وجہ وہی ہے، جس پر یہ تمام تفریعات متفرع ہو رہی ہیں، یعنی ''عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا''، جیسا کہ ان عبارات سے پہلے، بیان کردہ دعوے سے واضح ہے۔ محمد رضوان۔

[3] یعنی اگر پھر کوئی دوسرا مسئلہ پیش آ گیا، تب بھی پہلے مفتی، یا اس مذہب کی تقلید واجب نہیں، اس کو پہلے مفتی کے علاوہ سے فتویٰ لینا جائز ہے، پہلے مفتی پر استمرار واجب نہیں۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

البتہ ''الکیاالھراسی'' نے اس پر یقین ظاہر کیا ہے کہ عامی پر مذہبِ معین کا التزام واجب ہے۔

جمع الجوامع میں بھی اس بات کو اختیار کیا ہے کہ اس پر مذہبِ معین کا التزام لازم ہے۔ [1]

لیکن یہ التزام صرف خواہش پرستی کی بنیاد پر نہ ہو، بلکہ ایک مذہب کی تقلید کر کے ہر چیز میں اس کو دوسرے کے مقابلہ میں راجح، یا مساوی ہونے کا اعتقاد رکھے، مرجوح ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔ [2]

مگر (الکیاالھراسی کے مقابلہ میں) نووی نے فرمایا کہ دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر کسی مذہب کا التزام لازم نہیں، بلکہ وہ جس سے چاہے فتویٰ لے، لیکن وہ تتبعِ رخص نہ کرے، اور شاید جس نے اس سے منع کیا ہے، اس نے رخصتوں کو تلاش نہ کرنے پر اعتماد نہیں کیا۔ [3]

اور جب اس نے کسی معین مذہب کا التزام کر لیا، تو اس کو اصح قول کے مطابق اس سے خروج جائز ہے۔ [4]

اور ابنِ ارسال کی ''کتابُ الزبد'' میں یہ دو شعر مذکور ہیں، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ:

''امام شافعی اور امام مالک اور نعمان (یعنی امام ابوحنیفہ) اور امام احمد بن حنبل اور سفیان اور دوسرے تمام ائمہ ہدایت پر ہیں، اور ان کا اختلاف رحمت ہے''

---

[1] یہ شافعیہ کا ایک قول ہے، جو راجح نہیں، جس طرح ایسا ہی ایک مرجوح قول حنفیہ کا بھی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] یہ مرجوح قول کی ایک تفریع ہے۔ محمد رضوان۔

[3] اس کی مزید تفصیل آگے ضمیمہ میں آتی ہے، جس میں امام نووی کے قول، اور ''تتبعِ رخص'' کی توضیح بھی کر دی گئی ہے۔ محمد رضوان۔

[4] اس کی وجہ یہی ہے کہ خود عمل کرنے والے کی طرف سے بھی مذہب کا التزام کرنا ''مذہب کو لازم نہیں کرتا'' چہ جائیکہ کسی دوسرے کی طرف سے لازم کیا جائے، جیسا کہ آج بعض حضرات کی طرف سے مذہب کو لازم کرنے کا حکم صادر کیا جاتا ہے، یہ کیونکر لازم ہو سکتا ہے، جب اس کے خود سے لازم کرنے سے بھی لازم نہیں ہوتا۔ محمد رضوان۔

اوراس کی شرح ''غایۃُ البیان '' میں ہے کہ اگر دو مساوی مجتہدین کا جواب مختلف ہوجائے، تو اصح یہ ہے کہ مقلد کو ان میں سے جس کا چاہے، قول اختیار کرلینا جائز ہے، اس مسئلہ میں ''تحفہ'' کی عبارت گزر چکی ہے۔ [1]

اور ہم نے جو کچھ بھی دونوں امور (یعنی اجتہاد وتقلید) کے متعلق ذکر کیا، مذاہبِ اربعہ کو اختیار کرنے والے تمام جمہور علماء اسی پر چلے ہیں، اور ائمۂ مذاہب نے اپنے اصحاب کو اسی کی وصیت کی ہے۔ [2]

شیخ عبدالوہاب شعرانی نے ''الیواقیت والجواھر'' میں فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص میری دلیل کو نہ پہچانے، اس کے لیے میرے کلام کے مطابق فتویٰ دینا مناسب نہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، جب فتویٰ دیا کرتے تھے، تو وہ یہ فرمادیا کرتے تھے کہ یہ نعمان بن ثابت کی، یعنی ان کی اپنی رائے ہے، اور یہ رائے ہم جس پر قادر ہوئے، اس کے مطابق اچھی رائے ہے، پس جو شخص اس سے اچھی رائے لے آئے گا، تو وہ صواب کے زیادہ لائق ہوگی۔

اور امام مالک رحمہ اللہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ جس کے کلام سے لیا اور رَد نہ کیا جاتا ہو، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنٰی ہیں۔

اور حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جب حدیث صحیح ہو، تو وہی میرا مذہب ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم میرے کلام کو حدیث کے مخالف پاؤ، تو تم حدیث پر عمل کرو، اور میرے کلام کو دیوار پر دے مارو۔

---

[1] اور عامی کے حق میں تمام ائمہ متبوعین کا درجہ، تقلید کے اعتبار سے یکساں ہے، اور اگر ایک کو فاضل اور دوسرے کو مفضول قرار دیا جائے، تب بھی مفضول کی تقلید جائز ہے، پھر فاضل کی کیسے جائز نہ ہوگی؟۔محمد رضوان۔

[2] ہم پرزور انداز میں اسی مذکورہ حکم کو جمہور، اور شاہ ولی اللہ صاحب کا موقف سمجھتے ہیں۔محمد رضوان۔

اور ایک دن امام شافعی نے امام مزنی سے فرمایا کہ اے ابراہیم! تم میری ہر بات کی تقلید نہ کیا کرو، اس سلسلے میں خود بھی غور وفکر سے کام لیا کرو، کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔

اور امام شافعی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کے قول میں حجت نہیں، اگرچہ وہ بہت زیادہ لوگ کیوں نہ ہوں (اسی لیے جمہور کے قول کی مخالفت میں بھی اجتہاد کی گنجائش ہے) اور نہ قیاس میں، اور نہ کسی چیز میں حجت ہے، اور جو کچھ ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہے، جس کو تسلیم کرنا چاہیے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کلام کی گنجائش نہیں، نیز امام احمد نے ایک آدمی کو فرمایا کہ تم نہ تو میری تقلید کرو، اور نہ امام مالک کی تقلید کرو، اور نہ امام اوزاعی کی تقلید کرو، اور نہ امام نخعی کی تقلید کرو، اور نہ ان کے علاوہ کسی دوسرے کی تقلید کرو، اور تم احکام کو اسی طریقے سے لو، جس طریقے سے انہوں نے کتاب وسنت سے لیا۔ انتہٰی۔

پھر عبدالوہاب شعرانی نے علمائے مذہب کی ایک عظیم جماعت سے نقل کیا ہے کہ لوگ اصحابِ مذاہب کے زمانہ سے اُن کے زمانہ تک مذہبِ معین کا التزام کیے بغیر عمل بھی کیا کرتے تھے، اور فتویٰ بھی دیا کرتے تھے، ان کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ یہ ایسا امر ہے کہ پہلے اور بعد کے علماء اسی پر عمل پیرا رہے، یہاں تک کہ یہ متفق علیہ چیز کے درجہ میں ہوگیا، اور مسلمانوں کا وہ راستہ ہوگیا کہ جس کے خلاف صحیح نہیں ہوسکتا، اور ہمیں مذکورہ تفصیل بیان کرنے کے بعد اس سلسلہ میں مختلف حضرات کے اقوال نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے (عقد الجید)

مذکورہ عبارت کے آخری حصہ سے زیرِ بحث مسئلہ کی خوب وضاحت ہوگئی، اور معلوم ہوگیا

کہ ''مذہبِ معین کا عدمِ التزام'' عمل اور فتوے کے اعتبار سے متفق علیہ درجہ کا ایسا راستہ ہوگیا، جس کے خلاف، یعنی ''مذہبِ معین کا لزوم'' صحیح نہیں ہوسکتا، جس کے بعد مزید کسی تفصیل کی ضرورت نہیں، پس اس صورتِ حال میں فتوے، اور عمل دونوں اعتبار سے ''مذہبِ معین کے لزوم'' کو واجب، اور ''مذہبِ معین کے عدمِ لزوم'' کو ناجائز ٹھہرانے، اور اس سے بڑھ کر اس کو شاہ ولی اللہ صاحب کا موقف قرار دینے سے کیسے اتفاق ممکن ہے۔

اگرچہ عامی کے متعلق گزشتہ صفحات میں بحث مکمل ہوچکی ہے، لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقد الجید فی احکام الا جتهاد و التقليد'' کے آخر میں چند متفرق امور، یا چند یادداشتوں کو جمع فرمایا ہے، اس تالیف کی تکمیل اور افادہ مزیدہ کے لئے ان کو نقل کرنا بھی مناسب معلوم ہوا۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تالیف ''عقد الجيد فی احكام الا جتهاد والتقليد'' کا اختتام مندرجہ ذیل تفصیلی عبارت پر فرمایا ہے:

وقال أبو الفتح الهروى وهو من تلامذة الإمام مذهب عامة الأصحاب فى الأصول أن العامى لا مذهب له فإن وجد مجتهدا قلده وإن لم يجده ووجد متبحرا فى مذهب قلده فإنه يفتيه على مذهب نفسه.

وهذا تصريح بأنه يقلد المتبحر فى نفسه.

والمرجح عند الفقهاء أن العامى المنتسب إلى مذهب له مذهب ولا يجوز له مخالفته ولو لم يكن منتسبا إلى مذهب فهل يجوز أن يتخير ويتقلد أى مذهب شاء فيه خلاف مبنى على أنه هل يلزمه التقليد لمذهب معين أم لا فيه وجهان.

قال النووى والذى يقتضيه الدليل أنه لا يلزم بل يستفتى من شاء

ومن اتفق لكن من غير تلقط للرخص . (انتهٰى كلام الأنوار)
فى كتاب آداب القاضى من فتح القدير واعلم ان ما ذكر المصنف فى القاضى ذكر فى المفتى فلا يفتى إلا المجتهدون وقد استقر رأى الأصوليين على أن المفتى هو المجتهد فأما غير المجتهد ممن يحفظ أقوال المجتهد فليس بمفت والواجب عليه إذا سئل أن يذكر قول المجتهد على طريق الحكاية كأبى حنيفة على جهة الحكاية فعرف أن ما يكون فى زماننا من فتوى الموجودين ليس بفتوى بل هو نقل كلام المفتى ليأخذ به المستفتى .

وطريق نقله كذلک عن المجتهد أحد أمرين:

إما أن يكون له سند فيه إليه.

أو يأخذ من كتاب معروف تداولته الأيدى نحو كتب محمد بن الحسن ونحوها من التصانيف المشهورة للمجتهدين لأنه بمنزلة الخبر المتواتر عنهم أو المشهور هكذا ذكر الرازى .

فعلى هذا لو وجد بعض نسخ النوادر فى زماننا لا يحل رفع ما فيها إلى محمد ولا إلى أبى يوسف لأنها لم تشتهر فى عصرنا فى ديارنا ولم تتداولها الأيدى نعم إذا وجد النقل عن النوادر مثلا فى كتاب مشهور معروف كالهداية والمبسوط كان ذلک تعويلا على ذلک الكتاب.

فلو كان حافظا للأقاويل المختلفة للمجتهدين ولا يعرف الحجة ولا قدرة له على الإجتهاد للترجيح لا يقطع بقول منها ولا يفتى به

www.idaraghufran.org

بل يحكيها للمستفتي فيختار المستفتي ما يقع في قلبه أنه الأصوب ذكره في بعض الجوامع .

وعندى أنه لا يجب عليه حكاية كلها بل يكفيه أن يحكى قولا منها فإن المقلد له أن يقلد أى مجتهد شاء فإذا ذكر أحدها فقلده حصل المقصود نعم لا يقطع عليه فيقول جواب مسألتك كذا بل يقول قال أبو حنيفة حكم هذا كذا لو حكى الكل.

فالأخذ بما يقع فى قلبه أنه أصوب أولى، والعامى لا عبرة بما يقع فى قلبه من صواب الحكم وخطئه.

وعلى هذا إذا استفتى فقيهين أعنى مجتهدين فاختلفا عليه الأولى أن يأخذ بما يميل إليه قلبه منهما وعندى أنه لو أخذ بقول الذى لا يميل إليه جاز لأن ميله وعدمه سواء والواجب عليه تقليد مجتهد وقد فعل أصاب ذلك المجتهد أو أخطأ .

وقالوا المنتقل من مذهب إلى مذهب بإجتهاد وبرهان آثم يستوجب التعزير فقبل اجتهاد وبرهان أولى .

ولا بد أن يراد بهذا الإجتهاد معنى التحرى وتحكيم القلب لأن العامى ليس له اجتهاد

ثم حقيقة الإنتقال إنما تتحقق فى حكم مسألة خاصة قلد فيه وعمل به وإلا فقوله قلدت أبا حنيفة فيما أفتى به من المسائل مثلا والتزمت العمل به على الإجمال وهو لا يعرف صورها ليس حقيقة التقليد بل هذا حقيقة تعليق التقليد أو وعد به كأنه التزم أن يعمل بقول أبى حنيفة فيما يقع له من المسائل التى تتعين فى

الوقائع فإن أرادوا هذا الالتزام فلا دليل على وجوب اتباع المجتهد المعين بإلزامه نفسه ذلک قولا أو نية شرعا بل بالدليل واقتضاء العمل بقول المجتهد فيما احتاج إليه بقوله تعالى (فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون) والسؤال إنما يتحقق عند طلب حكم الحادثة المعينة وحينئذ إذا ثبت عنده قول المجتهد وجب عمله به والغالب أن مثل هذه إلزامات منهم لكف الناس عن تتبع الرخص وإلا أخذ العامي في كل مسألة بقول مجتهد اخف عليه وأنا لا أدري ما يمنع هذا من النقل والعقل فكون الإنسان متتبعا ما هو أخف على نفسه من قول مجتهد يسوغ له الإجتهاد ما علمت من الشرع مذمة عليه وكان صلى الله عليه وسلم يحب ما خفف عن أمته والله سبحانه أعلم بالصواب، انتهى.

وهذا آخر ما أردنا إيراده في هذه الرسالة والحمد لله أولا وآخرا (عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد، ص ۸۱ الیٰ ۸۴، باب بلا ترجمة بعد فصل في العامي، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولیٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

ترجمہ: اور (شوافع کی کتاب ''الانوار، لاعمالِ الابرار'' میں ہے کہ) ابوالفتح ہروی نے فرمایا، جو کہ امام کے تلامذہ میں سے ہیں کہ اکثر اصحاب کا اصول میں مذہب یہ ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوا کرتا، اس لیے وہ اگر کسی مجتہد کو بھی پائے، تو وہ اس کی تقلید کرلے، اور اگر وہ مجتہد کو نہ پائے، اور متبحر فی المذہب کو پائے، تو اس کی تقلید کرلے، پس وہ متبحر فی المذہب، اپنے مذہب (واجتہاد) کے مطابق اس کو فتویٰ دے دے۔

اور یہ اس بات کی تصریح ہے کہ متبحر کی بذاتِ خود تقلید کی جایا کرتی ہے (اور راجح بھی یہی ہے)

اور (گذشتہ اکثر اصحابِ اصول کے مقابلہ میں شافعی) فقہاء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ عامی، جو کسی مذہب کی طرف منتسب ہو، اس کا مذہب ہوا کرتا ہے، اور اس کو اس مذہب کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہوتا۔ [1]

اور اگر وہ کسی مذہب کی طرف منتسب نہ ہو، تو کیا اس کو اختیار کا حق ہوتا ہے، اور اسے جس مذہب کی چاہے، تقلید کرنا جائز ہوتا ہے؟ تو اس میں اختلاف ہے، جس کا دارومدار اس پر ہے کہ کیا اس کو مذہبِ معین کی تقلید کرنا لازم ہے، یا نہیں، جس میں (شافعیہ کے) دونوں قول ہیں۔

امام نووی نے فرمایا کہ دلیل جس بات کا تقاضا کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس پر مذہبِ معین کی تقلید لازم نہیں ہوتی، بلکہ اسے جس سے وہ چاہے، اور جس سے اس کو اتفاق واقع ہو، اس سے استفتاء کر لینا جائز ہے، لیکن "متلقطِ رُخص" کیے

---

[1] لیکن بدرالدین زرکشی شافعی (المتوفیٰ: 794ھ) نے سابق قرون کے اجماع کے باعث "اصح قول" اس کو قرار دیا ہے کہ مذہبِ معین کا التزام کرنے کے باوجود بھی وہ واجب نہیں ہوتا، امام نووی کا موقف بھی یہی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک بھی "اصح قول" یہی ہے، جیسا کہ آگے ابنِ ہمام کے حوالہ سے آتا ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک بھی یہی راجح ہے، جیسا کہ گذرا۔ محمد رضوان۔

مسألة فلو التزم مذهبا معينا، كمالك والشافعي، واعتقد رجحانه من حيث الإجمال فهل يجوز أن يخالف إمامه في بعض المسائل ويأخذ بقول غيره من مجتهد آخر؟ فيه مذاهب :

(أحدها) : المنع، وبه جزم الجيلي في الإعجاز، لأن قول كل إمام مستقل بآحاد الوقائع، فلا ضرورة إلى الانتقال إلا التشهي، ولما فيه من اتباع الترخص والتلاعب بالدين.

و (الثاني) : يجوز، وهو الأصح في "الرافعي"، لأن الصحابة لم يوجبوا على العوام تعيين المجتهدين، لأن السبب -وهو أهلية المقلد للتقليد عام بالنسبة إلى أقواله، وعدم أهلية المقلد مقتض لعموم هذا الجواب .ووجوب الاقتصار على مفت واحد بخلاف سيرة الأولين(البحر المحيط في أصول الفقه، ج٨،ص ٣٧٥، كتاب التعادل والتراجيح، الفصل الثاني، مباحث الإجتهاد، الإفتاء والإستفتاء)

www.idaraghufran.org

بغیر (یہ امام نووی کا قول ہے) (الانوار کا کلام ختم ہوا) [1]

لیکن ''فتح القدیر'' کے ''**کتاب ادبُ القاضی** ''میں ہے کہ یہ بات جان لینی چاہیے کہ جو بات مصنف نے قاضی کے بارے میں ذکر کی ہے، وہی مفتی کے بارے میں بھی ذکر کی گئی ہے، پس مجتہد ہی فتویٰ دے سکتا ہے، اور اصولیین کی رائے اس بات پر قائم ہو چکی ہے کہ مفتی، دراصل ''مجتہد'' ہی ہوتا ہے، جہاں تک غیر مجتہد کا تعلق ہے، جو مجتہد کے اقوال کو محفوظ کرے، تو وہ ''مفتی'' نہیں۔

اور ایسے غیر مجتہد سے جب سوال کیا جائے، تو اس پر یہ واجب ہے کہ وہ مجتہد کا قول حکایت کے طور پر ذکر کر دے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا قول نقل کر دے، پس یہ بات معلوم ہوگئی کہ موجودہ زمانہ کے بہت سے ''فتاویٰ'' درحقیقت ''فتویٰ'' نہیں ہوتے، بلکہ وہ ''مفتی'' کے کلام کی نقل ہوتی ہے، تاکہ اس کو مستفتی (یعنی سوال کرنے والا) لے لے۔

اور اس کے اس طرح نقل کرنے کا طریقہ مجتہد کی طرف سے دو صورتوں میں سے ایک صورت کے مطابق ہوگا:

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس (غیر مجتہد) کے پاس اس مجتہد کے قول کی سند ہو۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایسی معروف ومشہور کتاب سے لے، جو لوگوں کے ہاتھوں میں پائی جاتی ہے، جیسا کہ (حنفیہ میں) محمد بن حسن وغیرہ کی وہ تصانیف، جو مجتہدین کے لیے مشہور ہیں، کیونکہ وہ ان کی خبرِ متواتر، یا مشہور کے درجہ میں ہیں، اسی طرح رازی نے ذکر کیا ہے۔

پس اس بناء پر اگر ہمارے زمانہ میں ''نوادر'' کے بعض نسخے پائے جائیں، تو ان میں مذکورہ باتوں کی نسبت امام محمد اور امام ابو یوسف کی طرف کرنا حلال نہیں،

---

[1] یہ تو شافعیہ کے اقوال کا ذکر تھا، اور حنفیہ کا قول آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

کیونکہ وہ موجودہ زمانہ میں، ہمارے دیار میں مشہور نہیں، اور وہ ''نوادر'' کے نسخے لوگوں کے ہاتھوں میں موجود نہیں، البتہ جب ''نوادر'' کی کوئی نقل، مثلاً مشہور ومعروف کتاب میں پائی جائے، جیسا کہ ''الھدایۃ'' اور ''المبسوط'' میں تو پھر اس کتاب پر اعتماد کرنا جائز ہوگا۔

اور اگر اس (غیر مجتہد) کو مجتہدین کے مختلف اقوال یاد ہوں، اور اس کو دلیل کی پہچان نہ ہو، اور نہ ہی ترجیح کے اجتہاد پر قدرت ہو، تو پھر وہ ان میں سے کسی قول پر قطعیت کا اظہار نہ کرے، اور نہ ہی اس کے مطابق فتویٰ دے، بلکہ مجتہدین کے اقوال مستفتی کے لیے نقل کردے (کہ امام ابوحنیفہ کا یہ قول ہے، اور امام شافعی، امام مالک، امام احمد وغیرہ کا یہ قول ہے) پھر مستفتی ان اقوالِ مجتہدین میں سے اس قول کو اختیار کرلے، جس کا اصوَب (یعنی زیادہ صواب) ہونا، اس کے دل میں واقع ہو''الجوامع''میں یہ بات مذکور ہے۔

لیکن میرے (یعنی ابنِ ہمام کے) نزدیک اس (غیر مجتہد) کے ذمہ تمام مجتہدین کے اقوال نقل کرنا واجب نہیں، بلکہ مجتہدین میں سے کسی ایک مجتہد کا قول نقل کرنا بھی کافی ہے، کیونکہ بلاشبہ مقلد کو جس مجتہد کی وہ چاہے، حسبِ صوابدید تقلید کرنا جائز ہے، پس جب یہ (غیر مجتہد) مجتہدین میں سے کوئی ایک قول ذکر کردے، پھر مستفتی اس قول کی تقلید کرلے، تو مقصود حاصل ہوجائے گا، لیکن قطعیت کے ساتھ یہ بات نہ کہے کہ تمہارے مسئلہ کا جواب اس طرح ہے، بلکہ یہ کہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ حکم بیان فرمایا ہے، اسی طریقہ سے اگر تمام مجتہدین کے اقوال نقل کرے، تو بھی یہی کہے (کہ مثلاً امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے یہ اور یہ فرمایا ہے)

پس مستفتی کو ان میں سے اس قول کو اختیار کرنا، جس کا اصوَب (یعنی زیادہ

صواب) ہونا، اس کے دل میں واقع ہو، یہ بہتر ہے، اور عامی کے دل میں جس حکم کا صواب اور خطاء ہونا واقع ہو، اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔

اور اسی وجہ سے اگر کسی نے دو فقہاء، یعنی دو مجتہدین سے فتویٰ لیا، اور ان دونوں کا جواب مختلف ہوا، تو مستفتی کو بہتر یہ ہے کہ اس قول کو لے، جس کی طرف اس کا دل مائل ہو، اور میرے (یعنی ابنِ ہمام کے) نزدیک اگر اس قول کو لے لیا، جس کی طرف اس کا دل مائل نہیں، تو بھی جائز ہے، کیونکہ (غیر مجتہد ہونے کی وجہ سے) اس کے دل کا میلان اور عدمِ میلان برابر ہے، اس کے ذمہ تو کسی بھی مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے، جو وہ کر چکا ہے، خواہ یہ مجتہد مصیب ہو، یا مخطی ہو۔

اور علماء نے فرمایا کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف اجتہاد اور دلیل کے ذریعہ سے منتقل ہونے والا گناہ گار ہے، جو تعزیر کا مستحق ہے، پس بغیر اجتہاد اور دلیل کے تعزیر کا بدرجۂ اولیٰ مستحق ہوگا۔

لیکن یہ ضروری ہے کہ اس مذکورہ اجتہاد سے تحری اور دل کے حکم کے معنیٰ مراد لیے جائیں، کیونکہ عامی کا اجتہاد نہیں ہوتا (ورنہ حقیقت میں مجتہد اپنے اجتہاد کا مکلّف ہے، اور اس کو اپنے اجتہاد کی پیروی کرنا، نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ واجب ہے)

علاوہ ازیں کسی مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کی حقیقت خاص مسئلہ کے حکم میں ہی پائی جاتی ہے، جس میں اس نے تقلید کر لی ہو اور عمل کر لیا ہو، ورنہ اس کا یہ کہنا کہ میں امام ابوحنیفہ کی ان مسائل میں تقلید کرتا ہوں، جس میں انہوں نے فتویٰ دیا ہے، اور میں نے اجمالاً ان کے فتوے پر عمل کو لازم کر لیا ہے، حالانکہ یہ شخص مسائل کی صورتوں کو بھی نہیں جانتا، تو یہ حقیقت میں تقلید نہیں ہے، بلکہ یہ حقیقت میں تقلید کو معلق کرنا ہے، یا اس کا وعدہ کرنا ہے، گویا کہ اس نے یہ التزام کر لیا ہے کہ جو مسائل متعین واقعات میں اس کو پیش آئیں گے، وہ امام

www.idaraghufran.org

ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرے گا۔ پس اگر مذکورہ علماء کی (مذہبِ معین کے التزام سے) مراد یہی التزام ہے، تو معین مجتہد کی اتباع پر کوئی دلیل نہیں، جس سے قولاً، یا نیۃً مقلد اس کو شرعی طریقہ پر اپنے اوپر لازم کرے (اور پھر اس کے نتیجہ میں ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کا حکم لگایا جائے) بلکہ دلیل اور جن مسائل میں ضرورت ہو، ان میں مجتہد کے قول کے اقتضائے عمل میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ''تم اہلِ علم سے سوال کرو اگر تمہیں علم نہیں'' اور سوال اسی وقت ہوگا، جب کسی معین واقعہ میں حکم کی ضرورت ہو، اور اس صورت میں جب اس کے نزدیک مجتہد کا قول ثابت ہو جائے گا، تو اس پر عمل واجب ہو جائے گا (خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو)

اور غالب یہ ہے کہ فقہاء کی جانب سے یہ (ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل نہ ہونے کی) شرائط، لوگوں کو ''تتبعِ رخص'' سے روکنے کے لیے ہیں، ورنہ ہر مسئلہ میں عامی کو کسی بھی مجتہد کا وہ قول لے لینا جائز ہے، جو اس پر زیادہ اخف (وآسان) ہو، اور میں نہیں سمجھتا کہ اس (اپنے اوپر زیادہ اخف وآسان قول) کو نقل اور عقل منع کرتی ہو، کیونکہ انسان اسی کی اتباع کرنے والا ہوتا ہے، جو اس کے نفس پر کسی بھی ایسے مجتہد کے قول کی رو سے زیادہ اخف ہو، جس کو اجتہاد کا مقام حاصل ہے، مجھے شریعت کی طرف سے اس (اختیارِ اخف) پر کوئی مذمت معلوم نہیں ہوتی، بلکہ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر خفیف چیز کو پسند فرمایا کرتے تھے، واللہ سبحانہٗ اعلم بالصواب. فتح القدیر کا کلام ختم ہوا۔

اور یہ آخری بات تھی، جس کا ہم نے اس رسالہ میں شامل کرنے کا ارادہ کیا تھا ''والحمد للّٰہ أولا وآخرا'' (عقد الجید)

www.idaraghufran.org

جیسا کہ پہلے گذرا کہ ''**کتابُ الانوار**'' دراصل امام یوسف بن ابراہیم شافعی (المتوفیٰ: 779ھ) کی تالیف ہے جس کا پورا نام ''**الأنوار لأعمال الأبرار فی الفقه الشافعی**'' ہے۔

اور ''تتبع رخص واتباعِ اخف'' کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب کا منقح شدہ موقف پہلے نقل کیا جاچکا ہے۔

بہر حال شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف سے ''**عقد الجید فی احکام الا جتھاد والتقلید**'' کا اختتام علامہ ابنِ ہمام کی تفصیلی عبارت پر فرمانے سے ظاہر ہوا کہ ''عامی'' کا تو مذہب ہوتا ہی نہیں، اس لئے اس کو جس کی چاہے، تقلید کرنا جائز ہوتا ہے۔

جہاں تک ایسے غیر مجتہد افراد کا تعلق ہے، جو صرف مجتہد کے اقوال کو محفوظ کریں، تو وہ ''مفتی'' نہیں، جیسا کہ آج کل کے عام مفتیوں کی حالت ہے، تو وہ بھی مجتہد نہ ہونے کی وجہ سے ''عامی'' کا درجہ رکھتے ہیں، جس کا مذہب نہیں ہوا کرتا، اور اس طرح کے مفتیوں کے ''فتاویٰ'' درحقیقت ''فتویٰ'' نہیں ہوتے، بلکہ وہ ''مفتی ومجتہد'' کے کلام کی نقل ہوتی ہے، اور ایسے غیر مجتہد سے جب سوال کیا جائے، تو اگر متعلقہ مسئلہ اجتہادی واختلافی ہو، تو اس ناقل پر یہ واجب ہے کہ وہ کسی بھی مجتہد کا قول حکایت کے طور پر ذکر کردے، خواہ امام ابوحنیفہ کا، یا دوسرے مجتہد کا، اور وہ قطعیت کے ساتھ یہ جواب نہ دے کہ تمہارے مسئلہ کا جواب اس طرح ہے، بلکہ یہ کہے، یا لکھے کہ امام ابوحنیفہ، یا فلاں مجتہد کے نزدیک یہ حکم ہے، اسی طریقہ سے اگر تمام مجتہدین کے اقوال نقل کرے، تب بھی یہی کہے، یا لکھے۔

پھر اس کے بعد مستفتی جو کہ ''عامی'' ہے، اور اس کا بھی مذہب اس ناقل مفتی کی طرح متعین نہیں، اس کو اس طرح کے فتوے کے بعد مختلف مجتہدین کے اقوال میں سے، جس قول کو چاہے اختیار کرنا جائز ہوگا، کیونکہ ان دونوں مستفتی اور ناقلِ فتویٰ کا نہ کوئی مذہب ہوتا، نہ ہی مذہب کی تعیین والتزام کرنے سے وہ لازم ہوتا، اور آسان مذہب پر بھی عمل کرنا جائز ہے،

جب تک شاذ ومہجور اقوال نہ ہوں، جو ''تتبعِ رخص'' اور اتباعِ ہویٰ کو مستلزم ہیں، علامہ ابنِ ہمام کے موقف کی مزید تفصیل آگے ضمیمہ میں آتی ہے۔

ہم نے علامہ ابنِ ہمام، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے موقف میں کوئی خیانت کئے بغیر اس کو صاف صاف نقل اور بیان کردیا ہے، جو ہماری دینی ذمہ داری تھی، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارے یہاں ایک عرصہ سے ''مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی کے وجوب'' پر جتنا زور دیا گیا ہے، اور جو چند تسامحات کی بناء پر تنگ نظری کا ماحول بن چکا ہے، اس قسم کے ماحول میں نہ تو ''غیر مجتہد مفتی'' کو اس طرح کا فتویٰ دینے کی حوصلہ افزائی کی جاتی، اور نہ ہی مستفتی کو اس طرح کا اختیار دینے کو پسند کیا جاتا، اور اگر ہم اس طرح کی حالت کا مشاہدہ نہ کرتے، تو شاید اتنی وضاحت کے ساتھ ہمیں لب کشائی کرنے، اور بعض کرم فرما حضرات کی نظروں میں ملامتی بننے کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔

البتہ ہم بغیر کسی لومۃِ لائم کے اسی موقف کو حق وصواب سمجھتے ہیں، اور اسی پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

اور اس کے برخلاف ایک عرصہ سے ہمارے یہاں جن اصول وقواعد کی ''رسمُ المفتی'' وغیرہ کے عنوان سے شہرت ہوچکی ہے، جو کہ دراصل مختلف اقوال ہیں، ان پر ہم نے الگ تالیف میں کلام کردیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی دوسری تالیف ''الانصاف'' میں عامی کے ساتھ ساتھ دوسرے درجات کے لوگوں پر بھی کلام فرمایا ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الانصاف'' میں فرمایا:

ومنها أن تتبع الكتاب والآثار لمعرفة الأحكام الشرعية على مراتب.

أعلاها أن يحصل له من معرفة الأحكام بالفعل أو بالقوة القريبة

من الفعل ما يتمكن به من جواب المستفتين فى الوقائع غالبا بحيث يكون جوابه أكثر مما يتوقف فيه وتخص باسم الاجتهاد.

وهذا الاستعداد يحصل :

تارة بالإمعان فى جمع الروايات وتتبع الشاذة والفاذة منها كما أشار إليه أحمد بن حنبل مع ما لا ينفک منه العاقل العارف باللغة من معرفة مواقع الكلام ،وصاحب العلم بآثار السلف من طريق الجمع بين المختلفات وترتيب الاستدلالات ونحو ذلک.

وتارة بإحكام طرق التخريج على مذهب شيخ من مشايخ الفقه مع معرفة جملة صالحة من السنن والآثار بحيث يعلم أن قوله لا يخالف الإجماع وهذه طريقة أصحاب التخريج.

وأوسطها من كلتا الطريقتين أن يحصل له من معرفة القرآن والسنن ما يتمكن به من عرفة رؤوس مسائل الفقه المجمع عليها بأدلتها التفصيلية، ويحصل له غاية العلم ببعض المسائل الاجتهادية من أدلتها وترجيح بعض الأقوال على بعض ونقد التخريجات ومعرفة الجيد من الزيف ،وان لم يتكامل له الأدوات كما يتكامل للمجتهد المطلق ،فيجوز لمثله أن يلفق من المذهبين اذا عرف دليلهما، وعلم أن قوله مما لا ينفذ فيه اجتهاد المجتهد ،ولا يقبل فيه قضاء القاضى، ولا يجرى فيه فتوى المفتين .

وأن يترک بعض التخريجات التى سبق الناس اليها اذا عرف عدم صحتها.

ولهذا لم يزل العلماء ممن لا يدعى الاجتهاد المطلق يصنفون

www.idaraghufran.org

ويرتبون ويخرجون ويرجحون.

وإذا كان الاجتهاد يتجزأ عند الجمهور والتخريج يتجزأ. وإنما المقصود تحصيل الظن ،وعليه مدار التكليف فما الذى يستبعد من ذلك.

وأما دون ذلك من الناس فمذهبه فيما يرد عليه كثيرا ما أخذه عن أصحابه وآبائه وأهل بلده من المذاهب المتبعة.

وفى الوقائع النادرة فتاوى مفتيه ،وفى القضايا ما يحكم القاضى، وعلى هذا وجدنا محققى العلماء من كل مذهب قديما وحديثا ،وهو الذى وصى به أئمة المذاهب أصحابهم .

وفى اليواقيت والجواهر: أنه روى عن أبى حنيفة رضى الله عنه أنه كان يقول :لا ينبغى لمن لم يعرف دليلى أن يفتى بكلامى ،وكان رضى الله عنه اذا أفتى يقول هذا رأى النعمان بن ثابت يعنى نفسه وهو أحسن ما قدرنا عليه فمن جاء بأحسن منه فهو أولى بالصواب ،وكان الامام مالك رضى الله عنه يقول :ما من أحد الا وهو مأخوذ من كلامه ومردود عليه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم.

وروى الحاكم والبيهقى عن الشافعى رضى الله عنه أنه كان يقول :اذا صح الحديث فهو مذهبى، وفى رواية اذا رأيتم كلامى يخالف الحديث فاعملوا بالحديث ،واضربوا بكلامى الحائط ،وقال يوما للمزنى :يا أبا إبراهيم لا تقلدنى فى كل ما أقول ،وانظر فى ذلك لنفسك فانه دين ،وكان رضى الله عنه يقول

:لا حجة في قول أحد دون رسول الله صلى الله عليه وسلم وان كثروا، ولا في قياس ولا في شيء ،وما ثم الا طاعة الله ورسوله بالتسليم.

وكان الإمام أحمد رضى الله عنه يقول :ليس لأحد مع الله ورسوله كلام ،وقال أيضا لرجل :لا تقلدنى ولا تقلدن مالكا، ولا الأوزاعى ولا النخعى ،ولا غيرهم ،وخذ الأحكام من حيث أخذوا من الكتاب والسنة لا ينبغى لأحد أن يفتى الا أن يعرف أقاويل العلماء فى الفتاوى الشرعية ويعرف مذاهبهم ،فان سئل عن مسألة يعلم أن العلماء الذين يتخذ مذهبهم قد اتفقوا عليها، فلا بأس بأن يقول هذا جائز وهذا لا يجوز ويكون قوله على سبيل الحكاية وان كانت مسألة قد اختلفوا فيها فلا بأس بأن يقول هذا جائز فى قول فلان ،وفى قول فلان لا يجوز ،وليس له أن يختار فيجيب بقول بعضهم ما لم يعرف حجته.

وعن أبى يوسف وزفر وغيرهما رحمهم الله أنهم قالوا: لا يحل لأحد أن يفتى بقولنا ما لم يعلم من أين قلنا.

قيل لعصام بن يوسف رحمه الله: إنک تكثر الخلاف لأبى حنيفة رحمه الله قال: لأن أبا حنيفة رحمه الله أوتى من الفهم لما لم نؤت ،فأدرک بفهمه ما لم ندركه ،ولا يسعنا أن نفتى بقوله ما لم نفهم.

عن محمد بن الحسن أنه سئل متى يحل للرجل أن يفتى؟ قال محمد :إذا كان صوابه أكثر من خطئه.

www.idaraghufran.org

عن أبى بكر الإسكاف البخلى أنه سئل عن عالم فى بلده ليس هناك أعلم منه هل يسعه ألا يفتى؟ قال :إن كان من أهل الاجتهاد، فلا يسعه،قيل :كيف يكون من أهل الاجتهاد؟ قال :أن يعرف وجوه المسائل، ويناظر أقرانه إذا خالفوه.

قيل :أدنى الشروط للاجتهاد حفظ المبسوط انتهى.

وفى البحر الرائق عن أبى الليث قال: سئل أبو نصر عن مسألة وردت عليه ما تقول رحمك الله وقعت عندك كتب أربعة ،كتاب إبراهيم بن رستم ،وأدب القاضى عن الخصاف ،وكتاب المجرد، وكتاب النوادر من جهة هشام ،هل يجوز لنا أن نفتى منها أو لا، وهل هذه الكتب محمودة عندك ؟ فقال ما صح عن أصحابنا فذلك علم محبوب مرغوب فيه مرضى به ،وأما الفتيا فانى لا أرى لأحد أن يفتى بشىء لا يفهمه ولا يحمل أثقال الناس فإن كانت مسائل قد اشتهرت وظهرت وانجلت عن أصحابنا رجوت أن يسع لى الاعتماد عليها.

وفيه أيضا لو احتجم أو اغتاب فظن أنه يفطره ،ثم أكل إن لم يستفت فقيها ولا بلغه الخبر ،فعليه الكفارة لأنه مجرد جهل ،وانه ليس بعذر فى دار الاسلام ،وإن استفتى فقيها، فأفتاه لا كفارة عليه لأن العامى يجب عليه تقليد العالم اذا كان يعتمد على فتواه ،فكان معذورا فيما صنع ،وان كان المفتى مخطئا فيما أفتى.

وان لم يستفت ولكن بلغه الخبر وهو قوله صلى الله عليه وسلم :"افطر الحاجم والمحجوم" وقوله عليه الصلاة والسلام :"الغيبة

تفطر الصائم" ولم يعرف النسخ ،ولا تأويله لا كفارة عليه عندهما لأن ظاهر الحديث واجب العمل به خلافا لأبى يوسف لأنه ليس للعامى العمل بالحديث لعدم علمه بالناسخ والمنسوخ.

ولو لمس امرأة أو قبلها بشهوة أو اكتحل ،فظن أن ذلك يفطر، فأفطر فعليه الكفارة الا اذا استفتى فقيها ،فأفتاه بالفطر ،أو بلغه خبر فيه .

ولو نوى الصوم قبل الزوال ،ثم أفطر لم تلزمه الكفارة عند أبى حنيفة رضى الله عنه خلافا لهما كذا فى المحيط .

وقد علم من هذا أن مذهب العامى فتوى مفتية ،وفيه أيضا فى باب قضاء الفوائت إن كان عاميا ليس له مذهب معين فمذهبه فتوى مفتيه كما صرحوا به ،فان أفتاه حنفى أعاد العصر والمغرب، وان أفتاه شافعى ،فلا يعيدهما ولا عبرة برأيه وان لم يستفت أحدا، أو صادف الصحة على مذهب مجتهد أجزأه ولا إعادة عليه.

قال ابن الصلاح :من وجد من الشافعية حديثا يخالف مذهبه نظر إن كملت له آلة الاجتهاد مطلقا، أو فى ذلك الباب ،أو المسألة، كان له الاستقلال بالعمل ،وان لم يكمل وشق مخالفة الحديث بعد أن يبحث ،فلم يجد للمخالفة جوابا شافيا عنه ،فله العمل به إن كان عمل به إمام مستقل غير الشافعي ويكون هذا عذرا له فى ترك مذهب إمامه ههنا ،وحسنه النووى وقرره (الانصاف للدهلوى، ص ۱۰۲ الیٰ ۱۰۸ ،باب حكاية ما حدث فى الناس بعد المائة الرابعة، التقليد فى المذاهب الاربعة ، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

ترجمہ: (اوران اہم قابلِ تنبیہ مسائل میں سے، جن کو سمجھنے میں افہام بھٹک گئیں، اور قدم ڈگمگا گئے، اور قلم باغی ہو گئے) ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ کتابُ اللہ اور سنتِ رسولُ اللہ سے احکامِ شرعیہ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے تتبع کرنے کے چند مراتب و درجات ہیں (جو مجموعی طور پر تین ہیں)

ان (یعنی کتابُ اللہ اور سنتِ رسولُ اللہ سے احکامِ شرعیہ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے تتبع کرنے) میں پہلا درجہ سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ اس شخص کو اتنی قدرت حاصل ہو کہ **بالفعل**، یا فعل کے قریب **بالقوۃ** اکثر پیش آنے والے مستفتین کے جواب پر قادر ہو۔ [1]

اس طور پر کہ اس کے جوابات اس کے توقفات سے زیادہ ہوں، جو اجتہاد کے نام کی خصوصیت ہے (اور اس استعداد و قابلیت کے حصول کے چند طریقے ہیں، چنانچہ) یہ استعداد بعض اوقات تمام روایات میں غور کرنے اور روایاتِ شاذہ و نادرہ کا تتبع کرنے سے حاصل ہوتی ہے، جس کی طرف امام احمد بن حنبل نے اشارہ کیا ہے، مگر مذکورہ غور اور تتبع کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عاقل ہو، لغت کی معرفت رکھتا ہو، کلام کے مواقع کو پہچانتا ہو، اور سلف کے مختلف آثار کو جمع اور ان میں تطبیق کرنے کا علم رکھتا ہو، اور استدلالات وغیرہ کی ترتیب کا علم رکھتا ہو۔

اور بعض اوقات یہ استعداد مشائخِ فقہ میں سے کسی شیخ کے مذہب پر تخریج کے طریقوں کے احکام سے حاصل ہوتی ہے، جبکہ جملہ صالح سنن و آثار کی معرفت بھی ہو، اس طور پر کہ اسے یہ معلوم ہو کہ اس کا قول اجماع کے خلاف نہیں، اور یہ اصحابِ تخریج کا طریقہ ہے۔

---

[1] فعل کے قریب بالقوۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اگرچہ بالفعل پیش آنے والے مسائل کے جوابات حاصل نہ کیے ہوں، لیکن اسے قریب بالفعل کی بالقوۃ صلاحیت حاصل ہو۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

اور (کتابُ اللہ اور سنتِ رسولُ اللہ سے احکامِ شرعیہ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے تتبع کرنے) کا اوسط درجہ جو دونوں درجات کے درمیان ہے (یعنی ایک وہ درجہ جو پیچھے گزر چکا، اور ایک آنے والا تیسرا درجہ، ان دونوں کے درمیان) یہ ہے کہ اس کو قرآن وسنت کی اتنی معرفت حاصل ہو کہ وہ فقہ کے بنیادی مجمع علیہا مسائل سے تفصیلی دلائل کے ساتھ معرفت کا تمکن حاصل کر سکتا ہو، اور اس کو بعض مسائلِ اجتہادیہ کا دلائل کے ساتھ اور بعض اقوال کی بعض پر ترجیح اور تخریجات کی تنقیح اور کامل وناقص کی معرفت کا غایت درجہ علم ہو، اگرچہ اس کو کامل اجتہاد کے ذرائع حاصل نہ ہوں، جیسا کہ مجتہدِ مطلق کو کامل طریقہ پر حاصل ہوتے ہیں، تو اس جیسے شخص کے لیے دو مذہبوں کے درمیان تلفیق کرنا جائز ہے، جبکہ ان دونوں کی دلیل کو پہچان لے، اور یہ بات جان لے کہ اس کا قول ان چیزوں میں سے نہیں ہے، جس میں مجتہد کا اجتہاد نافذ نہیں ہوتا، اور اس میں قضائے قاضی کو قبول نہیں کیا جاتا، اور اس میں مفتیوں کا فتویٰ جاری نہیں ہوتا۔ [1]

اور ایسے شخص کو بعض ایسی تخریجات کو بھی ترک کرنا جائز ہے، جن کی طرف دوسرے علماء سبقت کر چکے ہیں، جب وہ ان تخریجات کی عدمِ صحت کو پہچان لے۔ [2]

اور اسی وجہ سے علماء، جو مطلق اجتہاد کا دعویٰ نہیں کرتے، وہ برابر مسائل تصنیف

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو دو مذہبوں کے مسائل کے درمیان تلفیق جائز ہے، جب اسے یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس تلفیق کے نتیجے میں وہ مسئلہ مجتہد فیہ درجہ میں رہتا ہے، اور قضائے قاضی، اس میں نافذ ہو سکتی ہے، اور مفتی مجتہد اس طرح کا فتویٰ جاری کر سکتا ہے۔ محمد رضوان۔

[2] یعنی اگر اسے کسی امام کے مذہب پر تخریج کیے گئے مسئلہ پر اطمینان نہ ہو، تو اس کی مخالفت کرنا جائز ہے، کیونکہ تخریجات مجتہد کا حقیقی مذہب، یا قول نہیں ہوتیں، اور اسی وجہ سے بعض اوقات ایک امام کی تخریجات مختلف اصحابِ تخریجات کے حوالہ سے مختلف ہو جایا کرتی ہیں، اور صاحبِ ترجیح کو دوسرے مذہب کے دلائل میں غور وفکر کر کے ترجیح دینا جائز ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے بھی باحوالہ گزرا۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

کرتے رہے، اور مسائل مرتب کرتے رہے، اور تخریج وترجیح کا عمل انجام دیتے رہے۔ [1]

اور جب جمہور کے نزدیک اجتہاد ''تجزّی'' کو قبول کرتا ہے، تو تخریج وغیرہ بھی تجزی کو قبول کرتی ہے، اور اصل مقصود ''ظن'' کا حاصل ہونا ہے (یعنی ظن کے درجے میں اجتہاد کرنا، ترجیح دینا، اور تخریج کرنا کافی ہے) اور اسی پر مکلّف ہونے کا مدار ہے، اور اس میں کوئی مستبعد چیز لازم نہیں آتی (جس پر کسی کا حیرت وتعجب کرنا درست نہیں) [2]

اور (کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے احکامِ شرعیہ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے تتبع کرنے) کا آخری وتیسرا درجہ اُن لوگوں کا ہے، جو علم میں مذکورہ (دونوں درجات کے) حضرات سے بھی کم درجے کے ہوں، تو ایسے شخص کا مذہب اکثر وبیشتر، جو وارِد ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اپنے اصحاب، اور اپنے آباء اور اپنے علاقے کے ان حضرات سے لیتا ہے، جو مذاھبِ متبعة سے تعلق رکھتے ہیں۔

اور جو نادر واقعات ہوتے ہیں، ان میں مذاھبِ متبعة کے مفتی کے فتاویٰ کو لیا جاتا ہے، اور قضایا کے باب میں قاضی کے فیصلے کا اعتبار ہوتا ہے۔ [3]

---

[1] مگر ہمارے یہاں کچھ عرصہ سے علمی دنیا میں یہ مزاج بن گیا ہے کہ جو تخریجات وتفریعات، بلکہ ترجیحات پہلے مشائخ نے بیان کر دیں، خواہ وہ کسی شخصیت، یا شخصیات نے اپنے زمانہ، یا اپنے علاقہ کے مخصوص حالات کے تناظر میں کیوں نہ بیان کی ہوں، ان سے سرِ مو انحراف وتجاوز نہیں کیا جاسکتا، خواہ آج کے دور کا کوئی شخص اجتہادی صلاحیت کیوں نہ رکھتا ہو۔ ہمیں یہ طرزِ عمل درست معلوم نہ ہوسکا۔ محمد رضوان

[2] ہم نے دیکھا کہ آج کل جزوی اجتہاد کے لیے بھی جملہ مسائل میں مطلق اجتہاد کی شرائط کو لازم کیا جاتا ہے، اور جس میں وہ شرائط نہ ہوں، اس کے لیے جزوی اجتہاد کو بھی گوارا نہیں کیا جاتا، جو کہ جمہور کے نزدیک مرجوح قول پر مبنی طریقہ ہے۔ محمد رضوان۔

[3] مذاہبِ متبعہ سے وہ مذاہب مراد ہیں، جن کی اتباع کی جاتی ہے، جن میں موجودہ زمانہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب اور ظاہریہ کا مذہب ہے، جیسا کہ اگلی فصول میں باحوالہ آتا ہے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور ہم نے ہر مذہب کے قدیم اور جدید محقق علماء کو مذکورہ بیان کردہ تفصیل کے مطابق پایا ہے، اور اسی کی ائمۂ مذاہب نے اپنے اصحاب کو وصیت کی ہے۔

چنانچہ ''الیواقیت والجواھر'' میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص میری دلیل کو نہ پہچانے، اس کے لیے میرے قول پر فتویٰ دینا درست نہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، جب فتویٰ دیا کرتے تھے، تو وہ یہ فرمادیا کرتے تھے کہ یہ نعمان بن ثابت کی، یعنی ان کی اپنی رائے ہے، اور یہ رائے ہم جس پر قادر ہوئے، اس کے مطابق اچھی رائے ہے، پس جو شخص اس سے اچھی رائے لے آئے گا، تو وہ صواب کے زیادہ لائق ہوگی۔

اور امام مالک رحمہ اللہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ جس کا کلام لیا اور رَد نہ کیا جاتا ہو، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ [1]

اور حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جب حدیث صحیح ہو، تو وہی میرا مذہب ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم میرے کلام کو حدیث کے مخالف پاؤ، تو تم حدیث پر عمل کرو، اور میرے کلام کو دیوار پر دے مارو، اور ایک دن امام شافعی نے امام مزنی سے فرمایا کہ اے ابراہیم! تم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ چنانچہ مشاہدہ یہی ہے کہ جس علاقہ میں جو مذہب، یا مذاہب رائج ہوتے ہیں، وہاں کے عوام کو اس مذہب، یا مذاہب کی اتباع وتقلید آسان ہوا کرتی ہے، لیکن اس سے اس مذہب، یا مذاہب کے لزوم، اور وجوب کا تعلق نہیں، اس کو لزوم ووجوب سمجھ لینا درست نہیں، اس کی مثال ایسی ہے، جیسا کہ کسی علاقہ میں کوئی دینی تعلیمی نصاب رائج ہے، تو اس علاقہ کے عوام عام طور پر اس نصاب کو ہی پڑھتے، پڑھاتے ہیں، لیکن اس سے یہ سمجھ لینا درست نہیں کہ سب لوگوں پر اس نصاب کی پابندی، لازم اور واجب ہے، اسی لئے بہت سے عوام قرآن وسنت پڑھ کر، یا مختلف دینی کتب خود، یا کسی استاذ سے پڑھ کر، یا اصحابِ علم سے تقریر سن کر بھی دین کا علم حاصل کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تقلید واتباع کی مذکورہ صورتِ حال، اور رواج کا علم ہونے کے باوجود ہر زمانہ وعلاقہ کے جمہور فقہاء نے ''مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی'' کے وجوب کا قول نہ کیا، بلکہ اس کو مرجوح قول ہی قرار دیا۔ محمد رضوان۔

[1] اس لیے کسی شخص کے ہر کلام کو لینے کا مکلّف کرنا درست نہیں، یہ شان انسانوں میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

میری ہر بات کی تقلید نہ کیا کرو، اس سلسلے میں خود بھی غور و فکر سے کام لیا کرو، کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے، اور امام شافعی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کے قول میں حجت نہیں، اگرچہ وہ بہت زیادہ لوگ کیوں نہ ہوں (اس لیے جمہور کے قول کی مخالفت میں بھی اجتہاد کی گنجائش ہے) اور نہ قیاس میں، اور نہ کسی دوسری چیز میں حجت ہے، اور وہاں بھی جو کچھ ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، جس کو تسلیم کرنا چاہیے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کلام کی گنجائش نہیں، نیز انہوں نے ایک آدمی کو فرمایا کہ تم نہ تو میری تقلید کرو، اور نہ امام مالک کی تقلید کرو، اور نہ امام اوزاعی کی تقلید کرو، اور نہ امام نخعی کی تقلید کرو، اور نہ ان کے علاوہ کسی دوسرے کی تقلید کرو، اور تم احکام کو اسی طریقے سے لو، جس طریقے سے انہوں نے کتاب وسنت سے لیا۔

کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ فتویٰ دے، جب تک کہ وہ شرعی فتاویٰ میں علماء کے اقوال اور ان کے مذاہب کو نہ پہچان لے، پھر اگر کسی مسئلے کے بارے میں سوال کیا جائے، جس کے بارے میں وہ یہ بات جانتا ہے کہ جن علماء کے مذہب کو وہ لیتا ہے، وہ اس مسئلہ پر متفق ہیں، تو پھر یہ کہنے میں حرج نہیں کہ یہ جائز ہے، اور یہ ناجائز ہے، اور اس کا قول نقل کے طور پر ہونا چاہیے۔

اور اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہو، تو پھر یہ کہنے میں حرج نہیں کہ یہ فلاں کے قول کے مطابق جائز ہے، اور فلاں کے قول کے مطابق جائز نہیں۔ [1]

---

[1] جیسا کہ پہلے تفصیل گذری کہ جب مسئلہ اجتہادی واختلافی ہو، تو اس صورت میں اختلافی اقوال کو نقل کرنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ کا یہ فرمانا ہے، اور امام شافعی کا یہ فرمانا ہے وغیرہ وغیرہ۔
ملاحظہ فرمایئے کہ اختلافی مسائل میں اختلاف کو ذکر کرنے کی کتنی اہمیت ہے، اور اس کی وجہ وہی ہے، جو پیچھے گزری کہ مستفتی کو کسی قول کے لینے میں بھی اختیار رہتا ہے، جبکہ ایک قول کو ذکر کرنے میں یہ اختیار باقی نہیں رہتا۔ محمد رضوان۔

اور اس کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ بعض کے قول کو اختیار کر کے جواب دے، جب تک کہ اس کی دلیل کو نہ جان لے۔ [1]

اور امام ابو یوسف اور امام زفر وغیرہ رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کسی کے لیے ہمارے قول پر اس وقت تک فتویٰ دینا حلال نہیں، جب تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے وہ بات کہاں سے کہی ہے۔

عصام بن یوسف سے سوال کیا گیا کہ آپ امام ابوحنیفہ سے بہت کثرت کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کو جو فہم دی گئی، وہ ہمیں نہیں دی گئی، اس لیے امام ابوحنیفہ نے اپنی فہم سے اس بات کا ادراک کرلیا، جس کا ادراک ہم نے نہیں کیا (اور ہماری فہم نے دوسری چیز کا ادراک کیا) اور ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم ان کے قول پر سمجھے بغیر فتویٰ دیں۔ [2]

اور امام محمد بن حسن سے مروی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ آدمی کے لیے فتویٰ

---

[1] یعنی جب تک کسی قول کی دلیل سے اس کا رجحان معلوم نہ ہوجائے، اس وقت تک اس کو جواب کے لئے متعین نہ کرے۔ محمد رضوان۔

[2] لیکن آج اس کے برعکس یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اگر اپنے امام کے قول کی مضبوط دلیل نہ ملے، اور مضبوط دلیل اس کے خلاف ہو، یہاں تک کہ حدیث بھی خلاف ہو، تب بھی اس امام کے خلاف قول کرنا جائز نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو، جو ہمارے علم میں نہ آئی ہو۔

مگر اس دعوے کا درست نہ ہونا اوپر کی عبارت میں واضح ہو چکا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم اپنے سامنے آنے والی دلیل کے مکلّف ہیں۔

اسی طرح آج کل یہ دعویٰ بھی بہت عام ہوگیا ہے کہ جس کسی حدیث کی سند کمزور ہو، اور وہ کسی امام کی دلیل بنتی ہو، تو یہ کہا جاتا ہے کہ ہم تک تو یہ حدیث ضعیف سند سے پہنچی ہے، لیکن ممکن ہے کہ ہمارے امام تک وہ حدیث معتبر سند سے پہنچی ہوگی، اس لیے ان کا استدلال کرنا درست ہوا، اور ہمیں اس کی اتباع وتقلید کرنا بھی درست ہوا۔

حالانکہ ہم اپنے نزدیک حدیث کی سند کے مکلّف ہیں، جس طرح وہ امام اپنے نزدیک مکلّف تھا۔

لہٰذا علمی وفقہی اعتبار سے اس طرح کی دلیلیں زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں، اگرچہ ان کو آج کے دور میں بعض لوگوں نے اہمیت کیوں نہ دے رکھی ہو۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

دینا کس وقت حلال ہوتا ہے؟ امام محمد نے جواب میں فرمایا کہ جب اس کا ''صواب'' اس کی ''خطاء'' سے زیادہ ہو جائے۔ [1]

ابوبکر اسکاف بلخی سے مروی ہے کہ ان سے شہر کے ایسے عالم کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہاں پر اس سے بڑا عالم نہیں پایا جاتا کہ کیا اس کے لیے فتویٰ نہ دینے کی گنجائش ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اگر وہ اہلِ اجتہاد میں سے ہو، تو اس کے ترکِ فتویٰ کی گنجائش نہیں، عرض کیا گیا کہ اہلِ اجتہاد میں سے کس طرح ہوگا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ وہ مسائل کی علتوں کو پہچانتا ہو، اور اس کے اہلِ عصر جب اس کی مخالفت کریں، تو ان سے مناظرہ کرتا ہو۔

کہا گیا ہے کہ اجتہاد کی ادنیٰ شرط مبسوط کو یاد کرنا ہے۔ انتہیٰ۔ [2]

اور ''البحرُ الرائق'' میں ابواللیث سے مروی ہے کہ ابونصر سے ایک مسئلے کے بارے میں سوال کیا گیا، جو ان پر پیش کیا گیا تھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں، آپ کے پاس چار کتابیں موجود ہیں، ایک ''ابراہیم بن رستم کی کتاب'' اور ''خصاف'' کی ''ادبُ القاضی'' اور ''کتابُ المجرد'' اور ''کتابُ النوادر'' ہشام کی، تو کیا ہمارے لیے ان کتابوں سے فتویٰ دینا جائز ہے، یا نہیں، جب کہ یہ کتابیں آپ کے نزدیک قابلِ تعریف ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ہمارے اصحاب سے جو بات صحیح طور پر منقول ہے، وہ تو محبوب اور مرغوب اور پسندیدہ علم

---

[1] اور بھی کئی محققین نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ معصوم ذات انسانوں میں صرف نبیوں کی ہے، اس لیے کسی بھی مجتہد کو ''صوابِ محض'' پر سمجھنا ممکن نہیں، اور ہر مجتہد سے خطاء کا صدور ممکن ہے، اسی وجہ سے ''تقلیدِ شخصی'' کو جمہور نے راجح نہیں سمجھا۔ محمد رضوان

[2] مندرجہ بالا عبارت کے درمیان کا ایک ٹکڑا، جس میں ابوبکر اسکاف بلخی کی روایت کا ذکر ہے ''الانصاف'' میں نہیں تھا، اور ''الانصاف'' میں ابوبکر اسکاف بلخی کے جواب کو امام محمد کے جواب کے ساتھ تحریر کیا گیا تھا، اور ''حجة اللّٰه البالغة'' میں وہ حصہ موجود تھا، جس سے ظاہر ہوا کہ ''الانصاف'' کی کتابت میں یہ حصہ رہ گیا ہے، اس لیے ''حجة الله البالغه'' کے نسخہ کو سامنے رکھ کر اس عبارت کو شامل کرلیا گیا۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

ہے، جہاں تک فتویٰ کا تعلق ہے، تو میری رائے کے مطابق کسی کے لیے، کسی ایسی چیز کا فتویٰ دینا جائز نہیں، جس کو وہ سمجھتا نہ ہو، اور ایسی صورت میں لوگوں کے بوجھ کو نہ اٹھائے، پھر اگر مشہور مسائل ہوں، اور راجح ہوں، اور ہمارے اصحاب سے واضح ہوں، تو مجھے امید ہے کہ ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

اور مذکورہ کتاب میں ہی ہے کہ اگر کسی (عامی، یعنی مذکورہ درجات میں سے آخری درجہ والے کے شخص) نے حجامہ کرایا، یا غیبت کی، پھر اس نے یہ سمجھا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا، پھر اس نے کھا پی لیا، تو اگر اس نے کسی فقیہ سے فتویٰ طلب نہیں کیا، اور نہ ہی اس کو حدیث پہنچی، تو اس پر کفارہ واجب ہوگا، کیونکہ یہ جہلِ محض ہے، جو کہ دارُ الاسلام میں عذر نہیں، اور اگر اس نے کسی (غیر حنفی) فقیہ سے فتویٰ لیا، جس نے اس کے روزہ فاسد ہونے کا فتویٰ دے دیا، تو اس پر کفارہ واجب نہیں، اس لیے کہ عامی پر عالم کی تقلید واجب ہے، جب اس عالم کے فتوے پر اعتماد کیا جاتا ہو، تو وہ اپنے عمل میں معذور ہوگا، اگرچہ مفتی اپنے فتویٰ میں خطاء کار کیوں نہ ہو۔

اور اگر اس نے کسی سے فتویٰ نہیں لیا، لیکن اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''**افطر الحاجم والمحجوم**'' پہنچ گئی، لیکن اس نے، نہ تو اس کے منسوخ ہونے کو جانا، اور نہ اس کی تاویل کو جانا، تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں، کیونکہ ظاہرِ حدیث پر عمل واجب ہوتا ہے، اور امام ابو یوسف کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا، کیونکہ عامی کے لیے خود سے حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ اسے ناسخ اور منسوخ کا علم نہیں ہوتا۔ [1]

اور اگر کسی نے عورت کو چھوا، یا شہوت سے بوسہ لیا، یا سرمہ لگایا، اور اس نے یہ گمان کیا کہ اس کا روزہ فاسد ہوگیا، پھر اس نے کھا پی لیا، تو اس پر کفارہ لازم ہوگا،

---

[1] اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول راجح ہے، جس کی تفصیل آگے ضمیمہ میں آتی ہے۔ محمد رضوان۔

الَّا یہ کہ اس نے کسی فقیہ سے فتویٰ لیا، اور اس نے مذکورہ صورتوں میں اس کا روزہ فاسد ہونے کا فتویٰ دیا، یا اس کو حدیث پہنچی، جس میں روزہ فاسد ہونے کا ذکر تھا (تو پھر کفارہ واجب نہ ہوگا، جس کی وجہ پہلے ذکر کی جا چکی ہے)

اور اگر کسی نے زوال سے پہلے روزہ کی نیت کی، پھر روزہ توڑ دیا، تو اس پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کفارہ واجب نہیں ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا، محیط میں اسی طرح ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ عامی کا مذہب، اس کے مفتی کا فتویٰ ہوتا ہے، اور محیط ہی کے ''قضاء الفوائت'' کے باب میں ہے کہ اگر وہ عامی تھا، جس کا کوئی معین مذہب نہیں ہوتا، تو اس کا مذہب اس کے مفتی کا فتویٰ ہی ہوتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے صراحت کی ہے، پس اگر حنفی نے اس کو فتویٰ دیا، تو وہ عصر اور مغرب کا اعادہ کرے گا، اور اگر اس کو شافعی نے فتویٰ دیا، تو ان نمازوں کا اعادہ نہیں کرے گا، اور اس کی اپنی رائے کا اعتبار نہیں ہوگا، اور اگر اس نے کسی سے بھی استفتاء نہیں کیا، یا اس کی رائے کسی مجتہد کے مذہب کے موافق ہوگئی، تو نماز جائز ہوگی، اور اس پر اعادہ واجب نہیں ہوگا۔ [1]

ابنِ صلاح نے فرمایا کہ جو شافعیہ میں سے کسی حدیث کو پائے، جو اس کے مذہب کے مخالف ہے، تو وہ اس میں غور کرے گا، اگر اس میں مطلق اجتہاد کی صلاحیت ہو، یا اس باب میں، یا اس مسئلے میں اجتہاد کی صلاحیت ہو، تو وہ اس مسئلہ پر عمل میں خود مختار رائے کا حامل ہوگا، اور اگر اس میں اجتہاد کی مکمل صلاحیت نہ ہو، اور اس پر تحقیق کے بعد اس حدیث کی مخالفت کرنا دشوار ہو، اور وہ اس حدیث کے متعلق، کسی شافی جواب کو نہ پاتا ہو، تو اس کے لیے اس حدیث پر عمل کرنا جائز ہے، جبکہ

[1] یہ حنفیہ کے حوالہ جات تھے، آگے شوافع کے حوالہ جات آتے ہیں، جن کی وضاحت پیچھے گذر چکی۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

اس حدیث پر امام شافعی کے علاوہ کسی مستقل امام نے عمل کیا ہو، اور اس مسئلے میں وہ اپنے امام کے مذہب کو ترک کرنے میں معذور شمار ہوگا، اور اس رائے کو نووی نے اچھا سمجھا ہے، اور اسی رائے کو انہوں نے برقرار رکھا ہے (الانصاف)

اس عبارت میں امام، یا مجتہد کے خلاف حدیث پانے کے متعلق طرفین، اور امام ابو یوسف کا قول پہلے بیان کیا گیا، پھر ابنِ صلاح، اور امام نووی شافعی کا قول بیان کیا گیا، جس میں امام شافعی کے خلاف حدیث پانے پر اپنی حیثیت کے مطابق اجتہاد کرنے کے بعد اس حدیث کی مخالفت دشوار ہونے، اور شافی جواب نہ پانے کی صورت میں صرف اس شرط پر عمل کو جائز قرار دے دیا گیا ہے کہ اس پر کسی مجتہدِ مستقل نے عمل کیا ہو۔

لیکن ہمارے یہاں نہ صرف یہ کہ نہ تو طرفین کے قول کے مطابق عمل کی اجازت دیے جانے کو برداشت کرنے کا ماحول ہے، نہ ہی ابنِ صلاح اور امام نووی کے مطابق اجازت کا تصور ہے، بلکہ اس کے لئے ایسی کڑی شرائط عائد کی جاتی ہیں کہ جن کا تصور اور وجود ہی مشکل ہو جاتا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ کئی ایسی احادیث کے سامنے ہونے کے باوجود، جن پر مستقل مجتہدین کا عمل ہے، اور اس کا علم بھی ہے اور مخالفت کا شافی جواب بھی میسر نہیں، پھر بھی ان احادیث پر عمل تو کیا ہوتا، اس کے برعکس بتکلف تاویلاتِ بعیدہ کر کے غیر شافی جوابات کی بھرمار کو گوارا کیا جانے لگا ہے۔

جیسا کہ فجر کی نماز پڑھتے ہوئے طلوعِ شمس ہو جانے پر، صحیح حدیث سے فجر کی نماز درست ہونے کا حکم معلوم ہوتا ہے، اور اس پر محدثین و جمہور مجتہدین کا عمل بھی ہے۔

اور جیسا کہ سفر وغیرہ میں حقیقی جمع بین الصلاتین کا صحیح احادیث سے ثبوت ملتا ہے، اور اس پر محدثین و جمہور مجتہدین کا عمل بھی ہے۔

اور جیسا کہ ''قلتین'' کی پاکی سے متعلق صحیح حدیث موجود ہے، جس پر شافعیہ اور حنابلہ کا عمل بھی ہے۔

اور جیسا کہ وتر کی تین رکعتوں کو دو سلاموں کے ساتھ اور اسی طرح ایک رکعتِ وتر کا ثبوت موجود ہے، جس پر محدثین اور متعدد مجتہدین کا عمل بھی ہے۔

اور جیسا کہ نمازِ وتر کو سواری پر پڑھنے کا صحیح حدیث میں ذکر موجود ہے، اور اس پر جمہور کا عمل بھی ہے۔

اور جیسا کہ فی الجملہ نماز میں مقتدی کے لیے اور اسی طرح نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا جواز موجود ہے، اور متعدد مجتہدین کا اس پر عمل بھی ہے۔

اور جیسا کہ ایک مثل کے بعد، عصر کی نماز کا وقت داخل ہونے کا صحیح حدیث میں ذکر ہے، اور جمہور کا اس پر عمل بھی ہے۔

اور جیسا کہ نماز میں ایک سے زیادہ مقامات پر، رفعِ یدین کا صحیح حدیث میں ذکر ہے، اور متعدد محدثین و مجتہدین کا اس پر عمل بھی ہے۔

اس طرح کے اور بھی کئی مسائل ہیں۔

لیکن اس طرح کے مسائل میں تقلیدِ شخصی کے وجوب کے قائلین کی طرف سے سختی اور تشدد کو اختیار کیا جاتا ہے، اور طرح طرح کی تاویلات کر کے ان احادیث کی تردید کی جاتی ہے۔

اور اگر کوئی رسمی حنفی اس طرح کے مسائل میں مذہبِ حنفی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو، تو اس پر نکیر کی جاتی ہے۔

ہمارے نزدیک یہ طرزِ عمل محققین کی تصریحات سے مطابقت نہیں رکھتا، اور بعض بے سند اقوال کی وجہ سے ایسی نوبت آئی ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ تصریحات کی روشنی میں یہ طرزِ عمل قابلِ اصلاح ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے خود بھی اس قسم کے متعدد مسائل میں احادیث کی روشنی میں دوسرے اقوال کو ترجیح دی ہے، جیسا کہ آگے شاہ ولی اللہ صاحب کے چند مسائل میں فقہی رجحانات کے ذیل میں آتا ہے، اور کچھ تفصیل ''مجتہدین کا اختلاف اور مخطی و مصیب ہونے کا حکم'' اور

اگلی جلد کے ضمیمہ میں ''عمل بالحدیث پرکلام'' کے ذیل میں آتی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''فیوضُ الحرمین ''میں فرمایا:

معنی حقيقة المذهب أن يكون احكامه مطابقة لما قاله رسول الله صلى الله عليه وسلم في نفس الأمر، ولما كان عليه القرون المشهور لها بالخير، وان كانت المسئلة لا نص فيها، ولا رواية، فحقيقتها أن تكون محفوفة بقرائن تورث غالب الظن، بأن النبي صلى الله عليه وسلم لو تكلم في المسئلة، لما نطق بغير هذا القول، وان يكون وجه الإستخراج والاستنباط ظاهرا لا يريب فيه المحيط باساليب الكلام ومقاصد الشارع في شرح الاحكام، فهذا معنى حقيقة المذاهب (فيوض الحرمين ، ص١٠٣، المشهد السادسة والاربعون، مطبوعه: مطبع احمدی، دهلی)

ترجمہ: مذہب کی حقیقت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے احکام، نفس الامر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے مطابق ہوں، اوراس کے مطابق ہوں، جس پر قرونِ مشہور لہا بالخیر ہیں، اوراگرکسی مسئلہ میں کوئی نص نہ ہو، اور نہ کوئی روایت ہو، تواس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسے قرائن سے گِھرا ہوا ہو، کہ غالب ظن کے درجہ میں یہ بات ثابت ہوجائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگراس مسئلہ میں کلام فرماتے، تواس قول کے علاوہ ''نطق'' نہ فرماتے، اوراستخراج واستنباط ایسا ظاہر ہو کہ کلام کے اسالیب اوراحکام کی تشریح میں مقاصدِ شارع کا احاطہ کرنے والا اس میں شک نہ کرے، پس یہ مذاہب کی حقیقت ہے (فیوض الحرمین)

اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ صاحب نے مذاہبِ اربعہ میں امام شافعی کے مذہب کواقرب الی السنۃ قرار دیا ہے، جن کے مذاہب سے متعلق احادیث وسنت کے دلائل کی تردید پرآج کل

زور دیا جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے رسالہ ''الخیرُ الکثیر'' میں فرمایا کہ:

وأما هذه المذاهب الاربعة، فاقربها الى السنة مذهب الشافعی المنقح المصفیٰ، وكان نظره رحمه الله يصل الىٰ حقيقة العلل والاسباب (الخير الكثير، ص ۱۲۴، الخزانة العاشرة فی فوائد شتی، من سلسلة مطبوعات المجلس العلمی نمبر ۱۳، ڈابھیل، ضلع سورت، مطبوعة: مدينة پريس بجنور، تاريخ طبع، ۱۳۵۲ھ)

ترجمہ: اور جہاں تک ان مذاہبِ اربعہ کا تعلق ہے، تو ان مذاہبِ اربعہ میں سنت کے سب سے زیادہ قریب، امام شافعی کا مذہب ہے، جو تنقیح شدہ اور صاف شدہ ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کی نظر (احکام کی) علتوں اور اسباب کی حقیقت کی طرف پہنچ جایا کرتی ہے (الخیر الکثیر)

اور اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ صاحب نے سالک کے لیے احادیث وآثار کو خود مطالعہ کرنے کی تلقین کی ہے، جبکہ وہ ان سے استفادہ کی استعداد رکھتا ہو۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے رسالہ ''ہمعات'' میں فرمایا کہ:

اگر دارد، احسن واولیٰ درحق وے تتبعِ احادیث وآثار است، خصوصاً بہ تخریجات وتفریعاتِ متاخرین مشغول شدن او رانمی شاید (ھَمعات، ص۲۲ ''ھَمعَہ نمبر۳، مطبوعہ: اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ الدہلوی، حیدرآباد، باکستان)

ترجمہ: اگر کتبِ حدیث اور صحابہ وتابعین کے آثار کی تتبع کی قدرت ہو، تو اس کے حق میں بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ احادیث وآثار کا تتبع کرے، اس کو خاص طور پر متاخرین کی تخریجات اور تفریعات میں مشغول نہیں ہونا چاہیے (ھَمعات)

مزید فرمایا کہ:

واز اشغال تعلم دو سہ ورق از حدیث خواندن، یا یک دو رکوع از ترجمہ کلام مجید شنیدن (ھمعات، ص۲۶ ''ھمعہ نمبر۵، مطبوعہ: اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ الدہلوی، حیدرآباد، الباکستان)

ترجمہ: تعلیم وتعلم کے سلسلہ میں سالک کو یہ کرنا چاہیے کہ ہر روز حدیث کے دو تین ورق پڑھے، یا کلام مجید کے ایک دو رکوعوں کا ترجمہ سنے (ھمعات)

اور سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام دمشقی، شافعی (المتوفی: 660ھ) ''قواعد الأحکام فی مصالح الأنام'' میں فرماتے ہیں:

الناس لم یزالوا من زمن الصحابة إلی أن ظهرت المذاهب الأربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من أحد یعتبر إنکاره، ولو کان ذلک باطلا لأنکروه .

وکذلک لا یجب تقلید الأفضل وإن کان هو الأولی، لأنه لو وجب تقلیده لما قلد الناس الفاضل والمفضول فی زمن الصحابة والتابعین من غیر نکیر، بل کانوا مسترسلین فی تقلید الفاضل والأفضل ولم یکن الأفضل یدعو الکل إلی تقلید نفسه، ولا المفضول یمنع من سأله عن وجود الفاضل وهذا مما لا یرتاب فیه عاقل.

ومن العجب العجیب أن الفقهاء المقلدین یقف أحدهم علی ضعف مأخذ إمامه بحیث لا یجد لضعفه مدفعا ومع هذا یقلده فیه، ویترک من الکتاب والسنة والأقیسة الصحیحة لمذهبه جمودا علی تقلید إمامه، بل یتحلل لدفع ظواهر الکتاب والسنة، ویتأولهما بالتأویلات البعیدة الباطلة نضالا عن مقلده، وقد رأیناهم یجتمعون فی المجالس فإذا ذکر لأحدهم فی خلاف ما

وظن نفسه عليه تعجب غاية التعجب من استرواح إلى دليل بل لما ألفه من تقليد إمامه حتى ظن أن الحق منحصر فى مذهب إمامه أولى من تعجبه من مذهب غيره.

فالبحث مع هؤلاء ضائع مفض إلى التقاطع والتدابر من غير فائدة يجديها، وما رأيت أحدا رجع عن مذهب إمامه إذا ظهر له الحق فى غيره بل يصير عليه مع علمه بضعفه وبعده، فالأولى ترك البحث مع هؤلاء الذين .

إذا عجز أحدهم عن تمشية مذهب إمامه قال لعل إمامى وقف على دليل لم أقف عليه ولم أهتد إليه، ولم يعلم المسكين أن هذا مقابل بمثله ويفضل لخصمه ما ذكره من الدليل الواضح والبرهان اللائح، فسبحان الله ما أكثر من أعمى التقليد بصره حتى حمله على مثل ما ذكر، وفقنا الله لاتباع الحق أين ما كان وعلى لسان من ظهر.

وأين هذا من مناظرة السلف ومشاورتهم فى الأحكام ومسارعتهم إلى اتباع الحق إذا ظهر على لسان الخصم، وقد نقل عن الشافعى -رحمه الله -أنه قال :ما ناظرت أحدا إلا قلت اللهم أجر الحق على قلبه ولسانه، فإن كان الحق معى اتبعنى وإن كان الحق معه اتبعته (قواعد الأحكام فى مصالح الأنام، ج۲،ص ۱۵۹، ۱۶۰ ،فصل فى الحمل على الغالب والأغلب فى العادات ،قاعدة فيمن تجب طاعته ومن تجوز طاعته ومن لا تجوز طاعته)

ترجمہ: لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے لے کر، مذاہبِ اربعہ کے

www.idaraghufran.org

ظاہر ہونے تک، برابر ''کیف ما اتفق'' علماء کی تقلید کرتے رہے، جس پر کسی ایسے شخص کی طرف سے نکیر نہیں کی گئی، جس کی نکیر کا اعتبار کیا جاتا ہو، اور اگر یہ طرزِ عمل باطل ہوتا، تو وہ اس پر نکیر کرتے (لہٰذا مذہبِ معین کا التزام، واجب نہیں)

اور اسی طریقے سے افضل کی تقلید بھی واجب نہیں، اگرچہ اولیٰ ہے، کیونکہ اگر افضل کی تقلید واجب ہوتی، تو لوگ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں فاضل اور مفضول کی کسی نکیر کے بغیر تقلید نہ کرتے، بلکہ وہ فاضل اور افضل کی تقلید میں فرق کرتے، اور سب کو افضل کی تقلید کی دعوت دی جاتی، اور مفضول سے فاضل کی موجودگی میں سوال سے منع کیا جاتا، جس میں کسی عاقل کو شک نہیں ہوسکتا۔

اور زیادہ قابلِ تعجب بات یہ ہے کہ تقلید کرنے والے فقہاء میں سے بعض حضرات، اپنے امام کے مآخذ کے ضعیف ہونے پر آگاہ ہوجاتے ہیں، اور وہ اس کے ضعف کو دور کرنے کی کوئی مؤثر دلیل نہیں پاتے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں، اور کتاب وسنت اور قیاسِ صحیح کو اپنے مذہب کی وجہ سے اپنے امام کی تقلید پر جمود اختیار کرتے ہوئے ترک کردیتے ہیں، بلکہ ظاہری کتاب اور سنت کو نظر انداز کرنے کا حیلہ اختیار کرتے ہیں، اور کتاب وسنت میں دور دراز کی باطل تاویلات کرتے ہیں، اپنے امام کے دفاع کے لیے، اور ہم نے ایسے لوگوں کو مختلف مجالس میں جمع شدہ دیکھا، اور جب ان میں سے کسی کے سامنے اس کے گمان کے مطابق، بات ذکر کی گئی، تو اس نے انتہائی تعجب کا اظہار کیا، اور دلیل کو قبول نہیں کیا، بلکہ وہ اپنے امام کی تقلید کی طرف ہی مائل ہوا، یہاں تک کہ اس نے یہ گمان کیا کہ حق اس کے امام کے مذہب میں ہی منحصر ہے، اور دوسرے امام کے مذہب کے اولیٰ ہونے پر اس نے تعجب کا اظہار کیا۔

پس ان لوگوں کے ساتھ بحث کرنا، وقت کا ضیاع ہے، جس میں کوئی فائدہ نہیں،

اوران کے ساتھ بحث کرنا لڑائی جھگڑے، اور قطع تعلقی کا باعث ہے، اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے اپنے امام کے مذہب سے رجوع کرلیا ہو، جبکہ اس کے سامنے دوسرے کے مذہب میں حق ظاہر ہوگیا ہو، بلکہ وہ علم کے باوجود اس کو ضعیف اور بعید قرار دیتا رہا، پس بہتر یہی ہے کہ ان لوگوں سے بحث کو ترک کردیا جائے۔

اور جب ان میں سے کوئی اپنے امام کے مذہب کو آگے چلانے سے عاجز ہوتا ہے، تو وہ یہ کہتا ہے کہ شاید میرا امام کسی ایسی دلیل پر مطلع ہوا ہو، جس پر میں آگاہ نہ ہوسکا ہوں، اور میں اس دلیل تک نہ پہنچ سکا ہوں، لیکن یہ مسکین نہیں جانتا کہ اس کے امام کے مثل بھی، اس کے مقابل امام ہے، اور اس کی ذکر کردہ واضح دلیل اور مضبوط برہان اس سے افضل ہے، پس سبحان اللہ! اس کی نظر کو تقلید کتنا زیادہ اندھا کرچکی ہے کہ وہ اس جیسے فعل کا ارتکاب کررہا ہے، اللہ ہمیں اتباعِ حق کی توفیق عطاء فرمائے، جہاں بھی حق ہو، اور جس کی زبان سے بھی حق ظاہر ہو۔

اور کہاں یہ، اور کہاں سلف کے مناظرے اوران کے احکام میں مشاورت اور حق کو قبول کرنے میں جلدی، جب مخالف کی زبان پر حق ظاہر ہوجائے (یعنی یہ دونوں عمل ایک دوسرے کے مخالف ہیں) اور امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے جس سے بھی مناظرہ کیا، تو میں نے یہ کہا کہ اے اللہ! حق کو اس کے دل اور زبان پر جاری فرمادیجیے، پس اگر حق میرے ساتھ ہو، تو اسے میرا متبع بنادیجیے، اور اگر حق اس دوسرے کے ساتھ ہو، تو مجھے اس کے اتباع کی توفیق عطاء فرمادیجیے (قواعد الأحکام فی مصالح الأنام)

سابق مفتی دیارِ مصر علامہ محمد بخیت المطیعی حنفی ''المتوفیٰ: 1354ہجری''

(سابق رئیس: المجلس العلمی بمحکمة مصر الکبریٰ الشرعیة ، وعضو

www.idaraghufran.org

المحكمة العليا بها سابقا) فرماتے ہیں:

"وأما احتمال النسخ والتأويل والتخصيص والتقييد ، فان ظهر الناسخ وما يقتضى التخصيص أو التقييد أو التأويل ، فلا كلام فى وجوب العمل بما ظهر مما ذكر .

وان لم يظهر شئ مما ذكر ، فما لا يحتمل النسخ والتأويل والتخصيص أو التقييد هو القسم المختص باسم المحكم من أقسام نظم الكتاب والسنة ، والذى يحتمل النسخ دون الباقى هو المفسر ، والذى يحتملها جميعا هو النص والظاهر . وكل أقسام النظم مع ذالک توجب الحكم ، ويجب العمل بها قطعا . وانما يظهر التفاوت بين الأقسام عند التعارض ، فيقدم المحكم على غيره ، ثم المفسر على النص ، ثم النص على الظاهر .

وأما اذا لم يوجد معارض ، فلا يجوز ترک العمل بمجرد الاحتمال ، وكيف يجوز ترک العمل بمجرد الاحتمال ؟ وقد صرح الحنفية أنه لا يجوز نسخ الكتاب الا بالمتواتر ، ولا تجوز الزيادة عليه الا بالمشهور ، ولا يجوز شئ منهما عندهم بخبر الواحد .

وقد صح عن أبى حنيفة ، ومحمد بن الحسن ، والحسن بن زياد : أن الحديث ـ وان كان منسوخا ـ لا يكون أدنى درجة من فتوىٰ الفقيه المجتهد ، ما لم يبلغه الناسخ .

وعن مالک رحمه اللّٰه : اذا خالف قولى الدليل فانبذوا به الحائط ، وما منا الا له راد ومردود عليه ، الا صاحب هذا القبر . يشير الى

النبی صلی اللّٰه علیه وسلم .

وعن أحمد : ضعیف الحدیث أحب الی من أقوال الرجال ، وعجبت لقوم عرفوا الاسناد وصحته یذهبون الی رأی سفیان ، واللّٰه سبحانه یقول : " فلیحذر الذین یخالفون عن أمره أن تصیبهم فتنة أو یصیبهم عذاب ألیم " (النور) ویقول تعالیٰ : " لئلا یکون للناس علی الله حجة بعد الرسل " (النساء)

وقال الشافعی : "اذا صح الحدیث فهو مذهبی " .

وعنه : " اذا صح الحدیث ، وقلت (بخلافه) فأنا راجع عن قولی ، وقائل بذالک "

وفی روایة : "کلما قلت ، وکان عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم خلافه ، فحدیث النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أولیٰ ، فلا تقلدونی " أخرجه ابن أبی حاتم فی کتاب "فضائل الشافعی" رضی اللّٰه عنه .

قال ابن کثیر : "هذا من سیادته وأمانته ، وهذا قول اخوانه من الأئمة رحمهم اللّٰه أجمعین " اهـ.

ولذالک قطع القاضی الماوردی وغیره بأن مذهب الشافعی رحمه اللّٰه أن الصلاة الوسطیٰ هی صلاة العصر ، لصحة الأحادیث فیها ، وان کان قد نص فی الجدید وغیره أنها الصبح ، وصرح عامة أصحابه أنها الصبح عنده قولا واحدا .

وأما الذی روی عن أبی یوسف ــ رحمه اللّٰه ـ من قوله : " لیس للعامی أن یأخذ بظاهر الحدیث " فالمراد منه : العامی الذی لا یعرف ثبوت الحدیث وطرق الأسناد ، وأقسام النظم ، وأحکام

التعارض ، من ترجيح ، وتاويل ، وتخصيص ، ونسخ ، وليس عنده أهلية لذالك .

فان قيل : احتمال النسخ والتأويل انما يكون غير مضر فى قطعية الحكم اذا كان بالنظر الى دلالة اللفظ . وأما اذا احتمل كونه منسوخا فى نفس الأمر ، فذالك ينبغى أن لا يفيد الحكم ، لأنه بنسخه أو تأويله فى الواقع ، خرج عن أن يكون دليلا ، ومتىٰ كان فيه هذا الاحتمال سقط به الاستدلال .

قلنا : ليس الأمر كذالك ، فانهم اتفقوا على أن العمل بالمنسوخ فى الواقع واجب الى أن يظهر ناسخه ، وأن الناسخ لا يجب العمل به الا من بعد العلم به ، وكذالك الحكم فى ما يوجب التأويل .

واستدلو على ذالك بأن تحويل القبلة نزل على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ، وقد صلىٰ ركعتين من الظهر ، وذاك بمسجد بنى سلمة ، فسمى مسجد القبلتين ، وأما أهل قباء فلم يبلغهم الخبر الى صلاة الفجر من اليوم الثانى ، وفى حديث تويلة بنت أسلم أنهم جائهم الخبر بذالك ، وهم فى صلاة الظهر ، فتحول الرجال مكان النساء ، والنساء مكان الرجال .

وفى الصحيحين عن ابن عمر رضى اللّٰه عنهما : بينا الناس بقباء فى صلاة الصبح، إذ جائهم آت، فقال: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قد أنزل عليه الليلة قرآن، وقد أمر أن يستقبل الكعبة، فاستقبلوها، وكانت وجوههم إلى الشأم، فاستداروا إلى الكعبة .

وزاد مسلم وقال : فمر رجل من بنى سلمة وهم ركوع فى صلاة

www.idaraghufran.org

الـفـجـر ، وقـد صـلـوا ركعة ، فنادىٰ : " ألا ان القبلة قد تحولت " فمالوا كما هم نحو الكعبة . اهـ.ولم يؤمروا بالاعادة .

قـال محمد بن الحسن فى موطئه : "وبهذا نأخذ فيمن أخطأ القبلة حتـى صـلـى ركـعة أو ركـعتين ، ثم علم أنه يصلى الى غير القبلة ، يـنـحـرف الى القبلة ، فيصلى ما بقى ، ويعتد بما مضىٰ ، وهو قول أبى حنيفة رحمه اللّٰه " . اهـ. ....

عـلى أن المنسوخ من الأحاديث غاية القلة والندرة ، قد جمعه أبو الـفـرج عبد الرحمن ابن الجوزى رحمه اللّٰه فى ورقات وقال : انه أفـرد فيهـا مـا صح نسخه أو احتمل ، وأعرض عما لا وجه لنسخه ولا احتـمـال وقـال : "فـمن يسمع بخبر يدعى عليه النسخ وليس فيهـا فهـاتيـك دعـوىٰ ، ثم قال : وقد تدبرت (المنسوخ) فاذا هو واحد وعشرون حديثا ، وذكرها .

وقال الشافعى رحمه اللّٰه : أجمع المسلمون على أن من استبان له سـنة رسـول الـلّٰـه صلى اللّٰه عليه وسلم لم يحل له أن يدعها بقول أحد .

وقـال أبـو عـمـر بـن عبـد البـر : يـجـب على كل من بلغه شئ من الـحـديـث أن يستـعـمله على عمومه حتىٰ يثبت عنده ما يخصه أو ينسخه " اهـ.

واذا كـان أصـحـاب رسـول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم محجوجين بالحديث الصحيح ، اذا استبان لهم فكيف بمن دونهم ؟!

وعلىٰ هذا إذا تبين أن قول واحد من المجتهدين مخالف للحديث

الصحيح وجب أن يحمل على أن صاحبه لم يبلغه هذا الحديث، ولو بلغه لرجع تحسيناً للظن به فيمن هو أهلهٗ، فإننا لو فرضنا أنه خالفه لقلة مبالاته ولتهاوُنه به لأسقطنا عدالته، فلا يقبل قوله، ولا روايتُه.

واحتمال أن هناك ناسخاً لهذا الحديث، أو معارضا أقوىٰ اطلع عليه ذلك الفقيه فخالف لأجله الحديث، احتمالٌ لم يكن ناشئاً عن دليل.

وقد صرحوا بأن الاحتمال المحض الذى لم ينشأ عن دليل لا عبرة به أصلاً، كالجرح المبهم.

وأما إن وجدنا حديثاً آخر، نشأ عنه احتمال، أو كان فى لفظِ الحديث خفاءٌ، كما إذا كان مشتركا، أو مشكلا، أو مجملا، أو نحو ذلك، فمن قدر على ترجيح أحد الحديثين، أو أحد المعانى المحتملة، بطريقٍ من طرقه الصحيحة المبينة فى أصول الفقه، عمل بما ترجح عندهٗ، ومن لم يقدر على ذلك عادت إليه ضرورة التقليد بقدرها.

فإن قيل : قد إشتهر أن الظاهر أن يكون الحق مع أصحابنا، لأنهم أعلم و أورع، فكيف يصح لمن دونهم مخالفتهم، لأن اجتهاد من دونهم لا يبلغ اجتهادهم، ولعل عندهم وجهاً وجيهاً ودليلاً شافياً لم يقف عليه غيرهم، ومعنىٰ الحديث غامضٌ لا يطلع عليه إلا واحد بعد واحدٍ.

قلنا: لا شك عندنا فى كونهم أفقه وأعلم وأورع، لكن قد

www.idaraghufran.org

صرحوا (هم) أنفسهم بأن الواجب على كل مكلف أن يعمل بالكتاب، والسنة، والإجماع، والقياس، على موجب فهمه و اجتهاده، فمن لم يبلغ رتبة الاجتهاد، أو بلغ ولم يبلغ رتبة الكمال فيه، أو حصّل ذلك الحال، ولكن اشتبهت عليه المسألة، ولم يظفر بدليل، عمل بمقتضىٰ الدليل على قدرِ فهمه، ولا يجوز له تقليد غيره إلا فيما عجز عن فقه الدليل فيه، واضطر إلى التقليد إضطراراً.

ألا ترىٰ أن أبا حنيفة مع كونه أفقه و أورع من غيره عند أبى يوسف و محمد وزفر وابن المبارك ووكيع وأمثالهم، كثيراً ما خالفوه فى مواضع، وعملو بما ظهر عندهم من الأدلة.

ألا ترىٰ إلى قول أبى يوسف: اللهم إنّك تعلم أنى لم أجر فى حكم حكمت فيه بين اثنين من عبادك تعمّداً، ولقد اجتهدتُ فى الحكم بما وافق كتابَك و سنة نبيك صلى اللّٰه عليه وسلم، وكلما أشكل الأمر عليّ جعلت أبا حنيفة بينى و بينك، وكان عندى من يعرف أمرك، ولا يخرج عن الحق وهو يعرفه.

وقد صحّ عن عصام بن يوسف أنه مع كونه من أصحاب أبى حنيفة المتمسّكين بمذهبه، والقائمين بنصرته، كان يرفع يديه عند الركوع والرفع منه أخذاً بحديث ابن عمر فى الصحيحين.

وكان أبوبكر القفال ــ من أكابر الشافعية ــ يقول للسائل فى مسألة: تسألُ عن مذهبِ الشافعيِّ أم ما عندى؟

ومن هذا القبيل ما ذكره صاحبُ الهداية فى كتاب التجنيس أن

الواجب عندى أن يفتىٰ بقول أبى حنيفة على كل حال، مع أنه صرّح بأن الفتوىٰ علىٰ قول أبى يوسف و محمد أو غيرهما، وترك قول أبى حنيفة فى مواضع، وكذلك قاضى خان فعل مثل ذلك، وفى التفصيل طُولٌ.

وبالجملة فقصرُهم الفتوىٰ على قول أبى حنيفة رحمه اللّٰه بالنظر إلى المقلد الذى يعجزُ عن فقه الدليل، ويكون أبو حنيفة عنده أعلم وأورع، وما وقع لهم من إفتائهم بقول غيره فلرجحانه عندهم بالنظر إلى الدليل.

وكيف يدّعى من لهٗ أدنىٰ مسكة وأقل إنصاف أن المكلف إذا لم يكن مجتهداً ليس أهلاً لأن يفهم الحديث ويعمل به، مثل قوله عليه الصلاة و السلام مثلاً: ”إنما جُعل الإمام ليُؤتم به، فإذا كبّر فكبروا، وإذا ركع فاركعوا، وإذا رفع فارفعوا، وإذا قال سمع اللّٰه لمن حمده، فقولوا: ربنا ولك الحمد“.

وحديث عبادة بن الصامت: ”نهى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم عن بيع الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والمحل بالملح، إلا سواء بسواء، عيناً بعينٍ، فمن زاد أو ازداد فقد أربىٰ“ و أمثالهما؟

ويقول هذا المدعى: لا يعرف هذين الحديثين وأمثالهما، ولا يفهم المراد منهما إلا الفقيه المجتهد، ثم يدعى أن غير المجتهد يعرف ويفهم المراد من قول الفقيه المجتهد، مثل قول محمد رحمه اللّٰه فى الزيادات: ”رجل أوصىٰ لرجل بمثل نصيب أحد

بنيه إلا ثُلث ما بقى من الثلث بعد النصيب أو بعد الوصية، أو قال: إلا ثلث ما بقى من الثلث، ولم يزد عليه شيئاً، ثم مات، وترك ثلاثة بنين، فحق الورثة مال وتسع مال ناقص بشيء وثلث شيء" وغير ذلک ممالا يُعد ولا يحصىٰ.

فكيف يُمكن لعاقلٍ أن يُلزم المكلف القادر على الفهم أن يعرف ويفهم المراد من قول الفقيه، ويوجب عليه العمل به مع ما فيه من أمثال هذه الصعوبات، ولايجيز لهٗ أن يفهم الآية القرآنية، والأحاديث النبوية فهماً صحيحاً ويعمل بها، مع أن ذلک مخالفٌ لإجماع الأمة كلهم، مناقضٌ لصريح كلامهم.

فقد صح عن أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد وزفر ومالک والشافعى وأحمد وغيرهم، وثبت عنهم ثبوتاً لا مرد له، ولا شک فيه، أنهم نهَوا عن التقليد من غير ضرورة، وأجمعوا على أنه لا يحل لأحدٍ أن يفتى بقول واحد منهم حتى يعلم من أين قاله.

وصحّ عن عصام بن يوسف قال: كنت فى مأتم قد اجتمع فيه أربعة من أصحاب أبى حنيفة: زفر وأبو يوسف وعافية وآخر، فأجمعوا على أنه لا يحل لأحد أن يفتىَ بقولنا حتى يعلم من أين قلنا.

قال الذهبى: عصامٌ هذا صاحب حديث ثَبتٌ فيه، وذكره ابن حبان فى الثقات.

وقال ابراهيم بن يوسف: عن أبى يوسف، عن أبى حنيفة: لا يحل لأحد أن يفتى بقولنا ما لم يعرف من أين قلنا.

وإبراهيم بن يوسف هذا: روى عنه النسائى وقال: ثقة، وذكرهٗ ابن

حبان فی الثقات.

وقال الشيخ قاسم الجمالی فی ترجمته: هذه الرواية هی التی حملتنی علی شرحی للقدوری الذی ذكرت فيه من أين أخذوا علمَهم.

وأخرج الحافظ أبونعيم الأصبهانی فی كتاب "حلية الأولياء" عن الشافعی أنه قال لمحمد بن الحسن: إنا كنا لا نعرف إلا القليل، فلما قدمنا عليكم سمعناكم تقولون: لا تقلدوا، واطلبوا الحق والحجاج.

وقال عز الدين بن عبدالسلام: إذا صح عن بعض الصحابة مذهبٌ فی حكم من الأحكام، لم تجز مخالفته إلا بدليلٍ أوضح من دليله.

وذكر الفقيه أبو الليث فی كتاب البستان: لا ينبغی لأحد أن يفتی إلا أن يعرف أقاويل العلماء، ويعلم من أين قالوا، ويعلم معاملات الناس، فإن عرف أقاويل العلماء، ولم يعرف حجة كل واحد منهم علی مذهبه، فإن سُئل عن مسألة يعلم أن العلماء الذين أخذ هو مذاهبهم وانتحلها قد اتفقوا علی الحكم فيها فلا بأس عليه أن يقول فيما اتفقوا علی جوازه: هذا جائز، وفيما اتفقوا علی عدمِ جوازه: هذا لا يجوز، ولكن يكون قوله: علی سبيل الحكاية عنهم، ناسباً ذلك الحكم إليهم.

وإذا كانوا قد اختلفوا فی حكم المسألة فلا بأس أن يقول: هذا جائز فی قول فلان، ولا يجوز فی قول فلان، ولا يجوز لهٗ أن يختار قول بعضهم فيجيب به إلا إذا عرف حجته.

وقال فی الروضة وغيرها: الحادثة الواقعة، أو الحكم الواقع، أو الفريضة المفروضة، إذا كان لها ذكر فی كتاب اللّٰه تعالىٰ، ولم يعرف العبادُ معنى الآية ـ يعنی العلة والحكمة التی من أجلها شرع اللّٰه الحكم بالآية ـ يجوز أن يُعمل بالآية، وإن لم يعرف معناها، مثل قوله تعالىٰ: ”وأقيموا الصلاة“ (البقرة) وقولهٗ تعالىٰ: ”فمن شهد منكم الشهر فليصمه“ (البقرة) وقولهٗ تعالىٰ ”وأحل اللّٰه البيع وحرم الربٰوا“ (البقرة) فإنه يقلد الآية، ولا يشتغل بالمعنىٰ أن اللّٰه لم أوجب الصلاة؟ ولم أحل البيع وحرم الربا؟

وأجمعوا على أن تقليد قوله عليه الصلاة والسلام جائز، مثل قوله عليه الصلاة والسلام ”الفطر ركعتان“ وقولهٗ: ”فی خمس من الإبل السائمة شاة،و فی أربعين من الشياه شاة “ وإن لم يعرف معناها.

ولماذا أُمربها على هذا المثال (رسالة فی بيان الكتب التی يعول عليها وبيان طبقات علماء المذهب الحنفی والرد على ابن كمال باشا، ص ٢٦ الٰی ٣٦، الفصل الأول : الإجتهاد والتقليد، الناشر: دارالقادری، سورية ، دمشق، الطبعةُ الاولیٰ: ١٤٢٩ھ ، 2008م)

ترجمہ: اور جہاں تک نسخ اور تاویل اور تخصیص اور تقیید کے احتمال کا تعلق ہے، تو اگر ناسخ، یا جو چیز تخصیص، یا تقیید، یا تاویل کا تقاضا کرتی ہے، وہ ظاہر ہو جائے، تو اس ظاہر شدہ مذکورہ حکم کے مطابق عمل واجب ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

لیکن اگر مذکورہ چیزوں میں سے کوئی حکم ظاہر نہ ہو، تو وہ نص جو نسخ اور تاویل اور تخصیص، یا تقیید کا احتمال نہیں رکھتا، اور یہ قسم نظمِ کتاب اور سنۃ کی اقسام میں سے

Idara Ghufran

’’محکم‘‘ کے نام کے ساتھ مختص ہے، اور جو نص ’’نسخ‘‘ کا احتمال رکھتا ہے، مگر مذکورہ باقی چیزوں کا احتمال نہیں رکھتا، اس کا نام ’’مفسر‘‘ ہے، اور جو دونوں کا احتمال رکھتا ہے، وہ ’’نص‘‘ اور ’’ظاہر‘‘ ہے، اور اس کے باوجود تمام ’’نظم‘‘ کی اقسام حکم کو ثابت کرتی ہیں، اور قطعی طور پر اُن پر عمل واجب ہوتا ہے، البتہ تعارض کے وقت، ان اقسام کے مابین تفاوت ظاہر ہوا کرتا ہے، پس ’’محکم‘‘ کو ’’غیر محکم‘‘ پر مقدم رکھا جاتا ہے، پھر ’’مفسر‘‘ کو ’’نص‘‘ پر مقدم رکھا جاتا ہے، پھر ’’نص‘‘ کو ’’ظاہر‘‘ پر مقدم رکھا جاتا ہے۔

اور جب کوئی معارض نہ پایا جائے، محض احتمال کی وجہ سے ترکِ عمل جائز نہیں، اور محض احتمال کی وجہ سے ترکِ عمل کیسے جائز ہوسکتا ہے، جبکہ حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ کتابُ اللہ کا نسخ، متواتر ہی کے ذریعے سے جائز ہے، اور کتابُ اللہ پر زیادتی ’’حدیثِ مشہور‘‘ کے ذریعے جائز نہیں، اور ان کے نزدیک ان (یعنی نسخ اور زیادتی) میں سے کوئی چیز بھی ’’خبرِ واحد‘‘ کے ذریعے جائز نہیں۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن اور امام حسن بن زیاد سے یہ بات ثابت ہے کہ حدیث اگرچہ منسوخ ہو، وہ فقیہ مجتہد کے فتویٰ سے ادنیٰ درجہ کی نہیں ہوتی، جب تک کہ اس کو ناسخ نہ پہنچے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب میرا قول دلیل کے خلاف ہو، تو تم اس کو دیوار پر دے مارو، اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں، جس کے اقوال رَد کرنے والے، اور رَد کیے جانے والے نہ ہوں، سوائے اس قبر والے کے، امام مالک نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان کی۔

اور امام احمد سے مروی ہے کہ ’’حدیثِ ضعیف‘‘ مجھے لوگوں کے اقوال سے زیادہ محبوب ہے، اور مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہے، جو حدیث کی سند اور اس کی صحت کو

پہچاننے کے باوجود ''سفیان ثوری'' کی رائے کو اختیار کرتے ہیں، حالانکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ (سورہ نور میں) فرماتا ہے'' **فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم** ''(پس چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ جو نبی کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، اس بات سے کہ پہنچے اُن کو کوئی فتنہ، یا پہنچے اُن کو عذابِ الیم) اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ نساء میں) ارشاد ہے'' **لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل** ''(تا کہ نہ ہو لوگوں کے لیے، اللہ پر کوئی حجت، رسولوں کے بعد)

اور امام شافعی نے فرمایا کہ جب حدیث صحیح ہو، تو وہی میرا مذہب ہے۔

اور امام شافعی سے ہی مروی ہے کہ جب حدیث صحیح ہو، اور میں اس کے خلاف کوئی قول کروں، تو میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں، اور اس حدیث کے مطابق قول اختیار کرتا ہوں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جو جو قول بھی میں نے اختیار کیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف ثابت ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مقدم ہوگی، ایسی صورت میں تم میری تقلید مت کرنا، اس روایت کو ابنِ ابی حاتم نے'' **كتابُ فضائل الشافعي رحمه الله** ''میں روایت کیا ہے۔

اور ابنِ کثیر نے فرمایا کہ یہ بات امام شافعی کی سیادت اور امانت سے تعلق رکھتی ہے، اور آپ کے دیگر اخوانِ ائمہ رحمہم اللہ اجمعین کا بھی یہی قول ہے۔

اور اسی وجہ سے قاضی ماوردی وغیرہ نے یہ یقین ظاہر فرمایا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ''صلاۃِ وسطیٰ'' دراصل ''صلاۃِ عصر'' ہے، کیونکہ اس بارے میں صحیح احادیث مروی ہیں، اگرچہ امام شافعی نے قولِ جدید وغیرہ میں اس کو ''فجر کی نماز'' قرار دیا ہے، اور آپ کے عام اصحاب نے امام شافعی کے نزدیک ''فجر کی

نماز'' کا ایک ہی قول ہونے کی تصریح کی ہے۔

اور (امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن اور امام حسن بن زیاد کے برعکس) امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے جو یہ مروی ہے کہ ''عامی کو ظاہرِ حدیث کا لینا جائز نہیں'' تو اس سے وہ عامی مراد ہے، جو نہ ثبوتِ حدیث کو پہچانتا ہو، نہ طرقِ اسناد کو پہچانتا ہو، اور نہ ''نظم'' کی اقسام اور تعارض کے احکام میں ترجیح اور تاویل اور تخصیص اور تنسیخ کی معرفت رکھتا ہو، اور اس کے پاس اس کی کوئی اہلیت نہ ہو۔

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ نسخ اور تاویل کا احتمال تو حکم کی قطعیت میں اسی وقت مُضر ہوتا ہے، جبکہ دلالتِ لفظ کی طرف نظر ہو، لیکن جب اس کے نفس الامر میں منسوخ ہونے کا احتمال ہو، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ حکم کا فائدہ نہ دے، کیونکہ اس کے فی الواقع نسخ، یا تاویل کی وجہ سے وہ دلیل ہونے سے خارج ہو جاتا ہے، اور جب اس میں یہ احتمال داخل ہو گیا، تو اس سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔

تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ واقعہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو چیز فی الواقع منسوخ ہو، اس پر عمل کرنا، اس وقت تک واجب ہے، جب تک اس کا ناسخ ظاہر نہ ہو، اور ناسخ پر عمل کرنا، صرف اسی وقت واجب ہے، جبکہ اس ناسخ کا علم ہو جائے، اور یہی تنسیخ والا حکم اُن چیزوں کے بارے میں ہے، جو تاویل کو ثابت کرتی ہیں۔

اور اس پر ان فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا، اور آپ ظہر کی دو رکعت پڑھ چکے تھے، مسجدِ بنی سلمہ میں، پس اس مسجد کا نام ''مسجدِ قبلتین'' رکھا گیا، اور اہلِ قباء کو اگلے دن، فجر کی نماز کے وقت ہی یہ حکم پہنچا، اور تویلہ بنتِ اسلم کی حدیث میں ہے کہ اُن کو یہ خبر ظہر کی نماز میں پہنچی، تو اس کے بعد مرد، عورتوں والی جگہ میں، اور عورتیں، مَردوں والی جگہ میں منتقل ہو گئیں۔

اور صحیحین میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قباء میں لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، اچانک ایک آنے والے نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رات کو قرآن مجید کی آیت نازل کی گئی ہے، اور آپ کو استقبالِ کعبہ کا حکم دیا گیا ہے، تو تم کعبہ کی طرف رخ کرلو، اور ان کے رُخ ''شام'' کی طرف تھے، یہ سنتے ہی انہوں نے کعبہ کی طرف رخ پھیرلیا۔

ارامام مسلم نے یہ الفاظ زیادہ روایت کیے ہیں کہ بنی سلمہ کا ایک آدمی وہاں سے گزرا، وہ لوگ فجر کی نماز میں رکوع کی حالت میں تھے، اور ایک رکعت پڑھ چکے تھے، اس گزرنے والے نے پکار کر کہا کہ تحویلِ قبلہ کا حکم آچکا ہے، تو وہ لوگ جس حالت میں تھے، اسی حالت میں کعبہ کی طرف پھر گئے، اور ان کو نماز کے اعادہ کا بھی حکم نہیں دیا گیا۔

امام محمد بن حسن نے اپنی موطأ میں فرمایا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں، جس شخص نے قبلہ کے رخ میں خطاء کا ارتکاب کیا، یہاں تک کہ اس نے ایک، یا دو رکعتیں پڑھ لیں، پھر اسے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کا علم ہوا، تو قبلہ کی طرف پھر جائے، اور بقیہ نماز اسی طرف رخ کر کے پڑھے، اور جو نماز پڑھ چکا ہے، اس کو معتبر سمجھے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔......

اس کے علاوہ منسوخ احادیث، انتہائی قلیل اور نادِر ہیں، جن کو ابو الفرج عبد الرحمٰن ابنِ جوزی رحمہ اللہ نے چند ورقوں میں جمع کیا ہے، اور فرمایا کہ انہوں نے اُن احادیث کو جن کا منسوخ، یا محتمل ہونا صحیح ہے، الگ سے جمع کر دیا ہے، اور جن کے منسوخ، یا محتمل ہونے کی کوئی وجہ نہیں، ان سے اعراض کیا ہے، پس جو شخص ایسی حدیث سنے، جس کے بارے میں نسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے، لیکن اس کا منسوخ ہونا، صحیح طور پر ثابت نہیں، تو اسے اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کرنی چاہیے، پھر فرمایا

کہ میں نے منسوخ حدیثوں میں غور کیا، تو وہ صرف اکیس حدیثیں ہیں، پھر ابنِ جوزی نے ان اکیس حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس کے سامنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ظاہر ہوگئی، تو اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ رسول کے علاوہ کسی کے قول کی وجہ سے، رسول کی حدیث کو چھوڑے (کیونکہ حدیثِ رسول، دراصل رسول کا قول وفعل ہے، جس کے سامنے کسی غیر رسول کے قول وفعل کی حیثیت نہیں)

اور ابو عمر بن عبدالبر نے فرمایا کہ ہر وہ شخص، جس کو کوئی حدیث پہنچ جائے، اس پر واجب ہے کہ وہ اس کو اپنے عموم کے مطابق عمل میں لائے، جب تک کہ اس کے سامنے، اس کی تخصیص، یا تنسیخ ثابت نہ ہو جائے۔

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام بھی صحیح حدیث کے ذریعے سے دلیل پکڑتے ہیں، جب ان کے سامنے وہ ظاہر ہو جاتی ہے، تو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو صحیح حدیث سے دلیل نہ پکڑنے کی کیسے گنجائش ہو سکتی ہے۔

اور اس بناء پر جب یہ بات ظاہر ہو جائے کہ مجتہدین میں سے کسی کا قول، صحیح حدیث کے خلاف ہے، تو ضروری ہے کہ اس مجتہد کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ اس کو یہ حدیث نہیں پہنچی، اور اگر اس کو وہ حدیث پہنچ جاتی، تو وہ اپنے قول سے رجوع کر لیتا، اس کے ساتھ حسنِ ظن کا تقاضا یہی ہے، جو حسنِ ظن کا اہل ہو، کیونکہ اگر ہم یہ بات فرض کر لیں کہ اس مجتہد نے اس حدیث کی مخالفت اس لیے کی کہ اس نے حدیث کو قابلِ اعتناء نہیں سمجھا، یا اس نے اس حدیث کو ہلکا سمجھا، تو ہم اس شخص کی عدالت کو ساقط کر دیں گے، جس کے بعد، نہ اس کے قول کو قبول کیا جائے گا، اور نہ اس کی روایت کو قبول کیا جائے گا۔

اوراس موقع پراس بات کا احتمال کہ اس حدیث کا کوئی ناسخ، یا قوی ترین معارض موجود ہوگا، جس پر وہ فقیہ مطلع ہوا ہوگا، جس کی وجہ سے اس نے اس حدیث کی مخالفت کی، تو اس احتمال کا دلیل سے پیدا ہونا ثابت نہیں (لہٰذا اس احتمال کی کوئی وقعت نہیں ہوگی، کیونکہ حدیث میں اس طرح کا احتمال، بغیر دلیل کے معتبر نہیں ہوا کرتا، جیسا کہ گزرا)

اور فقہاء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ وہ احتمالِ محض، جو دلیل سے پیدا نہ ہو، اس کا قطعاً اعتبار نہیں ہوتا، جیسا کہ جرحِ مبہم کا اعتبار نہیں ہوا کرتا۔

اور اگر ہم دوسری کسی حدیث کو پائیں، جس کے بارے میں کوئی احتمال پیدا ہوا ہو، یا حدیث کے لفظ میں کوئی خِفاء پایا جاتا ہے، جبکہ وہ ''مشترک'' ہو، یا ''مشکل'' ہو، یا ''مجمل'' ہو، یا اسی کے مثل ہو، تو جو شخص دو حدیثوں میں سے کسی ایک کی ترجیح، یا محتمل معانی میں سے کسی ایک معنیٰ کی ترجیح پر قادر ہو، اُس طریقے سے، جو صحیح طریقے ہیں، اور اصولِ فقہ میں بیان کیے گئے ہیں، تو وہ اسی پر عمل کرے گا، جس کا راجح ہونا، اس کے نزدیک ثابت ہو جائے، لیکن جو شخص اس پر قادر نہ ہو، تو وہ اس حدیث پر عمل کرنے کی طرف لوٹ آئے گا، کیونکہ تقلید، بقدرِ ضرورت ہی ہوا کرتی ہے۔

اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ یہ بات مشہور ہے کہ بظاہر حق ہمارے فقہاء کے ساتھ ہوا کرتا ہے، کیونکہ وہ زیادہ اعلم اور اورَع ہیں، تو ایسی صورت میں ہمارے فقہاء کے علاوہ کی مخالفت کیسے صحیح ہو سکتی ہے، جو اُن سے کم درجہ کے ہیں، کیونکہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں کا اجتہاد، ان حضرات کے اجتہاد کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا، اور شاید کہ ہمارے ان فقہاء کے پاس کوئی ایسی عمدہ وجہ، اور دلیلِ شافی موجود ہو، جس پر دوسرے لوگ مطلع نہ ہوئے ہوں، جبکہ حدیث کے معنیٰ غامض ہیں، جن پر ایک کے بعد دوسرا ہی مطلع ہو سکتا ہے؟

تو ہم اس شبہ کے جواب میں کہیں گے کہ ہمارے نزدیک، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ اَفقہ و اعلَم و اورَع ہیں، لیکن خود انہوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ہر مکلّف پر یہ بات واجب ہے کہ وہ اپنی فہم اور اجتہاد کے مطابق کتاب وسنت اور اجماع اور قیاس پر عمل کرے، پس جو اجتہاد کے درجہ پر نہ پہنچے، یا اجتہاد کے درجہ پر تو پہنچ جائے، لیکن کمالِ اجتہاد کے درجہ پر نہ پہنچے، یا اس کو یہ مقام حاصل ہو جائے، لیکن اس پر مسئلہ مشتبہ ہو جائے، اور وہ کسی دلیل پر قادر نہ ہو، تو وہ اپنی فہم کے مطابق، دلیل کے مقتضاء پر عمل کرنے کا مکلّف ہوگا، اور اس کو دوسرے کی تقلید کرنا جائز نہیں ہوگا، مگر اسی چیز میں، جس میں وہ دلیل کی سمجھ سے عاجز ہو، اور وہ تقلید اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ امام ابوحنیفہ، باوجودیکہ دوسروں سے افقہ اور اورَع ہیں، امام ابو یوسف، اور امام محمد اور امام زفر اور امام ابنِ مبارک اور امام وکیع اور ان جیسے حضرات کے نزدیک، لیکن اس کے باوجود، خود ان حضرات نے بہت سے مقامات پر امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے، اور ان کے سامنے جو دلائل ظاہر ہوئے، ان کے مطابق عمل کیا ہے۔

اور کیا آپ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اس قول کو نہیں دیکھتے کہ اے اللہ! آپ کو یہ علم ہے کہ میں نے آپ کے بندوں میں سے دو بندوں کے درمیان کسی حکم کا بھی عمداً فیصلہ نہیں کیا، لیکن میں نے اس حکم میں اجتہاد کیا، اس چیز کے مطابق، جو آپ کی کتاب اور آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق ہو، اور جب میرے اوپر کوئی معاملہ مشکل ہو گیا، تو میں نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کو اپنے اور آپ کے درمیان واسطہ بنالیا، اور میرے پاس وہ شخص موجود ہے، جو آپ کے حکم کو پہچانتا ہے، اور حق سے باہر نہیں نکلتا، اور وہ حق کو بھی پہچانتا ہے۔

اور عصام بن یوسف سے مروی ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں داخل تھے، جو امام ابوحنیفہ کے مذہب سے دلیل پکڑا کرتے تھے، اور امام ابوحنیفہ کی نصرت کے لیے قائم تھے، لیکن وہ رکوع میں جانے، اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے، صحیحین میں مروی حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے۔

اور ابوبکر قفال جو کہ اکابر شافعیہ میں سے ہیں، وہ مسئلہ کے بارے میں سائل سے یہ سوال فرماتے کہ تم امام شافعی کے مذہب کے مطابق سوال کرتے ہو، یا میرے موقف کے مطابق سوال کرتے ہو؟

اور اسی قبیل سے وہ بات بھی ہے، جس کو صاحبِ ہدایہ نے ''**کتابُ التجنیس**'' میں ذکر کیا ہے کہ میرے نزدیک ہر حال میں امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق، فتویٰ دینا واجب ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ہی (بہت سے مسائل میں) تصریح کی ہے کہ فتویٰ، امام ابویوسف، یا امام محمد، وغیرہ کے قول پر ہے، اور صاحبِ ہدایہ نے بہت سے مقامات پر امام ابوحنیفہ کے قول کو ترک کر دیا، اسی طریقہ سے قاضی خان نے بھی کیا، جس کی تفصیل بہت لمبی ہے۔

اور بہرحال ان حضرات کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ کو منحصر رکھنا، اس مقلد کے اعتبار سے ہے، جو دلیل کی سمجھ سے عاجز ہو، اور اس کے نزدیک امام ابوحنیفہ اعلم واورَع ہوں، اور ان حضرات کی طرف سے، جو امام ابوحنیفہ کے علاوہ کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک دلیل کے اعتبار سے، وہ دوسرا قول راجح تھا۔

اور جس کو ادنیٰ شعور بھی ہو، اور تھوڑا سا انصاف بھی ہو، وہ کیسے اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص مجتہد نہ ہو، تو وہ حدیث کے فہم اور اس پر عمل کا بھی اہل

www.idaraghufran.org

نہیں ہوسکتا، مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ ”امام کو بس اس لیے مقرر کیا گیا ہے، تا کہ اس کی اقتداء کی جائے، پس جب وہ تکبیر کہے، تو تم تکبیر کہو، اور جب وہ رکوع کرے، تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ اٹھے، تو تم بھی اٹھو، اور جب وہ **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے، تو تم **ربنا ولک الحمد** کہو“

اور مثلاً عبادہ بن صامت کی یہ حدیث ہے کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کو، سونے کے بدلے میں، اور چاندی کو، چاندے کے بدلے میں، اور گندم کو، گندم کے بدلے میں، اور جَو کو، جَو کے بدلے میں، اور کھجور کو، کھجور کے بدلے میں، اور نمک کو، نمک کے بدلے میں، خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا، مگر برابر برابر طریقے پر، عین کے عین کے طور پر، پس جو زیادہ لے دے گا، تو وہ سود میں مبتلا ہوگا“ اور ان کے مثل دوسری حدیثیں؟

اور یہ مدعی یہ کہتا ہے کہ ان دونوں اور ان جیسی حدیثوں کو، اور ان کی مراد کو فقیہ مجتہد ہی پہچان سکتا ہے، پھر یہ شخص یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ غیر مجتہد، اس کی معرفت، اور مقصود کی فہم، فقیہ مجتہد کے قول سے ہی حاصل کرسکتا ہے، جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ کا ”**الزیادات**“ میں قول ہے کہ ”ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو، اپنے بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت کی، سوائے اس ثلث کے، جو اس حصے، یا وصیت کے بعد، ثلث سے باقی رہ گیا، یا اس نے یہ کہا کہ **ما بقی من الثلث** کا ثلث ہے، اور اس پر کوئی الفاظ زیادہ نہیں کیے، پھر وہ شخص فوت ہوگیا، اور اس نے تین بیٹوں کو چھوڑا، پس وارثوں کا حق، مال ہے، اور مال کا نواں حصہ ہے، جو تھوڑا سا ناقص ہو، اور **ثلثِ شیئ** ہے“ اور اس کے علاوہ دوسرے ایسے مسائل ہیں، جن کو حد وشمار میں نہیں لایا جاسکتا۔

پس کسی عاقل کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ اس مکلّف کو، جو فہم پر قادر ہو، اس بات کو

لازم کرے کہ وہ فقیہ کے قول کی مراد کی معرفت اور فہم کو حاصل کرے، جس پر اس کو عمل کرنا واجب ہے، باوجودیکہ اس میں مذکورہ اور اس جیسی مشکلات موجود ہیں، لیکن وہ اس کو یہ بات جائز قرار نہ دے کہ وہ آیتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کو صحیح طریقہ سے سمجھے، اور ان کے مطابق عمل کرے؟ حالانکہ اس شخص کا مذکورہ قول، پوری امت کے اجماع کے خلاف ہے، ان کے صریح کلام کے مناقض ہے۔

پس امام ابوحنیفہ، اور امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام زفر اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد وغیرہ سے صحیح طور پر یہ بات ثابت ہے، جس کی تردید کی گنجائش نہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے ضرورت کے بغیر تقلید سے منع فرمایا، اور ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ ان میں سے کسی کے قول پر اس وقت تک فتویٰ دے، جب تک اس قول کی دلیل اور بنیاد معلوم نہ ہو جائے۔

اور عصام بن یوسف سے مروی ہے کہ میں کسی فوتگی کے موقع پر موجود تھا، جہاں امام ابوحنیفہ کے چار اصحاب موجود تھے، جن میں امام زفر، امام ابو یوسف اور عافیہ اور دوسرے لوگ موجود تھے، ان سب نے اس بات پر اجماع کیا کہ کسی کے لیے بھی ہمارے قول پر فتویٰ دینا، اس وقت تک حلال نہیں، جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے وہ قول کہاں سے کیا ہے (جس کے بعد اس کا اطمینان بھی ضروری ہے)

امام ذہبی نے فرمایا کہ یہ عصام، صاحبِ حدیث ہیں، حدیث میں ثقہ ہیں، ان کو ابنِ حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

اور ابراہیم بن یوسف نے، امام ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ کسی کے لیے بھی حلال نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے، جب تک کہ وہ یہ

بات نہ پہچان لے کہ ہم نے وہ قول کہاں سے کیا ہے (اس کی دلیل کیا ہے؟)
اور یہ ابراہیم بن یوسف وہ ہیں، جن سے امام نسائی نے حدیث کو روایت کیا ہے، اور یہ فرمایا کہ یہ ثقہ ہیں، اور ان کو ابنِ حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔
اور شیخ قاسم جمالی نے ان کے ترجمہ میں فرمایا کہ اس روایت نے مجھ کو قدوری کی شرح پر ابھارا، جس میں، میں نے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنے علم کو کہاں سے لیا ہے۔
اور حافظ ابونعیم اصبہانی نے اپنی کتاب ''حلیۃُ الاولیاء ''میں، امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے محمد بن حسن سے کہا کہ ہم نے تو قلیل معرفت حاصل کی تھی، پس جب ہم آپ کے پاس آئے، تو ہم نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم تقلید مت کرو، اور حق اور دلائل کو طلب کرو۔
اور عزالدین بن عبدالسلام نے فرمایا کہ جب کسی صحابی سے، شرعی احکام میں سے کسی حکم میں کوئی مذہب ثابت ہوجائے، تو اس کی مخالفت صرف اس دلیل کی بناء پر ہی جائز ہے، جو اس دلیل سے زیادہ واضح ہو۔
اور فقیہ ابواللیث نے ''کتابُ البستان ''میں ذکر کیا ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ فتویٰ دے، مگر اسی وقت جب وہ علماء کے اقوال کو پہچان لے، اور یہ بات جان لے کہ انہوں نے یہ قول کہاں سے کیا ہے، اور لوگوں کے معاملات کو بھی جان لے، پھر اگر وہ علماء کے اقوال کی تو معرفت حاصل کرلے، لیکن ان میں سے ہر ایک کے مذہب کے مطابق، دلیل کو نہ پہچانے، تو اگر اس سے کسی ایسے مسئلہ کے بارے میں سوال کیا جائے، جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ جس بات کو اس نے لیا ہے، وہ سب علماء کا اختیار کردہ مذہب ہے، اور اس حکم پر ان سب کا اتفاق ہے، تو اس کو جواز پر اتفاق شدہ مسئلہ کے بارے میں یہ کہنے میں

حرج نہیں کہ یہ جائز ہے، اور عدمِ جواز پر اتفاق شدہ مسئلہ کے بارے میں یہ کہنے میں حرج نہیں کہ یہ ناجائز ہے، لیکن اس کا قول اُن فقہاء کے نقل کے طور پر، اور ان کی طرف اس حکم کی نسبت کے طور پر ہونا چاہیے۔

لیکن جب ان کا کسی مسئلہ کے حکم میں اختلاف ہو، تو یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ فلاں مجتہد وفقیہ، یا عالم کے قول کے مطابق جائز ہے، اور فلاں کے قول کے مطابق جائز نہیں، اور ایسے شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ بعض کے قول کو اختیار کر لے، اور اس کے مطابق جواب دے دے، مگر اسی صورت میں، جبکہ وہ اس کی دلیل کو پہچان لے۔

اور ’’الروضة‘‘ وغیرہ میں یہ بات مذکور ہے کہ جو واقعہ، یا جو مسئلہ پیش آیا، یا کسی فریضہ کا معاملہ درپیش ہوا، تو جب اس کا حکم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہو، اور بندے، آیت کے معنیٰ کو نہ پہچانتے ہوں، یعنی اس کی علت اور حکمت کو نہ پہچانتے ہوں، جس کی وجہ سے اللہ نے آیت میں اس کا حکم فرمایا ہے، تو آیت پر عمل کرنا جائز ہے، اگرچہ اس کے مذکورہ معنیٰ (یعنی علت اور حکمت) کو نہ پہچانے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا (سورہ بقرہ میں) ارشاد ہے ’’وأقيموا الصلاة‘‘ اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ بقرہ میں ہی) ارشاد ہے ’’فمن شهد منكم الشهر فليصمه‘‘ اور اللہ تعالیٰ کا (سورہ بقرہ میں ہی) ارشاد ہے ’’وأحل الله البيع وحرم الربٰوا‘‘ تو وہ آیت کی تقلید کرے گا، اور مذکورہ معنیٰ میں مشغول نہیں ہوگا، یعنی اس بات میں مشغول نہیں ہوگا کہ اللہ نے نماز کو کیوں فرض کیا، اور بیع کو کیوں حلال فرمایا، اور ربا کو کیوں حرام فرمایا؟

اور اس بات پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تقلید جائز ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ’’الفطر ركعتان‘‘ (یعنی عید کی دو

www.idaraghufran.org

رکعتیں ہیں) اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "**في خمس من الإبل السائمة شاة، و في أربعين من الشياه شاة**" (یعنی پانچ سائمہ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہے، اور چالیس بکریوں میں ایک بکری واجب ہے) اگر چہ وہ ان کی علت، اور حکمت کو نہ سمجھتا ہو۔

اور اسی کے مطابق دوسری آیات اور احادیث کی بھی تقلید کی جائے گی (رسالة في بيان الكتب التي يعول عليها)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنے مکتوبات میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

بقدر امکان جمع میکم در مذاہبِ مشہورہ، مثلا صوم وصلوٰۃ و وضو وغسل وحج، بوضعے واقع می شود کہ ہمہ اہلِ مذاہب صحیح دانند۔

وعند تعذرِ الجمع باقویٰ مذاہب از روئے دلیل وموافقتِ صریح حدیث عمل مینمایم وخدائے تعالے این قدر علم دادہ است کہ فرق درمیانِ ضعیف وقوی کردہ شود۔

ودر فتوے بہ حالِ مستفتی کار میکنم، مقلد ہر مذہبے کہ باشد اورا از ہمان مذہب جواب میگویم خدائے تعالے بہر مذہبے ازین مذاہب مشہورہ معرفتے دادہ است

(مکتوبات ص ۵، سوال سویم، مطبع احمدی، شہر دہلی)

ترجمہ: ...... میں مذاہبِ مشہورہ میں بقدرِ امکان جمع وتطبیق کو اختیار کرتا ہوں، مثلاً نماز اور روزہ اور وضو اور غسل اور حج، ایسے طریقہ پر واقع ہو جائے کہ تمام اہلِ مذاہب اس کو صحیح قرار دیتے ہوں۔

اور جب اس طرح کی جمع وتطبیق متعذر ہو جاتی ہے، تو دلیل کی رُو سے جو مذہب زیادہ قوی ہوتا ہے، اور جو مسئلہ صریح حدیث کے موافق ہوتا ہے، میں اس پر عمل کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے اس قدر علم عطاء فرمایا ہے کہ ضعیف اور قوی کے درمیان فرق کر لیا جاتا ہے۔

اور فتوے کے بارے میں مستفتی کی حالت کے مطابق عمل کرتا ہوں، جو شخص جس مذہب کی تقلید کرنا چاہتا ہے، اس کو اسی مذہب سے جواب دے دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان مشہور مذاہب میں سے ہر مذہب کی معرفت عطاء کی ہوئی ہے

(مکتوبات)

مذاہب کے درمیان جس جمع و تطبیق کا شاہ ولی اللہ صاحب نے ذکر فرمایا، اس کو فقہائے کرام نے مستحب قرار دیا ہے، اور اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ [1]

اور مجتہد کے مختلف مذاہب کے درمیان ترجیح دینے والا شخص ''مجتهد في المذاهب'' یا ''متبحر في المذاهب'' یا ''مجتهد في المسائل'' کہلاتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں اوپر کی تفصیلی عبارت میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اگر عامی شخص اُس سے کسی مخصوص مذہب کے متعلق استفتاء کرنا چاہتا ہے، تو اُس کو اُس مخصوص مذہب کے مطابق فتویٰ دینے کا حکم ہوتا ہے، اور اگر مستفتی اس مجتہد، یا متبحر سے اس کی رائے کے مطابق، یا کسی مذہب کی تعیین و تخصیص کے بغیر شرعی حکم معلوم کرنا چاہتا ہے، تو ایسی صورت میں اس مجتہد کو اپنے نزدیک راجح قول پر فتویٰ دینا جائز ہوتا ہے۔

اور اگر فتویٰ دہندہ مجتہد نہ ہو، بلکہ ناقل ہو، تو ناقل کی بھی یہی اقسام ہیں، یا تو وہ ایک مذہب کا ناقل ہوگا، یا ایک سے زیادہ مذاہب کا ناقل ہوگا، اور مستفتی کی تقسیم بھی اسی اعتبار سے ہے۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ ''الجامع الصغير'' کی شرح ''النافع الكبير'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

اقول: تفرق الناس من قديم الزمان الى هذا الاوان فى هذا الباب الى الفرقتين: فطائفة قد تعصبوا فى الحنفية تعصبا شديداً،

---

[1] ذهب جمهور الفقهاء إلى استحباب مراعاة الخلاف فى الجملة باجتناب ما اختلف فى تحريمه وفعل ما اختلف فى وجوبه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦، ٣٣٢، مادة" مراعاة الخلاف" حرف الميم)

www.idaraghufran.org

والتزموا بما فی الفتاویٰ التزاماً سديداً، وان وجدوا حديثاً صحيحاً او اثراً صريحاً على خلافه، وزعموا انه لو كان هذا الحديث صحيحاً لاخذ به صاحب المذهب، ولم يحكم بخلافه، وهذا جهل منهم بما روته الثقات عن ابى حنيفة من تقديم الاحاديث والآثار على اقواله الشريفة، فترک ماخالف الحديث الصحيح رای سديد، وهو عين تقليد الامام لاترک التقليد، وطائفة زعموا ان الامام قاس على خلاف الاخبار، وهجر ما ورد به الشرع والآثار، فظنوا فی حقه ظنوناً سيئة، واعتقدوا عقائد قبيحة، ومطالعة "الميزان" لهم نافع، ولاوهامهم دافع، فليتخذ العاقل مسلک البين، ويهجر طريق الطائفتين (النافع الكبير شرح الجامع الصغير"، صفحة ۴۵، مقدمة ،الفصل الثالث فی نشر فضائل الأئمة الثلاثة، مطبوعة:ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشی، الطبعة: ۱۴۱۱ھـ، ۱۹۹۰م)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ قدیم زمانہ سے موجودہ دور تک، اس سلسلہ میں لوگوں کے دو فرقے رہے ہیں، ایک فرقہ تو حنفیت میں شدید تعصب رکھتا ہے، اور وہ (حنفیہ کی کتبِ) فتاویٰ میں جو کچھ مذکور ہے، اس کو درست سمجھتے ہوئے التزام کرتا ہے، اگرچہ وہ صحیح حدیث، یا صحیح اثر اس کے خلاف پالے، اور یہ (فرقہ) گمان رکھتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی، تو اس کو صاحبِ مذہب اختیار کر لیتے، اور اس کے خلاف حکم نہ لگاتے، حالانکہ یہ ان حضرات کی، اس بات سے ناواقفیت پر مبنی ہے، جو معتبر حضرات نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ احادیث اور آثارِ مبارکہ کو ان کے اقوال پر مقدم رکھا جائے گا، پس صحیح حدیث کے مخالف فقہاء کے قول کو ترک کر دینا یہ درست رائے ہے، اور یہ دراصل امام کی تقلید ہے، ترکِ تقلید نہیں ہے۔

www.idaraghufran.org

اور ایک طبقہ نے یہ گمان کیا کہ امام ابوحنیفہ نے احادیث کے خلاف قیاس کیا، اور شریعت اور آثار کو چھوڑ دیا، اس لیے اس طبقہ نے امام ابوحنیفہ کے حق میں مختلف بد گمانیوں کا ارتکاب کیا، اور قبیح عقائد کو اختیار کیا، اور ''المیزان'' کا مطالعہ ان کے لیے فائدہ مند ہے، اور ان کے فاسد خیالات کو دور کرنے والی (کتاب) ہے، پس عاقل کو چاہئے کہ وہ معتدل و متوسط راستہ کو اختیار کرے، اور مذکورہ دونوں طبقات کے راستہ کو چھوڑ دے (النافع الکبیر)

مذکورہ کتاب میں ہی علامہ عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومن منحه انی رزقت التوجه الی فن الحديث و فقه الحديث، ولا اعتمد على مسئلة مالم يوجد اصلها من حديث او آية، وما كان خلاف الحديث الصحيح الصريح اتركه، و اظن المجتهد فيه معذوراً، بل ماجوراً، ولكنى لست ممن يشوش العوام الذين هم كالانعام، بل اتكلم بالناس على قدر عقولهم.

و من منحه انى رزقت الاشتغال بالمنقول اكثر من الاشتغال بالمعقول، وما اجد فى تدريس المنقول والتصنيف فيه لاسيما فى الحديث و فقه الحديث من لذة و سرور لا اجد فى غيره.

و من منحه انه جعلنى سالكا بين الافراط والتفريط، لاتاتى مسئلة معركة الآراء بين يدى الا الهمت الطريق الوسط فيها، ولست ممن يختار طريق التقليد البحت بحيث لا يترك قول الفقهاء وان خالفته الادلة الشرعية، ولا ممن يطعن عليهم و يهجر الفقه بالكلية (النافع الكبير شرح الجامع الصغير، صفحة ٦٥، مقدمة، خاتمة، مطبوعة: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشى، الطبعة: ١٤١١هـ، ١٩٩٠م)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اور اللہ کے فضل وانعام میں سے ایک فضل وانعام مجھ پر یہ بھی ہے کہ مجھے فنِ حدیث اور فقہِ حدیث دونوں کی طرف توجہ کی توفیق دی گئی، اور میں کسی مسئلہ پر اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا، جب تک کسی حدیث، یا آیت سے اس کی بنیاد نہیں مل جاتی، اور جو بات صحیح صریح حدیث کے مخالف ہوتی ہے، اس کو میں ترک کردیتا ہوں، اور یہ گمان کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں مجتہد معذور ہے، بلکہ ماجور ہے، لیکن میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو ان عوام میں تشویش پیدا کرتے ہیں، جو اَنعام کی طرح ہوتے ہیں، بلکہ میں لوگوں سے ان کی سمجھ کے اعتبار سے کلام کرتا ہوں۔

اور اللہ کے فضل وانعام میں سے ایک فضل وانعام مجھ پر یہ بھی ہے کہ مجھے معقولیات میں اشتغال سے زیادہ منقولیات (یعنی قرآن وسنت اور فقہ) میں اشتغال کی توفیق عطاء کی گئی، اور میں منقول کی تدریس اور تصنیف میں خاص طور سے حدیث اور فقہِ حدیث میں جو لذت اور سرور پاتا ہوں، وہ کسی اور میں نہیں پاتا۔

اور اللہ کے فضل وانعام میں سے ایک فضل وانعام مجھ پر یہ بھی ہے کہ اللہ نے مجھے افراط وتفریط کے مابین (یعنی معتدل ومتوسط طریقہ پر) چلنے والا بنادیا، جو کوئی معرکۃ الآراء مسئلہ بھی میرے سامنے آتا ہے، تو مجھے اس میں متوسط طریقہ کو اختیار کرنے کا الہام کیا جاتا ہے، اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو محض تقلید کے طریقہ کو اس طریقہ سے اختیار کرتے ہیں کہ فقہاء کے قول کو ترک نہیں کرتے، اگرچہ شرعی دلائل اس کے خلاف ہوں، اور میں ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہوں، جو فقہاء پر طعن کرتے ہیں، اور فقہ کو بالکلیہ ترک کردیتے ہیں (النافع الکبیر)

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ ''الفوائدُ البھیة فی تراجم الحنفیة'' میں فرماتے ہیں کہ:

www.idaraghufran.org

علم أيضًا أن الحنفى لو ترك فى مسألة مذهب إمامه لقوة دليل خلافه لا يخرج به عن ربقة التقليد بل هو عين التقليد فى صورة ترك التقليد ألا ترى إلى أن عصام بن يوسف ترك مذهب أبى حنيفة فى عدم الرفع ومع ذلك هو معدود فى الحنفية ويؤيده ما حكاه أصحاب الفتاوى المعتمدة من أصحابنا من تقليد أبى يوسف يوما الشافعى فى طهارة القلتين.

وإلى الله المشتكى من جهلة زماننا حيث يطعنون على من ترك تقليد إمامه فى مسألة واحدة لقوة دليلها ويخرجونه عن جماعة مقلديه ولا عجب منهم فإنهم من العوام إنما العجب ممن يتشبه بالعلماء ويمشى مشيهم كالأنعام(الفوائد البهية فى تراجم الحنفية ، صفحة ١١٦، ترجمة "عصام بن يوسف" حرف العين المهملة)

ترجمہ: اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی حنفی کسی مسئلہ میں اپنے امام کے مذہب کو اس کے خلاف، دلیل کے قوی ہونے کی وجہ سے ترک کردے، تو اس کی وجہ سے وہ تقلید کے دائرے سے باہر نہ ہوگا، بلکہ یہ ترکِ تقلید کی شکل میں عین تقلید ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عصام بن یوسف نے رفعِ یدین کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کو چھوڑ دیا تھا، لیکن اس کے باوجود ان کو حنفیہ میں شمار کیا جاتا ہے، اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے، جس کو معتمد اصحابِ فتاویٰ نے ہمارے اصحاب سے ایک دن امام ابو یوسف کے امام شافعی کی ''قلتین'' کی طہارت کے مسئلہ میں تقلید کرنے کو روایت کیا ہے۔

ہم اپنے زمانہ کے جاہلوں کی اللہ کے علاوہ اور کس سے شکایت کریں کہ یہ جاہل اس شخص پر سخت تنقید کرتے ہیں، جو قوتِ دلیل کی بناء پر کسی مسئلہ میں اپنے امام

www.idaraghufran.org

کے مذہب واقتداء کو ترک کر دیتا ہے، اور اس کو یہ لوگ اس کے مقلد ہونے سے خارج کر دیتے ہیں، اور زیادہ تعجب ان سے نہیں ہے، کیونکہ وہ عوام ہیں، اصل تعجب تو ان لوگوں سے ہے، جو علماء سے مشابہت اختیار کرنے والے ہیں، اور وہ علماء کے طریقہ پر چلنے والے ہیں، چوپاؤں کی طرح (الفوائد البھیة)

خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک ''غیر مجتہد'' اور ''عامی'' کا مذہب متعین نہیں ہوتا، اور اجتہاد کے درجات مختلف ہیں، ہر شخص اپنی حیثیت ونوعیت کے مطابق مکلّف ہے، جس کے مطابق اس کو عمل کرنے کا حکم ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا موقف کسی ابہام کے بغیر یہی ہے، اور ''مذہبِ معین، یا تقلیدِ شخصی کے وجوب کا قول نہ جمہور کے نزدیک راجح ہے، نہ حنفیہ کے نزدیک، اور نہ ہی شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک راجح ہے۔

اور اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات اتنی زیادہ ہیں کہ جن کی وجہ سے اس مسئلہ میں کوئی ابہام باقی نہیں رہ جاتا۔

اور اگرچہ مذکورہ تفصیل اس مسئلہ کی افہام وتفہیم کے لئے کافی تھی، لیکن ہم نے مزید توضیح کے لئے آگے تیسری مستقل فصل میں ''مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی'' پر کلام کر دیا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(دوسری فصل)

تقلید کی حقیقت اور اس کی جائز وممنوع صورتیں

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''تقلید کی حقیقت، اور اس کی جائز وممنوع صورتوں'' پر بھی اپنی تالیفات میں تفصیلی کلام کیا ہے، خاص کر تقلید کی خاطر، احادیث کو نظر انداز کرنے پر۔

آج کل اس سلسلہ میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے، تقلید کے قائلین، وحامیین کا سارا زور تقلید کے ثبوت، اس کی ضرورت وافادیت پر ہوتا ہے، جس کے ضمن میں حدیث کی تردید ''ناجائز تقلید'' یا اس میں پیدا شدہ مفاسد کو بھی نظر انداز، بلکہ ان کو اختیار کرلیا جاتا ہے۔

اور اس کے برعکس تقلید کے منکرین، ومعاندین کا سارا زور تقلید کے عدمِ ثبوت، اس کے مضرات ومفاسد پر ہوتا ہے، جس کے ضمن میں ''جائز تقلید'' بلکہ ''ضروری تقلید'' کا بھی انکار کردیا جاتا ہے۔

اور اس افراط وتفریط کے نتیجہ، یا ماحول میں، نہ ادھر کی اصلاح ہوتی، نہ ادھر کی اور ''تقلید وتحقیق'' کا ''معتدل راستہ'' ایک طرح سے ''نسیاً منسیا'' ہوکر رہ جاتا ہے۔

اس لئے اس اہم مسئلہ کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، جس کی معتدل رہنمائی کا وافی سامان شاہ ولی اللہ صاحب کی کتب ورسائل میں موجود ہے۔

''حجۃُ اللہ البالغۃ'' کا حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی عظیم تالیف ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں دین میں تحریف کے احکام کے ذیل میں ''اسبابِ تحریف'' میں سے ایک سبب اس طرح بیان فرمایا ہے:

ومنها تقليد غير المعصوم أعنى غير النبى الذى ثبتت عصمته.

www.idaraghufran.org

وحقيقته أن يجتهد واحد من علماء الأمة فى مسألة، فيظن متبعوه أنه على الإصابة قطعا أو غالبا، فيردوا به حديثا صحيحا.

وهذا التقليد غير ما اتفق عليه فى الأمة المرحومة.

فإنهم اتفقوا على جواز التقليد للمجتهدين مع العلم بأن المجتهد يخطىء، ويصيب.

ومع الاستشراف لنص النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى المسألة.

والعزم على أنه إذا ظهر حديث صحيح خلاف ما قلد فيه ترك التقليد، واتبع الحديث.

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فى قوله تعالى :(اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون اللّٰه).

إنهم لم يكونوا يعبدونهم، ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئا استحلوه، وإذا حرموا عليهم شيئا حرموه (حجة اللّٰه البالغة، ج ١، ص ٤٠٤، المبحث السادس، باب: ١٨ احكام الدين من التحريف،أسباب التحريف، مطبوعة: دار بن كثير، بيروت ، الطبعة الثانية :١٤٣٣ هـ)

ترجمہ: اور تحریف کا ایک سبب، غیر معصوم کی تقلید کرنا ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جن کی عصمت ثابت ہے، ان کے علاوہ کی تقلید کرنا۔

اوراس کی حقیقت یہ ہے کہ علمائے امت میں سے کسی عالم نے ، کسی مسئلہ میں اجتہاد کیا، تو اس کی اتباع کرنے والوں نے یہ گمان کرلیا کہ وہ قطعی طور پر، یا غالب گمان کے درجہ میں ''صواب'' پر ہے، جس کے نتیجہ میں انہوں نے صحیح حدیث کو بھی رَد کردیا۔

اور یہ تقلید ایسی ہے کہ جس پر امتِ مرحومہ کا اتفاق نہیں ہوا۔

کیونکہ امتِ مرحومہ کا اتفاق تو اس بات پر ہوا کہ مجتہدین کی تقلید کا جواز، اس بات کے علم کے ساتھ مشروط ہے کہ مجتہد ''مخطیٔ'' بھی ہوتا ہے، اور ''مصیب'' بھی ہوتا ہے۔

اور مجتہدین کی تقلید جائز ہونے کی یہ شرط بھی ہے کہ اس مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نص پر نظر رکھی جائے۔

اور مجتہدین کی تقلید جائز ہونے کی یہ شرط بھی ہے کہ اس بات کا پختہ ارادہ رکھا جائے کہ جب کوئی صحیح حدیث اس مجتہد کے خلاف ظاہر ہو جائے گی، جس کی اس نے تقلید کی ہے، تو وہ مجتہد کی تقلید کو چھوڑ دے گا، اور حدیث کی اتباع کر لے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله'' کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے علماء کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے، لیکن جب ان کے علماء ان کے لیے کسی چیز کو حلال قرار دے دیا کرتے تھے، تو وہ اس کو حلال سمجھ لیتے تھے، اور جب وہ اُن پر کسی چیز کو حرام قرار دے دیا کرتے تھے، تو وہ اس کو حرام سمجھ لیتے تھے (حجۃ اللہ البالغۃ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی اس عبارت کی روشنی میں جائز اور ممنوع تقلید کی حقیقت اصولی انداز میں معلوم ہوگئی۔

''عقدُ الجید'' کا حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تالیف ''عقدُ الجیدفی احکام الاجتهاد والتقلید'' میں تقلید کی ایک واجب اور ایک حرام صورت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مسألة: اعلم أن تقليد المجتهد على وجهين واجب وحرام.

فأحدهما: أن يكون من اتباع الرواية دلالة تفصيله.

www.idaraghufran.org

الجاهل بالكتاب والسنة لا يستطيع بنفسه التتبع ولا الإستنباط فكان وظيفته أن يسأل فقيها ما حكم رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مسألة كذا وكذا فإذا أخبر تبعه سواء كان مأخوذا من صريح نص أو مستنبطا منه او مقيسا على المنصوص فكل ذلك راجع إلى الرواية عنه صلى الله عليه وسلم ولو دلالة .

وهذا قد اتفقت الأمة على صحته قرنا بعد قرن بل الأمم كلها أنفقت على مثله فى شرائعهم .

وأمارة هذا التقليد أن يكون عمله بقول المجتهد كالمشروط بكونه موافقا للسنة فلا يزال متفحصا عن السنة بقدر الإمكان فمتى ظهر حديث يخالف قوله هذا أخذ بالحديث وإليه أشار الأئمة قال الشافعى رحمه الله إذا صح الحديث فهو مذهبى وإذا رأيتم كلامى يخالف الحديث فأعملوا بالحديث واضربوا بكلامى الحائط وقال مالك رحمه الله ما من أحد إلا ومأخوذ من كلامه ومردود عليه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال أبو حنيفة رحمه الله لا ينبغى لمن لم يعرف دليلى أن يفتى بكلامى وقال أحمد لا تقلدنى ولا تقلدن مالكا ولا غيره وخذ الأحكام من حيث أخذوا من الكتاب والسنة.

الوجه الثانى :أن يظن بفقيه أنه بلغ الغاية القصوى فلا يمكن أن يخطىء فمهما بلغه حديث صحيح صريح يخالف مقالته لم يتركه أو ظن أنه لما قلده كلفه الله بمقالته وكان كالسفيه المحجور عليه فإن بلغه حديث واستقين بصحته لم يقبله لكون ذمته مشغولة بالتقليد فهذا اعتقاد فاسد وقول كاسد ليس له شاهد من النقل

والعقل وما كان أحد من القرون السابقة يفعل ذلك وقد كذب في ظنه من ليس بمعصوم من الخطأ معصوما حقيقة أو معصوما في حق العمل بقوله وفي ظنه أن الله تعالى كلفه بقوله وأن ذمته مشغولة بتقليده وفي مثله نزل قول تعالى "وإنا على آثارهم مقتدون" وهل كان تحريفات الملل السابقة إلا من هذا الوجه (عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد، ص٦٧، ٦٨، باب اختلاف الناس في الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلك، فصل في المتبحر في المذهب، الناشر: دار الكتب، بشاور، الطبعة الأولى: ١٤٣٤ھ، ٢٠١٣م)

ترجمہ: مسئلہ: یہ بات جان لینی چاہیے کہ مجتہد کی تقلید کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

پس ان میں سے ایک تقلید تو واجب ہے، اور دوسری تقلید حرام ہے۔

جہاں تک واجب تقلید کا تعلق ہے، تو وہ ایسی تقلید ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کی تفصیلی دلالت کی اتباع کر کے ہو۔

تاہم کتاب وسنت سے ناواقف شخص، جو خود سے تتبع اور استنباط کی استطاعت نہیں رکھتا، تو اس کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اپنے پیش آمدہ مسائل میں فقیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم کرے، اور جب وہ اسے اس کی خبر دے دے، تو اس کی اتباع کرے، خواہ وہ حکم نصِ صریح سے ماخوذ ہو، یا اس سے مستنبط ہو، یا منصوص پر قیاس سے ماخوذ ہو، تو یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کی طرف لوٹتا ہے، اگرچہ دلالتاً ہی سہی۔

اور اسی وجہ سے امت کا "قرناً بعد قرن" اس کی صحت پر اتفاق ہے، بلکہ تمام امتیں اپنی شریعتوں میں اس جیسے اصول پر متفق ہیں۔ [1]

---

[1] لہٰذا اس طرح کی تقلید کو حرام و ناجائز کہنا درست نہیں، الّا یہ کہ اس میں کوئی منکر شامل ہو، جیسا کہ آگے ذکر آتا ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

اوراس تقلید کی نشانی یہ ہے کہ اس مقلد کا عمل، مجتہد کے قول کے سنت کے موافق ہونے کے ساتھ مشروط ہونے کی طرح ہے۔

اوراس وجہ سے حتی الامکان سنت کی جستجو برابر جاری رہے گی۔

پھر جب کسی حدیث کا مجتہد کے قول کے مخالف ہونا ظاہر ہوجائے گا، تو یہ شخص (مجتہد کے مقابلہ میں) حدیث کو لے گا۔ [1]

اس بات کی طرف ائمہ نے اشارہ کیا ہے، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب حدیث صحیح ہو، تو وہی میرا مذہب ہے، اور جب تم میرے کلام کو حدیث کے مخالف پاؤ، تو تم حدیث پر عمل کرو، اور میرے کلام کو دیوار پر دے مارو۔

اورامام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر شخص کا کلام ماخوذ بھی ہوتا ہے، اور مردود بھی ہوتا ہے۔ [2]

اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس کو میری دلیل کی معرفت حاصل نہ ہو، اس کے لیے میرے کلام پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔

اورامام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم میری تقلید نہ کرو، اور نہ امام مالک وغیرہ کی تقلید کرو، بلکہ تم اسی طرح سے شرعی احکام کو لو، جس طرح سے ان حضرات نے کتاب

---

[1] اور یہ جستجو، اور حدیث کو لینے کا عمل ہر شخص اپنی حسبِ حیثیت کرے گا، سب لوگوں کو ایک درجہ میں نہیں رکھا جائے گا، اگر عامی شخص کو بھی حدیث پہنچ جائے، وہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق مکلّف ہوگا، جیسا کہ حاجم اور محجوم کی حدیث کے ذیل میں امام ابوحنیفہ، اور امام محمد کا راجح قول گذر چکا ہے، اگرچہ ہمارے بعض علماء کی طرف سے اس سلسلہ میں امام ابویوسف کے قول اور اس کی دلیل کی شہرت کی وجہ سے عامی کو مستثنیٰ کر کے اس میں بہت سخت شرائط لگادی گئیں، جتنی سخت شرائط مجتہد کی تقلید کے لئے بھی نہیں لگائی گئی، اور اس کے نتیجہ میں حدیثِ رسول کی اتباع وتقلید کا درجہ مجتہد کی اتباع وتقلید سے پیچھے رہ گیا۔

اوپر سے ستم ظریفی یہ کہ علمی رنگ میں احادیثِ صحیحہ میں بے جا اور بعید تاویلات کا سلسلہ بھی چل پڑا، جس کی وجہ سے اب بہت سی معتبر احادیث کا علم ہوجانے کے باوجود ان پر عمل کا تصور ہی مشکل ہوگیا۔ محمد رضوان۔

[2] یہ مضمون معتبر حدیث میں بھی وارد ہوا ہے، جس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے، جس کی تفصیل ہم نے ''عمل بالحدیث کا حکم'' میں بیان کردی ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

وسنت سے لیا ہے۔ [1]

تقلید کی دوسری (یعنی حرام صورت) یہ ہے کہ مقلد، فقیہ کے بارے میں یہ گمان کرلے کہ وہ انتہائی کمال کو پہنچ گیا ہے، جس سے خطاء کا صدور ممکن نہیں، پس اس وجہ سے جب اس کے قول کے صریح خلاف اس کے پاس کوئی صحیح حدیث پہنچے، تو وہ اس کے قول کو ترک نہ کرے، یا وہ یہ گمان کرے کہ وہ جب اس کی تقلید کرچکا ہے، تو اس کو اللہ نے اس کے قول کا مکلّف کردیا ہے، اور وہ اس بے وقوف کی طرح ہوجائے، جس کے تصرفات پر پابندی عائد ہوچکی ہو۔

پس اس کو اگر کوئی حدیث پہنچے، اور اس کو اس حدیث کے صحیح ہونے کا یقین حاصل ہوجائے، پھر بھی وہ اس حدیث کو اس بناء پر قبول نہ کرے کہ اس کا ذمہ تقلید میں مشغول ہے، تو یہ فاسد اعتقاد، اور ردی قول ہے، جس کا نقل اور عقل کی رو سے کوئی شاہد نہیں۔

اور قرونِ سابقہ میں سے کوئی بھی اس فعل کا مرتکب نہیں ہوا۔ [2]

اور اس نے جھوٹا گمان قائم کرلیا کہ جو خطاء سے معصوم نہیں، وہ حقیقت میں معصوم ہے، یا گمان کے بجائے عمل میں معصوم ہے، اور اس کے گمان میں یہ بات ہے کہ اللہ نے اس کو اس کے قول کا مکلّف کردیا ہے، یا اس کا ذمہ اس کی تقلید میں مشغول ہوچکا ہے، حالانکہ اس طرح کی حالت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا تھا

---

[1] پس اِن مجتہدینِ عظام کی صحیح اتباع وتقلید اسی میں ہوگی کہ جس معتبر حدیث کا امام کے قول کے خلاف ہونا علم میں آجائے اور اس پر دل مطمئن بھی ہوجائے، تو پھر اسی طرح عمل کیا جائے، جس طرح مجتہدین نے خود عمل کیا، اور دوسروں کو تلقین فرمائی کہ رائے وقیاس کے مقابلہ میں حدیث پر عمل کرنا چاہیے۔ محمد رضوان۔

[2] جب قرونِ سابقہ میں کوئی اس فعل کا مرتکب نہ ہوا، تو آج کیوں اس کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اور کیوں اس چیز کے ارتکاب کی تلقین کی جاتی ہے، اور اس پر ایسی ایسی تاویلات کا پردہ چڑھا کر زور دیا جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں احادیثِ معتبرہ کی خلاف ورزی لازم آجاتی ہے، اور ان تاویلات کی وجہ سے ایسے فعل کا ارتکاب ہوجاتا ہے، جو درحقیقت قرونِ سابقہ کے اجماعی تعامل کے خلاف ہے۔ محمد رضوان۔

”وإنا علی آثارھم مقتدون“ اور پہلی امتوں کی تحریفات اسی (طرح کی تقلید کی) بنیاد پر ہوئیں تھیں (عقد الجید)

مذکورہ عبارت میں تقلید کے بارے میں افراط وتفریط کے مرتکبین، دونوں کے لئے راہِ اعتدال کی تعلیم دے دی گئی ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ نہ افراط میں مبتلاء لوگ، اپنے آپ کو قابلِ اصلاح خیال کرتے، اور نہ تفریط میں مبتلاء لوگ، اپنے آپ کو قابلِ اصلاح خیال کرتے، وہ اس کے بجائے، اپنے مقابلہ میں دوسرے کو ہی قابلِ اصلاح سمجھتے ہیں۔

”التفهيماتُ الالٰهية“ کا حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے ”التفهيماتُ الالٰهية“ میں ایک مکتوب میں فرمایا:

فمثل السنة الظاهرة كمثل اللغة التي كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ بها القرآن و مثل الاقاويل التي هي يمينها و شمالها كمثل الاحرف التي رخص النبي صلى الله عليه وسلم ان يقرأوا بها القرآن دفعا للحرج من امته و مثل السنة الظاهرة كمثل من حضر محفل الخليفة فسمع منه باذنيه و شاهده حين تكلم بما تكلم ووعا قلبه بذلك و مثل الاقاويل المخرجة على قواعد القوم كمثل سوقي تخلص اليه من احكام الخليفة ومما يظن به ان يامر ما اداه الى فطانة وحدس في بعض الامور.

وترى العامة سيما اليوم في كل قطر يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين يرون خروج الانسان من مذهب من قلده ولو في مسئلة كالخروج من الملة كأنه نبي بعث اليه وافترضت طاعته عليه وكان اوائل الامة قبل المائة الرابعة غير متقيدين بمذهب واحد.

قال أبو طالب فی کتاب قوت القلوب: إن الکتب والمجموعات محدثة، والقول بمقالات الناس، والفتيا بمذهب الواحد من الناس، واتخاذ قوله، والحکاية له من کل شیء، والتفقه علی مذهبه – لم يکن الناس قديما علی ذلک انتهٰی کلامه .

بل کانت العامة يومئذ يتعلمون صفة الوضوء والغسل والصلاة والزکاة والصوم والحج والنکاح والبيع، ونحو ذلک، مما ينوب کل حين من آبائهم ومعلمی بلدانهم ، واذا نابه نائبة قصدوا المفتيين سواء کانوا من اهل المدينة ، او من اهل الکوفة ، فعملوا بما أفتوا .

والخاصة من کان منهم صاحب حديث، لا يقلد فيما وضح عليه من جهة الاحاديث والآثار ، الا صاحب الشريعة ، فقط.

والذی لم يتضح عليه ، يتبع فيه الأقوال والآثار حتی يأتيه الثلج .

ومن کان منهم صاحب تخريج ، يخرج علی نصوص فقيه من الفقهاء ، أو علی قواعده ، فيما لم يأته منه نص.

وکان بعض اهل الکشف فی زمان تقيد العامة بالمذاهب، کالشيخ ابن العربی،لا يری التقيد بمذهب واحد .

قال فی الفتوحات المکية وغيرها: إن العبد إذا سلک مقالات القوم متقيدا بمذهب واحد، لا يری غيره، فلا بد أن ينتهی به ذلک المذهب الی العين التی اخذ امامه منها اقواله.

وهناک يری اقوال جميع الائمة يغترف من بحر واحد ، فينفک عنه التقيد بمذهبه ضرورة، ويحکم بتساوی المذاهب کلها

خلاف ، ماكان يعتمده قبل ذلك.

وكان بعضهم يتقيد اما لئلا يختلف عليه العامة ، او لرجحان بعض المذاهب بحسب بعض الجهات، ترآى له فى منامه ، ونحو ذلك.

وكان بعض الجهابذة من العلماء لا يتقيد بمذهب واحد فى عمله بنفسه ، او فى فتاواه لغيره، كأبى محمد الجوينى، فانه صنف كتابه المحيط ، ولم يلتزم فيه المشى على مذهب واحد.

وقد نقل الجلال الدين السيوطى وعبدالوهاب الشعرانى ذلك عن جماعة يعسر عدها.

وكان اكثر الفقهاء يتقيدون بمذهب واحد كما هو الظاهر المشهور ، وبالجملة فاختلافهم فى ذلك هال القوم واهاج على انكار بعضهم بعضا وليس فى ذلك عهد صريح عن النبى صلى الله عليه وسلم يرجع اليه ،فكان من اعظم نعم الله على ان كشف لى عن حقيقة حال المذاهب وحال المتقيد ببعضها وحال من اراد الانتقال الى مذهب بعد ماكان متقيدا بمذهب آخر ، وحال من اخذ فى بعض المسائل بمذهب وفى بعض الآخر بمذهب آخر ، وهل خير الشارع او الزم لكل واحد ان يلتزم مذهبا واحدا

(التفهيمات الالٰهية، ج ١ ص ١٥١، ١٥٢ ،عدد التفهيمات ٦٦، مطبوعة:مدينة برقى پريس، بجنور، يوپى، تاريخ طبع:1936ء ١٣٥٥هـ)

ترجمہ: پس ظاہری سنت کی مثال اس لغت کی طرح ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی قرائت کیا کرتے تھے۔

www.idaraghufran.org

اوران اقوال کی مثال جو سنت کے دائیں اور بائیں ہیں، ان حرفوں کی طرح ہے، جن میں قرآن کی قرائت کرنے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی ہے، اپنی امت سے دفعِ حرج کے لیے۔

اور ظاہری سنت کی مثال اس آدمی کی طرح بھی ہے، جو خلیفہ (وحکمران) کی محفل میں حاضر ہوا، پھر اس کی بات کو اپنے کانوں سے سنا، اور اس کو کلام کرتے ہوئے مشاہدہ کیا، اور اس کے دل نے اس کو صحیح طرح محفوظ کرلیا۔

اور قوم کے قواعد پر تخریج شدہ اقوال کی مثال، اس بازاری کی طرح ہے، جس کے پاس خلیفہ (وحکمران) کے احکام ملخص ہو کر پہنچے، اور وہ اپنی ذہانت کی رسائی کے مطابق گمان کرتا ہے کہ خلیفہ نے فلاں حکم دیا ہے، اور بعض امور میں وہ تخمین کو اختیار کرتا ہے۔ [1]

اور آپ خاص طور پر آج کے زمانہ میں ہر علاقہ میں عام لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ متقدمین کے مذاہب میں سے کسی مذہب کے اس طرح پابند ہیں کہ وہ انسان کے اس مذہب سے نکلنے کو، جس کی اس نے تقلید کی ہے، اگرچہ ایک مسئلہ میں ہی خروج کیوں نہ ہو، ایسا سمجھتے ہیں جیسا کہ دینِ اسلام سے خارج ہو جانا، گویا کہ وہ (یعنی جس کی تقلید کی جارہی ہے) نبی ہے، جو اس کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، اور

---

[1] یعنی ظاہری سنت کا درجہ، سب سے مقدم ہے کہ اس سے انحراف کی گنجائش نہیں، اور پھر ایسے اقوال کا درجہ ہے، جو سنت کے دائیں بائیں یعنی سنت کے قریب قریب ہیں کہ ان دونوں پر عمل کی گنجائش ہے، بالخصوص دفعِ حرج کی صورت میں ان اقوال میں سے کسی قول پر عمل کرنے میں حرج نہیں۔

اور پھر اس کے بعد مجتہدین وفقہاء کے قواعد پر تخریج شدہ اقوال کا درجہ ہے۔

ان میں سے ہر ایک کو اپنے درجہ پر رکھنا ضروری ہے، اور ان میں افراط وتفریط جائز نہیں، مثلاً مجتہدین وفقہاء کے قواعد پر تخریج شدہ مسائل کو ظاہری سنت پر ترجیح دے دی جائے، یا جن اقوال پر عمل کی سنت سے گنجائش ملتی ہو، ان تخریجات کی وجہ سے اس گنجائش کو ختم کر دیا جائے، جیسا کہ آج کل تقلیدِ جامد کے نتیجہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ سنت کی رُو سے کسی عمل کی گنجائش ہوتی ہے، اور اس پر سنت میں کوئی نکیر وانکار اور ممانعت نہیں ملتی، لیکن تخریجات اور ان کے متعلق متاخرین کے بیان کردہ فقہی مستدلات کی وجہ سے، اس پر عمل کا راستہ بند کر دیا جاتا ہے۔ محمد رضوان۔

اس کی اطاعت اس پر فرض کی گئی ہے۔ [1]

حالانکہ چوتھی صدی سے پہلے امت کے افراد کسی ایک مذہب کے پابند نہیں تھے۔ [2]

ابو طالب مکی نے ''قوت القلوب'' کتاب میں فرمایا کہ موجودہ کتب اور مجموعات، بعد کی پیداوار ہیں، اور اسی طرح لوگوں کے اقوال، اور لوگوں میں سے ایک مذہب کے مطابق فتوے، اور اس کے قول، اور اس کی نقل کو، ہر چیز میں لینا، اور اسی کے مذہب پر فقہ کی تعلیم و تعلم بھی، بعد کی پیداوار ہے، پہلے زمانہ میں لوگ ان چیزوں پر نہیں تھے، ابو طالب مکی کا کلام ختم ہوا۔ [3]

بلکہ پہلے زمانے میں عوام وضو، اور غسل، اور نماز، اور زکاۃ، اور روزہ، اور حج، اور نکاح، اور بیع وغیرہ کے متعلق پیش آنے والے مسائل کی تعلیم ہمہ وقت اپنے آباء، اور اپنے شہر کے معلمین سے حاصل کیا کرتے تھے، اور جب ان کو کوئی خاص واقعہ پیش آجاتا تھا، تو وہ مفتیوں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے (کسی مخصوص مذہب، یا اس کے مفتی کا التزام کیے بغیر) خواہ وہ مفتی مدینہ والے ہوں، یا کوفہ والے ہوں، پھر وہ ان کے فتوے کے مطابق عمل کیا کرتے تھے (مذکورہ طریقہ ''عوام'' کا تھا) [4]

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب نے لوگوں کی اس حالت کی برائی بیان فرمائی ہے، ہمارے مقلدین کے ماحول میں بھی حالت کچھ اسی طرح کی بنتی جارہی ہے، جس میں ''مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی'' سے خروج کو جرمِ عظیم خیال کیا جاتا ہے، اور اس کے لئے طرح طرح کے دلائل، اور تاویلات کو جمع کیا جاتا ہے، جیسا کہ غیر متعصب پر مخفی نہیں۔ محمد رضوان۔

[2] شاہ ولی اللہ صاحب نے یہاں یہ بات اس مقصد سے ہرگز ذکر نہیں فرمائی کہ چوتھی صدی کے بعد ایک فقہی مذہب کی پابندی کوئی کارِ خیر والا کام ایجاد ہوا، بلکہ اس لئے ذکر فرمائی کہ اس کا تو پہلی تین صدیوں میں وجود ہی نہ تھا، اس قسم کی چیزیں بعد میں وجود میں آئیں، جیسا کہ سیاق وسباق سے بالکل واضح ہے۔ محمد رضوان۔

[3] مطلب یہ ہے کہ بذاتِ خود یہ طریقے مقصود اور مسنون نہیں ہیں، بلکہ بعد میں لوگوں نے اپنے اپنے طریقوں کے مطابق اختیار کیے ہیں۔ محمد رضوان۔

[4] یعنی پہلے زمانوں میں عوام کا عمل، مخصوص فقہی مذہب، یا شخصیت کا التزام کیے بغیر تھا۔
اور جو عوام کے مقابلہ میں، خواص ہوا کرتے تھے، اُن کا عمل اپنی اپنی حیثیت واستعداد اور صلاحیت کے مطابق تھا، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

اور خواص میں سے جو صاحبِ حدیث حضرات تھے، وہ ان باتوں میں، جو احادیث وروایات کی رُو سے واضح ہو جاتی تھیں، ان میں صرف صاحبِ شریعت کی تقلید کیا کرتے تھے۔

اور جو چیز ان پر واضح نہیں ہوتی تھی، اس میں وہ اقوال اور آثار کی جستجو کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کے سامنے واضح چیز پہنچ جاتی تھی۔

اور ان خواص میں بعض صاحبِ تخریج تھے، جو اُن مسائل میں، جن کے متعلق ان کو نص نہیں پہنچتی تھی، فقہاء میں سے کسی فقیہ کی نصوص پر، یا اس کے قواعد پر تخریج کیا کرتے تھے۔

اور ان خواص میں بعض اہلِ کشف کسی زمانہ میں عام لوگوں کو مذاہب کا پابند کیا کرتے تھے، جیسا کہ شیخ ابنِ عربی، لیکن وہ ایک مذہب کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ [1]

''فتوحاتِ مکیہ'' وغیرہ میں ہے کہ بندہ جب کسی قوم کے اقوال کو اختیار کرے، ایک مذہب کی پابندی کرتے ہوئے، جو کہ دوسرے مذہب کو نہ دیکھے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس مذہب کی بات کی انتہاء تک پہنچے، جہاں سے اس کے امام نے اپنے اقوال کو لیا ہے۔ [2]

اور اس موقع پر جو شخص تمام ائمہ کے اقوال پر نظر کرتے ہوئے، بحرِ واحد کے طور پر

---

[1] یعنی یہ اہلِ کشف عامۃُ الناس کو مذاہب کی پابندی کی تلقین کیا کرتے تھے، لیکن کسی ایک فقہی مذہب کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ محمد رضوان۔

[2] یہ تمام صورتیں عوام کے مقابلہ میں خواص کی ہیں، جن میں ایک صورت خواص کی یہ ہے کہ جب کسی عالم کا دائرہ ایک مذہب کے اقوال تک محدود ہو، تو ایسی صورت میں اس مذہب کے اقوال کے اصل مراجع تک رسائی حاصل کرے، ظاہر ہے کہ یہ حکم عامی کے بجائے ایسے شخص کے لئے ہے، جس کو اس عمل کی قدرت حاصل ہو، موجودہ زمانے کے علماء کو بھی یہ قدرت حاصل ہے، بشرطیکہ وہ جدوجہد کریں، اور کام چوری سے اجتناب کریں، اور جو ان پر بعض اصحابِ علم نے بے جا پابندیاں عائد کردی ہیں، ان کی طرف التفات نہ کریں۔ محمد رضوان۔

غوطہ خوری کرے، تو اس سے لازمی طور پر اس کے مذہب کی پابندی ختم ہو جاتی ہے، اور وہ تمام مذاہب کو ایک جیسا اختلافی سمجھنے لگتا ہے، جس پر اس کو اس سے پہلے اعتماد نہیں تھا۔ [1]

اور بعض لوگ کسی مخصوص مذہب کی پابندی کرتے، تاکہ عوام اس کے مقابلہ میں اختلاف نہ کریں، یا اس وجہ سے کہ بعض مذاہب کا، بعض جہات سے رجحان پیدا ہو جاتا، جس کو اسے خواب وغیرہ میں دکھایا جاتا۔ [2]

اسی وجہ سے بعض علماء، بطورِ خاص عمل کرنے کی حد تک، ایک مذہب کے ساتھ اپنے آپ کو مقید نہیں کرتے، یا دوسرے کے لیے فتویٰ دینے میں بھی اپنے آپ کو ایک مذہب کے ساتھ مقید نہیں کرتے، جیسا کہ ابو محمد جوینی، کیونکہ انہوں نے ''کتابُ المحیط'' تصنیف فرمائی ہے، جس میں انہوں نے کسی ایک مذہب پر چلنے کا التزام نہیں کیا۔

اور جلال الدین سیوطی اور عبدالوہاب شعرانی نے اس طرزِ عمل کو اتنی بڑی جماعت سے نقل کیا ہے، جن کو شمار کرنا مشکل ہے۔ [3]

---

[1] یعنی جو عالم، اپنے آپ کو ایک مذہب کے اقوال تک محدود نہیں کرتا، جیسا کہ اس سے پہلی صورت میں گزرا، بلکہ وہ تمام ائمہ کے اقوال اور مذاہب کو ملاحظہ کرتا ہے، تو پھر اس کو ایک سے زیادہ راستے میسر آ جاتے ہیں، اور وہ ان تمام راستوں کو بحرِ واحد ایک منزل تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے، اور اس سے پہلی صورت میں اس کو جس طرح ایک مذہب پر اعتماد تھا، اب اس کا اعتماد وسیع ہو جاتا ہے، اور اس کی نظر میں اجتہادی واختلافی مسائل میں شدت باقی نہیں رہتی، اسی وجہ سے جب تک دلائل سے کسی ایک قول کا راجح ہونا، اور دوسرے پر عمل کی گنجائش نہ ہونا، اس کے علم میں نہ آئے، اس وقت تک اس کے لیے جملہ مذاہب میں سے کسی بھی مذہب پر عمل کر لینے کی گنجائش ہوتی ہے، اور اس کی حالت اس عامی کی طرح ہو جاتی ہے، جس کو ایک سے زیادہ مفتیوں سے استفتاء کی سہولت میسر ہو، جس طرح اس کو مختلف مذاہب میں اختیار حاصل ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کو بھی اختیار حاصل ہو جاتا ہے، کیونکہ جمہور کے نزدیک غیر مجتہد کا مذہب متعین نہیں ہوتا۔ محمد رضوان۔

[2] یعنی بعض حضرات، عوام کو اختلاف سے بچانے، یا دلائل وخواب وغیرہ کی وجہ سے رجحان پیدا ہو جانے کی بناء پر ایک مذہب کی پابندی کیا کرتے تھے، خواب، اگرچہ حجت نہیں، لیکن طمانینت کا باعث ہے۔ محمد رضوان۔

[3] مذکورہ صورتوں کا جو حکم بیان کیا گیا ہے، اس عبارت میں اس کے مطابق عمل کرنے والوں کی چند مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔ محمد رضوان۔

اور (بعد میں) اکثر فقہاء کسی ایک مذہب کے ساتھ مقید ہوگئے، جیسا کہ ظاہر اور مشہور ہے، لیکن بہرحال ان کے اس سلسلہ میں اختلاف نے قوم کو خوف میں ڈال دیا، اور ایک دوسرے کے انکار و نکیر پر بھڑکا دیا، اور اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صریح عہد نہیں کہ جس کی طرف رجوع کیا جائے۔ [1]

اور اللہ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت میرے اوپر یہ ہے کہ اس نے میرے لیے مذاہب کی حالت کی حقیقت کو کھول دیا، اور ان مذاہب میں سے بعض کے ساتھ مقید ہونے کی حقیقت کو بھی کھول دیا، اور ایک مذہب کے ساتھ مقید ہوکر دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کی حقیقت کو بھی کھول دیا اور بعض مسائل میں ایک مذہب اور دوسرے بعض مسائل میں دوسرے مذہب کے اختیار کرنے کی حقیقت کو بھی کھول دیا، اور یہ بھی کہ کیا شارع نے اس کا اختیار دیا ہے، یا ہر ایک کے لیے ایک مذہب کے التزام کو لازم کیا ہے (التفھیمات)

شاہ ولی اللہ صاحب پر اللہ تعالیٰ نے مذاہب کی حالت کی حقیقت پر شرح صدر فرمایا تھا، اور اس شرح صدر کا اظہار، شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی مختلف تالیفات میں بار بار وضاحت کے ساتھ فرمایا تھا، آج بہت سے لوگ اپنی نسبت، شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف کرکے اس کی خلاف ورزی کے مرتکب ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''التفھیماتُ الالٰھیۃ'' کے اسی مکتوب میں آگے فرمایا:

الاختلاف علی اربعۃ منازل:

---

[1] یعنی جو پہلے حالات ذکر کئے گئے، وہ مختلف نوعیتوں وشخصیتوں کے اعتبار سے تھے، جو اعتدال پر مبنی، اور افراط وتفریط سے پاک تھے، بعد میں ایک مذہب کے ساتھ مقید ہونے کی ریت چل پڑی، جیسا کہ سب کو معلوم ہے، اور اس کے نتیجہ میں مختلف بے اعتدالیاں لازم آئیں، مثلاً ان فقہی مذاہب کو مذکورہ علماء کے طرزِ عمل نے ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا، اور اس کے نتیجہ میں ایک مذہب کی پابندی نہ کرنے، اور دوسرے مذہب کو اختیار کرنے پر خوف دلایا گیا، اور اس پر نکیر وانکار کا سلسلہ چل پڑا، جبکہ کسی ایک مذہب کے ساتھ مقید ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حکم نہیں آیا، چہ جائیکہ مذکورہ بے اعتدالیوں اور مفاسد کو شرعی جامہ پہنایا جائے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

اختلاف مردود: وليس لقائله ولا لمقلده من بعده عذر، وهذا قليل الوجود فى المذاهب الاربعة المدونة.

واختلاف مردود: ولقائله عذر ما لم يبلغه حديث صحيح دال على خلافه، فاذا بلغه فلا عذر له.

واختلاف مقبول: قد خير الشارع المكلفين فى طرفيه تخيرا ظاهرا مطلقا كالاحرف السبعة من القرآن.

واختلاف ادركنا كون طرفيه مقبولين اجتهادا واستنباطا من بعض كلام الشارع صلوات الله عليه، والانسان مكلف به لا مطلقا، بل بشرط الاجتهاد وتأكد الظن والتقليد من حصل له ذلك

(التفهيمات الالٰهية، ج ا ص ۱۵۳، عدد التفهيمات ٦٦، مطبوعة: مدينة برقى پريس، بجنور، يوپى، تاريخ طبع: 1936ء ۱۳۵۵ھ)

ترجمہ: اختلاف کے چار درجات ہیں:

ایک اختلاف مردود: جس کے قائل اور اس کے بعد اس کے مقلد کے لیے کوئی عذر قبول نہیں، اور یہ اختلاف مدون شدہ مذاہب میں بہت کم ہے۔

دوسرا اختلاف بھی (فی نفسہٖ) مردود ہے، لیکن اس کے قائل کے لیے اس وقت تک عذر قبول ہے، جب تک اسے کوئی صحیح حدیث نہ پہنچے، جو اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہو، پس جب اس کو ایسی کوئی حدیث پہنچ جائے، تو اس کا عذر قبول نہیں۔

اور تیسرا اختلاف مقبول ہے کہ شارع نے مکلفین کو طرفین میں ظاہراً و مطلقاً اختیار دے دیا ہے، جیسا کہ قرآن کے سات طریقوں میں پڑھنے کا اختیار دے دیا ہے۔

اور چوتھا اختلاف وہ ہے، جس کے طرفین کے مقبول ہونے کا ادراک ہمیں شارع صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کلام سے اجتہاد و استنباط کر کے حاصل ہوا ہے، اور

www.idaraghufran.org

انسان اس کا مکلّف ہے، لیکن مطلقاً مکلّف نہیں، بلکہ اجتہاد اور ظن کے مؤکد ہونے کی شرط کے ساتھ مکلّف ہے، اور جس میں مذکورہ شرط موجود ہو، اس کی تقلید کر کے بھی مکلّف ہے (التفهيمات)

پہلا اختلاف اس لیے کم ہے کہ جتنے بھی مجتہدین اور اہلِ مذاہب تھے، ان سب نے قصداً وعمداً احادیث کی مخالفت نہیں کی، اس لیے وہ تو معذور ہیں۔

جہاں تک دوسرے اختلاف کا تعلق ہے، تو وہ مقلدین میں زیادہ ہے کہ ان کو اپنے اختیار کردہ موقف کے برخلاف، صحیح حدیث پہنچ جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ناجائز تقلید کی بناء پر، اس حدیث سے اختلاف کو برقرار رکھتے ہیں، یہ حضرات پہلی صورت میں مذکور اپنے متبوعین کی طرح معذور نہیں۔

تیسرا اختلاف وہ ہے، جس میں شریعت کی طرف سے مختلف چیزوں میں اختیار حاصل ہو، خواہ اس وجہ سے کہ اس مسئلہ میں مختلف اقوال باہم متعارض نہ ہوں، یا اس وجہ سے کہ عامی شخص، جس کو اجتہاد سے ترجیح کی قدرت حاصل نہ ہو، اس کے لیے جملہ مذاہب پر عمل کا اختیار حاصل ہو۔

چوتھا اختلاف وہ ہے، جس میں خود اجتہاد کر کے، یا دوسرے مجتہد کی تقلید کر کے، طرفین کے مقبول ہونے کا ادراک حاصل ہو جاتا ہے، اور ایسی صورت میں طرفین کے اقوال پر عمل کرنا، مقبول ہی رہتا ہے۔

اس تفصیل کے پیشِ نظر، اجتہادی مسائل میں اکثر وبیشتر اختلافات، درحقیقت ''رحمت'' ہیں، لیکن افراط وتفریط کے باعث ان کو ''زحمت'' بنالیا گیا ہے۔

''التفهيماتُ الالٰهية'' کا ایک اور حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''التفهيماتُ الالٰهية'' کے ایک مکتوب میں فرمایا:

انی اقول لهؤلاء المسمين انفسهم بالفقهاء الجامدين على التقليد يبلغهم الحديث من احاديث النبی صلی الله عليه وسلم باسناد صحيح، وقد ذهب اليه جمع عظيم من الفقهاء المتقدمين ولا يمنعهم الا التقليد لمن لم يذهب اليه ولهؤلاء الظاهرية المنكرين للفقهاء الذين هم طراز حملة العلم وائمة اهل الدين انهم جميعا على سفاهة وسخافة رأى وضلالة ، وان الحق امر بين بين

(التفهيمات الالٰهية، ج ا ص ۲۰۹، عدد التفهيمات ٦٩، مطبوعة: مدينة برقی پريس، بجنور، يوپی، تاريخ طبع: 1936ء ۱۳۵۵ھ)

ترجمہ: میں کہتا ہوں ان لوگوں سے، جو لوگ اپنے آپ کو فقیہ کہتے ہیں، اور تقلیدِ خالص پر جمے بیٹھے ہیں، ان کے پاس صحیح سند سے مروی کوئی حدیث جب آتی ہے، جس پر فقہائے متقدمین کی ایک بڑی جماعت کا عمل ہوتا ہے، تو یہ تقلید ان کے لیے اس پر عمل کرنے سے مانع بنتی ہے۔

اور یہ ''ظاہری'' جو کہ فقہاء پر نکیر کرتے ہیں، جو کہ علم کا خلاصہ اور اہلِ دین کے مقتداء ہیں، ہر دو کی بابت میرا یہ کہنا ہے کہ یہ سخافتِ رائے اور گمراہی میں پڑے ہیں، اور حق ہر دو کے درمیان ہے (التفهيمات)

ہم نے بھی موجودہ دور کے ایسے فقیہ کہلانے والے متعدد علماء کا مشاہدہ کیا ہے، جو تقلیدِ خالص پر جمے بیٹھے ہیں، اور ''ظاہریہ'' کا بھی مشاہدہ کیا، جو فقہاء و مجتہدین پر نکیر کرتے پھرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''التفهيماتُ الالٰهية'' کے اسی مکتوب میں آگے چل کر فرمایا:

وانما اتفق الناس على تقليد العلماء على معنى انهم رواة الشريعة عن النبی صلی الله عليه وسلم، وانهم علموا ما لم نعلم، وانهم اشتغلوا بالعلم ما لم نشتغل فلذالک قلدوا العلماء.

فلو ان حديثا صح وشهد بصحته المحدثون وعمل به طوائف،فظهر فيه الامر،ثم لم يعمل به هو،لان متبوعه لم يقل به،فهٰذا هو الضلال البعيد .

ونشأ فى قلبى داعية من جهة الملأ الأعلٰى تفصيلها ان مذهبى أبى حنيفة والشافعى هما مشهور ان فى الامة المرحومة وهما أكثر المذاهب تابعا وتصنيفا وكان جمهور المفقهاء المحدثين والمفسرين والمتكلمين والصوفية متمذهبين بمذهب الشافعى وجمهور الملوك ومحافة اليونان متمذهبين بمذهب ابى حنيفة وان الحق الموافق علوم الملأ الأعلٰى اليوم ان يجعلا كمذهب واحد يعرضان على الكتب المدونة فى حديث النبى صلى اللّٰه عليه وسلم من الفريقين فما كان موافقا بها يبقى وما لم يوجد له اصل يسقط والثابت منها بعد النقد ان توافق بعضه بعضا فذالك الذى يعض عليه بالنواجذ وان تخالف تجعل المسئلة على قولين يصح العمل عليهما او يكون من قبيل الاختلاف احرف القرآن او على الرخصة والعزيمة او يكونان طريقين للخروج من المضيق كتعدد الكفارات او يكون اخذا بالمباحين المستويين لا يعد والأمر هذه الوجوه ان شاء الله تعالٰى (التفهيمات الالٰهية، ج ا ص ٢١١ و ٢١٢،عددالتفهيم ٦٩، مطبوعة:مدينة برقى پريس، بجنور، يوپى، تاريخ طبع:1936ء ١٣٥٥ھ)

ترجمہ: اورلوگوں کا علماء (وفقہاء) کی تقلید پر صرف اس معنیٰ کر اتفاق ہے کہ وہ علماء (وفقہاء) شریعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے

ہیں، اوران کاعلم ہمارے مقابلہ میں زیادہ ہے، اوران کاعلم میں اشتغال، ہمارے علمی اشتغال کے مقابلہ میں زیادہ ہے، پس اس وجہ سے لوگوں نے علماء (وفقہاء) کی تقلید کی۔

پس اگر کوئی حدیث صحیح ہو، اوراس کے صحیح ہونے کی محدثین نے شہادت دی ہو، اوراس پر کچھ جماعتوں کا عمل بھی ہو، پھراس حدیث کا معاملہ ظاہر ہوجائے، اس کے باوجود وہ شخص اس حدیث پراس لئے عمل نہ کرے کہ اس کے متبوع کا قول اس حدیث کے مطابق نہیں، تو یہ پرلے درجہ کی گمراہی ہے۔

اور میرے قلب پر ملا اعلیٰ سے جو داعیہ پیدا ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی دونوں کے مذاہب، امتِ مرحومہ میں مشہور ہیں، اور یہ دونوں مذاہب ہی اتباع اور تصنیف کے اعتبار سے (دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں) زیادہ ہیں، اور جمہور فقہائے محدثین ومفسرین، متکلمین اور صوفیاء نے مذہبِ شافعی کواختیار کیا، اور جمہور حکمران اوراکثر اہلِ یونان نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کواختیار کیا۔

اور ملاءِ اعلیٰ کے علوم کے موافق آج کے زمانہ میں حق یہ ہے کہ ان دونوں (یعنی حنفی وشافعی) مذاہب کوایک مذہب کے درجہ میں کرکے، دونوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدون شدہ احادیث کی کتب پر پیش کیا جائے، پس جو بات، ان (احادیثِ نبوی) کے موافق ہو، اس کو باقی رکھا جائے، اور جس کی احادیثِ نبوی میں اصل نہ ہو، اس کو ساقط کردیا جائے۔

اور جتنی بات تنقید وتنقیح کے بعد احادیث سے ثابت ہو، اور وہ ایک دوسرے کے موافق ہو، تو اس کو مضبوط داڑھوں سے پکڑا جائے۔

اور اگر تنقید اور تحقیق کے بعد ایک مذہب کی کوئی بات دوسرے مذہب کے مخالف

ہو (اور کسی ایک بات کی صحیح حدیث سے تعیین بھی نہ ہو) تو اس کو متعلقہ مسئلہ میں (ایک مذہب کے) دو اقوال کے درجہ میں رکھا جائے، اور ان دونوں پر عمل کو صحیح قرار دیا جائے (کہ جس قول پر بھی عمل کرلیا جائے، اس عمل کو درست قرار دیا جائے)

یا پھر دونوں کو حروفِ قرآن کے اختلاف کے قبیل سے سمجھا جائے (جو درجہ حروفِ قرآن کے مختلف الفاظ کا ہے، وہی درجہ ان دونوں اقوال کا بھی سمجھا جائے)

یا رخصت وعزیمت کے اختلاف کے قبیل سے سمجھا جائے (کہ ایک قول پر عمل کرنے کو عزیمت، یا احتیاط کا درجہ دیا جائے، اور دوسرے قول پر عمل کرنے کو رخصت، یا وسعت کا درجہ دیا جائے)

یا دونوں کو تنگی سے نکلنے کے دو طریقے قرار دے جائیں، جیسا کہ کفارات کا تعدد (کہ ان میں سے جس قول کو لینے سے تنگی کا ازالہ ہوتا ہے، اس قول کو لے کر تنگی کا ازالہ کیا جائے)

یا پھر دونوں کے لینے کو برابر مباحات کے درجہ میں رکھا جائے (کہ دونوں اقوال میں سے کوئی سا بھی قول اختیار کرلیا جائے، تو اس کو مباح قرار دیا جائے، اور اس کے مباح ہونے کا درجہ دوسرے قول کے برابر رکھا جائے)

اس کے نتیجے میں کوئی بات بھی مذکورہ امر (یعنی جتنی صورتیں ذکر کی گئیں، اُن) سے باہر نہ رہے گی، **إن شاء اللّٰه تعالىٰ** (التفهيمات)

پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے ''**التفهيمات الالٰهية**'' کے اسی مکتوب میں آگے چل کر طالبانِ علم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

واقول لطلبة العلم :ايها السفهاء المسمون انفسكم بالعلماء اشتغلتم بعلوم اليونانين وبالصرف والنحو والمعانى ، وظننتم ان

هذا هو العلم ، انما العلم آية محكمة من كتاب الله ان تتعلموها بتفسير غريبها، وسبب نزولها، وتاويل معضلها.

اوسنة قائمة من رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تحفظوا كيف صلى النبى صلى الله عليه وسلم، وكيف توضأ، وكيف كان يذهب لحاجة ،وكيف يصوم ،وكيف يحج ،وكيف يجاهد، وكيف كان كلامه وحفظه للسانه ،وكيف كان اخلاقه فاتبعوا هديه واعملو بسنته على انه هدى وسنة لا على انه فرض ومكتوب عليكم .

او فريضة عادلة ان تتعلموا ماكان اركان الوضوء ، وما اركان الصلاة ،وما نصاب الزكاة ،وماقدر الواجب ، وما سهام فرائض الميت.

اما السير وما يرغب فى الآخرة من حكايات الصحابة والتابعين فهو فضل.

واما مااشتغلتم به وماالتفتم فيه فليس من علوم الآخرة انما هى من علوم الدنيا .

خضتم كل الخوض فى استحسانات الفقهاء من قبلكم وتفريعاتهم .اما تعرفون ان الحكم ماحكمه الله ورسوله .ورُبَّ انسان منكم يبلغه حديث من احاديث نبيكم فلا يعمل به ، ويقول انما عملى على مذهب فلان لا على الحديث .

ثم اختال بان فهم الحديث والقضاء به من شأن الكمل المهرة وان ائمة لم يكونوا ممن يخفى عليهم هذا الحديث فما تركوه الا

www.idaraghufran.org

لوجه ظهر لهم فی الدين من نسخ او مرجوحية.

اعلموا انه ليس هذا من الدين فی شيیء ان آمنتم بنبيكم فاتبعوه خالف مذهبا او وافقه .

كان مرضی الحق ان تشتغلوا بكتاب الله وسنة رسوله ابتداء فان سهل عليكم الاخذ بهما ، فبها ونعمت، وان قصرت افهامكم فاستعينوا برأی من مضی من العلماء ماتروه احق واصرح واوفق بالسنة .

وان لا تشتغلوا بالعلوم الآلية الا بانها آلة لا بانها امور مستقلة .

اما اوجب الله عليكم ان تشيعوا العلم حتی يظهر شعائر الاسلام فی بلاد المسلمين فلم تظهروا الشعائر وامرتم الناس ان يشتغلوا بالزوائد واستكثرتم فی اعينهم طلب الحق والدين اما ترون البلاد العظام تخلوا عن العلماء وان كانوا فهم دون ظهور الشعائر (التفهيمات الالٰهية، ج ۱ ص ۲۱۴، ۲۱۵، عددالتفهيم ۶۹، مطبوعة: مدينة برقی پريس، بجنور، يوپی، تاريخ طبع: 1936ء ۱۳۵۵ھ)

ترجمہ: اور میں طالبانِ علم سے کہتا ہوں کہ اے بے وقوفو! تم نے اپنا نام ''علماء'' رکھ لیا ہے، تم یونانیوں اور صرف اور نحو اور علمِ معانی کے علوم میں مشغول ہو گئے، اور تم نے یہ گمان کر لیا کہ یہی ''علم'' ہے، حالانکہ اصل ''علم'' تو کتابُ اللہ کی آیاتِ محکمہ ہیں کہ تم ان آیاتِ محکمہ کا علم حاصل کرو، ان کی نایاب تفسیر کے ساتھ، اور ان کے سببِ نزول کے ساتھ، اور ان کی معضل تاویلات کے ساتھ۔

یا اصل علم رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ سنت ہے کہ تم اس کو محفوظ کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے نماز پڑھی، اور کیسے وضو کیا، اور کیسے قضائے

www.idaraghufran.org

حاجت فرمایا، اور کیسے روزہ رکھا، اور کیسے حج کیا، اور کیسے جہاد کیا، اور آپ کا کلام کس طرح کا تھا، اور آپ نے اپنی زبانِ مبارک کی کس طرح حفاظت فرمائی، اور آپ کے اخلاق کس طرح کے تھے؟ اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرو، کیونکہ وہی ہدایت اور سنت ہے، اس بناء پر نہیں کہ وہ تم پر فرض وواجب ہے (سنت پر عمل کے لیے فرض، یا واجب درجہ ضروری نہیں)

یا اصل علم، عدل والے فرائض کا ہے کہ تم وضو کے ارکان اور نماز کے ارکان، اور زکاۃ کا نصاب اور اس کی واجب مقدار کا علم حاصل کرو، اور میت کے فرائض کے حصوں کا علم حاصل کرو (تاکہ تم میراث کے صحیح احکام معلوم کر کے ان کے مطابق عمل کر سکو، اور دوسروں کو ان کی تعلیم دے سکو)

باقی سیر وسوانح اور صحابہ وتابعین کی وہ حکایات جو آخرت کا شوق پیدا کریں، تو وہ فضیلت والا عمل ہے (وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور فرائض وواجبات کے درجہ کی چیزیں نہیں)

اور جن چیزوں میں تم نے اپنے آپ کو مشغول کر لیا ہے، اور جن کی طرف تم نے اپنی توجہ کو مبذول کر لیا ہے، ان کا آخرت کے علوم سے تعلق نہیں، بلکہ وہ چیزیں دنیوی علوم سے تعلق رکھتی ہیں۔

تم پوری طرح اپنے سے پہلے فقہاء کے استحسانات اور ان کی تفریعات کے اندر غور وخوض میں مشغول ہو گئے، کیا تمہیں اس بات کی معرفت حاصل نہیں کہ اصل حکم وہ ہے، جو اللہ اور اس کا رسول حکم دے (فقہاء کے ان استحسانات اور تفریعات کا درجہ، اللہ اور اس کے رسول کا اصل حکم نہیں، لہٰذا ان کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بعد رکھنا چاہیے، لیکن تمہارا طرزِ عمل اس سلسلہ میں بے اعتدالی پر مبنی ہے، چنانچہ) تم میں کتنے انسان ایسے ہیں کہ جن کو تمہارے نبی کی احادیث

میں سے کوئی حدیث پہنچتی ہے، لیکن وہ اس پر عمل نہیں کرتے، اور یہ کہتے ہیں کہ میرا عمل تو فلاں مجتہد، یا امام کے مذہب پر ہے، اس حدیث پر نہیں۔

پھر یہ خیال بھی باندھ لیا گیا ہے کہ حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ، تو کاملین اور ماہرین کا کام ہے، اور ائمہ و مجتہدین ایسے نہیں تھے کہ جن سے یہ حدیث مخفی رہ سکے، پس انہوں نے جو اس حدیث کو چھوڑا، تو کسی ایسی وجہ سے ہی چھوڑا، جو ان پر ظاہر ہوئی، مثلاً انہوں نے اس حدیث کو منسوخ، یا مرجوح سمجھا۔

یہ بات جان لینی چاہیے کہ اس خیال کا دین سے کچھ تعلق نہیں، اگر تم اپنے نبی پر ایمان رکھتے ہو، تو اسی کی پیروی کرو، خواہ وہ کسی مذہب کے خلاف ہو، یا موافق ہو۔

حق تعالیٰ کی مرضی تو یہ تھی کہ تم ابتداء ہی سے اپنے آپ کو کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے ساتھ مشغول کرو، پھر اگر تم پر کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ کو لینا سہل ہو، تو کیا ہی اچھی بات ہے، اور اگر تمہارے افہام اس سے قاصر ہوں، تو پھر سابق علماء میں سے کسی ایسے عالم کی رائے سے مدد حاصل کرو، جس کو تم زیادہ حق کے قریب، اور زیادہ صریح اور سنت کے زیادہ موافق پاؤ۔

اور تم اپنے آپ کو علومِ آلیہ کے ساتھ مشغول نہ کرو، مگر اسی حیثیت سے کہ وہ آلہ وذریعہ ہیں، اس حیثیت سے ان کے ساتھ مشغول نہ کرو کہ وہ مستقل امور ہیں۔

کیا اللہ نے تمہارے اوپر یہ واجب نہیں کیا کہ تم علم کی اشاعت کرو، یہاں تک کہ مسلمانوں کے علاقوں میں شعائرِ اسلام ظاہر و غالب ہو جائیں، تم نے شعائرِ اسلام کا تو اظہار نہیں کیا، اور تم نے لوگوں کو زوائد میں مشغول کرنے کا حکم دے دیا، اور تم نے اُن کی نظروں میں حق اور دین کی طلب میں اپنے آپ کو بہت زیادہ شمار کر لیا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ بڑے بڑے علاقے، علمائے حق سے خالی ہو گئے،

اور اگر علماء موجود بھی ہیں، تو وہ شعائرِ اسلام کو ظاہر نہیں کرتے (التفهيمات الالٰهية)

شاہ ولی اللہ صاحب کے مندرجہ بالا کلام سے معلوم ہوا کہ اپنے سے پہلے فقہاء کے استحسانات اور ان کی تفریعات پر اکتفاء کرنا اور ان کے مقابلہ میں پہنچنے والی حدیث پر عمل نہ کرنا اور یہ کہنا کہ ہمارا عمل فلاں مذہب پر ہے، اس حدیث پر نہیں۔

یہ طرزِ عمل اعتدال پر مبنی نہیں۔

اور اپنے امام، یا اس کے متبعین کے مذہب کے خلاف کسی حدیث کے ہونے پر یہ خیال کرنا کہ ہمارے امام، یا اس کے متبعین کاملین اور ماہرین تھے، اور انہوں نے اس حدیث پر جو عمل نہیں کیا، اس کی وجہ ان کے نزدیک اس حدیث کا منسوخ، یا مرجوح وغیرہ ہونا تھا۔

اس خیال کا دین سے تعلق نہیں، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے، تو اسی کی پیروی کرنی چاہیے، خواہ وہ ہمارے فقہی مذہب کے موافق ہو، یا مخالف۔

اور اگر کسی کا فہم براہِ راست کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے اجتہاد کر کے حکم معلوم کرنے سے قاصر ہو، تو اس کو سابق علماء کے اجتہاد سے مدد حاصل کرنی چاہیے، اور جس کا قول زیادہ صحیح، صریح اور سنت کے موافق پائے، اس کو اختیار کرنا چاہیے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا مذکورہ خطاب تو طالبِ علموں سے تھا۔

پھر ''التفهيمات الالٰهية'' کے اسی مکتوب میں مذکورہ بالا عبارت کے متصل بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے واعظوں اور عابدوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

واقول للمتفسقين من الوعاظ والعباد والجانسين فى الخانقاهات ، يا ايها المتنسكون ركبتم كل صعب وذلول واخذتم بكل رطب ويابس ودعوتم الناس الى الموضوعات والاباطيل وعسرتم على الخلق ، وانما بعثتم ميسرين لامعسرين ، وتمسكتم بكلام المغلوبين من العشاق ، وكلام العشاق يطوى ولايروى واستطبتم

الوسواس وسميتموه الاحتياط ، وكان مرضى الحق فيكم ان تفهموا الاحسان بجزئيه الاعتقادى والعملى ،فتحصلوه من غير ان تخلطوا به احوال المغلوبين واشارات المكاشفين فادعوا الناس اليه وحصلوه ، اما تعلمون ان الرحمة كل الرحمة والهدى كل الهدى ماجاء كم به محمد صلى الله عليه وسلم اكان يفعل فعلكم هذا ام كان اصحابه يفعلون هذه الافعال (التفهيمات الالٰهية، ج ا ص ۲۱۵ ،عددالتفهيم ۶۹، مطبوعة:مدينة برقى پريس، بجنور، يوپى، تاريخ طبع:1936ء ۱۳۵۵ھ)

ترجمہ: اور میں فاسق واعظوں، اور عبادت گذاروں، اور خانقاہوں کے جانشینوں کو کہتا ہوں کہ اے جھوٹے بزرگو، تم نے ہر مشکل اور ذلیل راستہ کو اختیار کیا، اور تم لوگوں کو جعلی اور گھڑی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو، اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے، حالانکہ تم اس لیے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہنچاؤ گے، نہ کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کرو گے، تم ایسے لوگوں کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہو، جو بے چارے مغلوبُ الحال تھے، اور عشق ومحبتِ الٰہی میں عقل وحواس بھی کھو بیٹھے تھے، حالانکہ اہلِ عشق کی باتیں وہیں کی وہیں لپیٹ کر رکھ دی جاتی ہیں، نہ ان کا چرچا کیا جاتا ہے، تم نے وسواس کو اپنے لیے گوارا کرلیا ہے، اور اس کا نام احتیاط رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ تمہیں صرف یہ چاہیے تھا کہ اعتقاداً اور عملاً احسان کے مقام کے لیے جن امور کی ضرورت ہے، ان کو سمجھ لیتے، اور مغلوب لوگوں کے احوال اور مکاشفین کے اشاروں کو ان کے ساتھ مخلوط کیے بغیر، اس کو سیکھ لیتے، پس تم لوگوں کو اس طرزِ عمل کی دعوت دو، اور اس کو حاصل کرو، کیا تم نہیں جانتے کہ پوری کی پوری رحمت، اور پوری کی پوری ہدایت اس چیز میں ہے، جو محمد

صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس لے کر آئے ہیں، کیا ان کا طرزِ عمل تمہاری طرح تھا، یا ان کے اصحاب ایسا کرتے تھے (التفہیمات)

مذکورہ مکتوب میں شاہ ولی اللہ صاحب نے من گھڑت حدیثوں اور مغلوب الحال بزرگوں کے واقعات واحوال اور اقوال سے اور اسی طرح کشف کے ذریعہ سے دین میں سختی پیدا کرنے، اور ایسے لوگوں کی تقلید واتباع کی تردید فرمائی ہے۔

''القولُ الجميل'' کا حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''القولُ الجميل'' میں ''واعظ'' کی صفات بیان کرتے ہوئے احادیث وسنتِ معتبرہ پر بہت زور دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

ونعنى بالمحدث المشتغل بكتب الحديث بأن يكون قرأ لفظها وفهم معناها ، وعرف صحتها وسقمها، ولو باخبار حافظ واستنباط فقيه، وكذلك بالمفسر المشتغل بشرح غريب كتاب الله وتوجيه مشكله، وبما روى عن السلف فى تفسيره، ويستحب مع ذلك أن يكون فصيحا ، لايتكلم مع الناس ، الا قدر فهمهم ، وان يكون لطيفا ذا وجه ومرؤة، واما كيفية التذكير الا يذكر الاغبا، ولا يتكلم وفيهم ملال، بل اذا عرف فيهم الرغبة ويقطع عنهم، وفيهم رغبة، وأن يجلس فى مكان طاهر كالمسجد ،وان يبدأ الكلام بحمد الله، والصلاة على رسوله صلى الله عليه وسلم ويختم بهما، ويدعوا للمؤمنين عموماً وللحاضرين خصوصا، ولا يحض فى الترغيب والترهيب فقط، بل يشوب كلامه من هذا .

ومن ذلك كما هوسنة الله من ارداف الوعدة بالوعيد والبشارة

بـالانـذار، وأن يـكـون ميسـرا لا مـعسـرا ، ويعمم بالخطاب ، ولا يـخـص طـائـفة دون طائفة ، وأن لا يشافه بذم قوم أو الإنكار على شـخـص ، بل يعرض مثل أن يقول ما بال اقوام يفعلون كذا وكذا، ولا يتـكلم بسقط وهزل (القول الجميل - مخطوطة ، ص۴۵ و ۴۶، الفصل العاشر فی آداب التذکير والوعظ ما وعد به المصنف رحمه الله تعالىٰ)

ترجمہ: اور محدث سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ کتبِ حدیث میں مشغول ہو، بایں طور کہ اس نے حدیث کے الفاظ کو پڑھا ہو، اور اس کے معنیٰ کو سمجھا ہو، اور اس کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کو پہچانا ہو، اگرچہ کسی حافظُ الحدیث کے خبر دینے اور فقیہ کے استنباط کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو، اور اسی طرح سے مفسر سے مراد وہ ہے، جو کتابُ اللہ کی غریب شرح اور اس کے مشکل کی توجیہ، اور سلف سے جو تفسیر مروی ہے، اس میں مشغول ہو، اور اس کے ساتھ یہ چیز بھی مستحب ہے کہ وہ فصیح ہو، لوگوں کے ساتھ ان کی فہم کے بقدر کلام کرے، اور وہ نرمی رکھنے والا ہو، اور وجاہت اور مروت کی صفت کا حامل ہو، اور وعظ ونصیحت کی کیفیت یہ ہے کہ وہ کبھی کبھی نصیحت کرے، اور لوگوں میں اکتاہٹ ہونے کی صورت میں کلام نہ کرے، بلکہ جب اُن میں رغبت کو پہچانے، اسی وقت کلام کرے، اور جب رغبت موجود ہو، اس وقت قطع کردے، اور پاک جگہ میں بیٹھے، جیسا کہ مسجد میں، اور اللہ کی حمد اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سے کلام کا اغاز کرے، اور ان ہی پر اختتام کرے، اور مومنین کے لیے عام طور سے، اور حاضرین کے لیے خاص طور سے دعاء کرے، اور محض ترغیب وترہیب پر اکتفاء نہ کرے، بلکہ اپنے کلام میں ان چیزوں کو شامل کرے۔

جیسا کہ اللہ کی سنت ہے کہ ''وعدہ'' کو ''وعید'' کے ساتھ، اور ''بشارت'' کو ''انذار''

کے ساتھ ذکر فرماتا ہے، اور وہ آسانی پیدا کرنے والا ہو، تنگی پیدا کرنے والا نہ ہو، اور خطابِ عام کرے، ایک جماعت کی دوسری جماعت کے مقابلہ میں تخصیص کے ساتھ خطاب نہ کرے، اور کسی قوم کی مذمت کی تخصیص نہ کرے، نہ ہی کسی خاص شخص پر نکیر کرے، بلکہ تعریض سے کام لے، مثلاً یہ کہے کہ بعض لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اس طرح اور اس طرح کرتے ہیں، اور گری پڑی بات اور خلافِ واقعہ باتوں کا کلام نہ کرے (القولُ الجمیل)

شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی ضمن میں یہ بھی فرمایا:

واما استمداده فليكن من كتاب الله على تاويله الظاهر، وسنة رسول الله المعروفة عند المحدثين واقاويل الصحابة والتابعين وغيرهم من صالح المؤمنين، وبيان سيرة النبى صلى الله عليه وسلم.

فائدة: فالمراد بتاويله الظاهر ما فهم من لفظ القرآن عند الاطلاق ، ولا يذكر فى تفسيره فى الوعظ اعتبارات الصوفيين ، واشارات الفاضلين واللطائف الشاعرين ، لان السامعين من الجهال يحملون كل ما ذكر الواعظ فى وعظه ، فهو تفسير لفظ القرآن، ولا يفرق بين التفسير والاشارات، فيضلون به ، والمراد بالمعروفة غير الموضوعات والمنكرات، انتهٰى.

ولا يذكر القصص المجازفة ، فان الصحابة انكروا على ذلك اشد الانكار ، واخرجوا اولئك من المساجد وضربوهم واكثر ما يكون هذا فى الاسرائيليات التى لا يعرف صحتها (القول الجميل - مخطوطة ، ص ۴۶، ۴۷، الفصل العاشر فى آداب التذكير والوعظ ما وعد به المصنف رحمه الله تعالٰى)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اور جہاں تک واعظ کے مدد حاصل کرنے کا تعلق ہے، تو اس کو چاہیے کہ کتابُ اللہ سے اس کی ظاہری تاویل پر مدد حاصل کرے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت سے مدد حاصل کرے، جو محدثین کے نزدیک معروف ہے، اور صحابہ اور تابعین اور دیگر صالح مومنین کے اقوال سے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بیان سے مدد حاصل کرے۔

فائدہ: ظاہری تاویل سے مراد یہ ہے کہ اطلاق کے وقت، قرآن کے لفظ سے جو بات سمجھی جاتی ہے۔

اور وعظ کرتے وقت، قرآن کی تفسیر میں صوفیوں کے اعتبارات اور فاضلین کے اشارات، اور شاعرین کے لطائف کا ذکر نہ کرے، کیونکہ سامعین، جاہل ہوتے ہیں، جو چیز بھی واعظ اپنے وعظ میں ذکر کرتا ہے، وہ اس کو قرآن کے لفظ کی تفسیر پر محمول کر لیتے ہیں، اور وہ تفسیر اور اشارات میں فرق نہیں کرتے، جس کی وجہ سے وہ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور معروف حدیث سے مراد وہ احادیث ہیں، جو موضوع اور منکر نہ ہوں۔

اور واعظ کو چاہیے کہ وہ اندازوں پر مبنی قصوں کا ذکر نہ کرے، کیونکہ صحابہ نے ایسے لوگوں پر شدید نکیر فرمائی ہے، اور ان کو مار کر مساجد سے باہر نکال دیا ہے، اور زیادہ تر اس قسم کے قصے، اُن اسرائیلی روایات میں ہوتے ہیں، جن کی صحت کو نہیں پہچانا جا سکتا (القول الجمیل)

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس سلسلہ میں مزید فرمایا:

واما الآفات التى تعزى الوعاظ فى زماننا .

فمنها عدم تمييزهم بين الموضوعات وغيرها ،بل غالب كلامهم الموضوعات والمحرمات وذكرهم الصلاة الصلوَات والدعوات

التی عدها المحدثون من الموضوعات .

ومنها مبالغتهم فی شیئ من الترغیب والترهیب ومنهم قصصهم قصة کربلا والوفات وغیر ذلک أی غایة التطویل فیها من غیر اثبات وخطبهم فیها (القول الجمیل - مخطوطة ، ص ۴۶، الفصل العاشر فی آداب التذکیر والوعظ ما وعد به المصنف رحمه الله تعالیٰ)

ترجمہ: اور جن آفات کی ہمارے زمانہ میں واعظ لوگ اتباع کرتے ہیں:

ان میں سے ایک آفت یہ ہے کہ وہ موضوع اور غیر موضوع احادیث میں تمیز نہیں کرتے، بلکہ اُن کے کلام میں غالب حصہ، موضوعات اور محرمات کا ہوتا ہے، اور وہ نماز اور درود اور دعاؤں میں ایسی احادیث کا ذکر کرتے ہیں، جن کو محدثین نے موضوع و من گھڑت شمار کیا ہے۔

اور ان واعظین کی آفات میں سے ایک آفت یہ ہے کہ یہ ترغیب وترہیب کی چیزوں میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں، اور بعض کربلا، اور وفات وغیرہ کے قصوں کا ذکر کرتے ہیں، اور اِن میں بہت تطویل سے کام لیتے ہیں، جن کا کوئی ثبوت نہیں، اور اپنے خطبوں اور وعظوں میں ان چیزوں کا ذکر کرتے ہیں (القول الجمیل)

''الانصاف'' کا حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تالیف'' الانصاف''میں فرمایا کہ:

التقلید فی المذاهب الأربعة:

مما یناسب هذا المقام التنبیه علی مسائل ضلت فی بوادیها الأفهام وزلت الأقدام وطغت الأقلام.

منها: أن هذه المذاهب الأربعة المدونة قد اجتمعت الأمة أو من يعتد به منها على جواز تقليدها إلى يومنا هذا وفى ذلك من المصالح ما لا يخفى لا سيما فى هذه الأيام التى قصرت فيها الهمم وأشربت النفوس الهوى وأعجب كل ذى رأى برأيه. ...... [1]

إنما يتم فيمن له ضرب من الاجتهاد ولو فى مسألة واحدة ،وفيمن ظهر عليه ظهورا بينا أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بكذا، ونهى عن كذا ،وأنه ليس بمنسوخ، إما بأن يتتبع الأحاديث وأقوال المخالف والموافق فى المسألة ،فلا يجد له نسخا ،أو بأن يرى جمعا غفيرا من المتبحرين فى العلم يذهبون إليه ،ويرى

---

[1] ''الانصاف'' میں یہاں درمیان میں مندرجہ ذیل عبارت ہے، جو ہم نے متن میں شامل نہیں کی۔

فما ذهب اليه ابن حزم حيث قال التقليد حرام ولا يحل لأحد أن يأخذ قول أحد غير قول رسول الله صلى الله عليه وسلم بلا برهان لقوله تعالى "اتبعوا ما أنزل إليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه أولياء" وقوله تعالى"وإذا قيل لهم اتبعوا ما أنزل الله قالوا بل نتبع ما ألفينا عليه آبائنا"

وقال مادحا من لم يقلد "فبشر عباد الذين يستمعون القول فيتبعون أحسنه أولئك الذين هداهم الله وأولئك هم أولوا الألباب"وقال الله تعالى "فإن تنازعتم فى شىء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر"فلم يبح الله تعالى الرد عند التنازع إلى أحد دون القرآن والسنة وحرم بذلك الرد عند التنازع إلى قول قائل لأنه غير القرآن والسنة وقد صح إجماع الصحابة كلهم أولهم عن آخرهم واجماع التابعين أولهم عن آخرهم وإجماع تابعى التابعين إلى آخرهم على الامتناع والمنع من أن يقصد منهم أحد إلى قول إنسان منهم أو ممن قبلهم فيأخذه كله.

فليعلم من أخذ جميع أقوال أبى حنيفة أو جميع أقوال مالك أو جميع أقوال الشافعى أو جميع أقوال أحمد رضى الله عنهم ولم يترك قول من اتبع منهم أو من غيرهم إلى قول غيره ولم يعتمد على ما جاء فى القرآن والسنة غير صارف ذلك إلى قول انسان بعينه أنه قد خالف إجماع الأمة كلها من أولها إلى آخرها بيقين لا إشكال فيه ولا يجد لنفسه سلفا ولا إنسانا فى جميع الأعصار المحمودة الثلاثة فقد اتبع غير سبيل المؤمنين فنعوذ بالله من هذه المنزلة وأيضا فان هؤلاء الفقهاء كلهم قد نهوا عن تقليد غيرهم وقد خالفهم من قلدهم.

وأيضا فما الذى جعل رجلا من هؤلاء أو من غيرهم أولى أن يقلد من عمر بن الخطاب أو على بن أبى طالب أو ابن مسعود أو ابن عمر أو ابن عباس أو عائشة أم المؤمنين رضى الله تعالى عنهم فلو ساغ التقليد لكان كل واحد من هؤلاء أحق بأن يتبع من غيره انتهى.

www.idaraghufran.org

المخالف له لا يحتج الا بقياس أو استنباط أو نحو ذلک ،فحينئذ لا سبب لمخالفة حديث النبى صلى الله عليه وسلم إلا نفاق خفى، أو حمق جلى .

وهذا الذى أشار اليه الشيخ عز الدين بن عبد السلام حيث قال: ومن العجب العجاب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا ،وهو مع ذلک يقلده فيه ،ويترک من شهد الكتاب والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد إمامه، بل يتخيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة، ويتأولهما بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده.

وقال :لم يزل الناس يسألون من اتفق من العلماء من غير تقليد لمذهب ولا إنكار على أحد من السائلين إلى أن ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدين ،فان أحدهم يتبع إمامه مع بعد مذهبه عن الأدلة مقلدا له فيما قال كأنه نبى أرسل ،وهذا نأى عن الحق، وبعد عن الصواب لا يرضى به أحد من أولى الألباب.

وقال الامام أبو شامة : ينبغى لمن اشتغل بالفقه أن لا يقتصر على مذهب امام ،ويعتقد فى كل مسألة صحة ما كان أقرب إلى الكتاب والسنة المحكمة ،وذلک سهل عليه اذا كان اتقن العلوم المتقدمة، وليجتنب التعصب والنظر فى طرائق الخلاف المتأخرة ،فانها مضيعة للزمان ولصفوه مكدرة فقد صح عن الشافعى أنه نهى عن تقليده وتقليد غيره.

قال صاحبه المزنى فى أول مختصره :اختصرت هذا من علم

الشافعي ومن معنى قوله :لأقرب به على من أراد مع إعلامية نهيه عن تقليده وتقليد غيره ،لينظر فيه لدينه، ويحتاط لنفسه :أى مع إعلامي من أراد علم الشافعي نهى الشافعي عن تقليده وتقليد غيره.

وفيمن يكون عاميا، ويقلد رجلا من الفقهاء بعينه يرى أن يمتنع من مثله الخطأ، وأن ما قاله هو الصواب البتة ،وأضمر فى قلبه ألا يترك تقليده وان ظهر الدليل على خلافه وذلك ما رواه الترمذى عن عدى بن حاتم أنه قال: سمعته يعنى رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ"اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله"قال :"انهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا اذا أحلوا شيئا استحلوه ،واذا حرموا عليهم شيئا حرموه"

وفيمن لا يجوز أن يستفتى الحنفى مثلا فقيها شافعيا وبالعكس ،ولا يجوز أن يقتدى الحنفى بامام شافعي مثلا، فان هذا قد خالف إجماع القرون الأولى ،وناقض الصحابة والتابعين.

وليس محله فيمن لا يدين الا بقول النبى صلى الله عليه وسلم، ولا يعتقد حلالا الا ما أحله الله ورسوله ،ولا حراما الا ما حرمه الله ورسوله ،لكن لما لم يكن له علم بما قاله النبى صلى الله عليه وسلم ولا بطريق الجمع بين المختلفات من كلامه ،ولا بطريق الاستنباط من كلامه اتبع عالما راشدا على أنه مصيب فيما يقول ،ويفتى ظاهرا متبع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فان خالف ما يظنه أقلع من ساعته من غير جدال ولا إصرار .

فهذا كيف ينكره أحد مع أن الاستفتاء والافتاء لم يزل بين

المسلمين من عهد النبى صلى الله عليه وسلم ،ولا فرق بين أن يستفتى هذا دائما، أو أن يستفتى هذا حينا وذلک حينا بعد أن يكون مجمعا على ما ذكرناه ،كيف لا ولم نؤمن بفقيه أيا كان أنه أوحى الله إليه الفقه ،وفرض علينا طاعته ،وأنه معصوم.

فان اقتدينا بواحد منهم فذلک لعلمنا بأنه عالم بكتاب الله وسنة رسوله ،فلا يخلوا قوله إما أن يكون من صريح الكتاب والسنة ،أو مستنبطا عنهما بنحو من الاستنباط ،أو عرف بالقرائن أن الحكم فى صورة ما منوط بعلة كذا، واطمأن قلبه بتلک المعرفة، فقاس غير المنصوص على المنصوص ،فكأنه يقول :ظننت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كلما وجدت هذه العلة فالحكم ثمة هكذا ،والمقيس مندرج فى هذا العموم ،فهذا أيضا معزى إلى النبى صلى الله عليه وسلم ولكن فى طريقه ظنون.

ولولا ذلک ما قلد مؤمن بمجتهد ،فان بلغنا حديث عن الرسول المعصوم الذى فرض اللّٰه علينا طاعته بسند صالح يدل على خلاف مذهبه ،وتركنا حديثه ،واتبعنا ذلک التخمين فمن أظلم منا، وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين (الانصاف للدهلوى،ص٩٧الٰى١٠٢ ،باب حكاية ما حدث فى الناس بعد المائة الرابعة،ثم بعد هذه القرون كان ناس آخرون ذهبوا يمينا وشمالا وحدث فيهم أمور ، الناشر: دار النفائس، بيروت، الطبعة الثالثة :١٤٠٦هـ، ١٩٨٦م)

ترجمہ: مذاہبِ اربعہ میں تقلید:

اوراس مقام پر چند مسائل کے اوپر تنبیہ مناسب ہے، جن کو سمجھنے میں افہام بھٹک

گئیں، اور قدم ڈگمگا گئے، اور قلم باغی ہوگئے۔

ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ یہ چاروں مذاہب جو مدوَّن ہو چکے ہیں، امت کا اجماع ہو چکا ہے، یا جن کا اجماع معتبر ہوتا ہے، ان کا اجماع ہو چکا ہے، اس بات پر کہ ان مذاہبِ اربعہ کی تقلید، آج کے زمانے تک جائز ہے، اور اس میں وہ مصلحتیں ہیں، جو مخفی نہیں، خاص طور سے موجودہ زمانہ میں، جس میں ہمتیں کمزور ہوگئیں، اور نفوس میں ہواء پرستی داخل ہوگئی، اور ہر ایک ذی رائے، اپنی رائے کو دوسرے سے بہتر سمجھنے لگا۔...... [1]

---

[1] اس عبارت سے معلوم ہوا کہ چاروں مذاہب کی تقلید کرنے کے جواز پر اجماع ہے، لہٰذا جو شخص چاروں مذاہب کی تقلید کو جائز کہے، اور کسی منکر کا ارتکاب نہ کرے، تو اس کو ناجائز وحرام قرار دینے والا خود گناہ کا مرتکب ہوگا۔

لیکن اس عبارت سے ''تقلیدِ شخصی و مذہبِ معین'' کی پابندی کے واجب ہونے پر استدلال درست نہیں، کیونکہ ایک تو یہاں ''جواز'' سے بحث ہے ''وجوب'' سے بحث نہیں، دوسرے یہاں عمومی اعتبار سے مذاہبِ اربعہ سے بحث ہے۔

جہاں تک ''تقلیدِ شخصی و مذہبِ معین'' کا مسئلہ ہے، اس کو حضرت شاہ صاحب نے الگ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ متعدد مرتبہ بیان کر دیا ہے۔

کسی مصنف کی عبارت سے ایسا مطلب مراد لینا، جو اس کی تصریح کے خلاف ہو، درست نہیں ہوا کرتا۔

البتہ کوئی خود سے کسی حکم کو ترجیح دے، تو وہ الگ بات ہے، اور اس کا اپنا فعل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مذکورہ عبارت کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے علامہ ابنِ حزم کے ''تقلید کے حرام ہونے، اور کسی کے لئے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کے قول کو لینے کے حرام ہونے کا ذکر کیا ہے، جس سے مذہبِ معین کی اس طرح پابندی واجب ہونے کی پُر زور تردید ہوتی ہے۔

چنانچہ آگے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے علامہ ابنِ حزم کے اس قول کا کون شخص صحیح مصداق بنتا ہے، اور کون نہیں بنتا؟ اس کی عمدہ توضیح وتفصیل بیان فرمائی ہے، اور یہ تقریباً وہی تفصیل ہے، جو ان کی تالیف ''**حجۃ اللہ البالغۃ**'' میں ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ علامہ ابنِ حزم کا تقلید کو حرام قرار دینا، بعض صورتوں میں تو درست ہے، اور بعض صورتوں میں درست نہیں، علی الاطلاق حرام قرار دینا درست نہیں۔

اس ضمن میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے جزوی مجتہد ''خواہ ایک ہی مسئلہ میں ہو'' کے اجتہاد کو ممنوع قرار نہیں دیا، اور جو شخص مثلاً حنفی کو کسی شافعی فقیہ سے فتویٰ طلب کرنے کو ناجائز کہے (جیسا کہ متعین امام کی تقلید واجب قرار دینے کا لازمی نتیجہ ہے) یا شافعی کو کسی حنفی فقیہ سے فتویٰ طلب کرنے کو ناجائز ٹھہرائے، اور مثلاً حنفی کے لیے شافعی امام کی اقتدا کو ناجائز ٹھہرائے، اس کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ یہ قرونِ اولیٰ اور صحابہ وتابعین کے اجماع واتفاق کے خلاف ہے۔ محمد رضوان۔

(اور علامہ ابنِ حزم نے جو تقلید کو حرام قرار دیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ کسی کے لیے بھی، کسی کا قول بغیر دلیل کے لینا جائز نہیں، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے)

(ابنِ حزم کی تقلید کو حرام قرار دینے کی) یہ بات ایک تو اس شخص کے حق میں درست بیٹھتی ہے، جس کو اجتہاد کا کچھ حصہ حاصل ہو، اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو (پھر بھی وہ اپنے اجتہاد کے برخلاف تقلید کرے) [1]

اور ابنِ حزم کی (تقلید کو حرام قرار دینے کی) یہ بات دوسرے اس شخص کے حق میں بھی درست بیٹھتی ہے، جس کو صاف واضح ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں چیز کا حکم فرمایا ہے، اور فلاں چیز سے منع فرمایا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم منسوخ نہیں ہے، خواہ اس کو یہ علم اس مسئلہ میں احادیث کے تتبع اور مخالف اور موافق (مجتہدین وفقہاء) کے اقوال کو ملاحظہ کرنے سے حاصل ہوا ہو، جس کے نتیجہ میں وہ اس حکم کو منسوخ نہیں پاتا، یا اس وجہ سے کہ اس نے **تبحر فی العلم** کے حاملین کی ایک بڑی جماعت کو اس قول کو اختیار کرتے ہوئے پایا ہے، اور اس کے مخالف (مجتہد) کو صرف قیاس، یا استنباط وغیرہ سے حجت پکڑتے ہوئے پایا ہے، تو اس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت (اور اس کے برخلاف تقلید) کا سبب، یا تو صرف چھپا ہوا نفاق ہو سکتا ہے، یا واضح حماقت ہو سکتی ہے۔ [2]

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ موقف جزوی اجتہاد کے درست و مشروع ہونے پر مبنی ہے۔
پس ممکن ہے کہ ایک شخص ایک جہت سے مقلد ہو، اور دوسری جہت سے مقلد نہ ہو، لیکن جو حضرات اس حقیقت سے واقف نہیں، وہ آج کے دور میں جزوی مجتہد کے لیے بھی وہ تمام شرائط واوصاف ضروری قرار دیتے ہیں، جو مطلق اور کلی مجتہد کے لیے ضروری قرار دیے گئے ہیں۔ محمد رضوان۔

[2] مگر ہم نے دیکھا کہ موجودہ دور میں بعض مخصوص منصوص مسائل تک کو قیاس واستنباط کی بناء پر قبول نہیں کیا جاتا، اور جدوجہد کر کے، نصوص میں تاویلات در تاویلات کا سہارا ڈھونڈا جاتا ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

اور یہ وہ بات ہے کہ جس کی طرف شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہائے مقلدین میں سے بعض کو اپنے امام کے ماخذ کا ضعف معلوم ہوجاتا ہے، اس طور پر کہ اس کے ضعف کو دور کرنے والی کوئی مؤثر چیز موجود نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود وہ اس مسئلہ میں اپنے امام کی تقلید کرتا ہے، اور جن کے مذہب پر کتاب اور سنت اور صحیح قیاسات کی شہادت ہوتی ہے، ان کے مذہب کو اپنے امام کی تقلید پر جمود اختیار کرتے ہوئے ترک کردیتا ہے، بلکہ کتاب وسنت کے ظاہر کو دفع کرنے کے لیے وہ مختلف تخیلات سے کام لیتا ہے، اور تاویلاتِ باطلہ اور بعیدہ کو اختیار کرتا ہے، اپنے مقتداء (ومتبوع) کی حمایت کرنے کی غرض سے۔

اور انہوں نے فرمایا کہ ہمیشہ لوگ علماء میں سے جو میسر آئے، کسی مذہب کی قید کے بغیر سوال کرتے رہے، اور سوال کرنے والوں میں سے کسی پر انکار نہیں کیا گیا۔ [1]

تا آنکہ یہ مذاہب مشہور ہوگئے، اور ان کے متعصب مقلد نمودار ہوگئے، پس ان میں سے کوئی اپنے امام کی اتباع اس وقت بھی کرتا ہے، جبکہ دلائل کے لحاظ سے اس کا مذہب کمزور ہوتا ہے، اس کے قول کی تقلید کرتے ہوئے، گویا کہ وہ کوئی نبی ہے، جو بھیجا گیا ہے، لیکن یہ شخص حق سے ہٹا ہوا ہے، اور ثواب سے دور ہے، عقل والوں میں سے کوئی بھی اس سے راضی نہیں ہوسکتا۔

اور امام ابوشامہ نے فرمایا کہ جو شخص فقہ میں مصروف ہو، اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ کسی ایک امام کے مذہب پر اکتفاء نہ کرے، اور ہر مسئلہ میں اس بات کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھے، جو بات کتاب اور سنتِ محکمہ کے زیادہ قریب ہو، اور یہ عمل

[1] یعنی مذہبِ معین کے بغیر تعامل جاری رہا، جس پر نکیر نہیں کی گئی۔ محمد رضوان۔

اس شخص پر سہل ہوگا، جب وہ شروع کے علوم میں پختگی حاصل کرلے گا، اور تعصب اور متاخرین کے اختلاف کے طور طریقوں سے اجتناب کرے گا، کیونکہ یہ چیزیں (یعنی تعصب وغیرہ) وقت کو ضائع کرنے والی ہیں، اور صاف طبیعتوں میں تکدّر پیدا کرنے والی ہیں (اورحق وانصاف کی نعمت سے محرومی کا سبب ہیں)

اور امام شافعی رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ یہ مروی ہے کہ انہوں نے اپنی تقلید سے اور دوسرے کی تقلید سے منع فرمایا۔

امام شافعی کے صاحب، مزنی نے اپنی مختصر کے شروع میں فرمایا کہ میں نے امام شافعی کے علم اور ان کے قول کے معنیٰ اختصار کے ساتھ بیان کیے، تاکہ جو شخص ان کا علم حاصل کرنے کا قصد کرے، اس کا ذہن ان کے قریب ہوجائے، باوجودیکہ امام شافعی نے لوگوں کو اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کردیا ہے، تاکہ آدمی اپنے دین اور نفس کی احتیاط کے لیے ان کے قول میں غور کرے، یعنی میں اس شخص کو جو شافعی کے علم کو حاصل کرنے کا قصد کرے، یہ بتاتا ہوں کہ امام شافعی نے اپنی تقلید اور دوسروں کی تقلید سے منع کردیا ہے، مزنی کی بات ختم ہوئی۔

اور (ابنِ حزم کی کسی کی تقلید حرام ہونے کی) یہ بات تیسرے اس شخص کے بارے میں بھی درست بیٹھتی ہے، جو عامی شخص ہو، اور وہ فقہاء میں سے کسی معین فقیہ کی یہ سمجھ کر تقلید کرے کہ اس شخص سے خطاء نہیں ہوسکتی، اور جو بھی وہ بات کہے گا، وہ لازماً درست ہوگی، اور وہ اپنے دل میں یہ بات بٹھالے کہ وہ اس کی تقلید کو ترک نہیں کرے گا، اگرچہ اس کے خلاف دلیل ظاہر ہوجائے، اس طرح کی تقلید کے خلاف وہ حدیث ہے، جس کو امام ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کہ ''اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله'' (یعنی انہوں نے

اپنے احبار اور رہبان کو اللہ کے مقابلہ میں ''ارباب'' بنالیا تھا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ احبار اور رہبان کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے، لیکن جب وہ ان کے لیے کسی چیز کو حلال قرار دے دیتے تھے، تو وہ اس کو حلال سمجھ لیا کرتے تھے، اور جب وہ کسی چیز کو ان پر حرام قرار دے دیتے تھے، تو وہ اس کو حرام سمجھ لیا کرتے تھے۔

اور (ابنِ حزم کی تقلید کے حرام ہونے والی بات) چوتھے اس شخص کے بارے میں بھی درست بیٹھتی ہے، جو شخص مثلاً حنفی کو کسی شافعی فقیہ سے، یا شافعی کو کسی حنفی فقیہ سے فتویٰ طلب کرنے کو ناجائز ٹھہرائے، اور مثلاً حنفی کے لیے شافعی امام کی اقتداء کو ناجائز ٹھہرائے، اس لیے کہ ایسا خیال قرونِ اولیٰ اور صحابہ وتابعین کے اجماع و اتفاق کے خلاف ہے۔ [1]

اور ابنِ حزم کی طرف سے تقلید کے حرام ہونے کا مصداق وہ شخص نہیں ہے، جو شخص صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مانتا ہو، اور صرف اسے حلال وحرام

---

[1] مذکورہ عبارت میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے مذہبِ معین کی اس طرح پابندی کو ناجائز قرار دیا ہے، جس میں دوسرے مذہب پر عمل پیرا ہونے کو ناجائز قرار دیا جائے، جیسا کہ ''مذہبِ معین کے التزام اور وجوب'' یا ''تقلیدِ شخصی کے وجوب'' میں ہوتا ہے۔

ہمیں ''مذہبِ معین کے وجوب اور تقلیدِ شخصی کے وجوب'' کے اجتہادی مسئلہ ہونے سے انکار نہیں، لیکن ایک تو ہمارے نزدیک یہ موقف راجح نہیں، دوسرے اس موقف کو کسی مجمل عبارت سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا موقف قرار دینا درست نہیں۔

بھلا جس موقف کی حضرت شاہ صاحب تردید فرما رہے ہوں، وہ موقف شاہ صاحب کا کیسے ہوسکتا ہے؟

اگر کوئی ''مذہبِ معین کے التزام اور تقلیدِ شخصی کے وجوب'' کو ترجیح دیتا ہے، تو اس موقف کے دلائل کو پیش کرنا چاہیے، لیکن ایک تو اس موقف کی نسبت کسی ایسی شخصیت کی طرف کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے، جس موقف کی وہ شخصیت قائل نہیں، دوسرے جس کے نزدیک یہ موقف راجح نہ ہو، اس کے دلائل وحوالہ جات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے، اور یکطرفہ حکم لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے، اجتہادی اور فروعی مسائل میں شدت اسی طرزِ عمل سے پیدا ہوتی ہے، جس کے نتیجہ میں یہ اختلاف حق وباطل کا رنگ اختیار کرلیتا ہے۔ محمد رضوان۔

سمجھتا ہو، جسے اللہ اور اس کے رسول نے حلال وحرام کر دیا ہے، لیکن نہ اسے یہ معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا، اور نہ اس کا علم کہ کلامِ نبوی سے استنباط کا کیا طریقہ ہے، اور اس بناء پر وہ کسی عالم راشد کی یہ سمجھ کر پیروی کر لیتا ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے، یا جو فتویٰ وہ دیتا ہے، وہ بظاہر درست ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع بھی ہے، لیکن جب بھی وہ اس کی بات نبی کے خلاف دیکھتا ہے، تو کسی جدال، یا اصرار کے بغیر فوراً اس قول سے علیٰحدگی اختیار کر لیتا ہے (ہر حال میں اس کے قول پر جمود اختیار نہیں کرتا)

تو ایسے شخص کو کیسے مطعون کیا جائے گا؟ اور اس کو سنت وشریعت کا مخالف کیسے قرار دیا جائے گا۔

سب کو معلوم ہے کہ استفتاء اور افتاء کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مسلمانوں میں چلا آ رہا ہے، اور ان دونوں میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ ایک سے فتویٰ لیتا ہے، یا کبھی ایک سے فتویٰ لیتا ہے، اور کبھی دوسرے سے (کہ ان میں کوئی فرق نہیں، اور یہ دونوں طریقے شریعت کے موافق ہیں) بشرطیکہ وہ اس پر متفق ہو، جس کا ہم نے ذکر کیا (یعنی اس کی تقلید پر مذکورہ جمود اختیار نہ کرے)

اور یہ بات کیسے درست نہیں ہو سکتی، جبکہ کسی بھی فقیہ کے بارے میں ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اللہ نے فقہ اس پر وحی کی ہے، اور ہم پر اس کی اطاعت فرض قرار دی ہے، اور یہ کہ وہ معصوم ہے۔

پس اگر ہم ان میں سے کسی کی اقتداء کرتے ہیں، تو صرف یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کا عالم ہے، اس کا قول (وفتویٰ) دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں ہوگا، یا تو وہ صریح کتاب وسنت

کے مطابق ہوگا، یا کسی طرح ان دونوں سے مستنبط ہوگا، یا اس نے قرائن سے اطمینانِ قلب کے ساتھ یہ جان لیا ہوگا کہ اس صورت کا حکم اس علت سے وابستہ ہے (اور وہ علت یہاں پائی جاتی ہے) اور اس بناء پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کرلیا ہوگا، تو اس صورت میں گویا کہ وہ بزبانِ حال یہ کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہاں کہیں یہ علت پائی جائے، وہاں یہ حکم ہوگا، اور یہ قیاسی مسئلہ اس عموم اور کلیہ میں شامل ہے۔

تو یہ صورت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے، لیکن ظنی طریقہ پر (اس کو یقین کا درجہ دینا درست نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قیاس کا حکم ''مظہر'' ہوتا ہے ''مثبت'' نہیں ہوتا)

اور اگر یہ صورتِ حال نہ ہوتی، تو کوئی مومن کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا، چنانچہ اگر ہمارے پاس اس رسولِ معصوم کی کوئی حدیث صالح سند کے ساتھ پہنچے، جس کی اطاعت، اللہ نے ہم پر فرض کی ہے، اور وہ حدیث اس مجتہد، کے مذہب کے خلاف ہو، اور پھر بھی ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں، اور اسی تخمین (وظن) کی پیروی کیے جائیں، تو ہم سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا، اور جس روز لوگ ربُّ العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، ہم کیا عذر پیش کرسکیں گے (الانصاف)

''عقدُ الجید'' کا ایک اور حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید'' میں بھی علامہ ابنِ حزم کے تقلید کو حرام قرار دینے کے موقف کا ذکر کر کے، اس کی تردید وتوضیح میں یہی تفصیل ذکر کی ہے، جو اوپر ''الانصاف'' کی عبارت میں ذکر کی ہے۔

جس میں جزوی اجتہاد کی صورت میں خواہ ایک مسئلہ میں ہی کیوں نہ ہو، اس کے برخلاف

تقلید کرنے کو، اور صحیح حدیث، مضبوط دلیل سامنے آجانے کے بعد اس کے برخلاف تقلید کرنے کو، اور تاویلاتِ بعیدہ کے ممنوع ہونے کو، اور اپنے متبوع امام وفقیہ کو خطاء سے مبراء سمجھنے کو، اور اس کے برخلاف دلیل آنے پر اس کی تقلید کو ترک نہ کرنے کا عزم کرنے کو، اور حنفی کے شافعی فقیہ سے فتویٰ طلب کرنے، اور اس کی اتباع ممنوع سمجھنے کو، اور مخالف امام کی اقتداء میں نماز کو جائز نہ سمجھنے کو ناجائز قرار دیا ہے، اور اس کو قرونِ اولیٰ کے اجماع، اور صحابہ وتابعین کے خلاف قرار دیا ہے۔

اور فرمایا کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہونے میں برابر ہیں کہ ہمیشہ ایک سے استفتاء کرے، یا کبھی ایک سے، اور کبھی دوسرے سے استفتاء طلب کرے، لہٰذا جب جواز میں دونوں صورتیں برابر ہیں، تو مستفتی کو اختیار ہے کہ وہ اپنی حسبِ صوابدید، جس طرح چاہے، عمل کرے، کسی ایک صورت کو واجب قرار دینا جائز نہیں۔ [1]

---

[1] فما ذهب إليه ابن حزم حيث قال :
التقليد حرام ،ولا يحل لأحد أن يأخذ قول أحد غير رسول الله صلى الله عليه وسلم بلا برهان، لقوله تعالى:"اتبعوا ما أنزل إليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه أولياء"وقوله تعالى:"وإذا قيل لهم اتبعوا ما أنزل الله قالوا بل نتبع ما ألفينا عليه آبائنا"وقال تعالى مادحا لمن لم يقلد:"فبشر عباد الذين يستمعون القول فيتبعون أحسنه أولئک الذين هداهم الله وأولئک هم أولوا الألباب"وقال تعالى : "فإن تنازعتم فی شیء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر"فلم يبح الله تعالى الرد عند التنازع إلى احد دون القرآن والسنة ،وحرم بذلک الرد عند التنازع إلى قول قائل لأنه غير القرآن والسنة، وقد صح إجماع الصحابة كلهم أولهم عن آخرهم ،وإجماع التابعين أولهم عن آخرهم ،وإجماع تبع التابعين أولهم عن آخرهم ،على الإمتناع والمنع من أن يقصد أحد إلى قول إنسان منهم ،أو ممن قبلهم فيأخذه كله ،فليعلم من أخذ بجميع أقوال أبی حنيفة، أو جميع أقوال مالک ،أو جميع أقوال الشافعي، أو جميع أقوال أحمد رحمهم الله، ولا يترک قول من اتبع منهم ،أو من غيرهم إلى قول غيره ،ولم يعتمد على ما جاء فی القرآن والسنة غير صارف ذلک إلى قول إنسان بعينه، أنه قد خالف إجماع الأمة كلها أولها عن آخرها بيقين لا إشكال فيه، وأنه لا يجد لنفسه سلفا ،ولا إماما فی جميع الأعصار المحمودة الثلاثة ،فقد اتبع غير سبيل المؤمنين نعوذ بالله من هذه المنزلة ،وأيضا فإن هؤلاء الفقهاء كلهم قد نهوا عن تقليدهم، وتقليد غيرهم ،فقد خالفهم من قلدهم ،وأيضا فما الذى جعل رجلا من هؤلاء ،أو من غيرهم ،أولى بأن يقلد من عمر بن الخطاب، أو على بن أبی طالب ،أو ابن مسعود ،أو ابن عمر ،أو ابن عباس رضی الله عنهم ،أو عائشة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ تفصیل سے بغیر کسی ابہام کے معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب "مذاہبِ اربعہ" سے "من کل الوجوہ "یعنی پوری طرح خروج واعراض میں بڑا مفسدہ لازم آنے کے قائل، اوران مذاہب سے وابستگی میں عظیم مصلحت سمجھتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ تقلیدِ شخصی کے واجب قرار دینے کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رضى الله عنها أم المؤمنين ،فلو ساغ التقليد لكان كل واحد من هؤلاء أحق بأن يتبع من غيره ، انتهى.

إنما يتم فيمن له ضرب من الاجتهاد ولو فى مسألة واحدة ،وفيمن ظهر عليه ظهورا، بينا أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بكذا ،أو نهى عن كذا ،وأنه ليس بمنسوخ ،إما بأن يتتبع الأحاديث وأقوال المخالف والموافق فى المسألة فلا يجد لها نسخا ،أو بأن يرى جما غفيرا من المتبحرين فى العلم، يذهبون إليه ويرى المخالف له لا يحتج إلا بقياس أو استنباط أو نحو ذلک فحينئذ لا سبب لمخالفة حديث النبى صلى الله عليه وسلم إلا نفاق خفى أو حمق جلى .

وهذا هو الذى أشار إليه الشيخ عز الدين بن عبد السلام حيث قال ومن العجب العجيب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا، وهو مع ذلک يقلده فيه ويترک من شهد الكتاب والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد إمامه بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتأولها بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده وقال لم يزل الناس يسألون من اتفق من العلماء من غير تقييد بمذهب ولا إنكار على أحد من السائلين إلى أن ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدين، فإن أحدهم يتبع إمامه مع بعد مذهبه عن الأدلة مقلدا له فيما قال كأنه نبى أرسل، وهذا نأى عن الحق وبعد عن الصواب، لا يرضى به أحد من أولى الألباب .

وقال الإمام أبو شامة ينبغى لمن اشتغل بالفقه أن لا يقتصر على مذهب إمام ويعتقد فى كل مسألة صحة ما كان أقرب إلى دلالة الكتاب والسنة المحكمة وذلک سهل عليه إذا كان أتقن معظم العلوم المتقدمة وليجتنب التعصب والنظر فى طرائق الخلاف فإنها مضيعة للزمان ولصفوه مكدرة فقد صح عن الشافعى أنه نهى عن تقليده وغيره.

قال صاحبه المزنى فى أول مختصره اختصرت هذا من علم الشافعى رحمه الله ومن معنى قوله لأقربه على من أراد مع إعلاميه نهيه عن تقليده وتقليد غيره لينظر فيه لدينه ويحتاط لنفسه أى مع إعلامى من أراد علم الشافعى نهى الشافعى عن تقليده وتقليد غيره انتهى.

وفيمن يكون عاميا ويقلد رجلا من الفقهاء بعينه يرى أنه يمتنع من مثله الخطأ وأن ما قاله هو الصواب البتة وأضمر فى قلبه أن لا يترک تقليده وإن ظهر الدليل على خلافه وذلک ما رواه الترمذى عن عدى بن حاتم أنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ :"اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله" قال إنهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئا استحلوه وإذا حرموا عليهم شيئا حرموه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر ہم نے دیکھا کہ نہ تو ہمارے یہاں موجودہ زمانہ کے ''متشدد غیر مقلدین'' اس طرز پر قائم ہیں، اور نہ ہی ہمارے یہاں موجودہ زمانہ کے ''مقلدین'' کا بڑا طبقہ اس پر قائم ہے، اوپر سے ہر دو فریق اپنے مقصود کی کٹی چھٹی عبارات لے کر شاہ ولی اللہ صاحب کا سہارا حاصل کرتے ہیں۔

یہ طرزِ عمل اصحابِ علم کو زیب نہیں دیتا، اپنے پسندیدہ موقف کی بے جا دوسرے کی طرف نسبت کرنا، علمی اعتبار سے ہرگز درست نہیں، اور اگر کوئی عمداً ایسا کرے، تو وہ عنداللہ بھی مجرم ہے، البتہ اجتہادی خطاء کا معاملہ جدا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفيمن لا يجوز أن يستفتي الحنفي مثلا فقيها شافعيا وبالعكس ولا يجوز أن يقتدى الحنفي بإمام شافعي مثلا فإن هذا قد خالف إجماع القرون الأولى وناقض الصحابة والتابعين.

وليس محله فيمن لا يدين إلا بقول النبي صلى الله عليه وسلم ولا يعتقد حلالا إلا ما أحله الله ورسوله ولا حراما إلا ما حرمه الله ورسوله لكن لما لم يكن له علم بما قال النبي صلى الله عليه وسلم ولا بطريق الجمع بين المختلفات من كلامه ولا بطريق الإستنباط من كلامه اتبع عالما راشدا على أنه مصيب فيما يقول ويفتي ظاهرا متبع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فإن ظهر خلاف ما يظنه أقلع من ساعته من غير جدال ولا إصرار فهذا كيف ينكره أحد مع أن الإستفتاء لم يزل بين المسلمين من عهد النبي صلى الله عليه وسلم.

ولا فرق بين أن يستفتي هذا دائما أو يستفتي هذا حينا بعد أن يكون مجمعا على ما ذكرناه .

كيف لا ولم نؤمن بفقيه أيا كان أنه أوحى الله إليه الفقه وفرض علينا طاعته وأنه معصوم.

فإن اقتدينا بواحد منهم فذلك لعلمنا أنه عالم بكتاب الله وسنة رسوله فلا يخلو قوله إما أن يكون من صريح الكتاب والسنة أو مستنبطا منهما بنحو من الإستنباط أو عرف بالقرائن أن الحكم في صورة ما منوط بعلة كذا واطمأن قلبه بتلك المعرفة فقاس غير المنصوص على المنصوص فكأنه يقول ظننت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كلما وجدت هذه العلة فالحكم ثمة هكذا والمقيس مندرج في هذا العموم فهذا أيضا معزو إلى النبي صلى الله عليه وسلم ولكن في طريقه ظنون ولولا ذلك لما قلد مؤمن لمجتهد فإن بلغنا حديث من الرسول المعصوم الذي فرض الله علينا طاعته بسند صالح يدل على خلاف مذهبه وتركنا حديثه واتبعنا ذلك التخمين فمن أظلم منا وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين (عقيد الجيد في احكام الاجتهاد والتقليد، ص ۴۲ الى ۴۷، باب تأكيد الأخذ بهذه المذاهب الأربعة، التشديد في تركها والخروج عنها ، الناشر: دار الكتب، بشاور، الطبعة الأولى: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

”الانصاف“ کا ایک اور حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے ”الانصاف“ میں فرمایا:

واعلم أنى وجدت أكثرهم يزعمون أن بناء الخلاف بين أبى حنيفة والشافعى رحمهما الله على هذه الأصول المذكورة فى كتاب البزدوى ونحوه .

وإنما الحق أن أكثرها أصول مخرجة على قولهم....... [1]

---

[1] ”الانصاف“ میں یہاں درمیان میں مندرجہ ذیل عبارت ہے، جو ہم نے متن میں شامل نہیں کی۔

وعندى أن المسألة القائلة بأن الخاص مبين ولا يلحقه البيان وأن الزيادة نسخ وأن العام قطعى كالخاص وأن لا ترجيح بكثرة الرواة وأنه لا يجب العلم بحديث غير الفقيه إذا انسد به باب الرأى وأن لا عبرة بمفهوم الشرط والوصف أصلا وأن موجب الأمر هو الوجوب البتة وأمثال ذلك أصول مخرجة على كلام الأئمة وأنه لا تصح بها رواية عن أبى حنيفة وصاحبيه وأنه ليست المحافظة عليها والتكلف فى جواب ما يرد عليها من صنائع المتقدمين فى استنباطهم كما يفعله البزدوى وغيره أحق من المحافظة على خلافها والجواب عما يرد عليه.

مثاله أنهم أصلوا أن الخاص مبين فلا يلحقه البيان وخرجوه من صنيع الأوائل فى قوله تعالى واسجدوا واركعوا وقوله صلى الله عليه وسلم لا تجزىء صلاة الرجل حتى يقيم ظهره فى الركوع والسجود حيث لم يقولوا بفرضية الاطمئنان ولم يجعلوا الحديث بيانا للآية فورد عليهم صنيعهم:

فى قوله تعالى”وامسحوا برؤوسكم“ومسحه صلى الله عليه وسلم على ناصيته حيث جعلوه بيانا

وقوله تعالى ”الزانية والزانى فاجلدوا“

وقوله جل شأنه”والسارق والسارقة فاقطعوا“

الآية وقوله تعالى ”حتى تنكح زوجا غيره“

وما لحقه من البيان بعد ذلك.

فتكلفوا للجواب كما هو مذكور فى كتبهم.

وأنهم أصلوا أن العام قطعى كالخاص وخرجوه من صنيع الأوائل:

فى قوله تعالى ”فاقرؤوا ما تيسر من القرآن“وقوله صلى الله عليه وسلم ”لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب“ حيث لم يجعلوه مخصصا.

وفى قوله صلى الله عليه وسلم فيما سقت العيون العشر الحديث وقوله صلى الله عليه وسلم ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة حيث لم يخصوه به ونحو ذلك من المواد.

ثم ورد عليهم قوله تعالى”فما استيسر من الهدى“وإنما هو الشاة فما فوقه ببيان النبى صلى الله عليه وسلم فتكلفوا فى الجواب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ويرشدك أيضا اختلافهم فى كثير من التخريجات أخذا من صنعائهم ورد بعضهم على بعض.

ووجدت بعضهم يزعم أن جميع ما يوجد فى هذه الشروح الطويلة وكتب الفتاوى الضخمة هو قول أبى حنيفة وصاحبيه ولا يفرق بين القول المخرج وبين ما هو قول فى الحقيقة ولا يحصل معنى قولهم على تخريج الكرخى كذا وعلى تخريج الطحاوى كذا ولا يميز بين قولهم قال أبو حنيفة كذا وبين قولهم جواب المسألة على قول أبى حنيفة وعلى أصل أبى حنيفة كذا ولا يصغى إلى ما قاله المحققون من الحنفيين كابن الهمام وابن النجيم فى مسألة العشر فى العشر ومسألة اشتراط البعد من الماء ميلا فى التيمم وأمثالهما إن ذلك من تخريجات الأصحاب وليس مذهبا فى الحقيقة.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكذلك أصلوا أن لا عبرة بمفهوم الشرط والوصف وخرجوه من صنيعهم فى قوله تعالى "ومن لم يستطع منكم طولا" الآية.

ثم ورد عليهم كثير من صنائعهم كقوله صلى الله عليه وسلم فى الإبل السائمة زكاة فتكلفوا فى الجواب.

وأصلوا أنه لا يجب العمل بحديث غير الفقيه إذا انسد به باب الرأى وخرجوه من صنيعهم فى ترك حديث المصراة.

ثم ورد عليهم حديث القهقهة وحديث عدم فساد الصوم بالأكل ناسيا فتكلفوا فى الجواب.

وأمثال ما ذكرنا كثير لا يخفى على المتتبع ومن لم يتتبع لا تكفيه الإطالة فضلا عن الإشارة ويكفيك دليلا على هذا قول المحققين فى مسألة لا يجب العمل بحديث من اشتهر بالضبط والعدالة دون الفقه اذا انسد باب الرأى كحديث المصراة إن هذا مذهب عيسى بن أبان واختاره كثير من المتأخرين وذهب الكرخى وتبعه كثير من العلماء إلى عدم اشتراط فقه الراوى لتقدم الخبر على القياس وقالوا لم ينقل هذا القول عن أصحابنا بل المنقول عنهم أن خبر الواحد مقدم على القياس ألا ترى أنهم عملوا بخبر أبى هريرة فى الصائم إذا أكل أو شرب ناسيا وإن كان مخالفا للقياس حتى قال أبو حنيفة رحمه الله لولا الرواية لقلت بالقياس.

www.idaraghufran.org

ووجدت بعضهم يزعم أن بناء المذهب على هذه المحاورات الجدلية المبسوطة فى مبسوط السرخسى والهداية والتبيين ونحو ذلك ولا يعلم أن أول من أظهر ذلك فيهم المعتزلة وليس عليه بناء مذهبهم ثم استطاب ذلك المتأخرون توسعا وتشحيذا لأذهان الطالبين أو لغير ذلك والله أعلم وهذه الشبهات والشكوك ينحل كثير منها بما مهدناه فى هذا الكتاب.

ووجدت بعضهم يزعم أن هناك فرقتين لا ثالث لهما الظاهرية وأهل الرأى وأن كل من قاس واستنبط فهو من أهل الرأى كلا بل ليس المراد بالرأى نفس الفهم والعقل فان ذلك لا ينفك من أحد من العلماء ولا الرأى الذى يعتمد على سنة أصلا فإنه لا ينتحله مسلم البتة ولا القدرة على الاستنباط والقياس فان أحمد وإسحق بل الشافعى أيضا ليسوا من أهل الرأى بالاتفاق وهم يستنبطون ويقيسون بل المراد من أهل الرأى قوم توجهوا بعد المسائل المجمع عليها بين المسلمين أو بين جمهورهم إلى التخريج على أصل رجل من المتقدمين وكان أكثر أمرهم حمل النظير على النظير والرد إلى أصل من الأصول دون تتبع الأحاديث والآثار والظاهرى من لا يقول بالقياس ولا بآثار الصحابة كداود وابن حزم وبينهما المحققون من أهل السنة كأحمد وإسحق.

ومنها أنهم اطمأنوا بالتقليد ودب التقليد فى صدورهم دبيب

www.idaraghufran.org

النمل وهم لا يشعرون وكان سبب ذلك تزاحم الفقهاء وتجادلهم فيما بينهم فانهم لما وقعت فيهم المزاحمة فى الفتوى كان كل من أفتى بشىء نوقض فى فتواه ورد عليه فلم ينقطع الكلام إلا بالمصير إلى تصريح رجل من المتقدمين فى المسألة.

وأيضا جور القضاة فان القضاة لما جار أكثرهم ولم يكونوا أمناء لم يقبل منهم إلا ما لا يريب العامة فيه ويكون شيئا قد قيل من قبل.

وأيضا جهل رؤوس الناس واستفتاء الناس من لا علم له بالحديث ولا بطريق التخريج كما ترى ذلك ظاهرا فى أكثر المتأخرين وقد نبه عنه ابن الهمام وغيره.

وفى ذلك الوقت يسمى غير المجتهد فقيها،وفى ذلك الوقت ثبتوا على التعصب.

والحق أن أكثر صور الخلاف بين الفقهاء لا سيما فى المسائل التى ظهر فيها أقوال الصحابة فى الجانبين كتكبيرات التشريق وتكبيرات العيدين ونكاح المحرم وتشهد ابن عباس وابن مسعود والاخفاء بالبسملة وبآمين والاشفاع والايتار فى الاقامة ونحو ذلك انما هو فى ترجيح أحد القولين.

ومنها أن أقبل أكثرهم على التعمقات فى كل فن...... [1]

---

[1] ''الانصاف'' میں یہاں درمیان میں مندرجہ ذیل عبارت ہے، جو ہم نے متن میں شامل نہیں کی۔

فمنهم من زعم أنه يؤسس علم أسماء الرجال ومعرفة مراتب الجرح والتعديل ثم خرج من ذلك إلى التاريخ قديمه وحديثه.

ومنهم من تفحص عن نوادر الأخبار وغرائبها وإن دخلت فى حد الموضوع.

ومنهم من أكثر القيل والقال فى أصول الفقه واستنبط كل لأصحابه قواعد جدلية وأورد فاستقصى وأجاب فتفصى وعرف وقسم فحرر وطول الكلام تارة وتارة أخرى اختصر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

فنشأت بعدهم قرون على التقليد الصرف لا يميزون الحق من الباطل ولا الجدل من الاستنباط فالفقيه يومئذ هو الثرثار المتشدق الذى حفظ أقوال الفقهاء قويها وضعيفها من غير تمييز وسردها بشقشقة شدقيه والمحدث من عد الأحاديث صحيحها وسقيمها وهذها بقوة لحييه .

ولا أقول ذلک كليا مطردا فان لله طائفة من عباده لا يضرهم من خذلهم وهم حجة الله فى أرضه وان قلوا.

ولم يأت قرن بعد ذلک إلا وهو أكثر فتنة وأوفر تقليدا وأشد انتزاعا للأمانة من صدور الرجال حتى اطمأنوا بترک الخوض فى أمر الدين وبأن يقولوا (إنا وجدنا آباء نا على أمة وإنا على آثارهم مقتدون) وإلى الله المشتكى وهو المستعان وبه الثقة وعليه التكلان) (الانصاف ،ص۸۸ الى ۹۶ ،باب حكاية ما حدث فى الناس بعد المائة الرابعة، الناشر: دارالنفائس، بيروت، الطبعة الثالثة :۱۴۰۶ھ ، ۱۹۸۶م)

ترجمہ: اور یہ بات جان لینی چاہیے کہ میں نے اکثر علماء کو پایا، جو یہ گمان کرتے ہیں کہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف، ان اصولوں پر مبنی ہے، جو بزدوی وغیرہ کی کتاب میں مذکور ہیں۔

حالانکہ حق بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر اصول ان حضرات (بزدوی وغیرہ) کے اپنے قول پر تخریج شدہ ہیں۔......

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومنهم من ذهب إلى هذا بفرض الصور المستبعدة التى من حقها أن لا يتعرض لها عاقل وبسحب العمومات والإيمائات من كلام المخرجين فمن دونهم مما لا يرضى استماعه عالم ولا جاهل.

وفتنة هذا الجدال والخلاف والتعمق قريبة من الفتنة الأولى حين تشاجروا فى الملک وانتصر كل رجل لصاحبه فكما أعقبت تلک ملكا عضوضا ووقائع صماء عمياء فكذلک أعقبت هذه جهلا واختلاطا وشكوكا ووهما ما لها من أرجاء.

اور آپ کو یہ بات صحیح راہ نمائی کرسکتی ہے کہ ان علماء (بزدوی وغیرہ) کا بہت سی تخریجات میں باہم اختلاف ہے، جو ان کے طرز ہائے عمل سے ماخوذ ہے، اور ان کی ایک دوسرے نے تردید بھی کی ہے (پھر بزدوی وغیرہ کے اس اختلاف کی نسبت مذکورہ مجتہدین کی طرف کرنے کا کیا مطلب؟)

اور میں نے بعض (فقہ حنفی سے منسوب) لوگوں کو پایا، جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ان طویل شروحات اور ضخیم فتاویٰ کی کتابوں میں جو کچھ بھی پایا جاتا ہے، وہ سب امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول ہے، اور وہ لوگ تخریج شدہ قول میں اور حقیقت والے قول میں فرق نہیں کرتے، اور نہ ہی وہ لوگ علماء کے اس قول کے معنیٰ پر غور کرتے کہ کرخی کی تخریج پر اس طرح حکم ہے، اور طحاوی کی تخریج پر اس طرح حکم ہے۔[1] اور نہ ہی وہ لوگ علماء کے اس قول کے مابین "قال ابو حنیفة کذا" اور اس قول کے مابین "جواب المسألة علی قول أبی حنیفة وعلی أصل أبی حنیفة کذا" تمیز کرتے، اور نہ ہی حنفیہ کے محققین، جیسے ابنِ ہمام اور ابنِ نجیم کے اس قول کی طرف کان دھرتے، جو "دہ دردہ" کے مسئلہ میں انہوں نے بیان کیا ہے، اور جو تیمّم کے مسئلہ میں پانی کے ایک میل دور ہونے کی شرط کے مسئلہ میں بیان کیا ہے، اور ان کے مثل دوسرے مسئلوں میں مذکورہ محققین نے بیان کیا ہے کہ یہ مسائل اصحاب کی تخریجات میں سے ہیں، حقیقت میں مذہب نہیں۔[2]

---

[1] یعنی کسی مسئلہ کی تخریج، امام کرخی کی الگ ہوتی ہے، اور امام طحاوی کی الگ ہوتی ہے۔
لیکن یہ نہ تو ان کی تخریجات کو الگ الگ سمجھتے اور نہ ہی یہ جانتے کہ یہ امام ابوحنیفہ، یا صاحبین کا قول نہیں، بلکہ بعد کے علماء و فقہاء کی تخریج ہے، اور ان باتوں میں فرق کیے بغیر سب کو امام ابوحنیفہ، یا صاحبین کا مذہب قرار دیتے رہتے ہیں۔ محمد رضوان

[2] مطلب یہ ہے کہ جن مسائل کے متعلق ابنِ ہمام اور ابنِ نجیم وغیرہ نے مشائخِ حنفیہ کی تخریجات کی توضیح کردی ہے، اس پر بھی یہ علماء کان نہیں دھرتے، اور ان کو امام ابوحنیفہ، یا صاحبین کا اصل مذہب سمجھ بیٹھتے ہیں، حالانکہ وہ تخریجات حقیقت میں مذہب نہیں، جن میں ماءِ کثیر کے بارے میں دہ دردہ کی مقدار کا مسئلہ بھی ہے کہ اس کو حنفیہ کا مذہب سمجھتے ہیں، جو غلط فہمی پر مبنی ہے، اور اس کی محققین نے تردید و توضیح کی ہے۔ محمد رضوان۔

اور میں نے بعض لوگوں کو پایا، جو یہ گمان کرتے ہیں کہ مذہب کا دارومدار اُن جھگڑیلو محاورات پر ہے، جو مبسوط سرخسی اور الھدایة اور التبیین وغیرہ میں پھیلے ہوئے ہیں، اور وہ یہ نہیں جانتے کہ ان جھگڑیلو محاورات کو ان کے درمیان سب سے پہلے معتزلہ نے ظاہر کیا، اور ان پر ان کے مذہب کا دارومدار نہیں، پھر ان کو متاخرین نے طالبین وغیرہ کے ذہنوں میں توسع پیدا کرنے، اور ذہن کو تیز کرنے کے لیے اچھا سمجھا، **واللہ اعلم**۔ [1]

اور یہ شکوک وشبہات اکثر وبیشتر اُن چیزوں سے حل ہو جاتے ہیں، جن کو ہم نے اس کتاب کی تمہید میں بیان کیا ہے۔ [2]

اور میں نے بعض لوگوں کو پایا کہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہاں پر دو فرقے ہیں، تیسرا کوئی فرقہ نہیں ہے، ایک فرقہ تو ''ظاہریہ'' کا ہے، اور دوسرا فرقہ ''اہلِ رائے'' کا ہے، اور ہر وہ شخص جو قیاس واستنباط کرے، وہ اہلِ رائے میں سے ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، اور ''رائے'' سے مراد ''نفسِ فہم، اور عقل'' نہیں، کیونکہ فہم اور عقل تو علماء میں سے کسی سے جدا ہی نہیں ہوسکتی، اور نہ ہی وہ رائے بالکل بھی جدا ہوسکتی، جو سنت پر ٹھہرتی ہے، کیونکہ اس سے تو کوئی مسلم بالکل بھی الگ نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی استنباط اور قیاس پر قدرت مراد ہے، کیونکہ امام احمد، اور

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ بعض جدل ومجادلہ پر مشتمل فقہی بحثیں ابتدائی طور پر معتزلہ نے چھیڑی تھیں، جن کا مذہب حنفی سے تعلق نہ تھا، پھر بعض متاخرین حنفی علماء نے طلبہ کے ذہنوں کو تیز اور وسیع کرنے کے لیے، ان بحثوں کو اپنی کتب میں شامل کرلیا۔

لیکن بعد میں پھر ان بحثوں کو ہی حنفی مذہب کی بنیاد بنالیا گیا، اور ایک دوسرے کے اقوال کے مابین بے جا رسّا کشی شروع کردی گئی، اور ایک دوسرے پر فوقیت، بلکہ فتویٰ دینے کے لیے اُن کو بنیاد بنالیا گیا، جس کی مزید توضیح دوسری جگہ محقق سائد بکداش کے حوالہ جات میں ذکر کردی گئی ہے۔ محمد رضوان۔

[2] یعنی اختلافِ صحابہ وتابعین کے اسباب اور مذاہبِ فقہاء کے اختلاف کے اسباب، اور اہل الحدیث کے درمیان اختلاف کے اسباب کے ابواب میں جو کچھ بیان کیا۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

اسحاق، بلکہ امام شافعی، جو بالاتفاق اہلِ رائے میں سے نہیں، وہ استنباط اور قیاس کرتے ہیں، بلکہ اہلِ رائے سے مراد، وہ لوگ ہیں، جو مسلمانوں، یا جمہور کے درمیان مجمع علیہا مسائل کے بعد متقدمین میں سے کسی آدمی کی اصل پر تخریج کی طرف متوجہ ہوئے، اوران کے اکثر معاملات، نظیر کو نظیر پر محمول کرنے، اور اصول میں سے کسی اصول کی طرف لوٹانے پر مبنی تھے احادیث وآثار کا تتبع کئے بغیر، اور ظاہری وہ ہیں جو قیاس، اور آثارِ صحابہ کے قائل نہیں، جیسا کہ داؤد، اور ابنِ حزم۔ [1]

اوران دونوں کے مابین اہلِ سنت کے محققین ہیں، جیسا کہ امام احمد، اور اسحاق۔

اورایک خرابی یہ ہے کہ وہ لوگ تقلید پر مطمئن ہوگئے، اور تقلید ان لوگوں کے سینوں میں چیونٹیوں کی رفتار کی طرح داخل ہوگئی، حالانکہ وہ شعور نہیں رکھتے، اوراس کا سبب فقہاء کا آپس میں مقابلہ اور مجادلہ تھا، کیونکہ جب ان کو فتویٰ میں مزاحمت کا سامنا ہوتا تھا، تو ان میں سے ہر ایک ایسی چیز کا فتویٰ دیتا تھا، جس سے دوسرے کا فتویٰ ٹوٹ جاتا تھا، اوراس پر رَد ہو جاتا تھا، پس یہ مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہوتا تھا، جب تک متقدمین سے اس مسئلہ میں کسی آدمی کی صاف تصریح نہیں مل جاتی تھی۔ [2]

نیز قاضیوں کا ظلم وستم بھی اس (تقلید پر مطمئن ہونے) کا سبب تھا، کیونکہ قاضیوں

---

[1] تاہم محققین نے داؤد، اور ابنِ حزم کو قیاسِ جلی اور آثارِ صحابہ کا منکر ہونے کی تردید کی ہے، جیسا کہ ہم نے باحوالہ دوسرے مضامین میں ذکر کردیا ہے۔ محمد رضوان۔

[2] یعنی جب یہ علماء آپس میں فقہی ابحاث میں مقابلہ ومجادلہ کرتے تھے، تو ان کے اس سلسلہ کو ختم کرنے کے لیے متقدمین میں سے کسی کا قول پیش کیا جاتا تھا، جس سے ان کا یہ مجادلہ ختم ہو جاتا تھا، لیکن بعد کے حضرات نے اس طرح کے مواقع پر متقدمین میں سے کسی کی پیش کی گئی تصریح کو ہی آگے والوں کے لیے حجت سمجھ لیا، اور بعد کے حضرات کو اس پر فتوے کا پابند کردیا۔
اس طرح کی باتیں کئی فقہی کتابوں میں ملتی ہیں۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

میں جب اکثر نے ظلم کیا، اوران میں امانت ودیانت نہیں پائی جاتی تھی، توان کی اس وقت تک بات قبول نہیں کی جاتی تھی، جب تک عام لوگوں کا شبہ دور نہ ہوجائے، اورکوئی ایسی چیز نہ ہو، جواس سے پہلے کہی جاچکی ہو۔ [1]

نیز اس کا سبب یہ بھی تھا کہ جاہل افراد لوگوں کے سردار بن بیٹھے، اورلوگوں نے ایسے افراد سے استفتاء حاصل کرنا شروع کردیا، جن کو نہ تو حدیث کا علم تھا، اور نہ مسئلہ کی تخریج کا طریقہ معلوم تھا، جیسا کہ آپ اکثر متاخرین میں یہ بات ظاہری طور پر دیکھتے ہیں، اورابنِ ہمام وغیرہ نے اس پر متنبہ فرمایا ہے۔

اوراسی زمانہ میں غیر مجتہد کا نام فقیہ بھی رکھا جانے لگا، اوراس زمانہ میں لوگ (ایک دوسرے کے خلاف) تعصب پر جم گئے۔ [2]

حالانکہ حق بات یہ ہے کہ فقہائے کرام کے درمیان اختلاف کی اکثر صورتیں خاص طور پران مسائل میں، جن میں دونوں طرف صحابہ کے اقوال پائے جاتے ہیں، جیسا کہ تکبیراتِ تشریق اور تکبیراتِ عیدین اوراحرام کی حالت میں نکاح، اورابنِ عباس اورابنِ مسعود کا تشہد اور بسم اللہ اور آمین کا آہستہ پڑھنا اوراقامت میں طاق، یا جفت الفاظ کہنا اوراس کے علاوہ دوسرے مسائل، سواِن دوقولوں میں سے

---

[1] اس طرح افتاء کے باب کے ساتھ ساتھ قضاء کے باب میں بھی اس قسم کی باتیں آگئیں، اور بعد میں آنے والے علماء نے اس کی حقیقت کو نہیں سمجھا، اوروہ بس قاضی سے متعلق کسی ایسی ہی سابق تصریح کو قابلِ تقلید بنا بیٹھے، اوردلائل کی رُو سے ترجیح کو ترک کردیا۔ محمد رضوان۔

[2] مطلب یہ ہے کہ تقلید پر جمود کے مندرجہ بالا اسباب تھے، جس کے نتیجہ میں تعصب قائم ہوگیا، اور یہ تعصب اس پر منتج ہوا کہ مجتہدین کے باہمی اختلاف کو شدید، اورایک دوسرے سے بعید محسوس کیا جانے لگا، اورایک مذہب سے، یا ایک مجتہد کے قول سے دوسرے مذہب اوردوسرے مجتہد کے قول کی طرف عدول کو بڑا عیب خیال کیا جانے لگا۔

اورایسا ماحول بن گیا، گویا کہ یہ فروعی اختلاف، حق وباطل کا اختلاف ہو، جس کا اثر وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہی رہا، اور نوبت یہاں تک پہنچی، جس کا ہم آج علمی وفقہی دنیا میں مشاہدہ کررہے ہیں کہ ایسے مشائخ کی تخریج وترجیح پر فتویٰ کا بازار گرم ہے، جن کو نصوص سے مس ہی نہ تھا، اب ان اقوال پر فتوے پر ایسا جمود ہوگیا کہ احادیث کی تصریحات کو بھی بے باکانہ طریقوں پران کے مقابلہ میں ترک کردیا جاتا ہے۔ محمد رضوان۔

ایک کی ترجیح کا اختلاف تھا۔ ۱؎

اوران میں ایک خرابی یہ پیدا ہوئی کہ اکثر علماء ہرفن کی گہرائیوں میں پہنچ گئے (اور ان میں باہم جدل شروع کر دیا)...... ۲؎

پھران کے بعد زمانے میں ایسے لوگ آئے کہ جن میں تقلیدِ محض پنہا تھی، اوران کو حق کی باطل سے تمیز نہیں تھی، اور نہ جدل کی، استنباط سے تمیز تھی، پس آج کے دور میں فقیہ وہ ہے، جو چرب زبان اور خوب بولنے والا منہ پھٹ ہو، جس نے فقہاء کے اقوال کو ازبر محفوظ کرلیا ہو، قوی اقوال کو بھی اور ضعیف اقوال کو بھی، مگراس کو خود سے ضعیف وقوی اور صحیح وغلط اور راجح اور مرجوح میں تمیز نہیں ہوتی۔

اور آج کے دور میں محدث وہ ہے، جو احادیث کو جمع کرلے، صحیح کو بھی اور کمزور کو بھی اوران کو اپنے جبڑوں سے مضبوط پکڑ لے۔

اور میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سب کے سب مردود ہیں، کیونکہ بے شک اللہ کے بندوں میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے، جن کو کسی کا رسوا کرنا ضرر نہیں پہنچاتا، اور وہ اللہ کی زمین میں حجۃ اللہ ہیں، اگرچہ وہ تھوڑے ہوں۔

اوراس کے بعد جو زمانہ بھی آیا، اس میں فتنے زیادہ ہی بڑھے، اور تقلید میں اضافہ ہوا، اور لوگوں کے سینوں سے امانت کے نکلنے میں شدت پیدا ہوئی، یہاں تک کہ انہوں نے دین کے معاملہ میں غور وفکر کے ترک کرنے پر اطمینان حاصل کرلیا،

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ فقہائے کرام کے درمیان جن مسائل میں اختلاف ہوا ہے، وہ حق وباطل کا اختلاف نہیں ہے، اور جو ایک کے مقابلہ میں دوسرے قول کو ترجیح دی گئی، اس کے مختلف اسباب تھے، اس لیے ان ترجیحات کو اپنے درجہ پر رکھنا ضروری ہے، اوران کو نصِ قطعی، یا حرفِ آخر کا درجہ دینا درست نہیں، بلکہ ان میں بھی غور وفکر کرکے کسی دوسرے قول کو ترجیح دینے کی گنجائش پائی جاتی ہے، اوراس میں تعصب اور جمود کو اختیار کرنا گناہ ہے، جس کا ہم رات دن مشاہدہ کرتے ہیں کہ دین کے اہم احکام کو نظرانداز کرکے گھنٹوں گھنٹوں کی تقریریں ترجیح پر کی جاتی ہیں، اور ترجیح کا انداز اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ بیان کردہ مرجوح قول پر عمل کرنا، بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔ محمد رضوان۔

۲؎ اور فن کی گہرائیوں اور باریکیوں کو دین کا ایسا ضروری اور واجبی حصہ بنا دیا گیا کہ ان میں طویل اور عمیق صلاحیتوں کے خرچ کرنے سے اجتناب نہ کیا گیا۔ محمد رضوان۔

اس طور پر کہ وہ یہ کہیں کہ ''إِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰی أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلٰی آثَارِهِمْ مُهْتَدُوْنَ '' کہ ہم نے اپنے آباء واجداد (اور اکابر ومشائخ) کو اسی طریقہ پر پایا ہے، اور ہم انہی کی اقتداء کرکے ہدایت پائیں گے، اور اللہ ہی کی طرف اپنے مسائل کا رجوع ہے اور وہی مددگار ہے، اور اسی پر بھروسہ ہے (الانصاف)

مذکورہ عبارات میں نہ صرف یہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے تقلید کی حقیقت کو واضح کردیا ہے، اور معتدل تقلید کے جواب پر اصولی روشنی ڈال دی ہے، اسی کے ساتھ تقلید میں غلو وبے اعتدالی اختیار کرنے کی مذمت کو بھی پرزور انداز میں بیان کردیا ہے، جس سے مقلدین وغیر مقلدین کے لیے صحیح نہج واضح ہوجاتی ہے۔

مگر بعض غیر مقلدین اور مقلدین جو اپنے آپ کو شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ مذکورہ عبارات میں تاویل کرکے اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرنے کے بجائے خود شاہ ولی اللہ صاحب کی اصلاح کرنے کی جدوجہد کے طرزِ عمل میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہ اور ابواسحاق شاطبی کا حوالہ

علامہ ابنِ تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں، استدلال سے عاجز شخص کے لئے جمہور کے نزدیک تقلید کے جائز ہونے کا حکم بیان فرمایا ہے، اور جب تک عالم کا خاطی ہونا، علم میں نہ آئے، اس وقت تک ''مقلد'' کے عاصی نہ ہونے کا حکم بیان کیا ہے، البتہ ''خاطی'' ہونا علم میں آجانے کے بعد، اس کی تقلید کو معصیت قرار دیا ہے۔

اور جس کا قول، اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہو، اس کی تقلید کو نص، اور اجماع کی رو سے حرام قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] والعالم إذا أفتى المستفتي بما لم يعلم المستفتي أنه مخالف لأمر الله فلا يكون المطيع لهؤلاء عاصيا وأما إذا علم أنه مخالف لأمر الله فطاعته فى ذلک معصية لله؛ ولهذا نقل غير واحد الإجماع على أنه لا يجوز للعالم أن يقلد غيره إذا كان قد اجتهد واستدل وتبين له الحق الذى جاء به

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اورعلامہ ابواسحاق شاطبی مالکی (المتوفیٰ: 790ہجری) نے ''الاعتصام'' میں فرمایا:

''عامی اور جو شخص عامی کے قائم مقام ہو، وہ بعض اوقات ، بعض علماء کی اتباع کرنے والا ہوتا ہے، یا تو اس وجہ سے کہ وہ علماء اس کے نزدیک، یا اس کے علاقے والوں کے نزدیک، دوسرے علماء کے مقابلے میں زیادہ راجح ہوتے ہیں ، یا اس کے علاقہ کے لوگ، اُن علماء کے مذہب پر دوسرے علماء کے مقابلے میں زیادہ اعتماد کرتے ہیں، بہرحال جو بھی صورت ہو، جس کی تقلید کرے، اس کے بارے میں یہ عزم نہ کرے کہ اگر اس کی شرعی اعتبار سے کوئی خطاء ظاہر ہوگئی، پھر بھی وہ اس کی تقلید کرے گا، بلکہ ایسی صورت میں اپنے متبوع کے لیے تعصب اختیار نہ کرے، کیونکہ اس کا تعصب، پہلے تو شریعت کی مخالفت تک پہنچا دیتا ہے، اور پھر اپنے متبوع کی مخالفت تک پہنچا دیتا ہے، شریعت کی مخالفت تو ظاہر ہے کہ شریعت کا حکم اس کے مقابلے میں آنے کی وجہ سے لازم آتی ہے، اور اپنے متبوع کی مخالفت اس وجہ سے لازم آتی ہے کہ اتباع کی شرط ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ ہر عالم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اس کی اتباع اس شرط کے ساتھ، جائز ہے کہ وہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والا ہے، پس جب یہ بات ظاہر ہو جائے کہ وہ شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے والا ہے، تو وہ اپنے متبوع کی بیان کردہ شرط سے خارج ہو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الرسول؛ فهنا لا يجوز له تقليد من قال خلاف ذلك بلا نزاع.

ولكن هل يجوز مع قدرته على الاستدلال أنه يقلد؟ هذا فيه قولان :فمذهب الشافعي وأحمد وغيرهما لا يجوز .وحكى عن محمد بن الحسن جوازه والمسألة معروفة وحكى بعض الناس ذلك عن أحمد ولم يعرف هذا الناقل قول أحمد كما هو مذكور فى غير هذا الموضع.

وتقليد العاجز عن الاستدلال للعالم يجوز عند الجمهور وفى صفة من يجوز له التقليد تفصيل ونزاع ليس هذا موضعه.

والمقصود هنا أن التقليد المحرم بالنص والإجماع :أن يعارض قول الله ورسوله بما يخالف ذلك كائنا من كان المخالف لذلك(مجموع الفتاوى،ج ۱۹ ،ص ۲۶۱، ۲۶۲،كتاب اصول الفقه، هل يجوزان يقلد القادر على الاستدلال ، اذا على المستفتى ان ما افتى به معصية)

www.idaraghufran.org

جائے گا، اور اس کا تابع و مقلد شمار نہیں ہوگا۔

امام مالک، امام شافعی اور دوسرے تمام ائمہ نے یہی بات فرمائی ہے۔

پھر اگر متبوع، مجتہد ہو، تو خطاء اور ثواب کو معلوم کرنے کے لیے اُس کی اجتہاد کیے جانے والی چیز، یعنی شریعت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اور اگر وہ متبوع بعض علماء کا مقلد ہو، جیسا کہ وہ متاخرین، جو متقدمین کی کتابوں سے نقل اور اُن کے مذاہب کا تفقہ حاصل کرکے، تقلید کرتے ہیں، تو خطاء اور ثواب کو معلوم کرنے کے لیے اُن کی نقل شدہ چیزوں کی صحت اور جن کی اُنہوں نے تقلید کی ہے، اُن کی موافقت، یا مخالفت کی صحت کی طرف رجوع کیا جائے گا'' ۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] أن لا يصمم على تقليد من تبين له فى تقليده الخطأ شرعا وذلك أن العامى ومن جرى مجراه قد يكون متبعا لبعض العلماء ـ إما لكونه أرجح من غيره ،عنده، أو عند أهل قطره، وإما لأنه هو الذى اعتمده أهل قطره فى التفقه فى مذهبه دون مذهب غيره،وعلى كل تقدير فإذا تبين له فى بعض مسائل متبوعه الخطأ والخروج عن صوب العلم الحاكم فلا يتعصب لمتبوعه بالتمادى على اتباعه فيما ظهر فيه خطؤه، لأن تعصبه يؤدى إلى مخالفة الشرع أولا، ثم إلى مخالفة متبوعه، أما خلافه للشرع فبالعرض، وأما خلافه لمتبوعه فلخروجه عن شرط الاتباع، لأن كل عالم يصرح أو يعرض بأن اتباعه إنما يكون على شرط أنه حاكم بالشريعة لا بغيرها، فإذا ظهر أنه حاكم بخلاف الشريعة خرج عن شرط متبوعه فلم يكن تابعا له، فتأملوا كيف يخرج عن تقليد متبوعه، بالتصميم على تقليد.

ومن معنى كلام مالك رحمه الله: ما كان من كلامى موافقا للكتاب والسنة فخذوا به، وما لم يوافق فاتركوه .هذا معنى كلامه دون لفظه.

ومن كلام الشافعى رحمه الله: الحديث مذهبى فما خالفه فاضربوا به الحائط أو كما قال، قال العلماء: وهذا لسان حال الجميع .ومعناه أن كل ما تتكلمون به على تحر أنه طابق الشريعة الحاكمة، فإن كان كذلك فبها ونعمت، وما لا فليس بمنسوب إلى الشريعة ولا هم أيضا ممن يرضى أن تنسب إليهم مخالفتها.

لكن يتصور فى هذا المقام وجهان:

أن يكون المتبوع مجتهدا، فالرجوع فى التخطئة والتصويب إلى ما اجتهد فيه، وهو الشريعة.

وأن يكون مقلدا لبعض العلماء، كالمتأخرين الذين من شأنهم تقليد المتقدمين بالنقل من كتبهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر اس کے بعد علامہ ابو اسحاق شاطبی نے تقلید میں مفاسد اور منکرات کی چند مثالیں ذکر فرمائی ہیں، جن میں ایک مثال یہ ذکر فرمائی ہے کہ اپنے امام کے مذہب کو ایسا قرار دیدے کہ اس کے مذہب کے خلاف اگر کوئی مجتہد دلائل پیش کرے، تو اس پر نکیر کرے، یہ طریقہ ''رجال'' کو ''حق'' پر غالب کرنے، اور ''مذہب کی محبت میں غلو'' پر مشتمل ہے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والتفقه فى مذاهبهم، فالرجوع فى التخطئة والتصويب إلى صحة النقل عمن نقلوا عنه وموافقتهم لمن قلدوا، أو خلاف ذلک، لأن هذا القسم مقلدون بالعرض، فلا يسعهم الاجتهاد فى استنباط الأحكام، إذ لم يبلغوا درجته، فلا يصح تعرضهم للاجتهاد فى الشريعة مع قصورهم عن درجته .فإن فرض انتصابه للاجتهاد فهو مخطء آثم، أصاب أم لم يصب؛ لأنه أتى الأمر من غير بابه، وانتهک حرمة الدرجة وقفا ما ليس له به علم، فإصابته – إن أصاب – من حيث لا يدرى، وخطؤه هو المعتاد، فلا يصح اتباعه كسائر العوام إذا راموا الاجتهاد فى أحكام الله، ولا خلاف فى أن مثل هذا الاجتهاد غير معتبر، وأن مخالفة العامى كالعدم، وأنه فى مخالفته لأهل العلم آثم مخطء، فكيف يصح – مع هذا التقرير – تقليد غير مجتهد فى مسألة أتى فيها باجتهاده؟

ولقد زل – بسبب الإعراض عن الدليل والاعتماد على الرجال – أقوام خرجوا بسبب ذلک عن جادة الصحابة والتابعين واتبعوا أهوائهم بغير علم فضلوا عن سواء السبيل (الاعْتِصَام ، للشاطبى ، ج۲،ص ۸۶۱ الٰى ۸۶۳،الباب العاشر،فصل اتباع الهوى، النوع الرابع)

[1] رأى المقلدة لمذهب إمام يزعمون أن إمامهم هو الشريعة، بحيث يأنفون أن تنسب إلى أحد من العلماء فضيلة دون إمامهم، حتى إذا جائهم من بلغ درجة الاجتهاد وتكلم فى المسائل ولم يرتبط إلى إمامهم رموه بالنكير، وفوقوا إليه سهام النقد، وعدوه من الخارجين عن الجادة، والمفارقين للجماعة من غير استدلال منهم بدليل، بل بمجرد الاعتياد العامى.

ولقد لقى الإمام بقى بن مخلد حين دخل الأندلس آتيا من المشرق من هذا الصنف الأمرين، حتى أصاروه مهجور الفناء، مهتضم الجانب، لأنه من العلم بما لا يدى لهم به، إذ لقى بالمشرق الإمام أحمد بن حنبل وأخذ عنه مصنفه وتفقه عليه، ولقى أيضا غيره، حتى صنف المسند المصنف الذى لم يصنف فى الإسلام مثله، وكان هؤلاء المقلدة قد صمموا على مذهب مالک، بحيث أنكروا ما عداه، وهذا تحكيم الرجال على الحق، والغلو فى محبة المذهب، وعين الإنصاف ترى أن الجميع أئمة فضلاء، فمن كان متبعا لمذهب مجتهد لكونه لم يبلغ درجة الاجتهاد فلا يضره مخالفة غير إمامه لإمامه، لأن الجميع سالک على الطريق المكلف به، فقد يؤدى التغالى فى التقليد إلى إنكار لما أجمع الناس على ترک إنكاره (الاعْتِصَام ، للشاطبى ، ج۲،ص ۸۶۴ و ۸۶۵،الباب العاشر،فصل اتباع الهوى،النوع الرابع)

www.idaraghufran.org

(تیسری فصل)

''مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی''

گذشتہ تفصیل سے یہ بھی بار بار، اور واضح طور پر معلوم ہوتا رہا کہ موجودہ زمانہ میں جو بہت سے علماء کی طرف سے علی الاطلاق ''تقلیدِ شخصی'' اور ''مذہبِ معین'' کی پابندی پر زور دیا جاتا ہے۔

یہ موقف شاہ ولی اللہ صاحب کے موافق نہیں، بلکہ ان کی تصریحات کے برخلاف ہے۔

البتہ جب کسی عامی شخص کو شرعی احکام کا علم نہ ہو، اور اس کے سامنے اس کا علم حاصل کرنے کے لئے صرف ایک عالم، یا ایک مذہب ہی ذریعہ ہو، تو یہ بالکل الگ صورت ہے، اس خاص صورت سے متعلق، حکم کو ''تقلیدِ شخصی ومذہبِ معین'' کے وجوب کے اصولی مسئلہ کی بنیاد بنانا، راجح معلوم نہ ہوسکا، ذیل میں اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے فارسی وصیت نامہ کا حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے فارسی وصیت نامہ میں فرمایا کہ:

ودر فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میاں فقہ وحدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در خیر قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند وادن امت راہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغناء حاصل نیست وسخن متقشفۂ فقہاء کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ، تتبعِ سنت را ترک کردہ اند، نشنیدن وبدیشاں التفات نکردن قربتِ خدا جستن بدوری اینان (وصیت نامہ، المقالة الاضيئة فى النصيحة والوصية، وصیتِ اول، صفحہ ۲، و۳، مطبوعہ: مطبع احمدی، دہلی)

ترجمہ: اور فروعی مسائل میں، علمائے کبار محدثین کی، جو کہ فقہ وحدیث دونوں کے جامع ہیں، پیروی کریں، اور فقہ کی جزئیات وتفریعات کو ہمیشہ کتاب وسنت کے روبرو پیش کریں، جو اِن کے موافق ہو، اسے قبول کریں، اور جو اِن کے موافق نہ ہو، اسے مسترد کردیں، امت کے لیے کوئی بھی ایسا زمانہ نہیں، جس میں وہ اجتہادی مسائل کو کتاب وسنت پر پیش کرنے سے مستغنی ہوسکے، اور خشک مزاج (متقشفہ) فقہاء کی بات، جنہوں نے کہ ایک مخصوص عالم کی تقلید اختیار کرکے سنت کے تتبع کو ترک کردیا ہو، نہ سنیں، اور نہ ان کی طرف التفات کریں، اور ان سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کا قرب چاہیں (وصیت نامہ)

''القولُ الجمیل'' کا حوالہ

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ''القولُ الجمیل'' میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

وأنا أوصى طالبا للحق بأمور :

منها :أن لا يصحب جهال الصوفية ،ولا جهال المتعبدين ،ولا المتقشفة من الفقهاء ،ولا الظاهرية من المحدثين ، ولا الغلاة من اصحاب المعقول والكلام.......

ومنها: ان لا يتكلم فى ترجيح مذهب الفقهاء بعضها على بعض بل يضعها كلها على القبول بجملة ويتبع منها ما وافق صريح السنة ومعروفها فان كان القولان كلاهما مخرجين اتبع ما عليه الاكثرون فان كانا سواء فهو بالخيار ويجعل المذاهب كلها كمذهب واحد من غير تعصب.......

ولا ينبغى لمن لم يكن له ادراك ومعرفة فى الامور الموصوفة، ان

www.idaraghufran.org

یخوض فیھا بمجرد معرفة کتاب فی الحدیث، کمشکاۃ وغیرھا، ویدعی انہ محدث ، وصار ماھرا فی علم الحدیث، حاشا وکلا، لایکون ھو کما یزعم. (القول الجمیل - مخطوطة ، ص ۴۴، ۴۵، الفصل التاسع فی آداب العالم الربانی والفاضل الحقانی الذی ھو کامل فی العلم الظاھر والباطنی)

ترجمہ: اور میں حق کے طالب کو چند امور کی وصیت کرتا ہوں۔

ایک امر کی وصیت یہ ہے کہ وہ جاہل صوفیاء کی صحبت اختیار نہ کرے، اور نہ ہی جاہل عابدوں کی صحبت اختیار کرے، اور نہ ہی سخت اور جامد فقہاء کی صحبت اختیار کرے، اور نہ ہی ظاہری محدثین کی صحبت اختیار کرے۔......

اور دوسرے امر کی وصیت یہ ہے کہ فقہاء کے مختلف مذاہب میں بعض کو، بعض پر ترجیح دینے میں کلام نہ کرے، بلکہ مجموعی طور پر اِن تمام فقہی مسالک کو قبولیت کے درجے پر رکھے، البتہ خود اس پر عمل کرے، جو صریح اور مشہور حدیث کے مطابق ہو، اگر فقہاء کے دونوں اقوال، احادیث سے استنباط واستدلال کے لحاظ سے برابر ہوں، تو اسے اختیار ہے کہ وہ جس قول پر چاہے عمل کرے، البتہ وہ تمام مذاہب کو کسی تعصب کے بغیر ایک ہی مذہب کی طرح سمجھے۔......

اور مذکورہ طرزِ عمل ، اس شخص کے لیے مناسب نہیں، جس کو مذکورہ بالا امور کا ادراک اور معرفت نہ ہو کہ وہ صرف ایک حدیث کی کتاب کی معرفت کی بناء پر اِن امور میں غور وخوض کرے، جیسا کہ مشکاۃ، یا اس کے علاوہ، حدیث کی دوسری کتاب کی بناء پر، اور یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ وہ محدث ہے، اور وہ علمِ حدیث میں ماہر ہو چکا ہے"حاشا وکلا" ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، جیسا کہ وہ گمان کرتا ہے (القول الجمیل)

مذکورہ دونوں وصیت ناموں کے متعلق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب کا یہ موقف

گزر چکا ہے کہ:

ہر دو وصیت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حق ہیں، جملہ اہلِ حق یہی فرماتے ہیں (تألیفاتِ رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ مکمل مبوب، ص۲۰۹، باب: تقلید واجتہاد کے مسائل، بعنوان: وصیت شاہ ولی اللہ صاحب، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، سنِ اشاعت بارِ دوم: ۱۴۱۲ھ،۱۹۹۲ء)

معلوم ہوا کہ ہمیشہ ایک مجتہد کی تقلید واجب نہیں، البتہ چونکہ عامی کا وظیفہ ''تقلید'' ہے، اور تقلید کا راستہ بعض اوقات ''مذہبِ واحد'' کے علاوہ میسر نہیں آتا، ایسی صورت میں اس پر اس مذہب کی تعیین واجب ہوجاتی ہے، جس طرح کسی کو ایک عالم کے علاوہ کوئی دوسرا عالم میسر نہ ہو، تو اس پر بھی خاص اس سے مسئلہ معلوم کرنا متعین ہوجاتا ہے۔

''الانصاف'' کا حوالہ

چنانچہ اسی نکتہ کی نشاندہی کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الانصاف'' میں فرمایا کہ:

فان قلت كيف يكون شيء واحد غير واجب فى زمان واجبا فى زمان آخر مع أن الشرع واحد فليس قولک لم يكن الاقتداء بالمجتهد المستقل واجبا ثم صار واجبا إلا قولا متناقضا متنافيا.

قلت الواجب الأصلى هو أن يكون فى الأمة من يعرف الأحكام الفرعية من أدلتها التفصيلية أجمع على ذلک أهل الحق ومقدمة الواجب واجبة .

فإذا كان للواجب طرق متعددة وجب تحصيل طريق من تلک الطرق من غير تعيين.

وإذا تعين له طريق واحد وجب ذلک الطريق بخصوصه.

كما إذا كان الرجل فى مخمصة شديدة يخاف منها الهلاک

www.idaraghufran.org

وكـان لـدفـع مخمصته طرق من شراء الطعام والتقاط الفواكه من الـصـحـراء واصـطيـاد مـا يتقوت به وجب تحصيل شيء من هذه الطرق لا على التعين .

فـاذا وقـع فـى مكان ليس هناك صيد ولا فواكه وجب عليه بذل المال فى شراء الطعام.

وكـذلك كـان لـلسـلف طرق فـى تحصيل هذا الواجب وكان الواجب تحصيل طريق من تلك الطرق لا على التعين .

ثـم انسـدت تـلك الطرق إلا طريقا واحدا فوجب ذلك الطريق بخصوصه .

وكـان السـلف لا يـكتبـون الـحـديـث ثم صـار يومنـا هذا كتـابة الـحـديـث واجبة لأن رواية الحديث لا سبيل لها اليوم إلا بمعرفة هذه الكتب.

وكـان السـلف لا يشتـغـلون بالنحو واللغة وكان لسانهم عربيا لا يـحتـاجـون إلـى هذه الفنون ثم صار يومنا هذا معرفة اللغة العربية واجبة لبعد العهد عن العرب الأول .

وشواهد ما نحن فيه كثيرة جدا .

وعـلـى هـذا يـنـبـغـى أن الـقياس وجوب التقليد لإمام بعينه فانه قد يـكـون واجبـا وقـد لا يـكون واجبا فاذا كان إنسان جاهل فى بلاد الهـنـد أو فـى بـلاد مـا وراء الـنـهـر وليس هناك عالم شافعى ولا مـالـكى ولا حنبلى ولا كتاب من كتب هذه المذاهب وجب عليه أن يقـلـد لمذهب أبى حنيفة ويحرم عليه أن يخرج من مذهبه لأنه

حينئذ يخلع ربقة الشريعة ويبقى سدى مهملا بخلاف ما إذا كان في الحرمين فانه متيسر له هناك معرفة جميع المذاهب ولا يكفيه أن يأخذ بالظن من غير ثقة ولا أن يأخذ من ألسنة العوام ولا أن يأخذ من كتاب غير مشهور كما ذكر كل ذلك في النهر الفائق شرح كنز الدقائق (الإنصاف في بيان أسباب الاختلاف، ص٧٧ الیٰ ٧٩، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر الخ ، الناشر: دارالنفائس، بيروت، الطبعة الثالثة: ١٤٠٦ھـ، ١٩٨٦م)

ترجمہ: پھر اگر آپ کہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز، ایک زمانہ میں واجب ہو، اور دوسرے زمانہ میں، واجب نہ ہو، باوجودیکہ شریعت ایک ہے؟ تو آپ کا یہ کہنا کہ ''مجتہدِ مستقل'' کی اقتداء، پہلے زمانوں میں واجب نہیں تھی، پھر وہ واجب ہوگئی، تو یہ تو ایک دوسرے کے مناقض اور منافی بات ہے؟

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ امت میں دراصل ایسے (مجتہد) شخص کا وجود واجب ہے، جو فرعی احکام کی تفصیلی دلائل کے ساتھ معرفت رکھتا ہو، جس پر اہلِ حق کا اجماع ہے، اور واجب کا مقدمہ ''واجب'' ہوا کرتا ہے۔

پھر جب واجب حکم کو پورا کرنے کے طریقے (مجتہدین، یا اجتہاد کی شکل میں) ایک سے زیادہ ہوں، تو اُن طریقوں میں سے کسی طریقے کا حصول واجب ہوا کرتا ہے، جس میں کسی ایک طریقے کی تعیین نہیں ہوتی۔

اور جب واجب حکم کو پورا کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہو، تو خاص وہی طریقہ واجب ہوجاتا ہے، جیسا کہ کوئی شخص شدید مخمصہ میں ہو، اور اس کو ہلاکت کا خوف ہو، اور اس کے مخمصہ کے دور کرنے کے کئی طریقے ہوں، مثلاً ایک طریقہ کھانا خریدنے کا ہو، اور ایک طریقہ جنگل سے پھل اٹھانے کا ہو، اور ایک طریقہ شکار

www.idaraghufran.org

کر کے خوراک حاصل کرنے کا ہو، تو اس کو ان طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کا حاصل کرنا، بغیر کسی ایک کی تعیین کے واجب ہو جائے گا۔

لیکن جب کوئی شخص ایسی جگہ میں ہو کہ وہاں پر نہ شکار ہو، اور نہ پھل ہوں، تو اس پر کھانا خریدنے کے لیے مال کو خرچ کرنا، واجب ہو جائے گا۔

اور اسی طریقے سے سلف کے لیے اس واجب (یعنی شرعی احکام کی تفصیلی معرفت) کے حصول کے طریقے مختلف تھے، تو اُن کے لیے اِن طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ تعیین کے بغیر واجب تھا۔

پھر جب یہ طریقے مسدود ہو گئے، اور صرف ایک طریقہ باقی رہ گیا، تو خاص وہ طریقہ واجب ہو گیا (جو کہ اجتہادِ مستقل کے بجائے ''اجتہادِ منتسب'' کا ہے)

اور سلف، حدیث کو نہیں لکھا کرتے تھے، پھر ہمارے زمانے میں حدیث کو لکھنا واجب ہو گیا، کیونکہ حدیث کی روایت کا آج کے زمانے میں کوئی طریقہ، سوائے ان کتب کی معرفت کے باقی نہیں رہا۔

اور سلف ''نحو'' اور ''لغت'' میں مشغول نہیں ہوا کرتے تھے، کیونکہ ان کی زبان عربی تھی، جو اِن فنون کے محتاج نہیں تھے، پھر ہمارے موجودہ زمانہ میں لغتِ عربیہ کی معرفت واجب ہو گئی، اول عرب کے زمانہ کے بُعد کی وجہ سے۔

اور ہمارے زیرِ بحث مسئلہ کے بہت زیادہ شواہد ہیں۔

اور اسی مذکورہ اصول پر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ متعین امام کی تقلید کبھی واجب ہوتی ہے، اور کبھی واجب نہیں ہوتی، پس جب کوئی جاہل (یعنی غیر مجتہد) انسان ہندوستان کے علاقہ میں ہو، یا ماوراءُ النھر (والے حنفیوں) کے علاقوں میں ہو، اور وہاں کوئی نہ تو شافعی عالم ہو اور نہ مالکی ہو اور نہ حنبلی ہو، اور نہ ان مذاہب کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہو، تو اس پر امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تقلید واجب

ہوگی، اور اس پر یہ بات حرام ہوگی کہ وہ امام ابوحنیفہ کے مذہب سے خروج اختیار کرے، کیونکہ ایسی صورت میں وہ شریعت کے حلقہ کو اپنی گردن سے نکال دے گا، اور وہ بے کار اور مہمل ہو کر رہ جائے گا، اس کے برخلاف اگر کوئی شخص حرمین میں ہو، جہاں اس کے لیے تمام مذاہب کی معرفت آسان ہے (تو وہاں متعین امام کی تقلید واجب نہ ہوگی، لیکن) اس کے لیے یہ کافی نہ ہوگا کہ بغیر اعتماد کے محض ظن کے سہارے کسی چیز کو لے لے، نہ یہ کافی ہوگا کہ عوام کی زبان سے سننے پر اکتفاء کر لے، اور نہ یہ کہ کسی غیر مشہور کتاب سے لے لے، یہ تمام صورتیں ''النھرُ الفائق شرح کنز الدقائق'' میں مذکور ہیں (الانصاف)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ اجتہاد استقلال کے بعد والے درجات کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ''متعین امام کی تقلید'' یا ''تقلیدِ شخصی'' بذاتِ خود واجب نہیں، ایک عارض پیش آنے کی صورت میں جاہل شخص پر ہی واجب ہو جاتی ہے۔

مثلاً جہاں ایک ہی امام کے علماء اور کتابیں موجود ہوں، تو وہاں چونکہ عامی اور جاہل شخص کو خود سے دوسرے امام کے مذہب کا معلوم کرنا مشکل ہے، اس لیے اس پر اس متعین مذہب کی تقلید واجب ہوگی۔

لیکن جہاں دوسرے مذہب پر اس کے علماء، یا معتبر و مشہور کتب موجود ہونے کی وجہ سے صحیح علم حاصل کرنا میسر ہو، وہاں یہ حکم نہ ہوگا۔

اور ہماری بحث ''بذاتِ خود وجوب'' کے مسئلہ سے ہے، اور اس صورت میں ہے، جبکہ دوسرے امام کے مذہب، یا قول پر مطلع ہونا ممکن ہو۔

ظاہر ہے کہ جب تک کسی مذہب پر مطلع نہ ہوگا، اس وقت تک اس کی تقلید و اتباع بھی ممکن نہ ہوگی۔

اور موجودہ دور میں علمی و تحقیقی اور ذرائع ابلاغ کے تیز ترین وسائل اور گلوبلائزیشن وغیرہ کی

بناء پر دوسرے فقہائے کرام ومجتہدینِ عظام کے مذاہب کو دریافت کرنا زیادہ مشکل نہ رہا۔

دینی مدارس و جامعات میں پڑھائے جانے والے نصاب میں بھی دوسرے مذاہب کے اقوال، کثرت سے ملتے ہیں۔

اس لیے خود حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی جا بجا مذہبِ معین کے عدمِ وجوب کو ترجیح دی ہے۔

تقلید سے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کا مذکورہ نقطۂ نظر افراط وتفریط سے پاک اور توسع واعتدال پر مبنی ہے۔

لیکن حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ''تقلید کی شرعی حیثیت'' میں شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ عبارت سے یہ سمجھا ہے کہ صحابہ وتابعین کے اَدوار کے بعد ''تقلیدِ شخصی'' واجب ہوگئی (ملاحظہ ہو: تقلید کی شرعی حیثیت، ص۷۲ تا ۷۴، ''تقلیدِ شخصی کی ضرورت''، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید: رمضان ۱۴۲۵ھ، نومبر ۲۰۰۴ء)

حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارت سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی جا بجا عبارات سے جمہور فقہاء کے موقف کے مطابق ''مذہبِ معین وتقلیدِ شخصی'' کے عدمِ وجوب کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے، اور وجوب کی یہ صورت خاص حالت پر مشتمل ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

''فوائد فی علوم الفقه'' کا تائیدی حوالہ

اس سے ملتی جلتی بات ہی مولانا حبیب احمد کیرانوی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت حکیم الامت کے افادات کی روشنی میں ''فوائد فی علوم الفقة'' نامی کتاب میں ذکر کی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

والحق أن الائمة المقتدی بهم فی الدين كلهم علی هدی مستقيم

فأی مذهب من مذاهبهم کان شائعا فی بلد من البلاد وفی العلماء به کثرة یجب علی العامی اتباعه، ولا یجوز له تقلید امام لیس مذهبه شائعا فی بلده. ولا فی العلماء به کثرة، لتعذر الوقوف علی مذهب ذلک الامام فی جمیع الاحکام والحال هذه، فافهم فان الحق لایتجاوز عنه ان شاء الله تعالی.

ولو شاعت المذاهب کلها فی بلد من البلاد واشتهرت وفیه من العلماء بکل مذهب عدد کثیر جاز للعامی تقلید ای مذهب من المذاهب شاء، وکلها فی حقه سواء، وله أن لا یتمذهب بمذهب معین ویستفتی من شاء من علماء المذاهب هذا مرة وذلک اخری، کما کان علیه السلف الصالح رضی الله عنهم بشرط ان لایلفق بین مذهبین فی عمل واحد، ولایتبع الرخص متبعا هواه

(فوائد فی علوم الفقه ،تالیف: الشیخ حبیب احمد الکیرانوی ، علیٰ ضوء ما افاده :حکیم الامت مولانا الشیخ اشرف علی التهانوی، ص ۲۹۰،الفائدة الحادیة عشر فی مسائل شتی، تحقیق فی الالتزام بمذهب معین،مطبوعة: ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراتشی، الطبعة الثالثة: ۱۴۱۴ھ)

ترجمہ: اور حق بات یہ ہے کہ ائمہ جو دین میں مقتدیٰ شمار ہوتے ہیں، وہ سب کے سب صراطِ مستقیم کی ہدایت پر ہیں، پس ان کے مذاہب میں سے جو مذہب بھی کسی علاقہ میں رائج ہو، اور اس مذہب کے علماء وہاں کثرت سے ہوں، تو عامی پر اس کی اتباع واجب ہوگی، اور اس کو ایسے امام کی تقلید جائز نہیں ہوگی، جس کا مذہب اس کے علاقہ میں رائج نہ ہو، اور نہ ہی اس مذہب کے علماء کثرت سے ہوں، کیونکہ اس امام کے مذہب پر تمام احکام میں واقفیت حاصل کرنا متعذر ہوگا، اور

www.idaraghufran.org

صورتِ حال یہی ہے، یہ بات سمجھ لینی چاہیے، کیونکہ حق ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے متجاوز نہیں ہوگا۔

اور اگر کسی علاقہ میں تمام مذاہب رائج ہوں، اور مشہور ہوں، اور اس میں ہر مذہب کے علماء کثیر تعداد میں موجود ہوں، تو عامی کے لیے جائز ہے کہ وہ ان مذاہب میں سے، جس کی چاہے تقلید کرے، وہ سب اس کے حق میں برابر ہے، اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ کسی معین مذہب کی پابندی نہ کرے، اور مختلف مذاہب کے علماء میں سے، جس سے چاہے فتویٰ حاصل کرے، کبھی کسی سے، کبھی کسی سے، جیسے سلفِ صالحین رضی اللہ عنہ کا طریقہ تھا، مگر شرط یہ ہے کہ ایک عمل میں دو مذہبوں کے درمیان تلفیق نہ کرے، اور نہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کرنے کی بنیاد پر رخصتوں کو تلاش کرنے کے درپے ہو (فوائد فی علوم الفقه)

اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ کا حوالہ

مولانا محمد مظہر بقا صاحب رحمہ اللہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

شاہ صاحب عامی کے لیے مذاہبِ اربعہ کی تقلید تک محدود رہنے کو تو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن مذہبِ معین کی پابندی اس کے لیے ضروری نہیں سمجھتے، بجز اس صورت کے کہ وہ عامی جس جگہ موجود ہے، وہاں ایک مذہب کے عالم، یا علماء کے سوا کسی دوسرے مذہب کا کوئی عالم موجود ہی نہ ہو، نیز وہ اسے جائز سمجھتے ہیں کہ عامی نے اگر ایک مذہب کا التزام کرلیا ہے، تو چند مسائل میں وہ کسی دوسرے امام کی تقلید کرلے، بشرطیکہ مقصد اتباعِ ہویٰ نہ ہو۔

جب شاہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ ہند و ماوراء النہر کے کسی ایسے شہر میں، جہاں مذہبِ حنفی کے سوا دوسرے مذاہب کے علماء موجود نہ ہوں، صرف حنفی مذہب کی

اتباع واجب ہے، تو اسی اصول کے مطابق اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو، جہاں شافعی، یا مالکی یا حنبلی مذہب کے علماء کے سوا اور کسی مذہب کے علماء موجود نہ ہوں، تو وہاں شاہ صاحب کے مسلک کے مطابق صرف اسی مذہب کی تقلید واجب ہوگی۔

اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو، جہاں ہر مذہب کے علماء موجود ہوں، تو وہاں کسی ایک مذہب کی تقلید واجب نہ ہوگی، بلکہ عامی کو اختیار ہوگا کہ جس مذہب کے عالم سے چاہے، فتویٰ لے لے، اور اس صورت کا تو شاہ صاحب نے اپنے موقع پر ذکر بھی کر دیا ہے۔

بہرحال شاہ صاحب کے نزدیک ایک مقلد کے لیے مذاہبِ اربعہ کی تقلید تو ضروری ہے، لیکن مجبوری کے بغیر ان میں سے کسی معین مذہب کی تقلید ضروری نہیں، **واللہ أعلم** (اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۵۹۵، ۵۹۶، باب نمبر 7 اجتہاد، بعنوان ''عامی کے لیے تقلید کے بارے میں شاہ صاحب کے خیالات کا خلاصہ'' ناشر: بقا پبلیکیشنز، کراچی، اشاعتِ دوم: 1986ء)

نیز مولانا محمد مظہر بقا صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

شاہ صاحب چار قسم کے لوگوں کے لیے تقلید کو حرام قرار دیتے ہیں۔

(1)......وہ شخص جسے خود ایک گونہ اجتہاد حاصل ہو، خواہ ایک ہی مسئلہ میں ہو۔

(2)......وہ شخص جس پر صاف ظاہر ہو گیا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے یہ حکم دیا، اور اس کی ممانعت فرمائی، اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ امر، یا نہی منسوخ بھی نہیں، بایں طور کہ وہ مسئلہ میں احادیث اور مخالف اور موافق کے اقوال کا تتبع کرے اور اسے منسوخ نہ پائے، یا یہ دیکھے کہ علوم میں تبحر رکھنے والوں کا جم غفیر اسی کو اختیار کرتا ہے، اور مخالف کے پاس، قیاس، یا استنباط جیسے دلائل کے سوا اور کوئی حجت نہیں، تو ایسی صورت میں باطنی نفاق، یا ظاہری حماقت کے سوا، حدیث

کی مخالفت کا اور کوئی سبب نہیں ہوسکتا۔

ظاہر ہے کہ یہ بات شاہ صاحب نے اس عالم کے لیے کہی ہے، جس کا مقام مجتہد کی سطح سے پست اور عامی کی سطح سے بلند ہو، مجتہد کی سطح سے پست اس لیے کہ مجتہد کے بارے میں شاہ صاحب کا جو خیال ہے، اسے وہ پہلے ظاہر فرما چکے، اور عامی کی سطح سے بلند اس لیے کہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عدمِ نسخ کا ان ذرائع سے علم، جو شاہ صاحب نے تحریر کیے ہیں، عامی کو نہیں ہوسکتا۔

(3)...... وہ عامی جو ایک معین فقیہ کی تقلید کرتا ہے، لیکن یہ سمجھتا ہے کہ اس جیسے شخص سے خطاء ممکن نہیں، اور اس نے جو کچھ کہا ہے، وہ یقیناً صحیح ہے، اور اس نے دل میں ٹھان لیا ہو کہ کسی صورت میں اس کی تقلید وہ نہ چھوڑے گا، اگرچہ اس کے خلاف دلیل ہی کیوں نہ سامنے آ جائے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا شخص "**اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ**" کا مصداق ہے۔

(4)...... جو شخص اسے جائز نہ سمجھتا ہو کہ مثلاً کوئی حنفی کسی شافعی سے، یا کوئی شافعی کسی حنفی سے مسئلہ دریافت کرلے، یا کوئی حنفی کسی شافعی امام کی تقلید کرلے، کیونکہ ایسے شخص نے قرونِ اولیٰ کے اجماع کے خلاف بھی کیا، اور تابعین کی مخالفت بھی کی۔

شاہ صاحب کی یہ بات عامی پر بھی صادق آتی ہے، اور اس عالم پر بھی جو مجتہد کی سطح سے نیچے درجہ کا ہو۔

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ شاہ صاحب کے نزدیک مجتہد کے لیے ہر صورت میں اور عالم اور عامی کے لیے صرف ان چار خاص صورتوں میں تقلید حرام ہے۔

اور پہلے معلوم ہو چکا کہ عام حالات میں شاہ صاحب عالم اور عامی کے لیے

(مذاہبِ اربعہ کی مطلق) تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں (اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ،
ص ۵۸۸، ۲۸۹، باب نمبر 7، مبحثِ دوم تقلید، ناشر: بقا پبلیکیشنز، کراچی، اشاعتِ دوم: 1986ء)

”ردُّ المحتار“ کا تائیدی حوالہ

عامی وغیر مجتہد کے لیے ”مذہبِ معین کے لزوم“ اور اپنے مذہب کو ”صواب“ سمجھنے کا موقف شاہ ولی اللہ صاحب کے ساتھ، جمہور محققینِ حنفیہ کے نزدیک بھی مرجوح ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ عابدین شامی ”ردُّ المحتار“ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

ثم اعلم أنه ذكر فى التحرير وشرحه أيضا أنه يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل .وبه قال الحنفية والمالكية وأكثر الحنابلة والشافعية .وفى رواية عن أحمد وطائفة كثيرة من الفقهاء لا يجوز .ثم ذكر أنه لو التزم مذهبا معينا .كأبى حنيفة والشافعى، فقيل يلزمه، وقيل لا وهو الأصح اهـ وقد شاع أن العامى لا مذهب له.

إذا علمت ذلك ظهر لك أن ما ذكر عن النسفى من وجوب اعتقاد أن مذهبه صواب يحتمل الخطأ مبنى على أنه لا يجوز تقليد المفضول وأنه يلزمه التزام مذهبه وأن ذلك لا يتأتى فى العامى.

وقد رأيت فى آخر فتاوى ابن حجر الفقهية التصريح ببعض ذلك فإنه سئل عن عبارة النسفى المذكورة، ثم حرر أن قول أئمة الشافعية كذلك، ثم قال إن ذلك مبنى على الضعيف من أنه يجب تقليد الأعلم دون غيره.

والأصح أنه يتخير فى تقليد أى شاء ولو مفضولا وإن اعتقده

كذلك، وحينئذ فلا يمكن أن يقطع أو يظن أنه على الصواب، بل على المقلد أن يعتقد أن ما ذهب إليه إمامه يحتمل أنه الحق .قال ابن حجر :ثم رأيت المحقق ابن الهمام صرح بما يؤيده حيث قال في شرح الهداية :إن أخذ العامي بما يقع في قلبه أنه أصوب أولى، وعلى هذا استفتى مجتهدين فاختلفا عليه الأولى أن يأخذ بما يميل إليه قلبه منهما .وعندي أنه لو أخذ بقول الذي لا يميل إليه جاز؛ لأن ميله وعدمه سواء، والواجب عليه تقليد مجتهد وقد فعل. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۴۸، مقدمة)

ترجمہ: پھر یہ بات جان لینی چاہیے کہ (علامہ ابنِ ہمام حنفی کی) ''التحریر'' اور اس کی شرح (تیسیرُ التحریر وغیرہ) میں یہ بات مذکور ہے کہ افضل شخص کی موجودگی کے باوجود مفضول شخص کی تقلید جائز ہے، یہی قول حنفیہ اور مالکیہ اور اکثر حنابلہ اور شافعیہ (یعنی جمہور) کا ہے، اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق اور فقہاء کی ایک کثیر جماعت کے نزدیک (افضل مجتہد و عالم کی موجودگی میں اس سے کم درجہ والے مجتہد و عالم کی تقلید) جائز نہیں (مگر یہ قول حنفیہ کے نزدیک راجح نہیں، کما سیأتی) پھر ''التحریر'' میں یہ بات مذکور ہے کہ اگر کسی نے مذہبِ معین کا التزام کرلیا، جیسے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی (یا امام مالک، یا امام احمد بن حنبل وغیرہ) کا، تو ایک قول یہ ہے کہ اس پر وہ لازم ہو جائے گا، اور ایک قول یہ ہے کہ لازم نہیں ہوگا، اور یہی (لازم نہ ہونے والا) قول اصح ہے، اھ، اور یہ بات مشہور ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ [1]

---

[1] اور آگے علامہ ابنِ عابدین شامی کے حوالہ سے ہی آتا ہے کہ اصح قول کو بابِ افتاء میں ترجیح حاصل ہوا کرتی ہے۔ لیکن حنفیہ کے یہاں آج بہت سے اصحابِ علم اصح قول کے بجائے، غیر اصح قول کو ترجیح دیتے ہیں، اور اوپر سے اس کو ہر عامی و مفتی کے لیے ضروری اور لازم بھی قرار دیتے ہیں۔ محمد رضوان۔

جب آپ نے یہ جان لیا، تو آپ کے سامنے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ نسفی کے حوالہ سے جو یہ بات ذکر کی گئی کہ یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اس کا مذہب صواب ہے، خطاء کا احتمال رکھتا ہے، یہ اس قول پر مبنی ہے کہ جس کی رو سے مفضول کی تقلید جائز نہیں، اور مذہبِ معین کا التزام لازم ہے (اور یہ قول جمہور اور اصح قول کے خلاف ہے، جیسا کہ گزرا) اور یہ عقیدہ عامی شخص پر صادق نہیں آتا (کیونکہ اس کو دلائل سے اپنے مذہب کے صواب اور دوسرے کے خطاء ہونے کا علم نہیں ہوتا، جبکہ مجتہد اپنے اجتہاد کی رُو سے راجح قول کی پیروی کیا کرتا ہے، اس لیے اس کو اپنے اجتہاد سے ''صواب'' اور ''خطاء'' کی طرف رجحان ہو جاتا ہے) اور میں نے ابنِ حجر ہیتمی کے فتاویٰ فقہیہ کے آخر میں ان میں سے بعض چیزوں کی تصریح دیکھی ہے، چنانچہ ان سے نسفی کی مذکورہ عبارت کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے یہ تحریر کیا کہ ائمۂ شافعیہ کا قول اسی طرح سے ہے، پھر فرمایا کہ یہ ضعیف قول پر مبنی ہے، جس کی رُو سے اعلم کی تقلید واجب ہے، نہ کہ اس کے غیر کی۔

لیکن اصح قول یہ ہے کہ اس کو، جس کی وہ چاہے، تقلید کرنے کا اختیار حاصل ہے، اگرچہ وہ (یعنی جس کی تقلید کی جارہی ہے) مفضول ہو، اور اگرچہ اس (تقلید کیے جانے والے شخص) کے بارے میں اس (تقلید کرنے والے) کا اعتقاد اسی طرح کا ہو (کہ وہ دوسرے مجتہد و مفتی کے مقابلہ میں کم فضیلت، یا کم علم رکھتا ہے)

پس اس صورت میں یہ بات ممکن نہیں کہ وہ (یعنی تقلید کرنے والا) اس بات کا یقین کرے، یا غالب گمان کرے کہ وہ (یعنی جس کی وہ تقلید کر رہا ہے، دوسرے مجتہدین کے مقابلہ میں) صواب پر ہے، بلکہ مقلد پر یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اس کا امام جس طرف گیا ہے، وہ حق ہونے کا احتمال رکھتا ہے (جس طرح خطاء ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے) ابنِ حجر ہیتمی نے فرمایا کہ پھر میں نے محقق ابنِ ہمام

www.idaraghufran.org

کی اس بات کی تائید میں تصریح بھی دیکھی، انہوں نے ہدایہ کی شرح (یعنی فتح القدیر) میں فرمایا کہ عامی کا اس قول کو لینا، جس کے بارے میں اس کے دل میں صواب ہونا واقع ہو جائے، یہ اولیٰ ہے، پس اس بناء پر جب وہ دو مجتہدین سے فتویٰ طلب کرے (یا معتبر سند سے ان کا قول ملاحظہ کرے) اور ان کے فتویٰ میں اختلاف سامنے آئے، تو اولیٰ (وبہتر) یہ ہے کہ ان دونوں فتووں میں سے، جس کی طرف اس کا دل مائل ہو، اس کو اختیار کرلے، اور میرے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ اگر اس کے قول کو اختیار کرلے گا، جس کی طرف دل کا میلان نہیں، تو بھی جائز ہے، کیونکہ اس کے (غیر مجتہد ہونے کی وجہ سے) دل کا میلان اور عدمِ میلان برابر ہے، اس پر تو (بلا تعیین) محض کسی بھی مجتہد کی تقلید واجب ہے، جو وہ کر چکا ہے (لہٰذا یہ گناہ گار نہ ہوگا) (ردالمحتار)

اس سے معلوم ہوا کہ آج کل جو بعض حضرات اعلم و افضل کی اتباع وتقلید کو واجب قرار دیتے ہیں، اور اسی کے ساتھ مختلف حضرات، اپنے اپنے سلسلے کے اکابر و بزرگوں کو افضل و اعلم سمجھ کر، دوسروں کے مقابلے میں ان کی اتباع و پیروی کو ضروری ٹھہراتے ہیں، اور اپنے اپنے مسلک کے ''صواب محتملُ الخطاء'' اور دوسرے کے مسلک کے ''خطاء محتملُ الصواب'' کا اعتقاد رکھنے پر زور دیتے ہیں، اور عامی پر مذہبِ معین کی تخصیص کو لازم قرار دیتے ہیں، یہ راجح نہیں۔

اور علامہ ابنِ عابدین شامی ''ردُّالمحتار'' ہی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

هذا مبنى على قول بعض الأصوليين لا يجوز تقليد المفضول مع وجود الفاضل، وبنى على ذلك وجوب اعتقاد أن مذهبه صواب يحتمل الخطأ، وأن مذهب غيره خطأ يحتمل الصواب؛ فإذا سئل عن حكم لا يجيب إلا بما هو صواب عنده، فلا يجوز أن يجيب

بمذهب الغير وقدمنا فى ديباجة الكتاب تمام الكلام على ذلك

(ردالمحتار، ج۳ص۵۰۸، کتاب الطلاق، باب العدة)

ترجمہ: یہ (یعنی اگر حنفی سے کہا گیا کہ اس مسئلہ میں امام شافعی کا مذہب کیا ہے؟ تو اس پر واجب ہے کہ وہ یہ کہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے) بعض اصولیین کے اس قول پر مبنی ہے، جس کی رو سے فاضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید جائز نہیں، اوراسی قول پر یہ بھی مبنی ہے کہ اپنے مذہب کے **صواب** اور **محتملُ الخطاء** اوردوسرے کے مذہب کو **خطاء محتملُ الصواب** ہونے کا اعتقاد رکھنا واجب ہے، پس جب اس سے کسی حکم کا سوال کیا جائے، تو اس پر اس کے مطابق ہی جواب دینا ضروری ہے، جواس کے نزدیک صواب ہو، اور مذہبِ غیر کے مطابق جواب دینا جائز نہیں، اور ہم اس کتاب کے مقدمہ میں اس پر مکمل کلام ذکر کرچکے ہیں (ردالمحتار)

''**رَدُّ المحتار**'' کے مقدمہ کی عبارت سے متعلق کلام پہلے گزر چکا ہے، جس میں افضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید کے جائز ہونے اور تمام مجتہدین کے اقوال و مذاہب کے مساوی ہونے کا راجح ہونا اور عامی کے لیے، مذہبِ معین کے عدمِ التزام کا راجح ہونا مذکور ہے۔

اسی لیے غیر مجتہد کے ذمہ ایک امام کے قول کو فتوے میں نقل کرنا ضروری نہیں۔

چنانچہ علامہ ابنِ عابدین شامی ''**رَدُّالمحتار**'' ہی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

(قوله يكتب جواب أبى حنيفة) هذا بناء على ما قالوا إنه يجب اعتقاد أن مذهبه صواب يحتمل الخطأ ومذهب غيره بخلاف ذلك، وهذا مبنى على أنه لا يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل، والحق جوازه، وهذا الاعتقاد إنما هو فى حق المجتهد

لا فی حق التابع المقلد، فإن المقلد ینجو بتقلید واحد منهم فی الفروع ولا یجب علیه الترجیح اهـ .ط ومثله فی خلاصة التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق للأستاذ عبد الغنی النابلسی قدس الله سره (ردالمحتار، ج٦ص ٤٢١، کتاب الحظر والإباحة،فصل فی البیع،فرع یکره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم یتخط رقاب الناس)

ترجمہ: صاحبِ درِمختار کا یہ کہنا کہ (مفتی ناقل) امام ابوحنیفہ کا جواب لکھے، یہ ان حضرات کے قول پر مبنی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ اپنے مذہب کے متعلق صواب محتمل الخطاء اور دوسرے کے مذہب کے متعلق اس کے برعکس (یعنی خطاء متحمل الصواب کا) عقیدہ رکھنا واجب ہے، اور یہ عقیدہ بھی اس پر مبنی ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید جائز نہیں، حالانکہ حق بات یہ ہے کہ جائز ہے (یعنی افضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید جائز ہے، اور مفتی ناقل کو خاص امام ومذہب کا قول لکھنا ضروری نہیں) نیز یہ اعتقاد صرف مجتہد کے حق میں تو (ظنی درجہ میں) پایا جاسکتا ہے، لیکن اس کے تابع مقلد کے حق میں نہیں پایا جاتا، کیونکہ مقلد فروع میں کسی بھی مجتہد کی تقلید کر لینے سے نجات پالیتا ہے، اور اس پر کسی مجتہد کی ترجیح واجب نہیں، اسی کے مثل استاذ عبدالغنی نابلسی قدس اللہ سرہٗ کی تالیف ''خلاصة التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق'' میں ہے (ردالمحتار)

''التقریر والتحبیر'' کا تائیدی حوالہ

علامہ ابنِ امیر حاج حنفی (المتوفی: 879ہجری) نے علامہ ابنِ ہمام کی ''کتابُ التحریر'' کی شرح کرتے ہوئے اپنی کتاب ''التقریر والتحبیر'' میں فرمایا کہ:

فمعلوم أنه لا یشترط أن یکون للمجتهد مذهب مدون وأنه لا یلزم

أحدا أن يتمذهب بمذهب أحد الأئمة بحيث يأخذ بأقواله كلها ويدع أقوال غيره كما قدمناه بأبلغ من هذا.

ومن هنا قال القرافى انعقد الإجماع على أن من أسلم فله أن يقلد من شاء من العلماء بغير حجر، وأجمع الصحابة – رضى الله عنهم – أن من استفتى أبا بكر أو عمر وقلدهما فله أن يستفتى أبا هريرة ومعاذ بن جبل وغيرهما ويعمل بقولهما من غير نكير فمن ادعى دفع هذين الإجماعين فعليه الدليل (التقرير والتحرير فى علم الأصول، لابن أمير الحاج، ج۳، ص ۳۵۴، المقالة الثالثة فى الاجتهاد وما يتبعه من التقليد والإفتاء، مسألة لا يرجع المقلد فيما قلد المجتهد)

ترجمہ: یہ بات معلوم ہے کہ مجتہد کے لیے یہ بات شرط نہیں کہ اس کا مذہب، مدون ہو، اور نہ ہی کسی پر یہ بات لازم ہے کہ وہ ائمہ میں سے کسی کے مذہب کو اس طرح سے اختیار کرے کہ وہ اس کے تمام اقوال کو لے، اور دوسرے کے تمام اقوال کو چھوڑے، جیسا کہ ہم عمدہ طریقے پر پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور اسی وجہ سے علامہ قرافی نے فرمایا کہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جو شخص اسلام لائے، تو اسے علماء میں سے، جس کی وہ چاہے، تقلید کرنا جائز ہے، اس میں کوئی تنگی نہیں، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص ابوبکر، یا عمر رضی اللہ عنہما سے فتویٰ طلب کرے، اور ان کی تقلید کرے، تو اس کو ابوہریرہ اور معاذ بن جبل وغیرہ سے فتویٰ لینا، اور ان کے قول پر عمل کرنا بلا کسی نکیر کے جائز ہے، پس جو شخص (بعد میں) ان دو اجماعوں کے خلاف دعویٰ کرے، تو اس کے ذمہ دلیل لازم ہے (التقریر والتحبیر)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی معین مذہب کا التزام واجب نہ ہونا، مجمع علیہ مسئلہ ہے، ورنہ جمہور تو

اس پر متفق ہیں ہی، البتہ ''عدمِ وجوب، عدمِ جواز'' کو مستلزم نہیں۔

''تیسیرُ التحبیر'' کا تائیدی حوالہ

امیر بادشاہ حنفی (المتوفیٰ: 972ھ) ''التحریر'' کی شرح ''تیسیر التحریر'' میں مخصوص مذہب کی پابندی واجب نہ ہونے کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم جمهور العلماء على أنه لا يلزم على المقلد التمذهب بمذهب والأخذ برخصه وعزائمه ،وقيل في التزام ذلک طاعة لغير النبی صلى الله عليه وسلم فی كل أمره ونهيه ، وهو خلاف الإجماع

(تيسير التحرير، ج۴،ص۲۴۷،المقالة الثالثة فی الاجتهاد وما يتبعه من التقليد والإفتاء)

ترجمہ: پھر جمہور علماء اس بات پر ہیں کہ مقلد پر کسی مذہب کی پابندی اس طرح لازم نہیں کہ اس مذہب کی رخصتوں اور عزیمتوں کو لینا واجب ہو، بلکہ اس کے التزام کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کی اس کے ہر امر اور نہی میں اطاعت پائی جاتی ہے، جو کہ اجماع کے خلاف ہے (تیسیر التحریر)

''العقدُ الفرید'' کا تائیدی حوالہ

علامہ شرنبلالی حنفی (المتوفیٰ: 1069ھ) اپنے رسالہ ''العقدُ الفرید'' میں فرماتے ہیں:

واعلم أيضاً أنه يجوز العمل بجملة مسائل، كل منها على مذهب إمام مستقل، لما علمته، ولقول العلاّمة ابن الهمام " :وهل يقلد غيره؟ أی غير من قلّده أولاً، فی شیء فی غيره أی غير ذلک الشیء ، كأن يعمل أولاً فی مسألةٍ بقول أبی حنيفة، وثانياً فی أخرى بقول مجتهد آخر؟

المختار كما ذكره الآمدی وابن الحاجب :نعم، للقطع

www.idaraghufran.org

بالاستقراء التام بأنهم أى المستفتين فى كل عصر من زمن الصحابة ...وهلمَّ جرا، كانوا يستفتون مرة واحداً ومرة غيره، غير ملتزمين مفتياً واحداً وشاع وتكرر، ولم ينكر (العقد الفريد لبيان الراجح من الخلاف فى جواز التقليد ،هل يجوز للمقلّد أن يقلّد غير إمامه؟مشمولة: مجلة جامعة ام القرىٰ لعلوم الشرعية واللغة العربية وآدابها،ص۶۹۷، ج۱۷، العدد۳۲، ذوالحجة ۱۴۲۵ھـ، بتحقيق: د. خالد بن محمد العروسى، ومشمولة مجلة "العدل"ص ۱۹۹، العدد:۶۳، جمادى الاولىٰ ۱۴۳۵ھـ ،بتحقيق: د.احمد بن صالح البراک)

ترجمہ: یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ تمام مسائل میں اس طرح عمل کرنا جائز ہے کہ ان میں سے ہر مسئلہ ایک مستقل امام کے مذہب پر ہو، جیسا کہ آپ جان چکے ہیں، اور علامہ ابنِ ہمام کے قول کی وجہ سے کہ کیا اس کے غیر کی تقلید کرنا جائز ہے؟ یعنی جس کی پہلے تقلید کر چکا ہے، اس کے علاوہ کی تقلید کرنا جائز ہے، اس کے علاوہ کسی اور مسئلہ میں، جیسا کہ پہلے ایک مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرے، پھر دوسرے مسئلہ میں دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرے؟

مختار قول یہ ہے، جیسا کہ آمدی اور ابنِ حاجب نے ذکر کیا ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، کیونکہ مکمل تحقیق کے بعد یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے لے کر ہر زمانہ میں فتویٰ طلب کرنے والے ایک مرتبہ کسی سے، اور دوسری مرتبہ کسی اور سے فتویٰ طلب کیا کرتے تھے، ایک ہی مفتی کا التزام نہیں کیا کرتے تھے، اور یہ عمل شائع اور عام تھا، اور بار بار کیا جاتا تھا، جس پر نکیر نہیں کی گئی (اور اس کے خلاف پر اجماع ہوا نہیں) (العقد الفرید)

علامہ شرنبلالی اپنے مذکورہ رسالہ ''العقدُ الفرید'' میں ہی آگے چل کر فرماتے ہیں:

وهل يقلد غيره، أى غير من قلده أولا، فى حكم غيره، أى غير

www.idaraghufran.org

الحكم الذى عمل به أولا؟

المختار فى الجواب: نعم، يقلد غيره فى غيره، تقدير الكلام: المختار جواز التقليد لغيره فى غيره، للقطع بالاستقراء بأنهم، أى المستفتين فى كل عصر من زمان الصحابة إلى الآن كانوا يستفتون مرة [واحدا] من المجتهدين، ومرة غيره، أى غير [المجتهد]الأول، حال كونهم غير ملتزمين مفتيا واحدا، وشاع ذلك من غير نكير.

وهذا إذا لم يلتزم مذهبا معنيا.

فلو التزم مذهبا معينا كأبى حنيفة أو الشافعى، فهل يلزم الاستمرار عليه، ولا يقلد غيره فى مسألة من المسائل أم لا؟

فقيل: يلزم، كما يلزمه الاستمرار فى حكم حادثة معينة قلد فيه، ولأنه اعتقد أن مذهبه حق، فيجب عليه العمل بموجب اعتقاده .

وقيل: لا يلزم، وهو الأصح، لأن التزامه غير ملزم، إذ لا واجب إلا ما أوجبه الله ورسوله، ولم يوجب على أحد أن يتمذهب بمذهب رجل من الأئمة، فيقلده فى كل ما يأتى ويذر دون غيره، والتزامه ليس بنذر حتى يجب الوفاء به.

قلت: ولو نذره، لا يلزمه .كما لا يلزمه البحث عن الأعلم وأسد المذاهب على المعتمد (العقد الفريد لبيان الراجح من الخلاف فى جواز التقليد، جواز التخيير مقيد بعدم تتبع الرخص،مشمولة: مجلة جامعة ام القرىٰ لعلوم الشرعية واللغة العربية وآدابها،ص ۱۹۹،۲۰۰، ج۱۷، العدد۳۲، ذوالحجة ۱۴۲۵ھـ، بتحقيق: د. خالد بن محمد العروسى ، ومشمولة مجلة ''العدل''ص ۲۰۱، ۲۰۲، العدد:۶۳، جمادى الاولىٰ۱۴۳۵ھ ،بتحقيق: د .احمد بن صالح البراك)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اور کیا وہ شخص جس نے پہلے ایک مجتہد کی تقلید کرلی، تو وہ کسی اور حکم میں دوسرے مجتہد کی تقلید کرسکتا ہے، خواہ وہ پہلے اس کے مطابق عمل کرچکا ہو، یا عمل نہ کیا ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مختار قول کے مطابق، دوسرے کی تقلید کرنا جائز ہے، کیونکہ تمام تر تحقیق کے بعد یقینی طور پر یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ صحابۂ کرام کے زمانے سے لے کر تا حال، ہر زمانے میں فتویٰ طلب کرنے والے، کبھی کسی مجتہد سے، اور کبھی کسی مجتہد سے فتویٰ طلب کیا کرتے تھے، اور وہ کسی ایک مفتی کا التزام نہیں کیا کرتے تھے، جو کسی نکیر کے بغیر شائع ذائع تھا (اور اس کے خلاف پر اجماع نہیں) یہ حکم تو اس وقت ہے، جب کسی مذہبِ معین کا التزام نہ کرے۔

اور اگر کسی مذہبِ معین کا التزام کرلے، جیسے امام ابوحنیفہ، یا امام شافعی کا، تو کیا اس پر برقرار رہنا لازم ہوجاتا ہے، اور کسی بھی مسئلے میں دوسرے کی تقلید کرنے کی اجازت نہیں ہوتی؟

اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ایک مذہب پر چلنا لازم ہوجاتا ہے، جیسا کہ اس متعین واقعہ کے حکم پر چلنا لازم ہوجاتا ہے، جس میں وہ تقلید کرچکا ہے، اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا اعتقاد یہ ہوچکا ہے کہ یہ مذہب برحق ہے، لہٰذا اسے اپنے اعتقاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہوجائے گا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ایک مذہب پر چلنا لازم نہیں ہوگا، اصح قول یہی ہے، کیونکہ اس کا التزام، ملزِم نہیں، اس لیے کہ چیز وہی واجب ہوتی ہے، جس کو اللہ اور اس کے رسول نے واجب قرار دیا ہو، اور اللہ اور اس کے رسول نے کسی پر ائمہ میں سے کسی متعین شخص کے مذہب پر چلنا واجب قرار نہیں دیا، لہٰذا ہر مسئلے میں وہ جس کی چاہے، تقلید کرسکتا ہے، اور جس کو چاہے، چھوڑ سکتا ہے، اور

اس کا التزام ''نذر'' کا درجہ بھی نہیں رکھتا کہ جس کو پورا کرنا واجب ہو۔
میں کہتا ہوں کہ اگر وہ ''نذر'' بھی مان لے، تب بھی اس پر ایسا کرنا لازم نہیں ہوگا، جیسا کہ معتمد قول کے مطابق اس پر زیادہ علم والے اور زیادہ صواب والے مذہب کی تحقیق لازم نہیں ہوتی (العقد الفرید)

علامہ شرنبلالی کی مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ مذہبِ معین کے التزام کا واجب نہ ہونا راجح ہے، اگرچہ کوئی اس کا التزام بھی کیوں نہ کرلے، اور کچھ عرصہ تک ایک فقہی مذہب کے مطابق عمل کرتے رہنے کے بعد اس سے منتقل ہونا بھی جائز ہے۔

اور عامی کی قید سے مجتہد کو خارج کرنا مقصود ہے، عامی کا تو کوئی معین مذہب نہیں ہوتا، اور مجتہد کا مذہب، اس کے اجتہاد کا مقتضیٰ ہوتا ہے، اسی لیے بعض حضرات نے مذہبِ معین کے التزام کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے، عامی کی قید بھی نہیں لگائی۔

''الدّرُ الفرید فی بیان حکم التقلید'' کا تائیدی حوالہ

شرح حموی کے مصنف شیخ امام سید احمد بن محمد حموی حنفی (المتوفیٰ: 1098ھ) فرماتے ہیں:

فلو التزم مذهبا معينا كالإمام أبي حنيفة أو الشافعي، فهل يلزم الاستمرار عليه، فلا يقلد غيره في مسألة من المسائل.

فقيل: يلزم، كما يلزمه الاستمرار في حكم حادثة معينة قلد فيه؛ ولأنه اعتقد أن مذهبه حق، فيجب عليه العمل بموجب اعتقاده.

وقيل: لا يلزم، وهو الأصح؛ لأن التزامه غير ملزم؛ إذ لا واجب إلا ما أوجبه الله تعالى ورسوله عليه الصلاة والسلام، ولم يوجب على أحد أن يتمذهب بمذهب رجل من الأئمة، فيقلده في كل ما يأتي، ويذر دون غيره، والتزامه ليس بنذر حتى يجب الوفاء به.

www.idaraghufran.org

وقيل: الملتزم كمن لم يلتزم إن عمل بحكم المقلد المجتهد، لا يرجع عنه: أى عن ذلك الحكم، وفى غيره: أى غير ذلك الحكم له تقليد غيره من المجتهدين، وهذا القول فى الحقيقة تفصيل للقول الثانى، وهو الغالب على الظن لعدم ما يوجبه: أى لزوم اتباع من التزم تقليده شرعا: أى إيجابا شرعيا، إذ لا يجب على المقلد إلا اتباع أهل العلم؛ لقوله تعالى:"فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون"

وليس التزامه من الموجبات شرعا، ويتخرج منه: أى من جواز اتباع غير مقلده الأول، وعدم التضييق عليه، جواز اتباع رخص المذاهب: أى أخذه من المذاهب ما هو الأهون عليه فيما يقع من المسائل، ولايمنع منه مانع شرعى، إذ للإنسان أن يسلك المسلك الأخف عليه إذا كان له إليه سبيل، بأن لم يكن عمل بآخر: أى بقول آخر مخالفا لذلك الأخف فيه: أى فى ذلك المحل المختلف فيه .كذا فى"شرح السيد بادشاه على التحرير"

وقول ابن حزم: إن متبع الرخص فاسق بالإجماع لم يؤخذ به، وهو مردود بما أفتى به العز بن عبد السلام من أنه لا يتعين على العامى إذا قلد إماما فى مسألة أن يقلده فى سائر مسائل الخلاف؛ لأن الناس من زمن الصحابة رضى الله تعالى عنهم إلى أن ظهرت المذاهب يسألون فيما يسنح لهم العلماء المختلفين من غير نكير، وسواء اتبع الرخص فى ذلك أو العزائم؛ لأن من جعل المصيب واحدا، وهو الصحيح، لم يعينه، ومن جعل كل مجتهد

مصيب فلا إنكار على من قلد في الصواب.

وأما ما حكى عن ابن حزم فلعله محمول على من تتبعها من غير تقليد لمن قال بها، أو على الرخص المركبة في الفعل الواحد. كذا في "العقد الفريد"

بل قيل: لا يصح للعامي مذهب؛ لأن المذهب لا يكون إلا لمن له نوع نظر وبصيرة بالمذهب، أو لمن قرأ كتابا في فروع مذهب وعرف فتاوى إمامه وأقواله، وأما من لم يتأهل لذلك بل قال: أنا حنفي أو شافعي لم يصر من أهل ذلك المذهب بمجرد هذا (الدر الفريد في بيان حكم التقليد، ص ۵۱ الیٰ ۵۴،الناشر: مركز انوار العلماء للدراسات ، عمان ، الاردن)

ترجمہ: اور اگر کسی معین مذہب کا التزام کرلیا، جیسا کہ امام ابوحنیفہ، یا امام شافعی کا، تو کیا اس پر برقرار رہنا لازم ہوجائے گا کہ کسی مسئلہ میں بھی وہ دوسرے کی تقلید نہیں کرسکتا، تو اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے کہ اسی پر برقرار رہنا لازم ہے، جیسا کہ اگر کسی معین واقعہ کے حکم میں کسی مذہب کا التزام کرلے (تو اس معین ومخصوص واقعہ میں اس سے عدول کرنا منع ہوتا ہے) اور ایک دلیل یہ ہے کہ اس نے یہ اعتقاد کرلیا ہے کہ اس کا مذہب حق ہے، لہٰذا اس پر اپنے اعتقاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر کسی معین مذہب کا التزام کرلیا، تو اس پر برقرار رہنا لازم نہیں ہوگا، یہی زیادہ صحیح قول ہے، کیونکہ اس کا التزام کرلینا، اس کو لازم نہیں کرتا، جس کی وجہ یہ ہے کہ واجب تو وہی چیز ہوتی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام نے واجب کیا ہو، اور اللہ اور اس کے رسول نے لوگوں میں

سے کسی پر بھی امت کے کسی آدمی کے مذہب کو اختیار کرنے کو واجب نہیں کیا کہ وہ اپنے دین میں اس کے ہر حکم کی تقلید کرے، اور دوسرے کے حکم کو ترک کردے، اور اس کا التزام، نذر اور منت کا درجہ بھی نہیں رکھتا کہ اس کو پورا کرنا واجب ہو۔

اور ایک قول یہ ہے کہ مذہب کا التزام کرنے والا ایسا ہوتا ہے، جیسا کہ اس نے التزام نہیں کیا، اگر وہ کسی مجتہد کی تقلید کرتے ہوئے کسی حکم پر عمل کرلے، تو اس حکم سے تو رجوع نہیں کرسکتا (جس پر وہ پہلے عمل کرچکا ہے) اور اس کے علاوہ میں (یعنی جس پر اس نے ابھی عمل نہیں کیا) اس کو مجتہدین میں سے کسی اور کی تقلید کرنا جائز ہے، اور یہ قول حقیقت میں دوسرے قول کی تفصیل ہے، اور وہ غالب ہے ظن پر، کیونکہ اس کو واجب کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی جاتی، یعنی جس نے التزام کرلیا، اس کی اتباع اور تقلید کے لزوم کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی، جو شرعی اعتبار سے اس کو واجب قرار دے، کیونکہ مقلد پر تو اہلِ علم کی اتباع واجب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ''**فَاسْأَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُم لَا تَعْلَمُوْنَ**'' (اس میں کسی مخصوص مجتہد سے سوال کا حکم نہیں دیا گیا)

اور اس کا التزام کرنا شرعاً واجب کرنے والی چیزوں سے تعلق نہیں رکھتا، اور مذکورہ قاعدہ، یعنی جس کی پہلے تقلید کی گئی ہے، اس کے علاوہ کی اتباع جائز ہونے اور اس پر کوئی تنگی نہ ہونے سے، اس مسئلہ کی بھی تخریج ہوتی ہے کہ مذاہب کی رخصتوں کی اتباع کرنا جائز ہے، یعنی پیش آمدہ مسائل کے اندر، مختلف مذاہب میں سے، جو مذہب اس پر زیادہ آسان ہو، اس کو لینا جائز ہے، اور اس میں کوئی شرعی مانع نہیں پایا جاتا، کیونکہ انسان کے لیے ایسے مسلک پر چلنا جائز ہے، جو اس پر زیادہ آسان ہو، جبکہ اس کے لیے اس راستے پر چلنا ممکن ہو، بایں طور کہ اس نے دوسرے قول پر عمل نہ کیا ہو، یعنی اس زیادہ آسانی والے قول کے خلاف پر عمل نہ کیا ہو، خاص

اس مختلف فیہ محل میں، سید بادشاہ کی ''التحریر'' پر شرح میں اسی طرح سے ہے۔

اور ابنِ حزم کا یہ قول کہ متبعِ رخص بالاجماع فاسق ہے، اس قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اور یہ قول عز بن عبدالسلام کے فتوے کی رو سے بھی مردود ہے کہ عامی شخص جب کسی مسئلہ میں کسی امام کی تقلید کر لے، تو اس پر اس امام کی تمام اختلافی مسائل میں تقلید کرنا متعین نہیں ہو جاتا، کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے لے کر، مختلف مذاہب کے ظاہر ہونے کے زمانے تک، لوگ اپنی حسبِ منشاء، مختلف علماء سے سوال کرتے رہے، جس پر نکیر نہیں کی گئی، خواہ انہوں نے اس سلسلے میں اتباعِ رخص کیا ہو، یا اتباعِ عزائم کیا ہو، اس لیے کہ جس نے مصیب کو واحد قرار دیا، اور صحیح قول بھی یہی ہے، تو اس نے مصیب کی تعیین نہیں کی (لہٰذا ہر ایک امام و مجتہد کے مصیب ہونے کا احتمال برقرار رہے) اور جس نے ہر مجتہد کو مصیب قرار دیا، تو اس کے قول کی رو سے ''صواب'' میں تقلید کرنے والے پر نکیر کے کوئی معنیٰ نہیں۔

اور ابنِ حزم سے متبعِ رخص کے بالاجماع فاسق ہونے کا جو قول مروی ہے، تو غالبًا وہ اس شخص پر محمول ہے، جو کسی امام و مجتہد کے قول کی تقلید کیے بغیر تتبعِ رخص کرے، یا فعلِ واحد میں مرکب رخصتوں کو اختیار کرے، **العقد الفرید** میں اسی طرح ہے۔ [1]

---

[1] ابنِ حزم کا یہ قول ہمیں باسند طریقہ پر نہیں ملا ''و من ادعٰی فعلیه البیان بالبرهان'' البتہ وہ چونکہ عامی شخص کے حق میں بھی تقلید کو ممنوع قرار دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کا حکم لگاتے ہیں، اس بنیاد پر ہی ان کے نزدیک نہ تو اختیارِ اخف جائز ہے، اور نہ ہی اختیارِ اثقل، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے جو ثابت ہو، اسی کو اختیار کرنا ضروری ہے، خواہ وہ اخف ہو، یا اثقل۔

لہٰذا علامہ ابنِ حزم کے اس قول کی بنیاد جمہور امت کے قول کی بنیاد سے مختلف ہوگئی، جن کے نزدیک عامی شخص کو کسی بھی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

بلکہ یہاں تک بھی کہا گیا ہے کہ عامی کا کوئی مذہب صحیح ہوتا ہی نہیں، کیونکہ مذہب اسی شخص کا ہوسکتا ہے، جس کی مذہب پر نظر اور اس کی بصیرت حاصل ہو، یا جس شخص نے مذہب کی فروع میں کسی کتاب کو پڑھا ہو، اور اپنے امام کے فتاویٰ اور اقوال کی معرفت حاصل کی ہو۔ [1]

لیکن جس شخص کو یہ اہلیت حاصل نہ ہو، بلکہ وہ یہ کہے کہ میں حنفی، یا شافعی ہوں، تو اس طرح کہنے، یا سمجھنے سے وہ اس مذہب والے لوگوں میں سے نہیں ہو جائے گا

(الدر الفرید)

''خلاصةُ التحقیق'' کا تائیدی حوالہ

عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی دمشقی حنفی، اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کے بعد اس مسئلہ سے متعلق اپنے رسالہ ''خلاصةُ التحقیق'' میں فرماتے ہیں:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مجتہد کی تقلید کرنا جائز ہے، اور زیرِ بحث مسئلہ کا تعلق اسی عامی شخص سے ہے، جس میں اجتہادی شان نہ پائی جا رہی ہو۔ محمد رضوان۔

قال أبو محمد وهذه أقوال فاسده لأنها كلها دعاوى يعارض بعضها بعضا وكل ما ألزمنا الله تعالى فهو يسر وإن نقل علينا وكل شريعة تتكلف فهى خلاف الهوى لأن تركها كان موافقها للهوى لأنه قد يقع فى أوائل الفكر الوسواس وقال تعالى ذاما لقوم شرعوا لهم من الدين ما لم يأذن به الله ومن قطع بشىء مما يقع فى نفسه من الدين فقد شرع من الدين ما لم يأذن به الله تعالى وقال تعالى قل هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين فنص تعالى على أن من لا برهان له فليس بصادق وقال تعالى كتب عليكم القتال وهو كره لكم وعسى أن تكرهوا شيئا وهو خير لكم وعسى أن تحبوا شيئا وهو شر لكم فهذا يدفع قول من قال بالأخف وقال تعالى وما جعل عليكم فى الدين من حرج وهذا يدفع قول من قال بالأثقل وصح أنه لا لازم إلا ما ألزمنا الله تعالى وسواء وقع فى النفس أو لم يقع وسواء كان أخف أو أثقل (الإحكام فى أصول الأحكام لابن حزم، ج٨، ص ١٣٥، الباب الأربعون وهو باب الكلام فى الاجتهاد الخ)

[1] اور اس کا مذہب بھی اپنی نظر وبصیرت کے مطابق ہی ہوتا ہے، کسی دوسرے کی نظر وبصیرت کا وہ بھی من کل الوجوہ پابند نہیں ہوتا۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

والحاصل: أن العلماء اختلفوا فی لزوم مذهب معين، وصحح كل أحد منهم ما ذهب إليه، وعدم اللزوم هو الراجح كما ذكرناه بعد أن لا يخرج عن المذاهب الأربعة، والله ولی التوفيق (خلاصة التحقيق فی بيان حكم التقليد، لعبدالغنی النابلسی، ص ۹،وأما المقصد الأول فهل على الإنسان التزام مذهب معين أم لا؟ طبعة جديدة بالأوفست مكتبة حقيقة ،استانبول،تركيا، ۱۴۳۲ھ، ۲۰۱۱م)

ترجمہ: اور خلاصہ یہ ہے کہ علماء کا مذہبِ معین کے لزوم میں اختلاف ہے، اور ہر ایک نے اپنے اختیار کردہ قول کی تصحیح کی ہے، لیکن مذہبِ معین کا لازم نہ ہونا راجح ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، بعد اس کے کہ مذاہبِ اربعہ سے خروج نہ کرے، واللّٰہ ولی التوفیق (خلاصۃُ التحقیق)

''الاجوبةُ المصرية'' کا تائیدی حوالہ

سابق مفتی دیارِ مصر علامہ محمد بخيت المطيعی حنفی ''المتوفیٰ: 1354ھ'' (سابق رئيس: المجلس العلمی بمحكمة مصر الكبرىٰ الشرعية ، وعضو المحكمة العليا بها سابقا) اپنے رسالہ ''الاجوبة المصرية على الاسئلة التونسية'' میں فرماتے ہیں:

إعلم أن المفتی الذی يقلده العوام فی أقواله ويستفتونه عن حكم اللّٰه تعالىٰ فی الحوادث على ما يؤخذ من كلام بعض الأئمة لا يخلو حالهٗ أما أن يكون قد بلغ رتبة الاجتهاد المطلق أو الاجتهاد فی المذهب وأما أن يكون لم يبلغ شيئا من ذلک بل هو مقلد تلقى مذهب إمام أو أكثر من امام المجتهدين.

فان كان قد بلغ رتبة الاجتهاد المطلق أو فى المذهب فلا يخلو.
أما أن يكون المستفتى يريد حكم اللّٰه مطلقا فالمفتى حينئذ يفتيه بما يراه حكم اللّٰه فيها حسبما يؤدى إليه اجتهادهٔ بعد بذل الوسع وسبرة الأدلة وعدم مخالفة نص من كتاب أو سنة وعدم خرق اجماع مشهور أو متواتر عن من قبلهٔ من المجتهدين.
وإن كان المستفتى يريد حكم اللّٰه تعالىٰ فى الحادثة على مذهب إمام معين كمذهب أبى حنيفة أو مذهب مالک رضى اللّٰه عنهما فالمفتى حينئذ يفتيه بالقول المشهور فى ذلک المذهب بعد أن يصح عند المفتى نقل ذلک القول عن صاحبه المنقول عنه ونسبته إليه.
و ان كان المفتى مقلداً تلقى مذهب إمام واحد أو أكثر من إمام فإن كان المستفتى يريد حكم اللّٰه تعالىٰ فى الحادثة على أى مذهب كان، وكان المفتى قد تلقى أكثر من مذهب فالمفتى يفتيه بأى مذهب تلقاه بطريق صحيح من مذاهب المجتهدين بعد أن يصح عنده نسبة ذلک القول لذلک المجتهد ويعلم اجتهاد ذلک المجهتد وعدالتهٔ كالائمة الستة المشهورين وقد بينهم البدر العينى فى شرح العمدة على البخارى وبين أنهٔ يجوز تقليد أى واحد منهم و متىٰ أفتاه فى الحادثة على مذهب فلا يفتى إلا بالقول المشهور عن إمام ذلک المذهب، ولا يفتى بضعيفه.
وإن كان المستفتى يريد حكم اللّٰه فى الحادثة على مذهب إمام معين فالمفتى يفتيه بمشهور ذلک المذهب أيضاً ولا يفتيه

بضعيفه لأن المفتي متىٰ كان مقلداً كان ناقلاً للمستفتي مبلغاً لهٗ مذهب المجتهد الذى يفتيه بمذهبه فى الحادثة ولا يجوز للمفتي أن ينسب لذلک المجتهد الذى ينقل مذهبهٗ للمستفتي إلا بعد إن يصح نقله عنه ونسبتهٗ إليه بالطريق الصحيح على ما فصلهٗ عدول علماء ذلک المذهب الذين تلقوه عن صاحبه بالطريق الصحيح والذى صح نقلهٗ عن المجتهد هو مشهور مذهبه وأما ضعيفهٗ فلم يثبت نسبتهٗ إليه بطريق صحيح، فلا يجوز نسبتهٗ إليه فلا تجوز الفتوىٰ به نقلاً عنه.

نعم إذا كان المفتي مجتهداً مطلقاً أو فى المذهب وبذل وسعه حتى أداه اجتهادهٗ إلى اعتقاد صحة ذلک القول الضعيف فى مذهب غيرهٖ وأنه حكم الله على مقتضى الدليل عندهٗ وجب عليه العمل به وأفتىٰ به من يريد حكم الله عندهٗ أو حكم الله مطلقاً لا من يريد الحكم على مذهب من لم يصح عنه نقل ذلک القول ونسبتهٗ إليه ولكن نسب إليه بطريق ضعيف.

ومما فصلناه أخذاً من كلام الائمة المتشعب فى هذا الموضع ولا يمكن جمعهٗ إلا على الوجه الذى فصلناه يعلم جواب سؤال السائل .

وأن من قلده العوام عليه أن يجريهم على مشهور مذهبه إن كانوا يريدون الحكم فى حوادثهم على ذلک المذهب ولا يجوز لهٗ أن يفتيهم بضعيف مذهبه .

وإن كان يطلبون الحكم مطلقاً أو بحسب ما يراه هو من الدليل

وكان مجتهداً أفتاهم بما أداه إليه اجتهادهٗ.

ومتىٰ أفتاهم ناقلا عن إمام مجتهد فلا يفتيهم إلا بما نقلهٗ ونسبتهٗ إلى ذلك المجتهد بعد علم كونه عدلاً ثقة لم يخالف نصاً ولم يخرق إجماعا.

والواجب على العوام الذين لا يستطيعون اخذ الحكم وفهمه من الدليل ان يقلدوا مجتهدا فى الاحكام ، اما بالاخذ عنه مباشرة ، ان كان موجودا فى عصرهم ، واما بنقل الثقات عنه ، ان لم يكن موجودا فى زمنهم ، وذلك لان العوام لعجزهم عن اخذ الحكم مكلفون بما فى وسعهم ، وهو التقليد فلا مذهب لهم اصلا، بل مذهب العامى مذهب من يفتيه ، ودعوى غير المجتهد فى المذهب انه حنفى او مالكى او شافعى او غير ذلك ، دعوى لا حقيقة لها فى الواقع ونفس الامر ، بل لا معنى لكون العامى حنفيا او مالكيا او شافعيا الا انه التزم ان تكون عباداته ومعاملاته موافقة لمذهب ذلك الامام فقط تقليدا ، ولا رأى له ولامذهب.

ومما فصلناه تعلم أن المدار فى الفتوىٰ على كون المفتى به حكم اللّٰه اجتهاداً من المفتى أو نقلا منه عن مجتهد بلا فرق بين كون ذلك الحكم عزيمة أو رخصة فإن اللّٰه تعالىٰ كما يحب أن تؤتىٰ عزائمهٗ يحب أن تؤتىٰ رخصهٗ.

وكان صلى اللّٰه عليه وسلم يحب من التكاليف ما كان أيسر على أمته، يريد اللّٰه بكم اليسر ولا يريد بكم العسر، ما جعل عليكم فى الدين من حرج، ودين اللّٰه يسر لا عسر فيه.

www.idaraghufran.org

فیجوز للمفتی أن یفتی بالعزیمة والرخصة وللمکلف أن یعمل بکل منهما بل حقق بعض المحققین من الأصولیین أنهٔ یجوز للعامی أن یتتبع الرخص فی المذاهب متیٰ کان القصد مجرد التخفیف علی نفسهٖ ولم یکن القصد متابعة شهواته وهواه، ولعل مراد السائل بالعزیمة القول الصحیح وبالرخصة القول الضعیف، وقد علم الأمر فی ذلک وإلا فلا معنیٰ لذکر ذلک فی السؤال مع کون الحکم فیه علی غایة من الوضوح (الاجوبة المصرية على الاسئلة التونسية، ص۱۰۵ الیٰ ۱۰۹، مطبعة النیل بمصر، سنة ۱۳۲۴ھ)

ترجمہ: یہ بات جان لینی چاہیے کہ جس مفتی کے اقوال میں عوام الناس، تقلید کرتے ہیں، اوراس سے اپنے پیش آمدہ مسائل میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے متعلق استفتاء کرتے ہیں، تو بعض ائمہ کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کی حالت یا تو یہ ہوگی کہ وہ **اجتہادِ مطلق**، یا **اجتهاد فی المذهب** کے درجہ کو پہنچا ہوا ہوگا، یا وہ ان میں سے کسی درجہ کو پہنچا ہوا نہیں ہوگا، بلکہ وہ مقلد ہوگا، جو ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک امام، یا زیادہ ائمہ کے مذہب سے اخذ کرتا ہوگا۔

پس اگر وہ **اجتہادِ مطلق**، یا **اجتهاد فی المذهب** کے درجہ تک پہنچا ہوا ہو، تو پھر یا تو یہ صورت ہوگی کہ مستفتی مطلقاً اللہ کا حکم معلوم کرنا چاہتا ہوگا، ایسی صورت میں یہ مفتی اس کو وہ فتویٰ دے گا، جس کو وہ، اپنے اجتہاد کے مطابق اللہ کا حکم سمجھتا ہو، جب کہ وہ اپنی جدوجہد کو استعمال کرلے، اور دلائل کا احاطہ کرلے، اور یہ دیکھ لے کہ اُس میں کتاب وسنت کی کسی نص کی مخالفت نہیں پائی جارہی، اور نہ ہی اس سے پہلے مجتہدین کے اُس اجماع کی مخالفت لازم آرہی، جو مشہور، یا متواتر طریقہ پر ثابت ہے۔

www.idaraghufran.org

اور اگر مستفتی پیش آمدہ مسئلہ میں کسی متعین امام کے مذہب کے مطابق، جیسا کہ امام ابوحنیفہ، یا امام مالک رحمہما اللہ کے مذہب کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حکم کو معلوم کرنا چاہتا ہے، تو ایسی صورت میں یہ مفتی اس کو اُس مذہب کے مشہور قول کے مطابق فتویٰ دے گا، بعد اس کے کہ مفتی کے نزدیک اس قول کی نقل منقول عنہ سے ثابت ہو، اور اس کی طرف اس کی نسبت کرنا صحیح ہو۔

اور اگر مفتی مقلد ہو، جو ایک امام، یا زیادہ ائمہ کے مذہب سے مسائل کو اخذ کرتا ہو، تو اگر مستفتی اُس پیش آمدہ مسئلہ میں جو مذہب بھی ہو، اس کے مطابق اللہ کے حکم کو معلوم کرنا چاہتا ہے، اور مفتی نے ایک مذہب سے زیادہ سے اُس مسئلہ کو اخذ کیا ہے، تو مفتی اُس کو اس مذہب کے مطابق فتویٰ دے گا، جس کو اس نے مجتہدین کے مذاہب میں سے صحیح طریقہ سے اس مسئلہ کو اخذ کیا ہے، بعد اس کے کہ اس قول کی اس مجتہد کی طرف نسبت صحیح ہو، اور وہ مجتہد کے اجتہاد اور اس کی عدالت کو جانتا ہو، جیسا کہ مشہور چھ ائمہ (یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام محمد اور امام ابو یوسف) کا اجتہاد اور ان کی عدالت معلوم ہے۔

اور بدرُالدین عینی نے بخاری کی شرح ''عمدۃُ القاری'' میں ان کا بیان کیا ہے، اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی تقلید جائز ہے، اور وہ جب کسی مذہب پر کسی واقعہ کے بارے میں فتویٰ دے گا، تو اس مذہب کے امام کے مشہور قول کے مطابق ہی فتویٰ دے گا، اور وہ اس مذہب کے ضعیف قول کے مطابق فتویٰ نہیں دے گا۔

اور اگر مستفتی پیش آمدہ مسئلہ میں کسی متعین امام کے مذہب کے مطابق اللہ کا حکم معلوم کرنا چاہتا ہو، تو یہ مفتی اس کو اس مذہب ہی کے مشہور قول کے مطابق فتویٰ دے گا، اور اس مذہب کے ضعیف قول کے مطابق فتویٰ نہیں دے گا، کیونکہ مفتی

جب مقلد ہوتا ہے، تو وہ مستفتی کے لیے ناقل ہوا کرتا ہے، جو اس مجتہد کے مذہب کے مبلغ کے مطابق ہوتا ہے، جس کے مذہب کے مطابق وہ اس واقعہ میں فتویٰ دے رہا ہے، اور اس مفتی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس مجتہد کی طرف، جس کے مذہب کو نقل کر رہا ہے، اس مسئلہ کی نسبت کرے، مگر اسی صورت میں جبکہ اس مجتہد سے وہ مسئلہ منقول ہو، اور اس کی طرف نسبت صحیح طریقہ پر ثابت ہو، جس کی اس مذہب کے علمائے عدول نے تفصیل بیان کی ہے، جنہوں نے صاحبِ مذہب سے طریق صحیح کے ساتھ اس مذہب کو لیا ہے، اور مجتہد سے جس بات کی نقل صحیح ثابت ہوتی ہے، وہی اس کا مشہور مذہب بھی ہوا کرتا ہے، جہاں تک ضعیف کا تعلق ہے، تو اس کی نسبت اس مجتہد کی طرف صحیح طریقہ سے نہیں ہوتی، لہٰذا اس کی طرف اس ضعیف قول کی نسبت کرنا جائز نہیں، اور اس لیے اس کی طرف سے نقل کر کے اس پر فتویٰ دینا بھی جائز نہیں۔

البتہ جب مفتی **مجتہدِ مطلق**، یا **مجتہد فی المذہب** ہو، اور وہ اپنی جدوجہد کو استعمال کر لے، یہاں تک کہ اس کا اجتہاد اس ضعیف قول کی صحت کے عقیدہ تک پہنچا دے، اس کے مذہب سے ہٹ کر، اور وہ یہ بات جان لے کہ اس کے نزدیک دلیل کے مقتضیٰ کے مطابق، اللہ کا حکم یہی ہے، تو پھر اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور جو کوئی اس سے اس کے نزدیک اللہ کا حکم معلوم کرنا چاہتا ہے، یا مطلقاً اللہ کا حکم معلوم کرنا چاہتا ہے، تو اس اجتہاد کے مطابق قول پر فتویٰ دینا بھی جائز ہے، لیکن جو شخص کسی خاص مذہب کے مطابق اللہ کا حکم معلوم کرنا چاہتا ہے، جس سے یہ نقل صحیح طور پر ثابت نہیں، اور اس کی طرف نسبت صحیح طور پر ثابت نہیں، تو اس قول کو نقل کر دے، اور اس کی نسبت کو بھی نقل کر دے، لیکن اس کی طرف اس کی نسبت ضعیف طریقہ پر ہی کرے۔

اور ہم نے جو تفصیل مختلف ائمہ کے کلام سے اس موقعہ پر لیے جانے کے سلسلہ میں بیان کی، اور اس کو جمع کرنا ممکن نہیں، مگر اسی طریقہ پر، جس کی ہم نے تفصیل بیان کی، تو اس سے سوال کرنے والے کے سوال کا جواب معلوم ہو جائے گا۔

اور وہ شخص جس کی عوام تقلید کرتے ہیں، اس پر واجب ہے کہ وہ ان کو مشہور مذہب کے مطابق فتویٰ دے، اگر وہ اپنے واقعات میں خاص اس مذہب کے مطابق حکم معلوم کرنا چاہتے ہوں، اور اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس مذہب کے ضعیف قول کے مطابق فتویٰ دے۔

البتہ اگر لوگ اس سے مطلقاً حکم معلوم کرنا چاہتے ہیں، یا اس کی رائے کے مطابق حکم معلوم کرنا چاہتے ہیں، جس کو وہ دلیل سے راجح سمجھتا ہے، اور وہ مجتہد بھی ہے، تو وہ ان کو اپنے اجتہاد کے مطابق فتویٰ دے گا۔

اور جب وہ ان کو کسی مجتہد امام سے نقل کر کے فتویٰ دے گا، تو اس مجتہد کی طرف سے منقول ہونے کی صورت میں اس کی طرف نسبت کر کے ہی فتویٰ دے گا، جبکہ اس مجتہد کا عادل ثقہ ہونا معلوم ہو، جس میں نہ نص کی مخالفت لازم آئے، اور نہ اجماع کی مخالفت لازم آئے۔

اور وہ عوام جو دلیل سے حکم کو اخذ کرنے اور دلیل کو سمجھنے کی استطاعت نہیں رکھتے، ان پر یہ واجب ہے کہ وہ احکام میں کسی مجتہد کی تقلید کریں، یا تو براہِ راست اس سے حکم معلوم کر کے، اگر وہ ان کے زمانہ میں موجود ہو، یا پھر اس مجتہد کی طرف سے ثقہ حضرات کی نقل کے ذریعہ، اگر وہ مجتہد ان کے زمانہ میں موجود نہ ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام حکم کو دلیل کے ذریعہ سے اخذ کرنے سے عاجز ہونے کی وجہ سے اسی چیز کے مکلّف ہیں، جو ان کی وسعت میں ہے، جو کہ تقلید ہے، ان کا سرے سے کوئی مذہب نہیں ہوتا، بلکہ عامی شخص کا مذہب وہی ہوتا ہے، جو اس کو

فتویٰ دے، اور غیر مجتہد کا کسی مذہب کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ حنفی، یا مالکی یا شافعی وغیرہ ہے، تو یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی واقع اور نفس الامر میں کوئی حقیقت نہیں، بلکہ عامی شخص کے حنفی، یا مالکی، یا شافعی ہونے کا سوائے اس کے کوئی مطلب نہیں کہ اس نے اس بات کا التزام کرلیا ہے کہ اس کی عبادات اور معاملات صرف فلاں امام کے مذہب کے مطابق ہوں، اس کی تقلید کرتے ہوئے، لیکن نہ تو اس کی کوئی رائے ہوتی ہے، اور نہ اس کا اپنا کوئی مذہب ہوتا ہے۔

اور ہم نے جو تفصیل بیان کی، اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فتوے میں اللہ کے حکم کے مطابق مفتیٰ بہ ہونے کا مدار، یا تو مفتی کی طرف سے اجتہاد ہے، یا کسی بھی مجتہد کی طرف سے اجتہاد کی نقل ہے، بغیر اس فرق کے کہ وہ حکم عزیمت پر مبنی ہے، یا رخصت پر مبنی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طریقہ سے عزیمتوں پر عمل کو پسند فرماتا ہے، اسی طریقہ سے رخصتوں پر عمل کو بھی پسند فرماتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکامِ تکلیفیہ میں اس کو پسند فرمایا کرتے تھے، جو امت کے لیے زیادہ آسان ہوتا تھا، اللہ بھی تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے، اور دشواری کا ارادہ نہیں کرتا، اور اللہ نے تم پر دین میں کوئی حرج نہیں رکھا، اور اللہ کا دین آسان ہے، جس میں تنگی نہیں ہے۔

پس مفتی کے لیے جائز ہے کہ وہ عزیمت پر فتویٰ دے، اور رخصت پر بھی فتویٰ دے، اور مکلّف کے لیے جائز ہے کہ وہ ان میں سے ہر ایک پر عمل کرے، بلکہ اصولی محققین نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ عامی کے لیے مذاہب میں تتبعِ رخص جائز ہے، جبکہ اس کا مقصد اپنے اوپر محض آسانی پیدا کرنا ہو، اور اس کا مقصد اپنی شہوات اور ھواء کی اتباع کرنا نہ ہو، اور غالباً سائل کی عزیمت سے مراد ''قولِ صحیح'' ہے، اور رخصت سے مراد ''قولِ ضعیف'' ہے، اور اس بارے میں حکم معلوم ہو چکا،

www.idaraghufran.org

ورنہ تو سوال میں اس کے ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، کیونکہ اس کے بارے میں حکم بالکل واضح ہے (الاجوبۃ المصریۃ)

مذکورہ تفصیل سے عامی شخص کی ''تقلیدِ شخصی'' کا مسئلہ تو واضح ہو ہی گیا، اور جس شخص کو اپنے جزوی اجتہاد سے جزوی مسائل میں رجحان دوسرے مذہب کی طرف ہو جائے، اس پر اس مسئلہ میں بدرجہ اولیٰ ''تقلیدِ شخصی'' واجب نہیں رہتی، اور اگر اس طرح کے مسائل کی تعداد زیادہ ہو، تو پھر دوسرے کی تقلید کی پابندی بھی اسی درجہ ختم، اور اپنے اجتہاد کی پیروی جائز ہوتی جائے گی۔

مولانا اسماعیل شہید کا تائیدی حوالہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ کے والد ماجد علامہ عبدالحیئ بن فخر الدین حسنی طالبی لکھنوی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 1341ھ) نے، حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ، درحقیقت شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ کے بیٹے ہیں، اور شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بیٹے ہیں، یعنی حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے پوتے ہیں، ان کے والد کا اس وقت انتقال ہو گیا، جب حضرت شاہ اسماعیل شہید بچے تھے، جس کے بعد ان کی تربیت ان کے چچا شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ کی گود میں ہوئی، اور انہوں نے اپنے دو چچا حضرت شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہما اللہ سے درسی کتب پڑھیں، اور مدتِ دراز تک ان سے علمی فیض حاصل کیا، پھر اس کے بعد سید احمد بن عرفان شہید بریلوی سے بھی فیض حاصل کیا، اور ان کے ساتھ حرمین شریفین کا بھی سفر کیا۔

اور لوگ ان کی شان میں دو طبقات میں تقسیم ہو گئے، جن میں سے بعض تو ان کو اپنی شان سے گراتے ہیں، اور بعض بہت زیادہ بڑھاتے چڑھاتے ہیں، اور یہ ہر دور کی مختلف شخصیات کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔

اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے شرعی مسائل میں سے بعض اختیار کردہ مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

ایک تو حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک نماز اور رکوع کے شروع میں اور رکوع سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کی طرف قیام کے وقت رفع یدین کرنا سنتِ غیر مؤکدہ، سننِ ھدیٰ میں سے ہے، جس پر عمل کرنے والے کو بقدرِ عمل ثواب دیا جائے گا، اگر ہمیشہ کرے، تو اس کے بقدر، اور اگر ایک مرتبہ کرے، تو اس کے بقدر، اور اس کے تارِک پر ملامت نہیں کی جائے گی، اگرچہ عمر بھر اس پر عمل نہ کرے۔

دوسرے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک تشہد کے درمیان کلمۂ توحید کا تلفظ کرتے وقت شہادت کی انگلی کو اٹھانا ثابت ہے، جس کی تردید نہیں کی جاسکتی۔

تیسرے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک **قراءۃ خلف الامام** کے مسائل میں جانبین کے دلائل قوی ہیں، اور راجح یہ ہے کہ قرائت کرنا اولیٰ ہے، اس سلسلہ میں وہ امام محمد کے قول کو اختیار کرتے ہیں، جیسا کہ امام محمد کا قول صاحبِ ہدایہ نے نقل کیا ہے۔

چوتھے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک جہراً آمین کہنا، آہستہ آمین کہنے سے افضل ہے، کیونکہ جہراً آمین کہنے کی روایت اکثر اور زیادہ واضح ہیں۔

پانچویں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک بسم اللہ کو جہراً نہ پڑھنا، اس کو جہراً پڑھنے سے اولیٰ ہے، کیونکہ بسم اللہ کے جہراً نہ پڑھنے کی روایت اس کو جہراً

پڑھنے کی روایت کے مقابلہ میں اکثر اور زیادہ واضح ہیں۔

چھٹے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھنا ارسال کے مقابلہ میں اولیٰ ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ارسال ثابت نہیں، بلکہ "وضع" ثابت ہے، جیسا کہ امام مالک نے مؤطا میں اور ان کے علاوہ نے غیر مؤطا میں روایت کیا ہے۔

ساتویں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا اور ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا مساوی اور برابر ہیں۔

آٹھویں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک (فجر میں) قنوت اور اس کا ترک کرنا برابر ہے۔

نویں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک اجتہاد کی تجزی (یعنی کسی شخص کے بعض مسائل میں مجتہد ہونے اور بعض میں مجتہد نہ ہونے) اور تقلید کی تجزی (یعنی کسی مجتہد وامام کی بعض مسائل میں تقلید کرنے اور بعض میں تقلید نہ کرنے، بلکہ خود اجتہاد کرنے، یا کسی اور مجتہد کی تقلید کرنے) میں کوئی حرج نہیں۔

دسویں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک معین شخص کی تقلید کا التزام کر کے اس پر استمرار کے لزوم پر اجماع نہیں ہے۔

گیارہویں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک رخصتوں پر عمل کی ممانعت کے بارے میں جو اجماع کا ہونا مشہور ہے، اس میں بھی اختلاف ہے (یعنی اس مسئلہ میں بھی اجماع نہیں ہے)

بارہویں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک ائمہ اربعہ کے علاوہ (دیگر مجتہدین) کی اتباع کی ممانعت پر بھی اجماع نہیں ہے۔

تیرہویں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک حنفیہ کی اتباع، معین شخص

Idara Ghufran

کی تقلید نہیں ہے (کیونکہ مذہبِ حنفیہ کی کتب میں بہت سے اقوال امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بجائے، ان کے شاگرد اور دیگر مشائخ کے بھی پائے جاتے ہیں) پس تنہا مذہبِ حنفی کی اتباع اختیاری ہے، اسی طریقہ سے چاروں مذاہب کی تنہا اتباع بھی اختیاری ہے، پس ان مذاہب کی اتباع کرنے والے پر کوئی عیب لازم نہیں آتا، جیسا کہ مذہبِ حنفی کی اتباع کرنے والے پر کوئی عیب لازم نہیں آتا۔

خلاصہ یہ کہ شخصِ معین کی تقلید کا التزام اس صورت میں جائز نہیں، جبکہ ان روایات کی طرف رجوع کی قدرت ہو، جو اپنے مقلد (بفتح اللام) امام کے قول کے خلاف پر دلالت کریں، اور مطلق تقلید جائز ہے، ورنہ ہر عامی کو اجتہاد کا مکلّف کرنا لازم آئے گا (جس میں حرجِ عظیم پایا جاتا ہے)

چودہویں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک صحابی کے جس قول کا تعلق سنّیت سے ہو، وہ مرفوع کا حکم رکھتا ہے، البتہ صرف صحابی کی فہم حجت نہیں، بالخصوص جبکہ وہ اجلۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہو (نزهة الخواطر) [1]

[1] الشيخ إسماعيل بن عبد الغنى الدهلوى.
الشيخ العالم الكبير العلامة المجاهد فى سبيل الله الشهيد إسماعيل بن عبد الغنى ابن ولى الله بن عبد الرحيم العمرى الدهلوى أحد أفراد الدنيا فى الذكاء والفطنة والشهامة وقوة النفس والصلابة فى الدين.
ولد بدهلى لإثنتى عشرة من ربيع الثانى سنة ثلاث وتسعين ومائة وألف، وتوفى والده فى صباه، فتربى فى مهد عمه الشيخ عبد القادر بن ولى الله الدهلوى، وقرأ عليه الكتب الدرسية واستفاض عن عميه الشيخ رفيع الدين والشيخ عبد العزيز أيضاً، ولازمهم مدة طويلة، وصار بحراً زاخراً فى المعقول والمنقول، ثم لازم السيد الإمام أحمد بن عرفان الشهيد البريلوى، وأخذ عنه الطريقة، وسافر معه إلى الحرمين الشريفين سنة سبع وثلاثين ومائتين وألف فحج وزار ورجع معه إلى الهند، وساح البلاد والقرى بأمره سنتين، فانتفع به خلق لا يحصون بحد وعد، ثم سافر معه إلى الحدود سنة إحدى وأربعين ومائتين وألف، فجاهد معه فى سبيل الله، وكان كالوزير للإمام، يجهز الجيوش، ويقتحم فى المعارك العظيمة بنفسه، حتى استشهد فى بالاكوث من أرض ياغستان.
وكان نادرة من نوادر الزمان وبديعة من بدائعه الحسان، مقبلاً على الله بقلبه وقالبه، مشتغلاً بالإفادة والعبادة، مع تواضع وحسن أخلاق وكرم وعفاف وشهامة نفس وصلابة دين وحسن محاضرة وقوة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

حضرت مولانا سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ سے کچھ طلبہ نے سوالات کیے، جن کے حضرت نے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عارضة وفصاحة ورجاحة، فإذا جالسه منحرف الأخلاق أو من له فی المسائل الدينية بعض شقاق جاء من سحر بيانه بما يؤلف بين الماء والنار ويجمع بين الضب والنون، فلا يفارقه إلا وهو عنه راض.

وقد وقع مع أهل عصره قلاقل وزلازل وصار أمره أحدوثة، وجرت فتن عديدة فی حياته. وبعد مماته، والناس قسمان فی شأنه فبعض منهم مقصر به عن المقدار الذی يستحقه بل يريعه بعظائم، وبعض آخر يبالغ فی وصفه ويتعصب له كما يتعصب أهل القسم الأول وهذه قاعدة مطردة فی كل من يفوق أهل عصره فی أمر.

وأما مختاراته فی المسائل الشرعية:

فمنها أنه ذهب إلى أن رفع اليدين فی الصلاة عند الإفتتاح والركوع والقيام منه والقيام إلى الثالثة سنة غير مؤكدة من سنن الهدى فيثاب فاعله بقدر ما فعل، إن دائماً فبحسبه وإن مرة فبمثله، ولا يلام تاركه وإن تركه مدة عمره.

ومنها أن رفع المسبحة فی أثناء التشهد عند التلفظ بكلمة التوحيد ثابت بحيث لا مرد له.

وإن فی مسألة القراء ة خلف الإمام دلائل الجانبين قوية،والأظهر أن القراء ة أولى،فيقول فيه على قول محمد كما نقل عنه صاحب الهداية.

والجهر بالتأمين أولى من خفضه لأن رواية جهره أكثر وأوضح.

وترك الجهر بالتسمية أولى من الجهر بها لأن رواية ترك جهرها أكثر وأوضح من جهرها.

ووضع اليد على الأخرى أولى من الإرسال، والإرسال لم يثبت عنه صلى الله عليه وآله وسلم، بل ثبت الوضع كما روى مالك فی المؤطأ وغيره فی غيره.

والوضع تحت السرة وفوق السرة متساويان.

والقنوت وتركه متساويان.

ومما ذهب إليه أن تجزی الإجتهاد وتجزی التقليد لا بأس به.

وأن التزام تقليد شخص معين لم يجمع على لزوم الاستمرار عليه.

وما اشتهر من منع التقاط الرخص أيضاً خلاف.

واتباع غير الأئمة الأربعة أيضاً مما لم يجمع على منعه.

واتباع مذهب الحنفية ليس تقليد شخص معين، فوحدة هذا المذهب اختيارية، وكذلك وحدة المذاهب الأربعة أيضاً، فلا يلزم على متبعيه نقصان كما لا يلزم على متبع المذهب الحنفی، والحاصل أنه لا يجوز التزام تقليد شخص معين مع تمكن الرجوع إلى الروايات الدالة خلاف قول الإمام المقلد بفتح اللام والتقليد المطلق جائز وإلا لزم تكليف كل عامی.

وإن قول الصحابی من السنية فی حكم الرفع وفهم الصحابی ليس بحجة لا سيما إذا كان مخالفاً لأجلة الصحابة رضی الله عنهم(نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر،لعبد الحی بن فخر الدين بن عبد العلی الحسنی الطالبی ،ج۷،ص ۹۱۴،۹۱۵،تراجم علماء الهند وأعيانها فی القرن الثالث عشر)

www.idaraghufran.org

جوابات دیئے، ان سوالات وجوابات کا ایک اقتباس ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

طلبہ کا سوال:...... آپ امام ابوحنیفہ کو کیسا سمجھتے ہیں؟

مولانا اسماعیل شہید کا جواب:...... ایک بڑا زبردست فقیہ، فخرِ مسلمین خیال کرتا ہوں۔

طلبہ کا سوال:...... جو فقہی مسائل ان (یعنی امام ابوحنیفہ) کے ہیں، آپ انہیں تسلیم کرتے اور مانتے ہیں؟

مولانا اسماعیل شہید کا جواب:...... اکثر کو تسلیم کرتا ہوں، مگر بعض وہ مسائل، جو حدیث میں موجود ہیں (ان کو تسلیم نہیں کرتا)

طلبہ کا سوال:...... آپ میں اتنی سمجھ ہوگئی کہ آپ ان (یعنی امام ابوحنیفہ) کے بعض فقہی مسائل کو ناپسند، اور اکثر کو پسند کرنے کے مجاز ہیں؟

مولانا اسماعیل شہید کا جواب:...... نہیں، حاشا وکلا! یہ میں نے دعویٰ نہیں کیا، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ امام اعظم کو جو حدیث نہیں پہنچی، اور وہاں انہوں نے اپنی رائے سے (کوئی دوسرا حکم) بیان کیا، اور اس کے خلاف حدیث موجود ہے، تو ہمارا فرض ہے کہ حدیثِ نبوی کے آگے، امام اعظم کا قول، یا رائے تسلیم نہ کریں۔

طلبہ کا سوال:...... اور جو اس کے خلاف کرلے (یعنی حدیث کے برخلاف امام ابوحنیفہ کے قول کو ہی مانے) اسے آپ کیا کہتے ہیں؟

مولانا اسماعیل شہید کا جواب:...... ابھی تک میں نے اس کی بابت غور نہیں کیا، پھر بھی میں اتنا کہتا ہوں، چاہے میرا خیال درست ہو، چاہے نادرست، کہ وہ اچھا نہیں کرتا، کیونکہ امام صاحب خود فرماتے ہیں کہ ''اگر میرے قول کے خلاف کوئی حدیث ملے، تو اس میرے قول کو نہ مانو''۔

IdaraGhufran

طلبہ کا سوال:...... کیا امام اعظم، حدیث نہیں جانتے تھے؟

مولانا اسماعیل شہید کا جواب:...... جانتے کیوں نہیں تھے، مگر وہ زمانہ احادیث کی اختراعات کا ایسا غضب ناک تھا کہ یکا یک ہر حدیث کو تسلیم کرتے ہوئے ڈرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ نے اکثر مسائل میں اپنی رائے (واجتہاد) سے کام لیا ہے۔ [1]

طلبہ کا سوال:...... کیا اس سے وہ ملزم ٹھہر سکتے ہیں؟

مولانا اسماعیل شہید کا جواب:...... نہیں، ہرگز نہیں! ان کا دامنِ تقدس ہر بے جا الزام سے بالکل پاک ہے، ہاں اگر یہ کہتے کہ ''صحیح حدیث پہنچنے پر بھی تم میرے قول پر عمل کیے جاؤ'' تب تو جائے اعتراض ہوسکتی ہے، اور جب وہ یہ نہیں فرماتے، پھر ان پر کسی طور کا الزام قائم کرنے والا جھوٹا ہے (حیاتِ طیبہ، ص۵۸، ۵۹، مؤلفہ: مولانا مرزا حیرت دہلوی مرحوم، تیسرا باب: مولانا شہید کا پہلا وعظ اور عوام الناس کی شورش، مطبوعہ: ثنائی برقی پریس، امرتسر، تاریخِ طبع: رمضان ۱۳۵۱ھ، جنوری 1933ء)

علامہ ابنِ تیمیہ کی تائیدات

علامہ ابنِ تیمیہ کے ''مجموعُ الفتاویٰ'' میں ایک مقام پر ہے کہ:

اتفق المسلمون على أن كل أحد من الناس :يؤخذ من قوله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم وإن كانوا متفاضلين في الهدى والنور والإصابة (مجموع الفتاوى، ج۲، ص۲۲۷، كتاب توحيد الألوهية، فصل: في ذكر بعض ألفاظ ابن عربي التي تبين ما ذكرنا من مذهبه فإن أكثر الناس قد لا يفهمونه، كل احد يؤخذ من كلامه ويرد الا الرسول صلى الله عليه وسلم)

---

[1] ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کو جو حدیث نہیں پہنچی، یا جس کی سند، یا دلالت پر اطمینان نہ ہوا، وہاں اس کے بجائے، قیاس واجتہاد سے کام لیا، اور اس اجتہاد پر وہ ماجور ہیں، اگرچہ وہ قول فی الواقع، یا دوسرے کی نظر میں مرجوح، یا خطاء پر مبنی، اور حدیث کے خلاف کیوں نہ ہو، جیسا کہ اگلے سوال کے جواب میں آتا ہے۔ محمد رضوان۔

ترجمہ: مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لوگوں میں سے ہر ایک کے قول کو لیا بھی جائے گا، اور ترک بھی کیا جائے گا، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، اگرچہ لوگ، ہدایت اور نور اور اصابتِ حق میں ایک دوسرے پر فضیلت کیوں نہ رکھتے ہوں (مجموع الفتاویٰ)

مطلب یہ ہے کہ انسانوں میں صحابی، ولی، مجدد، مجتہد، امام، فقیہ، محدث، مفسر، متکلم اور صوفی وغیرہ، نہ جانے کتنے قسم کی بزرگ ہستیاں، کیوں نہ ہوں، اور کسی نہ کسی جہت سے ایک کو دوسرے پر فضیلت کیوں نہ ہو، لیکن ہر ایک کا قول قابلِ قبول اور قابلِ رَد ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کے ''مجموعُ الفتاویٰ'' میں ایک مقام پر ہے کہ:

لا يتبع ما خالف الكتاب والسنة ولا يجعل ذلك شرعة ولا منهاجا؛ بل لا سبيل إلى الله ولا شرعة إلا ما جاء به محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم.

وأما الأشخاص الذين خالفوا بعض ذلك على الوجوه المتقدمة فيعذرون ولا يذمون ولا يعاقبون .

فإن كل أحد من الناس قد يؤخذ من قوله وأفعاله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم .وما من الأئمة إلا من له أقوال وأفعال لا يتبع عليها مع أنه لا يذم عليها (مجموع الفتاوى، ج١٠، ص ٣٨٣، كتاب علم السلوك، فصل فيما يقع من امور تخالف الشرع من بعض الصوفية والانكار عليها ، تسليم الحال له معنيان)

ترجمہ: جو قول کتاب وسنت کے خلاف ہو، اس کی اتباع نہیں کی جائے گی، اور اس کو ''شریعۃ'' اور ''منہاج'' نہیں قرار دیا جائے گا، اور اللہ کی طرف پہنچنے اور

شریعت کو معلوم کرنے کا طریقہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔

جہاں تک ان اشخاص کا تعلق ہے، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض امور میں ان وجوہات کی بناء پر مخالفت کی، جو گزر چکیں (یعنی اجتھادی خطاء، مسلوبُ العقل، ساقطُ التمییز ہونے کی وجہ سے) تو ان کو معذور قرار دیا جائے گا، اور ان کی مذمت نہیں کی جائے گی، اور نہ ان کا مؤاخذہ کیا جائے گا، کیونکہ لوگوں میں سے ہر ایک کے قول، اور فعل کو لیا بھی جاتا ہے، اور ترک بھی کیا جاتا ہے، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، اور ائمہ میں سے کوئی امام بھی ایسا نہیں، جس کے کچھ ایسے اقوال اور افعال نہ ہوں، جن کی اتباع نہیں کی جاتی، لیکن اس کے باوجود ان کو قابلِ مذمت قرار نہیں دیا جاتا (مجموع الفتاویٰ)

اس عبارت سے جہاں کتاب وسنت کے خلاف، کسی کے قول کے حجت نہ ہونے کا علم ہوا، اسی کے ساتھ اگر کسی سے اجتہادی خطاء کی وجہ سے کوئی قول صادر ہوا ہو، اس کا معذور اور قابلِ نکیر نہ ہونا بھی معلوم ہوا۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر امام کے کچھ اقوال ایسے ہیں کہ ان کی اتباع، وہ لوگ بھی نہیں کرتے، جو ان کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، کیونکہ اللہ کے رسول کے علاوہ ہر انسان سے دین کی بات میں خطاء کا صدور ممکن ہے، اس لیے ”بالمعنى الحقيقي“ ”تقلیدِ شخصی“ ممکن نہیں۔

اسی وجہ سے اس زمانہ میں، فقہ حنفی کی جو موجودہ شکل ہے، اور اس پر عملی انداز میں فقہ حنفی کی عمارت قائم ہے، وہ کئی مجتہدینِ مطلق کے اجتہادات کا مجموعہ ہے، جن میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد جیسے مجتہدینِ مطلق، اور اُن کے بعد فقہ حنفی کی طرف منتسب، بہت سے فقہاء شامل ہیں، جن کی آپس میں فقہی آراء، ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اور اُن کے مابین فقہ میں فروعی واصولی نوعیت کے بہت سے

اختلافات ہیں، جن میں کہیں کسی کے، اور کہیں کسی کے اقوال پر فتویٰ ہے، اور یہ فتاویٰ مختلف زمانوں کے مصالح، اور مختلف اہلِ اجتہاد کی ترجیحات کے پیشِ نظر، مختلف ہوتے رہے، اور آئندہ بھی ضرورت پڑنے پر ہوتے رہیں گے۔

اور اصحابِ ابی حنیفہ کے ''مجتہدِ مطلق'' ہونے کے ثبوت پر کلام، ہم اس موضوع پر اپنی دوسری ایک مستقل تالیف میں کر چکے ہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہ کے ''مجموعُ الفتاویٰ'' میں ایک مقام پر ہے کہ:

وقد اتفق أهل السنة والجماعة على أن علماء المسلمين لا يجوز تكفيرهم بمجرد الخطأ المحض؛ بل كل أحد يؤخذ من قوله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس كل من يترك بعض كلامه لخطأ أخطأه يكفر ولا يفسق؛ بل ولا يأثم(مجموع الفتاوى، لابن تيمية، ج٣٥، ص١٠٠، كتاب قتال أهل البغى، المتنازعون فى عصمة الانبياء لايكفرون)

ترجمہ: اور اہلُ السنۃ والجماعۃ اس بات پر متفق ہیں کہ علمائے مسلمین میں سے کسی کی مجرد خطائے محض کی وجہ سے تکفیر کرنا جائز نہیں، بلکہ ہر ایک کے قول سے لیا جائے گا، اور چھوڑا جائے گا، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (کہ آپ کا ہر حکم قابلِ اتباع ہے) اور ہر وہ شخص کہ جس کے بعض کلام کو اس کی خطاء کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے، تو اس کی تکفیر بھی نہیں کی جائے گی، اور تفسیق بھی نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کو گناہ گار بھی قرار نہیں دیا جائے گا (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ کے ''مجموعُ الفتاویٰ'' میں ایک مقام پر ہے کہ:

وقد اتفق سلف الأمة وأئمتها على أن كل أحد يؤخذ من قوله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم. وهذا من الفروق

www.idaraghufran.org

بين الأنبياء وغيرهم فإن الأنبياء صلوات الله عليهم وسلامه يجب لهم الإيمان بجميع ما يخبرون به عن الله عز وجل وتجب طاعتهم فيما يأمرون به؛ بخلاف الأولياء فإنهم لا تجب طاعتهم فى كل ما يأمرون به ولا الإيمان بجميع ما يخبرون به؛ بل يعرض أمرهم وخبرهم على الكتاب والسنة فما وافق الكتاب والسنة وجب قبوله وما خالف الكتاب والسنة كان مردودا وإن كان صاحبه من أولياء الله وكان مجتهدا معذورا فيما قاله له أجر على اجتهاده .لكنه إذا خالف الكتاب والسنة كان مخطئا وكان من الخطإ المغفور إذا كان صاحبه قد اتقى الله ما استطاع؛ فإن الله تعالى يقول:"فاتقوا الله ما استطعتم"وهذا تفسير قوله تعالى"يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته" قال ابن مسعود وغيره :حق تقاته أن يطاع فلا يعصى وأن يذكر فلا ينسى؛ وأن يشكر فلا يكفر أى بحسب استطاعتكم فإن الله تعالى لا يكلف نفسا إلا وسعها كما قال تعالى:"لا يكلف الله نفسا إلا وسعها لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت"وقال تعالى:"والذين آمنوا وعملوا الصالحات لا نكلف نفسا إلا وسعها أولئک أصحاب الجنة هم فيها خالدون" وقال تعالى:" وأوفوا الكيل الميزان بالقسط لا نكلف نفسا إلا وسعها"(مجموع الفتاوى،لابن تيمية،ج ۱۱،ص ۲۰۹، كتاب التصوف، الانبياء تحت طاعتهم بخلاف الاولياء)

ترجمہ: اور سلف امت اور ان کے ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر ایک کے قول میں سے (صحیح بات کو) لیا جائے گا، اور (غیر صحیح، یا خطاء والی بات کو) ترک بھی کیا

www.idaraghufran.org

جائے گا، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (کہ آپ کا ہر حکم قابلِ قبول ہوگا) اور یہ بات انبیاء اور غیر انبیاء کے مابین فرق والی چیزوں میں سے ہے، کیونکہ انبیاء صلوات اللہ علیہم وسلامہ، پر اُن کی اللہ عزوجل کی طرف سے لائی ہوئی تمام چیزوں کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے، اوران کی حکم دی ہوئی تمام چیزوں میں اطاعت واجب ہے، بخلاف اولیائے کرام (ومجتہدینِ عظام) کے کہ ان کی حکم دی ہوئی تمام چیزوں میں نہ تو اطاعت واجب ہے، اور نہ ہی ان کی خبر دی ہوئی تمام چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے، بلکہ ان کے حکم اور خبر کو کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر پیش کیا جائے گا، پس جو بات کتاب وسنت کے موافق ہوگی، اس کو قبول کرنا واجب ہوگا، اور جو بات کتاب وسنت کے خلاف ہوگی، اس کو رَد کر دیا جائے گا، اگرچہ وہ بات کہنے والا اولیاء اللہ میں سے کیوں نہ ہو، اور وہ اپنے قول میں ''مجتہد معذور'' کیوں نہ ہو، جس کو اپنے اجتہاد پر اجر حاصل ہوا ہو، لیکن جب اس کی بات کتاب وسنت کے خلاف ہوگی، تو وہ مخطی ہوگا، اس کی خطاء، معاف کی ہوئی ہوگی، بشرطیکہ اس نے حسبِ استطاعت، اللہ سے تقویٰ اختیار کیا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم**''

یہی اللہ تعالیٰ کے قول ''**یـآ أیھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ حق تقاتہ**'' کی، ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کے قول کے مطابق تفسیر ہے، جنہوں نے فرمایا کہ ''**حق تقاتہ**'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے، اور اللہ کی نافرمانی نہ کی جائے، اور اللہ کو یاد کیا جائے، اور اسے بھولا نہ جائے، اور اس کا شکر کیا جائے، ناشکری نہ کی جائے، اپنی استطاعت کے مطابق، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کی استطاعت کے مطابق ہی مکلّف فرماتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**لا یکلف اللّٰہ نفسا إلا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت**'' اور

www.idaraghufran.org

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''والذین آمنوا وعملوا الصالحات لا نکلف نفسا إلا وسعها أولئک أصحاب الجنة هم فيها خالدون ''اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وأوفوا الكيل الميزان بالقسط لا نكلف نفسا إلا وسعها'' (مجموع الفتاویٰ)

مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی وسعت واستطاعت جدا ہے، اجتہادی درجے بھی مختلف ہیں، لہٰذا ہر شخص اپنی استطاعت اور وسعت کے مطابق اجتہاد کر کے اجر وثواب کا مستحق ہوگا، لیکن اگر اس کی بات کتاب وسنت کے خلاف ہو، تو اس کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ابنِ تیمیہ کے ''مجموعُ الفتاویٰ'' میں ایک مقام پر ہے کہ:

وسئل :عمن يقلد بعض العلماء فى مسائل الاجتهاد :فهل ينكر عليه أم يهجر؟ وكذلک من يعمل بأحد القولين؟

فأجاب :الحمد لله، مسائل الاجتهاد من عمل فيها بقول بعض العلماء لم ينكر عليه ولم يهجر ومن عمل بأحد القولين لم ينكر عليه وإذا كان فى المسألة قولان :فإن كان الإنسان يظهر له رجحان أحد القولين عمل به وإلا قلد بعض العلماء الذين يعتمد عليهم فى بيان أرجح القولين والله أعلم.

وسئل -رضى الله عنه :-ما تقول السادة العلماء أئمة الدين -رضى الله عنهم أجمعين -فى رجل سئل إيش مذهبک؟ فقال: محمدى أتبع كتاب الله وسنة رسوله محمد صلى الله عليه وسلم فقيل لا :ينبغى لكل مؤمن أن يتبع مذهبا ومن لا مذهب له فهو شيطان فقال :إيش كان مذهب أبى بكر الصديق والخلفاء بعده -رضى الله عنهم -؟ فقيل له :لا ينبغى لک إلا أن تتبع مذهبا من

هذه المذاهب فأيهما المصيب؟ أفتونا مأجورين.

فأجاب :الحمد لله!إنما يجب على الناس طاعة الله والرسول وهؤلاء أولوا الأمر الذين أمر الله بطاعتهم فى قوله: "أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم"إنما تجب طاعتهم تبعا لطاعة الله ورسوله لا استقلالا ثم قال:"فإن تنازعتم فى شيء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا"

وإذا نزلت بالمسلم نازلة فإنه يستفتى من اعتقد أنه يفتيه بشرع الله ورسوله من أى مذهب كان ولا يجب على أحد من المسلمين تقليد شخص بعينه من العلماء فى كل ما يقول ولا يجب على أحد من المسلمين التزام مذهب شخص معين غير الرسول صلى الله عليه وسلم فى كل ما يوجبه ويخبر به بل كل أحد من الناس يؤخذ من قوله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم .واتباع شخص لمذهب شخص بعينه لعجزه عن معرفة الشرع من غير جهته إنما هو مما يسوغ له ليس هو مما يجب على كل أحد إذا أمكنه معرفة الشرع بغير ذلك الطريق بل كل أحد عليه أن يتقى الله ما استطاع ويطلب علم ما أمر الله به ورسوله فيفعل المأمور ويترك المحظور.واللہ اعلم .

وسئل شيخ الإسلام – رحمه الله –:

عن رجل تفقه فى مذهب من المذاهب الأربعة وتبصر فيه واشتغل بعده بالحديث فرأى أحاديث صحيحة لا يعلم لها ناسخا ولا

www.idaraghufran.org

مخصصا ولا معارضا وذلک المذهب مخالف لها: فهل يجوز له العمل بذلک المذهب؟ أو يجب عليه الرجوع إلى العمل بالأحاديث ويخالف مذهبه؟

فأجاب:

الحمد لله، قد ثبت بالكتاب والسنة والإجماع أن الله سبحانه وتعالى فرض على الخلق طاعته وطاعة رسوله صلى الله عليه وسلم ولم يوجب على هذه الأمة طاعة أحد بعينه فى كل ما يأمر به وينهى عنه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى كان صديق الأمة وأفضلها بعد نبيها يقول: أطيعونى ما أطعت الله فإذا عصيت الله فلا طاعة لى عليكم .

واتفقوا كلهم على أنه ليس أحد معصوما فى كل ما يأمر به وينهى عنه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم ولهذا قال غير واحد من الأئمة: كل أحد من الناس يؤخذ من قوله ويترک إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم.

وهؤلاء الأئمة الأربعة رضى الله عنهم قد نهوا الناس عن تقليدهم فى كل ما يقولونه وذلک هو الواجب عليهم.

فقال أبو حنيفة :هذا رأيى وهذا أحسن ما رأيت؛ فمن جاء برأى خير منه قبلناه ولهذا لما اجتمع أفضل أصحابه أبو يوسف بمالک فسأله عن مسألة الصاع؛ وصدقة الخضراوات؛ ومسألة الأجناس؛ فأخبره مالک بما تدل عليه السنة فى ذلک فقال: رجعت إلى قولک يا أبا عبد الله ولو رأى صاحبى ما رأيت لرجع

www.idaraghufran.org

إلى قولک کما رجعت.

ومالک کان يقول :إنما أنا بشر أصيب وأخطء فاعرضوا قولى على الکتاب والسنة أو کلاما هذا معناه .والشافعى کان يقول : إذا صح الحديث فاضربوا بقولى الحائط وإذا رأيت الحجة موضوعة على الطريق فهى قولى .وفى مختصر المزنى لما ذکر أنه اختصره من مذهب الشافعى لمن أراد معرفة مذهبه قال :مع إعلامه نهيه عن تقليده وتقليد غيره من العلماء .

والإمام أحمد کان يقول :لا تقلدونى ولا تقلدوا مالکا ولا الشافعى ولا الثورى وتعلموا کما تعلمنا .وکان يقول :من قلة علم الرجل أن يقلد دينه الرجال وقال :لا تقلد دينک الرجال فإنهم لن يسلموا من أن يغلطوا .

وقد ثبت فى الصحيح عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :(من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين) ولازم ذلک أن من لم يفقهه الله فى الدين لم يرد به خيرا فيکون التفقه فى الدين فرضا .والتفقه فى الدين :معرفة الأحکام الشرعية بأدلتها السمعية .فمن لم يعرف ذلک لم يکن متفقها فى الدين. لکن من الناس من قد يعجز عن معرفة الأدلة التفصيلية فى جميع أموره فيسقط عنه ما يعجز عن معرفته لا کل ما يعجز عنه من التفقه ويلزمه ما يقدر عليه .

وأما القادر على الاستدلال؛ فقيل :يحرم عليه التقليد مطلقا وقيل :يجوز مطلقا وقيل :يجوز عند الحاجة؛ کما إذا ضاق الوقت عن الاستدلال وهذا القول أعدل الأقوال .

www.idaraghufran.org

والاجتهاد ليس هو أمرا واحدا لا يقبل التجزى والانقسام بل قد يكون الرجل مجتهدا فى فن أو باب أو مسألة دون فن وباب ومسألة.

وكل أحد فاجتهاده بحسب وسعه.

فمن نظر فى مسألة تنازع العلماء فيها ورأى مع أحد القولين نصوصا لم يعلم لها معارضا بعد نظر مثله فهو بين أمرين:

إما أن يتبع قول القائل الآخر لمجرد كونه الإمام الذى اشتغل على مذهبه؛ ومثل هذا ليس بحجة شرعية بل مجرد عادة يعارضها عادة غيره واشتغال على مذهب إمام آخر .وإما أن يتبع القول الذى ترجح فى نظره بالنصوص الدالة عليه وحينئذ فتكون موافقته لإمام يقاوم ذلك الإمام وتبقى النصوص سالمة فى حقه عن المعارض بالعمل فهذا هو الذى يصلح.

.وإنما تنزلنا هذا التنزل لأنه قد يقال :إن نظر هذا قاصر وليس اجتهاده قائما فى هذه المسألة؛ لضعف آلة الاجتهاد فى حقه .

أما إذا قدر على الاجتهاد التام الذى يعتقد معه أن القول الآخر ليس معه ما يدفع به النص فهذا يجب عليه اتباع النصوص وإن لم يفعل كان متبعا للظن وما تهوى الأنفس وكان من أكبر العصاة لله ولرسوله.

بخلاف من يقول :قد يكون للقول الآخر حجة راجحة على هذا النص وأنا لا أعلمها فهذا يقال له :قد قال الله تعالى :(فاتقوا الله ما استطعتم) وقال النبى صلى الله عليه وسلم (إذا أمرتكم بأمر

www.idaraghufran.org

فأتوا منه ما استطعتم) والذى تستطيعه من العلم والفقه فى هذه المسألة قد دلك على أن هذا القول هو الراجح فعليك أن تتبع ذلك ثم إن تبين لك فيما بعد أن للنص معارضا راجحا كان حكمك فى ذلك حكم المجتهد المستقل إذا تغير اجتهاده وانتقال الإنسان من قول إلى قول لأجل ما تبين له من الحق هو محمود فيه بخلاف إصراره على قول لا حجة معه عليه وترك القول الذى وضحت حجته أو الانتقال عن قول إلى قول لمجرد عادة واتباع هوى فهذا مذموم.

وإذا كان الإمام المقلد قد سمع الحديث وتركه -لا سيما إذا كان قد رواه أيضا -فمثل هذا وحده لا يكون عذرا فى ترك النص فقد بينا فيما كتبناه فى "رفع الملام عن الأئمة الأعلام" نحو عشرين عذرا للأئمة فى ترك العمل ببعض الحديث وبينا أنهم يعذرون فى الترك لتلك الأعذار وأما نحن فمعذورون فى تركها لهذا القول.

فمن ترك الحديث لاعتقاده أنه لم يصح؛ أو أن راويه مجهول ونحو ذلك؛ ويكون غيره قد علم صحته وثقة راويه :فقد زال عذر ذلك فى حق هذا ومن ترك الحديث لاعتقاده أن ظاهر القرآن يخالفه؛ أو القياس؛ أو عمل لبعض الأمصار؛ وقد تبين للآخر أن ظاهر القرآن لا يخالفه؛ وأن نص الحديث الصحيح مقدم على الظواهر؛ ومقدم على القياس والعمل :لم يكن عذر ذلك الرجل عذرا فى حقه؛ فإن ظهور المدارك الشرعية

للأذهان وخفاءها عنها أمر لا ينضبط طرفاه لا سيما إذا كان التارك للحديث معتقدا أنه قد ترك العمل به المهاجرون والأنصار أهل المدينة النبوية وغيرها الذين يقال :إنهم لا يتركون الحديث إلا لاعتقادهم أنه منسوخ أو معارض براجح وقد بلغ من بعده أن المهاجرين والأنصار لم يتركوه بل عمل به طائفة منهم؛ أو من سمعه منهم؛ ونحو ذلك مما يقدح فى هذا المعارض للنص .

وإذا قيل لهذا المستهدى المسترشد :أنت أعلم أم الإمام الفلانى؟ كانت هذه معارضة فاسدة؛ لأن الإمام الفلانى قد خالفه فى هذه المسألة من هو نظيره من الأئمة ولست أعلم من هذا ولا هذا ولكن نسبة هؤلاء إلى الأئمة كنسبة أبى بكر وعمر وعثمان وعلى وابن مسعود وأبى ومعاذ ونحوهم إلى الأئمة وغيرهم فكما أن هؤلاء الصحابة بعضهم لبعض أكفاء فى موارد النزاع؛ وإذا تنازعوا فى شىء ردوا ما تنازعوا فيه إلى الله والرسول وإن كان بعضهم قد يكون أعلم فى مواضع أخر :فكذلك موارد النزاع بين الأئمة وقد ترك الناس قول عمر وابن مسعود فى مسألة تيمم الجنب وأخذوا بقول من هو دونهما كأبى موسى الأشعرى وغيره لما احتج بالكتاب والسنة وتركوا قول عمر فى دية الأصابع وأخذوا بقول معاوية لما كان معه من السنة أن النبى صلى الله عليه وسلم قال " :هذه وهذه سواء ."وقد كان بعض الناس يناظر ابن عباس فى المتعة فقال له :قال أبو بكر وعمر فقال ابن

www.idaraghufran.org

عباس :يوشك أن تنزل عليكم حجارة من السماء أقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وتقولون قال أبو بكر وعمر؟ .
وكذلك ابن عمر لما سألوه عنها فأمر بها فعارضوا بقول عمر فتبين لهم أن عمر لم يرد ما يقولونه فألحوا عليه فقال لهم :أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أحق أن يتبع أم أمر عمر؟ مع علم الناس أن أبا بكر وعمر أعلم ممن هو فوق ابن عمر وابن عباس.
ولو فتح هذا الباب لوجب أن يعرض عن أمر الله ورسوله ويبقى كل إمام في أتباعه بمنزلة النبي صلى الله عليه وسلم في أمته وهذا تبديل للدين يشبه ما عاب الله به النصارى في قوله :(اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله والمسيح ابن مريم وما أمروا إلا ليعبدوا إلها واحدا لا إله إلا هو سبحانه عما يشركون) والله سبحانه وتعالى أعلم والحمد لله وحده (مجموع الفتاویٰ، ج۲۰ص۲۰۷ الیٰ ۲۱۶، کتاب اصول الفقه،الجزء الثانی: التمذهب،سئل عمن قال : ينبغی لکل مومن ان يتبع مذهبامن المذاهب)

ترجمہ: اورابنِ تیمیہ رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا، جو اجتہادی مسائل میں بعض علماء کی تقلید کرتا ہے کہ کیا اس پر نکیر کی جائے گی، یا اس سے ترکِ تعلق کیا جائے گا؟ اور اسی طریقے سے جو شخص مجتہدین کے دو قولوں میں سے کسی ایک قول پر عمل کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

تو علامہ ابنِ تیمیہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ الحمدللہ! اجتہادی مسائل میں جو شخص بعض علماء وفقہاء کے قول پر عمل کرے، تو اس پر نہ تو نکیر کی جائے گی، اور نہ ترکِ تعلق کیا جائے گا، اور جو شخص مجتہدین کے دو قولوں میں سے کسی ایک

قول پر عمل کرے، تو اس پر بھی نکیر نہیں کی جائے گی۔

اور اگر کسی ایک مسئلے میں دو قول ہوں، اور کسی شخص کو ان دونوں قولوں میں سے کسی ایک قول کا رجحان ظاہر ہو جائے، تو وہ اس پر عمل کرے گا، ورنہ ان بعض علماء کی تقلید کرے گا، جن کے دو قولوں میں سے راجح قرار دیئے جانے والے قول کے بیان میں اعتماد کیا جاتا ہے، واللہ أعلم۔

اور ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ ائمۂ دین کے علمائے سادات رحمھم اللّٰہ اجمعین اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، جس سے پوچھا گیا کہ تیرا مذہب کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرا مذہب، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرنا ہے۔

اس کو جواب میں کہا گیا کہ یہ بات درست نہیں، ہر مومن کے لیے کسی مذہب کی اتباع ضروری ہے، اور جس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، تو وہ شیطان ہوتا ہے۔

اس نے جواب میں کہا کہ ابو بکر صدیق اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مذہب کون سا تھا؟

تو اس کو جواب میں کہا گیا کہ تمہارے لیے جائز نہیں، مگر یہ کہ ان مذاہب میں سے کسی مذہب کی اتباع کرو، تو ان میں سے کون سا شخص صحیح ہے؟ آپ ہمیں فتویٰ دے کر اجر و ثواب حاصل کریں؟

علامہ ابنِ تیمیہ نے جواب دیا کہ الحمد للّٰہ! لوگوں پر صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت واجب ہے، اور یہ اولی الامر جن کی اطاعت کا اللہ نے اپنے اس قول ”أطیعوا اللّٰہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم“ میں حکم فرمایا ہے، تو ان کی اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول کے تابع ہو کر واجب ہے، نہ کہ مستقل ہونے کی حیثیت سے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

”فإن تنازعتم فی شیء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذٰلک خير وأحسن تأويلا“ [1]

کہ ”اگر کسی چیز میں تمہارا تنازع اور اختلاف ہو، تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور تاویل کے اعتبار سے احسن ہے“

پس جب مسلمان کو کوئی مسئلہ پیش آئے، تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص سے فتویٰ طلب کرلے، جس کے بارے میں اس کا گمان ہو کہ وہ اس کو اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کے مطابق فتویٰ دے گا، خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو (اس کو کسی ایک مخصوص شخص، یا مذہب کی پابندی واجب و لازم نہیں) اور مسلمانوں میں سے کسی پر بھی علماء میں سے کسی متعین شخص کی ہر قول میں تقلید واجب نہیں، اور مسلمانوں میں سے کسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی متعین شخص کے مذہب کو لازم کرنا واجب نہیں، ہر اس چیز میں جس کو وہ ثابت قرار دے، یا جس بات کی بھی خبر دے (جو تقلیدِ شخصی کے وجوب میں ہوتا ہے) بلکہ لوگوں میں سے ہر ایک کے قول سے لیا جائے گا، اور چھوڑا جائے گا، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (کہ آپ کا ہر حکم قابلِ اتباع ہے) اور کسی شخص کا معین شخص کے مذہب کی اس لئے اتباع کرنا کہ وہ بطور خود شریعت کی معرفت سے عاجز ہے، تو اس کے لئے ایسا کرنا، جائز ہے، لیکن یہ (معین شخص کے مذہب کی

---

[1] وقوله فإن تنازعتم فی شیء فردوه إلى الله والرسول قال مجاهد وغير واحد من السلف أی إلى كتاب الله وسنة رسوله . وهذا أمر من الله عز وجل بأن كل شیء تنازع الناس فيه من أصول الدين وفروعه أن يرد التنازع فی ذلک إلى الكتاب والسنة كما قال تعالى ”وما اختلفتم فيه من شیء فحكمه إلى الله“ فما حكم به الكتاب والسنة وشهدا له بالصحة فهو الحق، وماذا بعد الحق إلا الضلال، ولهذا قال تعالى إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر أی ردوا الخصومات والجهالات إلى كتاب الله وسنة رسوله فتحاكموا إليهما فيما شجر بينكم إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر (تفسیر ابن كثير، ج ۲، ص ۳۰۴، سورة النساء)

www.idaraghufran.org

اتباع کرنا) ایسی چیز نہیں کہ ہر ایک پر واجب ہو، جبکہ اس راستہ کے علاوہ دوسرے طریقہ سے شریعت کی معرفت پر قدرت ہو، بلکہ ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اپنی حسبِ استطاعت اللہ سے ڈرے، اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق علم کو طلب کرے، پھر وہ مامور کو بجالائے، اور محظور سے بچے، **واللّٰہ اعلم**۔

اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا، جس نے مذاہبِ اربعہ میں سے کسی مذہب کے مطابق، تفقہ حاصل کیا، اور اس میں غور و فکر کیا، پھر اس کے بعد حدیث میں مشغول ہو گیا، پھر صحیح احادیث کو دیکھا، جن کے مقابلہ میں نہ تو ناسخ ہونے کا اسے علم ہے، اور نہ مخصص ہونے کا علم ہے، اور نہ معارض ہونے کا علم ہے، اور وہ مذہب (جس کے مطابق اس نے تفقہ حاصل کیا تھا) ان صحیح احادیث کے مخالف ہے، تو کیا اس کو اِن مذاہب پر عمل کرنا جائز ہے؟ یا اس پر احادیث کے مطابق اور اپنے مذہب کے مخالف عمل کی طرف رجوع کرنا واجب ہے؟

اس کا جواب دیا کہ:

الحمد للہ! کتاب و سنت اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ بے شک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مخلوق پر اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کو فرض کیا ہے، اور اس امت پر کسی بھی دوسرے فرد کی متعین اطاعت کو واجب نہیں کیا کہ اس کی ہر کہی ہوئی بات کو مانا جائے، اور ہر منع کی ہوئی بات سے رکا جائے، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، یہاں تک کہ اس امت کے صدیق اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل شخص (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میری اطاعت کرو، جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں، اور جب میں اللہ کی نافرمانی کروں، تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔

اور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص ہر کہی ہوئی بات اور ہر منع کی ہوئی چیز میں معصوم نہیں ہوسکتا، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، اسی وجہ سے کئی ائمہ نے یہ بات فرمائی کہ لوگوں میں سے ہر شخص کی بات کو لیا بھی جائے گا، اور چھوڑا بھی جائے گا، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

اور یہ ائمہ اربعہ ہیں، جنہوں نے اپنی ہر کہی ہوئی بات کی تقلید سے منع فرمادیا ہے، اوران کے ذمہ یہ کہنا واجب بھی تھا۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ یہ میری رائے ہے، اور میں نے اس رائے کو بہتر سمجھا ہے، پس جو میری رائے سے بہتر رائے لے آئے، تو ہم اس کو قبول کریں گے، اور اسی وجہ سے جب امام ابوحنیفہ کے بہترین شاگرد امام ابویوسف، امام مالک کے ساتھ جمع ہوئے، اور انہوں نے امام مالک سے صاع کے مسئلہ اور سبزیوں اور اجناس میں عشر کا سوال کیا، تو امام مالک رحمہ اللہ نے امام ابویوسف کو اس سلسلہ میں حدیث سے آگاہ کیا، جس پر امام ابویوسف نے فرمایا کہ اے ابوعبداللہ! میں نے آپ کے قول کی طرف رجوع کرلیا ہے، اور اگر میرے ساتھی (امام ابوحنیفہ بھی) وہ حدیث دیکھ لیتے، جو میں نے دیکھی، تو وہ بھی آپ کے قول کی طرف اسی طرح رجوع کر لیتے، جس طرح میں نے رجوع کیا (اور وہ سبزیوں وغیرہ میں عشر کو واجب قرار نہ دیتے)

اور امام مالک رحمہ اللہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں بشر ہوں، میں صواب اور خطاء دونوں کا ارتکاب کرتا ہوں، تو تم میرے قول کو کتاب وسنت پر پیش کرو، یا امام مالک نے اسی طرح کی کوئی دوسری بات فرمائی۔

اور امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ جب حدیث صحیح ہو، تو تم اس کے مقابلہ میں میرے قول کو دیوار پر دے مارو، اور جب دلیل کو تم راستہ میں پڑا ہوا دیکھو، تو وہی

میرا قول ہے، اور مختصرُ المزنی میں ہے کہ جب یہ بات ذکر کی گئی کہ انہوں نے امام شافعی کے مذہب کو اس کے لیے مختصر کر دیا ہے، جو آپ کے مذہب کی معرفت حاصل کرنا چاہے، تو انہوں نے علی الاعلان اس سے اور اپنی تقلید سے، اور دوسرے علماء کی تقلید سے منع فرمادیا (کیونکہ مختصر کرنے کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کا کلام اور دلیل حذف ہو جاتی، اور صرف امام شافعی کا قول برقرار رہ جاتا)

اور امام احمد یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم نہ تو میری تقلید کرو، اور نہ امام مالک کی تقلید کرو، اور نہ امام شافعی کی تقلید کرو، اور نہ امام ثوری کی تقلید کرو، اور تم اسی طرح سے علم حاصل کرو، جس طرح سے ہم نے علم حاصل کیا ہے۔

نیز امام احمد یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ آدمی کے علم کی قلت کی دلیل ہے کہ وہ اپنے دین میں لوگوں کی تقلید کرے، اور امام احمد نے یہ بھی فرمایا کہ تم اپنے دین میں لوگوں کی تقلید نہ کرو، کیونکہ وہ غلطی کرنے سے محفوظ نہیں ہیں۔

اور صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ”جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطاء فرمادیتا ہے“۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کو اللہ، دین کی سمجھ عطاء نہ فرمائے، اس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ نہیں فرماتا، لہٰذا دین میں تفقہ حاصل کرنا فرض ہوگا۔

اور دین میں تفقہ نام ہے، احکامِ شرعیہ کو دلائلِ سمعیہ سے پہچاننے کا، پس جو شخص اس کو نہیں پہچانے گا، تو وہ دین میں فقیہ شمار نہیں ہوگا۔

لیکن بعض لوگ تمام مسائل میں تفصیلی دلائل کی معرفت سے عاجز ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے تفصیلی دلائل کی معرفت کا وہ درجہ ساقط ہو جاتا ہے، جس سے وہ عاجز ہوں، لیکن جس درجہ کے تفقہ سے وہ عاجز نہ ہوں، وہ درجہ ان سے ساقط نہیں ہوتا،

www.idaraghufran.org

اور ان کو اس درجہ کی بشرطِ قدرت معرفت لازم ہوتی ہے۔

اور جو شخص استدلال پر قادر ہو، اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس پر مطلقاً تقلید حرام ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ مطلقاً تقلید جائز ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ضرورت کے وقت تقلید جائز ہے، جیسا کہ جب استدلال کا وقت تنگ ہو، اور یہی قول دوسرے اقوال میں ''أعدل'' ہے۔

اور یہ بات بھی معلوم ہونی چاہئے کہ اجتہاد ''امرِ واحد'' نہیں ہے، جو تجزی اور انقسام کو قبول نہ کرتا ہو، بلکہ بعض اوقات ایک آدمی ایک فن، یا ایک باب، یا ایک مسئلہ میں مجتہد ہوتا ہے، مگر دوسرے فن اور دوسرے باب اور دوسرے مسئلہ میں مجتہد نہیں ہوتا (یعنی اجتہاد، تجزّی کو قبول کرتا ہے)

اور ہر ایک کا اجتہاد اس کی حسبِ وسعت ہوا کرتا ہے (سب کا اجتہاد یکساں نہیں ہوتا، اس لیے سب پر یکساں حکم لگانا بھی درست نہیں)

پس جس شخص نے کسی مسئلہ کو دیکھا کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے، اور اس نے غور وفکر کے بعد دو قولوں میں سے ایک قول کے ساتھ ایسی نصوص کو دیکھا، جس کا اس جیسا معارض معلوم نہ ہو سکا، تو یہ دو امور کے درمیان ہے۔

ایک امر تو یہ ہے کہ وہ دوسرے قول کی اتباع محض اس وجہ سے کرے کہ وہ اس امام کے مذہب میں مشغول ہے، تو یہ شرعی حجت اور دلیل نہیں، بلکہ یہ محض ایسی عادت ہے، جس کے مقابلہ میں دوسرے ایسے شخص کی عادت بھی موجود ہوتی ہے، جو دوسرے امام کے مذہب میں مشغول ہوتا ہے (مثلاً ایک شخص، امام ابوحنیفہ کی، دوسرا شخص امام شافعی کی، وغیرہ وغیرہ، پس یہ عادت ہے، حجت نہیں)

اور دوسرا امر یہ ہے کہ وہ اس قول کی اتباع کرے کہ جو اس کی نظر میں ایسی نصوص کی وجہ سے راجح ہو، جو اس پر دلالت کرنے والی ہیں، اور ایسی صورت میں اس کی

موافقت ایسے امام کے ساتھ ہو جائے، جس کا قول ان نصوص کے موافق ہے، اور نصوص بھی اس کے حق میں عمل کے معارضہ سے محفوظ رہ جائیں، تو یہ صورت صلاح وخیر والی ہے۔

اور ہم نے اس تنزلی کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی نظر قاصر ہے، اور اس کا اجتہاد اس مسئلہ میں قائم نہیں ہے، کیونکہ اس کے حق میں اجتہاد کا ذریعہ کمزور ہے۔ [1]

لیکن جب وہ مکمل اجتہاد پر قادر ہو (خواہ اسی باب، یا خاص اسی مسئلہ میں کیوں نہ ہو، جیسا کہ پہلے گزرا) جس کی وجہ سے اس کا یہ اعتقاد ہو جائے کہ دوسرے (یعنی اپنے مخصوص مذہب کے امام کے) قول کے ساتھ کوئی ایسی معقول دلیل نہیں، جو نص کا دفاع کر سکے، تو اس پر نصوص کی اتباع واجب ہو جائے گی، اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا، تو وہ محض گمان اور نفسانی خواہش کی اتباع کرنے والا ہوگا، اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے بڑے نافرمانوں میں شامل ہوگا۔

بخلاف اس شخص کے، جو یہ کہے کہ بعض اوقات دوسرے قول کی کوئی ایسی دلیل

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا اس مسئلہ میں اجتہاد کمزور ہو، اس کے لیے امام کے قول پر عمل کر لینا حجت نہیں کہ اس پر ایسا کرنا لازم ہو، اگرچہ جائز کیوں نہ ہو، اسی وجہ سے اگر وہ اپنے مذہب کے علاوہ کسی دوسرے امام کے قول پر بھی عمل کر لے، جس کا قول نص کے زیادہ موافق محسوس ہو، یہ زیادہ بہتر اور سلامتی والی صورت ہے، جس کو ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا، جس کی تائید سورۃ ''الشوریٰ'' کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے، جس میں اختلاف وتنازع کی صورت میں کتاب وسنت کے دلائل کی طرف رجوع کا حکم ہے۔ محمد رضوان۔

وقوله فإن تنازعتم فی شیء فردوه إلی الله والرسول قال مجاهد وغير واحد من السلف أی إلی كتاب الله وسنة رسوله .وهذا أمر من الله عز وجل بأن كل شیء تنازع الناس فيه من أصول الدين وفروعه أن يرد التنازع فی ذلک إلی الكتاب والسنة كما قال تعالی" وما اختلفتم فيه من شیء فحكمه إلی الله"فما حكم به الكتاب والسنة وشهدا له بالصحة فهو الحق، وماذا بعد الحق إلا الضلال، ولهذا قال تعالی إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر أی ردوا الخصومات والجهالات إلی كتاب الله وسنة رسوله فتحاكموا إليهما فيما شجر بينكم إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر(تفسير ابن كثير، ج ٢،ص ٣٠٤،سورة النساء)

ہوتی ہے، جو اس نص پر راجح ہوتی ہے، اور مجھے اس کا علم نہیں، پس اس کو وہی بات کہی جائے گی، جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ "**فاتقوا اللہ ما استطعتم**" اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ "**إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم**" اور آپ کو اس مسئلہ میں جتنے علم وفقہ کی استطاعت ہے، جو آپ کو اس بات پر دلالت کرے کہ یہ قول ہی راجح ہے، تو آپ پر اس کی اتباع واجب ہے، پھر اس کے باوجود آپ کے سامنے یہ بات ظاہر ہو جائے کہ اس نص کا کوئی راجح معارض ہے، تو پھر آپ کا حکم اس میں مجتہدِ مستقل کا حکم ہو جائے گا، جس کا اجتہاد متغیر ہو جائے، اور انسان کو ایک قول سے دوسرے قول کی طرف اس وجہ سے منتقل ہونا کہ اس کے لیے حق ظاہر ہو گیا، تو یہ محمود ہے (مذموم نہیں)

برخلاف اس کے کہ ایسے قول پر اصرار اور جمود اختیار کیا جائے، جس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں، اور اس قول کو ترک کر دیا جائے، جس کی دلیل واضح ہوگئی، یا ایک قول سے دوسرے قول کی طرف محض عادت اور اتباعِ ہویٰ کی وجہ سے منتقل ہوا جائے، تو یہ مذموم ہے۔

اور جب کسی امام مقلَّد نے کسی حدیث کو سنا، اور اس کو ترک کر دیا، بطورِ خاص جب کہ اس کو روایت بھی کیا ہو، تو محض اس کے مثل نص کو ترک کرنے کے لیے عذر نہیں ہوتا، جیسا کہ ہم "**رفع الملام عن الأئمة الأعلام**" میں لکھ کر واضح کر چکے ہیں کہ تقریباً بیس اعذار ایسے ہیں، جو ائمہ کے لیے بعض حدیثوں پر عمل کے ترک کا باعث بنے ہیں، اور ہم یہ بھی بیان کر چکے کہ وہ ائمہ ان اعذار کی وجہ سے حدیث کے ترک کرنے میں معذور ہیں، اور ہم ان اعذار کے متروک ہونے کی وجہ سے اس امام کے قول کو ترک کرنے میں معذور ہیں۔

پس جس نے حدیث کو اس اعتقاد کی وجہ سے ترک کر دیا کہ وہ صحیح نہیں، یا اس کا

راوی مجہول ہے، اور اس کے مثل کسی اور معقول عذر کی وجہ سے، ترک کردیا (تو وہ معذور ہے، جیسا کہ ائمہ و مجتہدین کے متعلق اسی طرح کے عذر کا گمان کرنا چاہئے) مگر دوسرے شخص نے جب اس حدیث کی صحت کو جان لیا، اور اس کے راوی کے ثقہ ہونے کو بھی جان لیا، تو اس کے حق میں یہ عذر زائل ہوگیا۔

اور جس نے حدیث کو اس اعتقاد کی وجہ سے ترک کردیا کہ ظاہرِ قرآن اس کا مخالف ہے، یا قیاس اس کا مخالف ہے، یا بعض شہروں کا عمل اس کے مخالف ہے (تو وہ معذور ہے) مگر دوسرے کے سامنے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ظاہرِ قرآن اس کا مخالف نہیں، اور صحیح حدیث کا نص ان ظواہر پر مقدم ہے، اور قیاس اور بعض لوگوں کے عمل پر بھی مقدم ہے، تو اس آدمی کا عذر اس کے حق میں عذر شمار نہیں ہوگا، کیونکہ ذہنوں کے لیے مدارکِ شرعیہ کا ظہور اور ان کا خفاء، ایسی چیز ہے کہ جس کی دونوں اطراف منضبط نہیں ہوتیں، خاص طور پر جب کہ حدیث کو ترک کرنے والا، اس بات کا اعتقاد رکھتا ہو کہ **اھلِ مدینۃُ المنورۃ** وغیرہ کے مہاجرین اور انصار نے اس پر عمل کو ترک کردیا، جن کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ وہ حدیث کو صرف اسی اعتقاد کی وجہ سے ترک کرتے ہیں کہ وہ حدیث منسوخ ہو، یا راجح کے مقابلہ میں ہو (جیسا کہ امام مالک کا نظریہ ہے) لیکن اس کے بعد کسی شخص کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ مہاجرین اور انصار نے اس حدیث کو ترک نہیں کیا، بلکہ ان میں سے ایک جماعت نے اس پر عمل کیا، یا جس نے اس کو سنا، اس نے عمل کیا، اور اس کے مثل کوئی اور بات ایسی پائی جائے، جو اس نص کے معارض (مستدل) میں کمزوری پیدا کرے (تو وہ بھی نص کو ترک کرنے میں معذور شمار نہیں ہوگا)

اور اگر اس مذکورہ ہدایت حاصل کرنے والے شخص پر یہ اعتراض کیا جائے کہ تُو زیادہ علم رکھتا ہے، یا فلاں امام زیادہ علم رکھتا ہے؟ (کہ جس کی وجہ سے تجھے اس

www.idaraghufran.org

امام کی مخالفت جائز ہو) تو یہ فاسد معارضہ ہے، کیونکہ اس کو جواب میں یہ بات کہی جائے گی کہ اس مسئلہ میں اس امام کی اس کے مثل امام نے بھی تو مخالفت کی ہے، اور تُو نہ اِس مخالفت کرنے والے امام سے زیادہ علم رکھنے والا ہے، اور نہ اُس امام سے زیادہ علم رکھنے والا ہے، اور ان لوگوں کی ائمہ کی طرف نسبت ایسی ہی ہے، جیسا کہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور ابنِ مسعود اور ابو معاذ اور ان کے مثل کی ائمہ وغیرہ کی طرف نسبت ہے، پس جس طرح یہ صحابہ اختلافی مسائل میں ایک دوسرے کی ٹکر کے تھے، اور جب ان کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا، تو انہوں نے اس اختلاف کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دیا، اگرچہ ان کے بعض حضرات، دوسرے مسائل میں زیادہ علم رکھنے والے بھی موجود تھے، پس اسی طریقہ سے ائمہ کے درمیان اختلافی مسائل کا بھی معاملہ ہوگا، اور جیسا کہ لوگوں نے جنبی کے تیمّم کرنے کے مسئلہ میں حضرت عمر اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کو چھوڑ دیا، اور انہوں نے ان سے کم درجہ کے لوگوں کے قول کو لیا، جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری وغیرہ کے قول کو لے لیا، جب انہوں نے کتاب وسنت سے دلیل پیش کی، اور اسی طرح انہوں نے انگلیوں کی دیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو ترک کر دیا، اور حضرت معاویہ کے قول کو لے لیا، کیونکہ ان کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث تھی کہ ''یہ اور یہ برابر ہیں''۔

اور بعض لوگ ابنِ عباس سے ''متعہ'' کے بارے میں مناظرہ کرتے تھے، اس پر ابنِ عباس سے کسی نے کہا کہ ابوبکر وعمر کا یہ قول ہے، تو ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر نازل کر دیے جائیں، میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، اور تم کہتے ہو کہ ابوبکر وعمر نے یہ فرمایا (مطلب یہ ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے مقابلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی قابلِ

اتباع ہے، اوراس کی خلاف ورزی، اللہ کے غیظ وغضب کا باعث ہے)

اوراسی طریقہ سے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے جب لوگوں نے سوال کیا، اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا، تو لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو اس کے مقابلہ میں پیش کیا، اور لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ عمر رضی اللہ عنہ کی مراد وہ نہیں تھی، جو یہ لوگ کہتے ہیں، جس پر انہوں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا تعاقب کیا، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم زیادہ قابلِ اتباع ہے، یا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم؟

اور لوگوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ان حضرات سے بھی زیادہ علم رکھتے ہیں، جو ابنِ عمر وابنِ عباس سے بڑے ہیں۔

اور اگر اس راستہ کو کھولا جائے گا، تو یہ بات چل پڑے گی کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے اعراض کیا جائے، اور ہر امام اپنی اتباع میں اس درجہ کا ہو کر رہ جائے، جو درجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امت میں ہے، اور یہ دین کی تبدیلی ہوگی، اور اس کی مشابہت ہوگی، جس میں اللہ نے نصاریٰ پر اپنے اس قول میں عیب لگایا ہے کہ

”اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله والمسيح ابن مريم وما أمروا إلا ليعبدوا إلٰهاً واحدا لا إلٰه إلا هو سبحانه وتعالىٰ عما يشركون“ والله سبحانهٗ وتعالى أعلم والحمد لله وحدهٗ (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو شخص خود قرآن وسنت کے ذریعہ شریعت کی معرفت سے عاجز ہو، تو اس کو اس مقصد کے لیے مذہبِ معین کی اتباع کرنا جائز، اور مختلف دلائل اور واقعاتِ سلف سے ثابت ہے، بدعت، یا گناہ نہیں، اگر کسی نے یا کچھ لوگوں نے، یہاں تک کہ بہت بڑے طبقہ نے اس پر عمل کیا، تو یہ سب اس عمل کے جواز کی دلیل ہے، لیکن مذہبِ معین کی اتباع ہر ایک پر واجب نہیں، جبکہ اس کے لیے شریعت کی معرفت کے

دوسرے طریقے میسر ہوں، مثلاً کسی کو دوسرے مذہب کی اتباع کا راستہ میسر ہو، یا کسی کو خود سے بعض احکام کی معرفت حاصل ہو، اور بعض احکام کی اتباع کر کے، یا کبھی کسی کی اتباع کر کے، اور کبھی کسی کی اتباع کر کے حاصل ہو، اس سلسلہ میں ہر ایک کو اللہ سے ڈرتے ہوئے حصولِ علم کر کے عمل کرنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ معین مذہب کا التزام واجب نہیں، اگرچہ ضرورت کے وقت معین مذہب کی اتباع، اس کو شارحِ شریعت سمجھ کر ایک جائز عمل ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کے ''مجموعُ الفتاویٰ'' میں ایک مقام پر ہے کہ:

إجماعهم حجة.

وإذا تنازعوا فى شىء ردوه إلى الله ورسوله.

فإذا تقرر هذا فالواجب على كل مؤمن أن يحب ما أحب الله ورسوله :وأن يبغض ما أبغضه الله ورسوله مما دل عليه فى كتابه . فلا يجوز لأحد أن يجعل الأصل فى الدين لشخص إلا لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يقول إلا لكتاب الله عز وجل .ومن نصب شخصا كائنا من كان فوالى وعادى على موافقته فى القول والفعل فهو "من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا"الآية.

وإذا تفقه الرجل وتأدب بطريقة قوم من المؤمنين مثل :اتباع: الأئمة والمشايخ؛ فليس له أن يجعل قدوته وأصحابه هم العيار فيوالى من وافقهم.ويعادى من خالفهم .

فينبغى للإنسان أن يعود نفسه التفقه الباطن فى قلبه والعمل به فهذا زاجر .وكمائن القلوب تظهر عند المحن .

وليس لأحد أن يدعو إلى مقالة أو يعتقدها لكونها قول أصحابه ولا يناجز عليها بل لأجل أنها مما أمر الله به ورسوله؛ أو أخبر الله

www.idaraghufran.org

به ورسوله؛ لكون ذلك طاعة لله ورسوله .

وينبغي للداعي أن يقدم فيما استدلوا به من القرآن؛ فإنه نور وهدى. ثم يجعل إمام الأئمة رسول الله صلى الله عليه وسلم .

ثم كلام الأئمة .ولا يخلو أمر الداعي من أمرين :الأول :أن يكون مجتهدا أو مقلدا فالمجتهد ينظر في تصانيف المتقدمين من القرون الثلاثة؛ ثم يرجح ما ينبغي ترجيحه .

الثاني :المقلد يقلد السلف؛ إذ القرون المتقدمة أفضل مما بعدها (مجموع الفتاوى،لابن تيمية،ج۲۰،ص۸، و۹، كتاب أصول الفقه،الجزء الثاني: التمذهب،الداعي بين الاجتهاد والتقليد وما ذا عليه)

ترجمہ: مجتہدین کا اجماع ''حجتِ قاطعہ'' ہے، لیکن جب ان کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو، تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا چاہیے۔

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی، تو مومن پر واجب ہے کہ وہ اس چیز سے محبت رکھے، جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت رکھتا ہے، اور اس چیز کو مبغوض سمجھے، جس کو اللہ اور اس کا رسول، مبغوض سمجھتا ہے، جیسا کہ اللہ کی کتاب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

پس کسی کے لئے بھی یہ بات جائز نہیں کہ وہ دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی بھی شخص کو اصل بنیاد بنالے، اور اللہ عزوجل کی کتاب کے علاوہ کی بات کرے، اور جو شخص کسی بھی شخص کو ''خواہ وہ کوئی بھی ہو'' اس طرح نصب کرلے کہ اس کے قول وفعل کی موافقت پر محبت اور عداوت کا مدار رکھ لے، تو وہ ان لوگوں میں داخل ہوجائے گا، جنہوں نے اپنے دین میں تفریق پیدا کرلی، اور گروہ میں بٹ گئے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

www.idaraghufran.org

اور جب آدمی فقہ کا علم، اور ادب، مومنوں میں سے کسی قوم کے طریقہ کے مطابق حاصل کرے، جیسا کہ ائمہ اور مشائخ کے طریقہ پر، تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان کے مقتداء، اور ان کے اصحاب کو ''معیار'' بنالے، اور ان کی موافقت کرنے والوں سے محبت، اور ان کی مخالفت کرنے والوں سے عداوت رکھے۔

پس انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو اپنے دل میں ''تفقہِ باطن'' اور اس پر عمل کرنے کا عادی بنائے، تو یہ آدمی ''واعظ'' کہلائے گا، اور دلوں کی کمانیں، امتحان وآزمائش کے وقت کھلتی ہیں۔

اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی قول کے اپنے اصحاب کا قول ہونے کی وجہ سے اس کی طرف دعوت دے، یا اس کا عقیدہ رکھے، اور نہ ہی اس پر حاضر باش رہے، بلکہ اس وجہ سے اس کی دعوت دے، یا عقیدہ رکھے کہ وہ قول اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے تعلق رکھتا ہے، یا اس کی اللہ اور اس کے رسول نے خبر دی ہے۔

اور داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس چیز کو مقدم رکھے، جس پر انہوں نے قرآن سے استدلال کیا ہے، کیونکہ قرآن نور، اور ہدایت ہے۔

پھر دوسرے نمبر پر تمام اماموں کا امام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنائے۔

پھر اس کے بعد ائمہ کے کلام کو درجہ دے۔

اور داعی کا کلام دو حالتوں سے خالی نہیں، یا تو وہ مجتہد ہوگا، یا مقلد ہوگا۔

پس مجتہد تو قرونِ ثلاثہ کے متقدمین کی تصانیف میں نظر کرے گا، پھر (دلائلِ شرعیہ کے پیشِ نظر) اس قول کو ترجیح دے گا، جس کو ترجیح دینے کا حق ہے۔

اور دوسرا مقلد، وہ سلف کی تقلید کرے گا، کیونکہ پہلے زمانے، مابعد کے زمانوں سے افضل ہیں (مجموع الفتاویٰ)

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

(چوتھی فصل)

ائمۂ اربعہ کے مذاہب اوران سے خروج کا حکم

اجتہادوتقلید سے متعلق ایک اہم مسئلہ ''ائمۂ اربعہ کی اتباع اور مذاہبِ معروفہ سے خروج'' کا ہے، جس کو بعض اہلِ علم حضرات نے ''مذہبِ معین، یا تقلیدِ شخصی'' کے ساتھ خلط ملط کردیا ہے۔

اسی کے ساتھ ''ائمۂ اربعہ اور مذاہبِ معروفہ کی اتباع، اوران سے خروج'' کے متعلق چند تسامحات بھی شہرت پکڑ گئے ہیں۔

چنانچہ بعض علماء نے جب کچھ اس قسم کی عبارات ملاحظہ کیں، جن میں ''ائمۂ اربعہ اور مذاہبِ معروفہ'' کی تقلید واتباع کے جواز پر اجماع کا ذکر کیا گیا ہے، تو اس سے ان علماء نے یہ سمجھ لیا کہ ''ائمۂ اربعہ اور مذاہبِ معروفہ'' کی تقلید ہر ایک پر واجب ہے۔

حالانکہ اولاً تو جب جمہور، یا فقہاء کے ایک بڑے طبقہ کے نزدیک ''مجتہدِ منتسب'' کا ''استمرار'' موجود ہے، اوراس کے ''انقطاع'' کا قول مرجوح ہے، نیز جمہور کے نزدیک اجتہاد میں تجزی بھی جائز ہے، اور قیامت سے قبل حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ''مجتہدِ منتسب'' ہونا درست نہیں، اوراجتہادی مسائل میں ''مجتہدِ منتسب'' کو اجتہاد کرنے میں استقلال حاصل ہوتا ہے، اوراس کی ''مجتہدِ مستقل'' کی طرف نسبت ''تقلید'' کی بناء پر نہیں ہوتی، بلکہ دوسری وجوہ سے ہوتی ہے، نیز اجتہادی مسائل میں جزوی مجتہد کو بھی، جزوی اجتہاد میں اسی طرح کا استقلال حاصل ہوتا ہے، تو اس سے یہ بات واضح تھی کہ ائمۂ اربعہ اور مذاہبِ معروفہ کی جملہ مسائل میں اتباع وتقلید، پر ایسا اجماع نہیں کہ جو ہر ایک کے لیے ''حجتِ ملزمہ'' ہو۔

ثانیاً اس قسم کی عبارات سے اصل مقصود، ان حضرات کی تردید تھا، جو ''ائمۂ اربعہ اور مذاہبِ

معروفہ“ کی تقلید کو حرام و ناجائز ٹھہراتے ہیں، اور مقصد یہ تھا کہ ”ائمہٗ اربعہ اور مذاہبِ معروفہ“ کی تقلید جائز ہے، اور اس کا سابق ادوار میں وجود پایا جاتا تھا۔

ان اہلِ علم حضرات نے ”جواز اور وجود“ کو ”وجوب“ سمجھ لیا۔

ثالثاً اس قسم کی بعض عبارات میں ”ائمہٗ اربعہ اور مذاہبِ معروفہ“ کی اتباع وتقلید سے بالکلیہ اعراض میں مفسدہ لازم آنے کا حکم لگایا گیا تھا۔

جس سے بعض اہلِ علم حضرات نے، مفسدہ لازم آئے بغیر بھی، اس کی خلاف ورزی کو ناجائز ٹھہرادیا۔

رابعاً اس قسم کی عبارات سے بعض حضرات کا مقصود یہ تھا کہ ”ائمہٗ اربعہ اور مذاہبِ معروفہ“ کے علاوہ، دیگر مذاہب مدون، یا معتبر سند سے ثابت نہیں، اس لیے موجودہ دور میں ان کی اتباع وتقلید ممکن نہیں۔

نہ یہ کہ اگر کسی مجتہد کا کوئی مذہب، باسند اور معتبر طریقہ پر ثابت ہو، چہ جائیکہ وہ مذہب کسی صحابی کا ہو، تو بھی اس کی اتباع تقلید، کسی طرح جائز نہ ہو۔

جبکہ بعض اہلِ علم حضرات اس سے بھی اہم اور شدید تسامح کا شکار ہوئے، اور انہوں نے کسی مسئلہ میں ”محض ائمہٗ اربعہ اور مذاہبِ معروفہ“ کے اتفاق کو ”اجماعِ ملزِم“ سمجھ لیا، اور اس مسئلہ کے مجتہد فیہا ہونے کو نظر انداز کردیا۔

حالانکہ جو مسئلہ ”ائمہٗ اربعہ اور مذاہبِ معروفہ“ کے درمیان مختلف فیہا ہوتا ہے، وہ تو عام طور پر مجتہد فیہا ہوتا ہے، لیکن جس پر ”ائمہٗ اربعہ اور مذاہبِ معروفہ“ کا اتفاق ہو، وہ اس کے ”مجمع علیہا“ ہونے، اور ”مجتہد فیہا“ سے خارج ہونے کو مستلزم نہیں۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ائمہٗ مجتہدین کی تعداد، معروف چار ائمہ سے زیادہ ہے، اگرچہ ان کو ائمہٗ اربعہ کی طرح شہرت حاصل نہ ہو، اور ان کے مذاہب، ائمہٗ اربعہ کی طرح مدون نہ ہوں۔

www.idaraghufran.org

اسی وجہ سے اجماع واختلاف میں، ان ائمہ ومجتہدین کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے۔
پھر اس قسم کے تسامحات کے نتیجہ میں ''سلفیہ اور اہلُ الحدیث'' کہلائے جانے والے طبقات کو ''اہلُ السنۃ والجماعۃ'' سے خارج قرار دینے کے درپے ہوا جاتا ہے، اور تعصب اختیار کیا جاتا ہے۔
اس تمہید کو ذہن نشین کر کے، آنے والے حوالہ جات وعبارات کو ملاحظہ کرنا چاہیے۔

''عقدُ الجید'' کا حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''**عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید**'' میں ''مذاہبِ اربعہ کو لینے کی اہمیت اور ان سے خروج کے مفسدہ کا باب'' قائم کیا ہے۔
جس میں فرمایا کہ:

''اعلم أن فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة وفی الإعراض عنها كلها مفسدة كبيرة''

''یہ بات جان لینی چاہیے کہ ان چار مذاہب کو اختیار کر لینے میں عظیم مصلحت ہے، اور ان چار مذاہب سے پوری طرح اعراض کر لینے میں بڑا مفسدہ ہے''۔

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ''**عقدُ الجید**'' میں اس عظیم مصلحت، اور خلاف ورزی کے بڑے مفسدہ کی چند وجوہات ذکر کی ہیں، جن کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے، جیسا کہ تابعین نے اس بارے میں صحابہ پر اعتماد کیا، اور تبعِ تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا ''**وهلم جرا**''۔

اور عقل بھی اس کی تحسین کرتی ہے، کیونکہ شریعت کی معرفت نقل اور استنباط سے ہوتی ہے، جس کے لئے ہر طبقہ کو پہلے طبقہ سے ''اتصال'' کے ساتھ علم کی ضرورت ہے۔

اور استنباط میں متقدمین کے مذاہب کی معرفت ضروری ہے، تاکہ خرقِ اجماع لازم نہ آجائے۔

دیگر علوم وفنون اور ہنروں اور پیشوں کا بھی یہی حال ہے، جیسا کہ نحو، طب، وغیرہ، سب ان کے اہل لوگوں کے ساتھ مصاحبت سے ہی حاصل ہوتے ہیں، اور اس کے بغیر عادتاً حاصل نہیں ہوتے، اگرچہ عقلاً ایسا ہونا ممکن ضرور ہے۔

اور جب سلف کے اقوال پر اعتماد ضروری ہے، تو ان کے اقوال پر اعتماد کے لئے صحیح سند، یا مشہور کتاب میں مدون، اور منقح ہونا ضروری ہے، جس میں راجح ومرجوح، عام وخاص، اور اطلاق وتقیید اور مختلف اقوال میں تطبیق اور احکام کے علل پر روشنی ڈالی جاچکی ہو، تاکہ ان چیزوں کو ملحوظ رکھا جاسکے۔

اور یہ بات اس بعد کے زمانہ میں صرف مذاہبِ اربعہ میں پائی جاتی ہے، نہ تو امامیہ کے مذہب میں پائی جاتی، نہ زیدیہ کے مذہب میں، جوکہ اہلِ بدعت ہیں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سوادِاعظم'' کی اتباع کا حکم فرمایا ہے، اور مذاہبِ اربعہ کے علاوہ دیگر مذاہبِ حقہ، مٹ گئے، تو ان ''مذاہبِ اربعہ'' کی اتباع کرنا ہی ''سوادِاعظم'' کی اتباع کہلائے گا، اور مذاہبِ اربعہ سے خروج کرنا ''سوادِاعظم'' سے خروج کرنا کہلائے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جب زمانہ دراز، اور عہد دور ہوگیا، اور امانات کا فقدان ہوگیا، تو علمائے سوء کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں ہوگا، خواہ وہ ظالم قاضی ہوں، یا اپنی خواہشات کی اتباع کرنے والے مفتی ہوں، تا آنکہ وہ اپنے اقوال کی نسبت ایسے سلسلے کی طرف نہ کریں، جو صدق، ودیانت، اور امانت میں مشہور ہیں، اور ہمیں ہر ایک کے قول کا علم بھی نہ ہوگا کہ وہ اجتہاد کی شرائط کا حامل ہے بھی، یا نہیں؟ پس ہم علمائے محققین کے اقوال کا مذاہبِ سلف کی طرف سے قرآن

وسنت کے پیش کردہ دلائل کے تناظر میں جائزہ لے کر تصدیق، یا تردید کریں گے''۔انتہیٰ۔ [1]

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد والتقلید'' کی مندرجہ بالا

---

[1] اعلم أن فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظیمة وفی الإعراض عنها كلها مفسدة كبیرة.

ونحن نبین ذلک بوجوه:

أحدها :أن الأمة اجتمعت على أن یعتمدوا على السلف فی معرفة الشریعة، فالتابعون اعتمدوا فی ذلک على الصحابة ،وتبع التابعین اعتمدوا على التابعین ،وهكذا فی كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم.

والعقل یدل على حسن ذلک لأن الشریعة لا تعرف إلا بالنقل والإستنباط والنقل لا یستقیم إلا بأن تأخذ كل طبقة عمن قبلها بالإتصال.

ولا بد فی الإستنباط أن تعرف مذاهب المتقدمین ،لئلا یخرج عن أقوالهم، فیخرق الإجماع ،ویبنی علیها ویستعین فی ذلک كل بمن سبقه، لأن جمیع الصناعات كالصرف والنحو والطب والشعر والحدادة والنجارة والصیاغة لم تتیسر لأحد إلا بملازمة أهلها، وغیر ذلک نادر بعید لم یقع وإن كان جائزا فی العقل .

وإذا تعین الإعتماد على أقاویل السلف فلا بد من أن تكون أقوالهم التی یعتمد علیها مرویة بالإسناد الصحیح، أو مدونة فی كتب مشهورة ،وأن تكون مخدومة بأن یبین الراجح من محتملاتها ویخصص عمومها فی بعض المواضع ویقید مطلقها فی بعض المواضع ویجمع المختلف منها ویبین علل أحكامها وإلا لم یصح الاعتماد علیها .

ولیس مذهب فی هذه الأزمنة المتأخرة بهذه الصفة إلا هذه المذاهب الأربعة، اللهم إلا مذهب الإمامیة والزیدیة ،وهم أهل البدعة لا یجوز الاعتماد على أقاویلهم.

وثانیها :قال رسول الله صلى الله علیه وسلم اتبعوا السواد الأعظم، ولما اندرست المذاهب الحقة إلا هذه الأربعة ،كان اتباعها اتباعا للسواد الأعظم ،والخروج عنها خروجا عن السواد الأعظم.

وثالثها :أن الزمان لما طال وبعد العهد وضیعت الأمانات لم یجز أن یعتمد على أقوال علماء السوء من القضاة الجورة والمفتین التابعین لأهوائهم ،حتى ینسبوا ما یقولون إلى بعض من اشتهر من السلف بالصدق والدیانة والأمانة ،إما صریحا ،أو دلالة ،وحفظ قوله ذلک، ولا على قول من لا ندری هل جمع شروط الإجتهاد أو لا، فإذا رأینا العلماء المحققین فی مذاهب السلف عسى أن یصدقوا فی تخریجاتهم على أقوالهم ،واستنباطهم من الكتاب والسنة. وأما إذا لم نر منهم ذلک فهیهات وهذا المعنى الذی أشار إلیه عمر بن الخطاب رضی الله عنه حیث قال یهدم الإسلام جدال المنافق بالكتاب ،وابن مسعود حیث قال من كان متبعا فلیتبع من مضى(عقید الجید فی احكام الاجتهاد والتقلید، ص ۴۰ الیٰ ۴۲ ،باب تأكید الأخذ بهذه المذاهب الأربعة، التشدید فی تركها والخروج عنها، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولیٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

www.idaraghufran.org

عبارت میں ائمۂ اربعہ کے مذاہب سے بالکلیہ اعراض کرنے پر مفسدہ کا حکم ان الفاظ میں لگایا ہے:

''اعلم أن فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة وفی الإعراض عنها كلها مفسدة كبيرة '' (عقيد الجيد فی احكام الاجتهاد والتقليد، ص ۴۰،باب اختلاف الناس فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما يجب عليهم من ذلک، الناشر: دار الكتب، بشاور، الطبعة الأولیٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

جس سے معلوم ہوا کہ ائمۂ اربعہ کے مذاہب سے بالکلیہ اعراض میں عظیم مفسدہ ہے۔

اوراس مفسدہ کی جو وجوہات، شاہ ولی اللہ صاحب نے پیچھے ذکر کی ہیں، اُن سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مذکورہ مفسدہ، لازم نہ آئے، تو پھر حکم جدا ہوگا۔

اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ صاحب نے مذکورہ عبارت میں اس کو مفسدہ سے تعبیر کیا، اور اس کی وجوہات کا ذکر کیا، اور بذاتِ خود اس عمل کے گناہ ومعصیت ہونے کا حکم نہیں لگایا۔

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے بھی ''تقلید کی شرعی حیثیت'' میں شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ عبارت کا خلاصہ ذکر فرمایا ہے (ملاحظہ ہو: تقلید کی شرعی حیثیت، ۸۴، و۸۵ ''مذاہبِ اربعہ کی تخصیص''، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء)

شاہ ولی اللہ صاحب کی اس قسم کی عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا راجح نہیں کہ علی الاطلاق ہر شخص کے لئے جملہ مسائل میں ائمہ اربعہ کی پیروی واجب ہے، خواہ اس کی خلاف ورزی میں اجماع سے خروج بھی لازم نہ آئے، اور وہ قول ائمۂ اربعہ کے علاوہ کسی مجتہد صحابی، یا دوسرے معتبر مجتہد سے معتمد سند کے ساتھ ثابت ہو۔

چہ جائیکہ شاہ ولی اللہ صاحب کی اس قسم کی عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ ''متعین امام'' کی تقلید واجب ہے۔

ایسا سمجھنا، شاہ ولی اللہ صاحب کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ اعیانِ صحابہ ودیگر مجتہدین کی فی الجملہ تقلید واتباع جائز ہے، بشرطیکہ ان سے وہ قول معتبر طریقہ پر ثابت ہو، شاہ ولی اللہ صاحب کی مندرجہ بالا عبارت میں جو مفسدہ کی توجیہات ذکر کی گئیں، ان میں بھی اس طرف اشارہ ہے، مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

اور حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے بھی ''اصولُ الافتاء و آدابہٗ'' میں مذکورہ صورت میں اعیانِ صحابہ کی تقلید کو جائز قرار دیا ہے۔

اور مذکورہ تالیف میں حضرت شیخ نے خود صحابہ وتابعین کے دور میں مذہبِ معین کی تقلید واجب نہ ہونے پر اجماع کا قول کیا ہے، اور جس بات پر صحابہ کا اجماع بھی نہ ہو، اس پر بعد میں اجماع ہونے کا حجت ہونا بھی راجح قرار نہیں دیا، اور جب صحابہ کا اس کے برخلاف پر اجماع بھی ثابت ہو چکا، تو پھر اس اجماع کے برخلاف اجماع کا دعویٰ درست کہلایا جانا مشکل ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

''حجةُ اللّٰہ البالغة'' کا حوالہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اپنی معروف تالیف ''حجةُ اللّٰہ البالغة'' میں اس طرح باب قائم کیا ہے:

''باب حکایة حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدھا''

نیز شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الانصاف'' میں چوتھی صدی کے بعد پیدا ہونے والے انقلابات کو الگ سے بیان کیا ہے، اور اس پر اس طرح باب قائم کیا ہے:

''باب حکایة ماحدث فی الناس بعد المائة الرابعة، الخ''

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''حجة اللہ البالغة'' میں

''باب حکایة حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدھا''

کے ذیل میں فرمایا کہ:

”چوتھی صدی سے پہلے لوگ، کسی ایک متعین مذہب کی، خالص تقلید پر جمع نہیں تھے۔ دو صدیوں کے بعد لوگوں میں تخریج کا میلان ظاہر ہوا، لیکن وہ مذہبِ واحد کی خالص تقلید اور اس کا تفقہ حاصل کرنے، اور اس کے قول کو نقل کرنے پر مجتمع نہیں تھے، بلکہ اُن میں علماء اور عامۃُ الناس ہر طرح کے لوگ تھے، جن مسائل میں اجماع ہوتا تھا، اور ان میں مسلمانوں، یا جمہور مجتہدین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوتا تھا، ان میں وہ صاحبِ شریعت ہی کی تقلید کیا کرتے تھے، اور جب اُن کو کوئی مسئلہ پیش آ جاتا تھا، تو وہ مذہب کی تعیین کے بغیر، جس مفتی سے چاہیں، فتویٰ لے لیا کرتے تھے۔

اور خواص کا ایک طبقہ وہ تھا، جو اہلُ الحدیث سے تعلق رکھتا تھا، وہ حدیث کے ساتھ مشغول تھا، وہ احادیث، اور جمہور صحابہ وتابعین کے اقوال ہی سے اپنے مسائل کا حل کیا کرتا تھا، اور اگر اس کو کسی مسئلہ میں کسی وجہ سے اطمینانِ قلب نہیں ہوتا تھا، تو وہ گزشتہ فقہاء میں سے کسی کے کلام کی طرف رجوع کر لیا کرتا تھا۔

اور جو اہلِ تخریج تھے، وہ جن مسائل میں کوئی تصریح نہیں پاتے تھے، تو وہ **مجتهد في المذهب** تھے، اور وہ مجتہدین کے کسی مذہب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا کرتے تھے“۔ انتہیٰ۔ [1]

---

[1] اعلم أن الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه.

قال أبو طالب المكى فى قوت القلوب : إن الكتب والمجموعات محدثة، والقول بمقالات الناس، والفتيا بمذهب الواحد من الناس، واتخاذ قوله، والحكاية له من كل شىء، والتفقه على مذهبه ، لم يكن الناس قديما على ذلک فى القرنين الأول والثانى انتهى.

أقول وبعد القرنين حدث فيهم شىء من التخريج غير أن أهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخالص على مذهب واحد والتفقه له والحكاية لقوله كما يظهر من التتبع، بل كان فيهم العلماء والعامة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھراس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ''حجۃُ اللّٰہ البالغۃ ''میں ''باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ وبعدھا ''میں چوتھی صدی کے بعد رونما ہونے والے حالات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''پھر ان قرون (یعنی چار صدیوں) کے بعد لوگ دائیں، بائیں جانا شروع ہوگئے، اور لوگوں میں چند امور پیدا ہوگئے۔

جن میں ایک چیز تو علمِ فقہ، اوراس کی تفصیل میں جدل، اور خلاف کی پیدا ہوگئی، جیسا کہ امام غزالی نے ذکر کیا ہے کہ خلفائے راشدین کا عہد گذرنے کے بعد خلافت ایسے لوگوں کی طرف آ گئی کہ جو اس کے استحقاق، اور فتوے، اور شرعی احکام میں استقلال کی صفت کے بغیر اس کے ذمہ دار بن گئے، جس کے نتیجہ میں وہ اپنے تمام احوال میں فقہاء کی مدد اور ان کی رفاقت کے محتاج ہوگئے، اور جو علماء

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكان من خبر العامة : أنهم كانوا فى المسائل الاجماعية التى لا اختلاف فيها بين المسلمين أو جمهور المجتهدين لا يقلدون إلا صاحب الشرع، وكانوا يتعلمون صفة الوضوء والغسل والصلاة والزكاة ونحو ذلك من آبائهم أو معلمى بلدانهم، فيمشون حسب ذلك، وإذا وقعت لهم واقعة استفتوا فيها أى مفت وجدوا من غير تعيين مذهب.

وكان من خبر الخاصة أنه كان من أهل الحديث منهم يشتغلون بالحديث، فيخلص إليهم من أحاديث النبى صلى الله عليه وسلم وآثار الصحابة ما لا يحتاجون معه شىء آخر فى المسألة من حديث مستفيض أو صحيح قد عمل به بعض الفقهاء، ولا عذر لتارك العمل به، أو أقوال متظاهرة لجمهور الصحابة والتابعين مما لا يحسن مخالفتهاح

فان لم يجد فى المسألة ما يطمئن به قلبه لتعارض النقل وعدم وضوح الترجيح ونحو ذلك ، رجع إلى كلام بعض من مضى من الفقهاء، فإن وجد قولين اختار أوثقهما سواء كان من أهل المدينة أو من أهل الكوفة.

وكان أهل التخريج منهم يخرجون فيما لا يجدونه مصرحا، ويجتهدون فى المذهب، وكان هؤلاء ينسبون إلى مذهب أصحابهم فيقال: فلان شافعى، وفلان حنفى.

وكان صاحب الحديث أيضا قد ينسب إلى أحد المذاهب لكثرة موافقته له، كالنسائى والبيهقى ينسبان إلى الشافعى، فكان لا يتولى القضاء والإفتاء إلا مجتهدا، ولا يسمى الفقيه إلا مجتهدا(حجة الله البالغة، ج ا ص ۵۰۰ ، ۵۰۱، تتمة ، باب ۴ :حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها ، مطبوعة : دار ابن كثير ، بيروت ، الطبعة الثانية :۱۴۳۳ هـ)

www.idaraghufran.org

اس سے بچے ہوئے تھے، وہ پہلے طرز پر قائم تھے، اور دین کے ساتھ وابستہ تھے، پس جب حکمران، ان کو بلاتے تھے، تو وہ علماء، ان حکمرانوں سے اعراض وکنارہ کشی اختیار کرتے تھے، ایسے میں اس زمانے کے لوگوں نے علماء کی عزت اور حکمرانوں کے ان کی طرف متوجہ ہونے کو دیکھا، تو انہیں عزت کے حصول اور حبِ جاہ کو پورے کرنے کا راستہ حصولِ علم میں نظر آیا، اور اس مقصد کے لئے وہ علم حاصل کرنے لگے، جس کے نتیجہ میں جو علماء، پہلے مطلوب تھے، اب طالب بن گئے، اور جو پہلے عزت دار تھے، وہ حکمرانوں کی طرف جھکنے کی وجہ سے ذلیل ہوگئے، صرف وہی بچ سکے، جنہیں اللہ نے توفیق بخشی۔

اوران دنیادار علماء کو پہلے لوگوں کے کچھ علمی مباحثے حنفی وشافعی فقہ کے ہاتھ لگ گئے، جن کو انہوں نے اپنی شان وشوکت اور حکمرانوں میں وجاہت بڑھانے کا ذریعہ بنالیا، اور ایک دوسرے کے فقہی مذاہب کی اونچ نیچ، اور قیل وقال کے لئے ڈھال بنالیا، ساتھ ہی حکمران بھی مناظرہ ومجادلہ بازی میں مبتلاء ہوگئے، اور انہوں نے امام مالک اور سفیان، اور امام احمد بن حنبل کے اختلافات کو نظر انداز کردیا، اور مذہب کی عِلل وغیرہ پر بحث ومباحثہ، اور مجادلے پر مشتمل کتب لکھنے میں مشغول ہوگئے، اور یہ سلسلہ آج تک چل رہا ہے، اور معلوم نہیں کب تک جاری رہے گا۔

اور بعض تقلید پر مطمئن ہوکر بیٹھ گئے، اور تقلید ان کے سینوں میں چیونٹیوں کی رفتار کی طرح داخل ہوگئی، اوران کو کوئی شعور نہیں تھا۔

اوراس طرح کے اور بھی امور ظاہر ہوئے''۔انتہیٰ۔ [1]

---

[1] ثم بعد هذه القرون كان ناس آخرون ذهبوا يمينا وشمالا، وحدث فيهم أمور:
منها: الجدل والخلاف فى علم الفقه، وتفصيله – على ما ذكره الغزالى – أنه لما انقرض عهد الخلفاء الراشدين المهديين أفضت الخلافة إلى قوم تولوها بغير استحقاق ولا استقلال بعلم الفتاوى والأحكام، فاضطروا إلى الاستعانة بالفقهاء وإلى استصحابهم فى جميع أحوالهم، وقد كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ''حجةُ اللّٰہ البالغة'' میں کسی عنوان کے بغیر فصل قائم کر کے فرمایا:

ومما يناسب هذا المقام التنبيه على مسائل ضلت في بواديها الافهام وزلت الأقدام، وطغت الأقلام.

منها :أن هذه المذاهب الأربعة المدونة المحررة قد اجتمعت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بقى من العلماء من هو مستمر على الطراز الأول وملازم صفو الدين، فكانوا إذا طلبوا هربوا وأعرضوا ، فرأى أهل تلك الأعصار عز العلماء وإقبال الأئمة عليهم مع إعراضهم، فاشر أبو لطلب العلم توصلا إلى نيل العز ودرك الجاه، فأصبح الفقهاء بعد أن كانوا مطلوبين طالبين، وبعد أن كانوا أعزة بالاعراض عن السلاطين أذلة بالاقبال عليهم، إلا من وفقه الله.

وقد كان من قبلهم قد صنف ناس فى علم الكلام وأكثروا القال والقيل والإيراد والجواب وتمهيد طريق الجدل، فوقع ذلك منهم بموقع من قبل أن كان من الصدور والملوك من مالت نفسه إلى المناظرة فى الفقه.

وبيان الأولى من مذهب الشافعي وأبى حنيفة رحمه الله، فترك الناس الكلام وفنون العلم، وأقبلوا على المسائل الخلافية بين الشافعي وأبى حنيفة رحمه الله على الخصوص، وتساهلوا فى الخلاف مع مالك وسفيان وأحمد بن حنبل وغيرهم، وزعموا أن غرضهم استنباط دقائق الشرع وتقرير علل المذهب وتمهيد أصول الفتاوى، وأكثروا فيها التصانيف والاستنباطات، ورتبوا فيها أنواع المجادلات والتصنيفات وهم مستمرون عليه إلى الآن لسنا ندرى ما الذى قدر الله تعالى فيما بعدها من الأعصار انتهى حاصله.

ومنها أنهم اطمأنوا بالتقليد، ودب التقليد فى صدورهم دبيب النمل وهم لا يشعرون، وكان سبب ذلك :

تزاحم الفقهاء وتجادلهم فيما بينهم فانهم لما وقعت فيهم المزاحمة فى الفتوى كان كل من أفتى بشئ نوقض فى فتواه، ورد عليه، فلم ينقطع الكلام إلا بمسير إلى تصريح رجل من المتقدمين فى المسألة.

وأيضا جور القضاة فان القضاة لما جار أكثرهم، ولم يكونوا أمناء لم يقبل منهم إلا ما يريب العامة فيه، ويكون شيئا قد قيل من قبل.

وأيضا جهل رء وس الناس واستفتاء الناس من لا علم له بالحديث، ولا بطريق التخريج كما ترى ذلك ظاهرا فى أكثر المتأخرين، وقد نبه عليه ابن الهمام وغيره، وفى ذلك الوقت يسمى غير المجتهد فقيها.

ومنها أن أقبل أكثرهم على التعمقات فى كل فن:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

الأمة – أو من يعتد به منها – على جواز تقليدها إلى يومنا هذا، وفى ذلك من المصالح ما لا يخفى لا سيما فى هذه الأيام التى قصرت فيها الهمم جدا، وأشربت النفوس الهوى وأعجب كل ذى رأى برأيه (حجة الله البالغة، ج ا ص ۵۰۵ ، ۵۰۶،تتمة، باب ۴ :حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها ، مطبوعة : دار ابن كثير ، بيروت ، الطبعة الثانية : ۱۴۳۳ هـ)

ترجمہ: اوران اہم قابلِ تنبیہ مسائل میں سے، جن کو سمجھنے میں افہام بھٹک گئیں، اورقدم ڈگمگا گئے، اور قلم باغی ہوگئے، ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب یہ چاروں مذاہب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾فمنهم من زعم أنه يؤسس علم أسماء الرجال ومعرفة مراتب الجرح والتعديل، ثم خرج من ذلك إلى التاريخ قديمه وحديثه.

ومنهم من تفحص عن نوادر الأخبار وغرائبها وإن دخلت فى حد الموضوع.

ومنهم من كثر القيل والقال فى أصول الفقه، واستنبط كل لأصحابة قواعد جدلية، فأورد، فاستقصى، وأجاب، وتفصى، وعرف، وقسم، فحرر طول الكلام تارة وتارة أخرى اختصر.

ومنهم من ذهب إلى هذا بفرض الصور المستبعدة التى من حقها ألا يتعرض لها عاقل وبفحص العمومات والايماآت من كلام المخرجين فمن دونهم مما لا يرتضى استماعه عالم ولا جاهل.

وفتنة هذا الجدل والخلاف والتعمق قريبة من الفتنة الأولى حين تشاجروا فى الملك، وانتصر كل رجل لصاحبه، فكما أعقبت تلك ملكا عضوضا ووقائع صماء عمياء ، فكذلك أعقبت هذه جهلا واختلاطا وشكوكا ووهما ما لها من أرجاء ، فنشأت بعدهم قرون على التقليد الصرف لا يميزون الحق من الباطل ولا الجدل عن الاستنباط.

فالفقيه يومئذ هو الثرثار المتشدق الذى حفظ أقوال الفقهاء قويها وضعيفها من غير تمييز وسردها بشقشقة شدقية.

والمحدث من عد الأحاديث صحيحها وسقيمها وهذها كهذ الأسمار بقوة لحيية.

ولا أقول ذلك كليا مطردا فإن لله طائفة من عباده لا يضرهم من خذلهم، وهم حجة الله فى أرضه، وإن قلوا.

ولم يأت قرن بعد ذلك إلا وهو أكثر فتنة وأوفر تقليدا وأشد انتزاعا للامانة من صدور الرجال، حتى اطمأنوا بترك الخوض فى أمر الدين وبأن يقولوا "إنا وجدنا آباء نا على أمة وإنا على آثارهم متقدون" وإلى الله المشتكى وهو المستعان وبه الثقة وعليه التكلان(حجة الله البالغة، ج ا ص ۵۰۱،الٰى ۵۰۴،، تتمة ، باب ۴ :حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها ، مطبوعة : دار ابن كثير بيروت ، الطبعة الثانية :۱۴۳۳ هـ)

www.idaraghufran.org

مدون اور مرتب ہو چکے ہیں، تو اس بات پر امت کا اجماع ہو چکا ہے، یا جن لوگوں کا اجماع معتبر ہوتا ہے، ان کا اجماع ہو چکا ہے کہ ان مذاہب کی تقلید جائز ہے، اور ان مذاہب کی تقلید کے جواز کے اجماع کا یہ سلسلہ ہمارے زمانہ تک چلا آ رہا ہے، جس میں اتنی زیادہ مصلحتیں ہیں، جو مخفی نہیں، خاص طور پر موجودہ زمانہ میں کہ جب ہمتیں بہت زیادہ کمزور پڑ چکی ہیں، اور نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو چکا ہے، اور ہر شخص اپنی رائے کے متعلق خود پسندی کا شکار ہے (حجۃ اللہ البالغہ)

شاہ ولی اللہ صاحب کے مذکورہ کلام کا مقصد مجتہدین کی تقلید کو جائز قرار دینا، بلکہ چاروں مذاہب کے مجتہدین کی تقلید کے جائز ہونے پر اجماع کے ہونے ،اور اس میں بہت سی مصلحتیں موجود ہونے کو بیان کرنا ہے۔

جس سے ''تقلید کو علی الاطلاق حرام'' قرار دینے والوں کی تردید مقصود ہے، جیسا کہ علامہ ابنِ حزم کا قول ہے، اور اس کا خود شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے آگے ذکر فرمایا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے اس کلام کا مقصود ہر ایک کے لئے ''شخصی تقلید'' یا ''مذہبِ معین'' کی پابندی کو واجب قرار دینا نہیں۔

جیسا کہ حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ''تقلید کی شرعی حیثیت'' میں شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ عبارت سے ''تقلیدِ شخصی'' کا مراد ہونا سمجھا ہے (ملاحظہ ہو: تقلید کی شرعی حیثیت، ۷۵، ''تقلیدِ شخصی کی ضرورت''، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید: ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء)

حالانکہ اس مقصود کی خود، شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے اسی موقع پر، آگے آنے والے علامہ ابنِ حزم کے قول کی وضاحت سے تردید ہوتی ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے دوسرے مقامات پر ذکر شدہ کلام سے بھی بصراحت تردید ہوتی ہے۔

اور فقہاء کی عبارات تو اس موقف کی تردید میں بہت زیادہ ہیں، بلکہ انہوں نے تقلیدِ شخصی کے وجوب کے ابطال پر صحابہ کے اجماع سے بھی دلیل پکڑی ہے، جس کے بعد اس کے خلاف پر

اس جیسا اجماع نہیں، اور اس کی خلاف ورزی بعد کے لوگوں کے لئے بھی جائز نہیں۔

چنانچہ ''حجۃُ اللّٰہ البالغۃ'' میں مذکورہ عبارت کے متصل بعد شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے علامہ ابنِ حزم کے تقلید کو حرام قرار دینے اور کسی کی بات کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ، بغیر کے دلیل کے لینے کے حلال نہ ہونے کے قول، اور اس کی دلیل کو نقل کیا ہے۔ [1]

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے علامہ ابنِ حزم کی طرف سے تقلید کے مطلقاً ممنوع ہونے کی تردید کی ہے، اسی کے ساتھ یہ وضاحت کی ہے کہ علامہ ابنِ حزم کا تقلید کو حرام قرار دینا بعض صورتوں میں تو درست ہے، بعض صورتوں میں درست نہیں، اس لئے

---

[1] فما ذهب إليه ابن حزم حيث قال :التقليد حرام لا يحل لأحد أن يأخذ قول أحد غير رسول الله صلى الله عليه وسلم بلا برهان لقوله تعالى: "واتبعوا ما أنزل إليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه أولياء" وقوله تعالى: "وإذا قيل لهم اتبعوا ما أنزل الله قالوا بل نتبع ما ألفينا عليه آبائنا "

وقال مادحا لمن لم يقلد : "فبشر عبادى الذين يستمعون القول فيتبعون أحسنه أولئک الذين هداهم الله وأولئک هم أولوا الألباب" وقال تعالى : "فإن تنازعتم فى شىء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله وباليوم الآخر"

فلم يبح الله تعالى الرد عند التنازع إلى أحد دون القرآن والسنة، وحرم بذلک الرد عند التنازع إلى قول قائل لأنه غير القرآن والسنة.

وقد صح إجماع الصحابة كلهم أولهم عن آخرهم وإجماع التابعين أولهم عن آخرهم على الامتناع والمنع من أن يقصد منهم أحد إلى قول إنسان منهم أو ممن قبلهم، فيأخذه كله.

فليعلم من أخذ بجميع أقوال أبى حنيفة، أو جميع أقوال مالک، أو جميع أقوال الشافعى، أو جميع أقوال أحمد رضى الله عنهم، ولا يترک قول من اتبع منهم أو من غيرهم إلى قول غيره، ولم يعتمد على ما جاء فى القرآن والسنة غير صارف ذلک إلى قول إنسان بعينه ، أنه قد خالف إجماع الأمة كلها أولها عن آخرها بيقين لا إشكال فيه وأنه لا يجد لنفسه سلفا، ولا إماما فى جميع الأعصار المحمودة الثلاثة، فقد اتبع غير سبيل المؤمنين نعوذ بالله من هذه المنزلة.

وأيضا فإن هؤلاء الفقهاء كلهم قد نهوا عن تقليدهم وتقليد غيرهم، فقد خالفهم من قلدهم.

وأيضا فما الذى جعل رجلا من هؤلاء أو من غيرهم أولى بأن يقلد من عمر بن الخطاب أو على بن أبى طالب أو ابن مسعود أو ابن عمر أو ابن عباس أو عائشة أم المؤمنين رضى الله تعالى عنهم، فلو ساغ التقليد لكان كل واحد من هؤلاء أحق بأن يتبع من غيره انتهى(حجة الله البالغة، ج ۱ ص۵۰۷ ، ۵۰۸،تتمة، باب ۴ :حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها ، ، مطبوعة : دار ابن كثير ، بيروت ، الطبعة الثانية :۱۴۳۳ هـ)

www.idaraghufran.org

علامہ ابنِ حزم کا تقلید کو علی الاطلاق حرام قرار دینا درست نہیں۔
چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

إنما يتم فيمن له ضرب من الاجتهاد ولو فى مسألة واحدة ، وفيمن ظهر عليه ظهورا بينا أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بكذا ، ونهى عن كذا ، وأنه ليس بمنسوخ :

إما بأن يتتبع الأحاديث وأقوال المخالف والموافق فى المسألة ، فلا يجد لها نسخا .

أو بأن يرى جمعا غفيرا من المتبحرين فى العلم يذهبون إليه ، ويرى المخالف له لا يحتج إلا بقياس أو استنباط أو نحو ذلک . فحينئذ لا سبب لمخالفة حديث النبى صلى الله عليه وسلم إلا نفاق خفى ، أو حمق جلى.

وهذا هو الذى أشار إليه الشيخ عز الدين بن عبد السلام ، حيث قال: ومن العجب العجيب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا، وهو مع ذلک يقلده فيه، ويترک من شهد الكتاب والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد إمامه، بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة، ويتأولها بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده.

وقال : لم يزل الناس يسألون من اتفق من العلماء من غير تقييد بمذهب ولا إنكار على أحد من السائلين إلى أن ظهرت هذه المذاهب ، ومتعصبوها من المقلدين، فإن أحدهم يتبع إمامه مع بعد مذهبه عن الأدلة مقلدا له فيما قال كأنه نبيا أرسل اليه ، وهذا نأى عن الحق، وبعد عن الصواب لا يرضى به أحد من أولى

www.idaraghufran.org

الألباب.

وقال الإمام أبو شامة : ينبغى لمن اشتغل بالفقه ألا يقتصر على مذهب إمام، ويعتقد فى كل مسألة صحة ما كان أقرب إلى دلالة الكتاب والسنة المحكمة، وذلك سهل عليه إذا كان أتقن معظم العلوم المتقدمة، وليجتنب التعصب والنظر فى طرائق الخلاف المتأخرة فإنها مضيعة للزمان ولصفوة مكدرة، فقد صح عن الشافعى أنه نهى عن تقليده وتقليد غيره.

قال صاحبه المزنى فى أول مختصره : اختصرت هذا من علم الشافعى ومن معنى قوله : لأقربه على من أراد مع إعلامية نهيه عن تقليده وتقليد غيره انتهى.

وفيمن يكون عاميا، ويقلد رجلا من الفقهاء بعينه يرى أنه يمتنع من مثله الخطأ، وأن ما قاله هو الصواب البتة، وأضمر فى قلبه ألا يترك تقليده وإن ظهر الدليل على خلافه، وذلك ما رواه الترمذى عن عدى بن حاتم أنه قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرا :"اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله" قال: إنهم لم يكونوا يعبدونهم، ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئا استحلوه، وإذا حرمو عليهم شيئا حرموه.

وفيمن لا يجوز أن يستفتى الحنفى مثلا فقيها شافعيا وبالعكس، ولا يجوز أن يقتدى الحنفى بإمام شافعى مثلا، فإن هذا قد خالف إجماع القرون الأولى، وناقض الصحابة والتابعين.

وليس محله فيمن لا يدين إلا بقول النبى صلى الله عليه وسلم، ولا

يعتقد حلالا إلا ما أحله الله ورسوله، ولا حراما إلا ما حرمه الله ورسوله.

لكن لما لم يكن له علم بما قاله النبى صلى الله عليه وسلم ولا بطريق الجمع بين المختلفات من كلامه، ولا بطريق الاستنباط من كلامه اتبع عالما راشدا على أنه مصيب فيما يقول، ويفتى ظاهرا متبع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم.

فإن ظهر خلاف ما يظنه أقلع من ساعته من غير جدال ولا إصرار.

فهذا كيف ينكره أحد؟ مع أن الاستفتاء والافتاء لم يزل بين المسلمين من عهد النبى صلى الله عليه وسلم ولا فرق بين أن يستفتى هذا دائما، أو يستفتى هذا حينا وذلک حينا بعد أن يكون مجمعا على ما ذكرناه.

كيف لا؟ ولم نؤمن بفقيه ـ أيا كان ـ أنه أوحى الله إليه الفقه، وفرض علينا طاعته، وأنه معصوم، فإن اقتدينا بواحد منهم فذلک لعلمنا بأنه عالم بكتاب الله وسنة رسوله، فلا يخلوا قوله :

(١) ......إما أن يكون من صريح الكتاب والسنة.

(٢)...... أو مستنبطا عنهما بنحو من الاستنباط.

(٣)......أو عرف بالقرائن أن الحكم فى صورة ما منوطة بعلة كذا، واطمأن قلبه بتلک المعرفة، فقاس غير المنصوص على المنصوص، فكأنه يقول :ظننت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : كلما وجدت هذه العلة فالحكم ثمة هكذا ، والمقيس مندرج فى هذا العموم، فهذا أيضا معزو إلى النبى صلى الله عليه

www.idaraghufran.org

وسلم، ولكن في طريقه ظنون.

ولولا ذلك لما قلد مؤمن بمجتهد، فإن بلغنا حديث من الرسول المعصوم الذي فرض الله علينا طاعته بسند صالح يدل على خلاف مذهبه، وتركنا حديثه، واتبعنا ذلك التخمين فمن أظلم منا ؟ وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين (حجة الله البالغة، ج ۱ ص ۵۰۸ الیٰ ۵۱۱، تتمة، باب ۴ :حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها ، ، مطبوعة : دار ابن كثير ، بيروت ، الطبعة الثانية : ۱۴۳۳ هـ)

ترجمہ: ابنِ حزم کی یہ بات (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی تقلید حلال نہیں، بلکہ حرام ہے) ایک تو اس شخص کے حق میں پوری اترتی ہے، جس کو اجتہاد کا کچھ حصہ حاصل ہو، اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو۔

دوسرے اس شخص کے حق میں بھی پوری اترتی ہے، جس کو صاف واضح ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں چیز کا حکم فرمایا ہے، اور فلاں چیز سے منع فرمایا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم منسوخ نہیں ہے، خواہ اس کو یہ علم اس مسئلہ میں احادیث کے تتبع اور مخالف اور موافق (مجتہدین وفقہاء) کے اقوال کو ملاحظہ کرنے سے حاصل ہوا ہو، پس وہ اس کو منسوخ نہیں پاتا، یا اس وجہ سے کہ اس نے تبحر فی العلم کے حاملین کی ایک بڑی جماعت کو اس قول کو اختیار کرتے ہوئے پایا ہے، اور اس کے مخالف کو صرف قیاس، یا استنباط وغیرہ سے حجت پکڑتے ہوئے پایا ہے، تو اس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کا سبب، یا تو صرف چھپا ہوا نفاق ہو سکتا ہے، یا واضح حماقت ہو سکتی ہے۔ [1]

اور اسی کی طرف شیخ عز الدین بن عبد السلام نے اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ انہوں

---

[1] یعنی ایسے شخص کو کسی کی تقلید واتباع کرنے کے بجائے اپنے اجتہاد وترجیح کی پیروی کا حکم ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

نے فرمایا کہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہاءِ مقلدین میں سے بعض کو اپنے امام کے ماخذ کا ضعف معلوم ہوجاتا ہے، اس طور پر کہ اس کے ضعف کو دور کرنے والی کوئی مؤثر چیز موجود نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود وہ اس مسئلہ میں اپنے امام کی تقلید کرتا ہے، اور جن کے مذہب پر کتاب اور سنت اور صحیح قیاسات کی شہادت ہوتی ہے، ان کے مذہب کو اپنے امام کی تقلید پر جمود اختیار کرتے ہوئے ترک کردیتا ہے، بلکہ کتاب وسنت کے ظاہر کو دفع کرنے کے لیے وہ مختلف حیلے بہانوں سے کام لیتا ہے، اور تاویلاتِ باطلہ اور بعیدہ کو اختیار کرتا ہے، اپنے مقتداء کی حمایت کرنے کی غرض سے۔

اور شیخ نے فرمایا کہ ہمیشہ لوگ علماء میں سے جو میسر آئے، کسی مذہب کی قید کے بغیر سوال کرتے رہے، اور سوال کرنے والوں میں سے کسی پر انکار نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ یہ مذاہب مشہور ہوگئے، اور ان کے متعصب مقلد نمودار ہوگئے، پس ان میں سے کوئی اپنے امام کی اتباع اس وقت بھی کرتا ہے، جبکہ دلائل کے لحاظ سے اس کا مذہب کمزور ہوتا ہے، اس کے قول کی تقلید کرتے ہوئے، گویا کہ وہ کوئی نبی ہے، جو بھیجا گیا ہے، اور یہ حق سے ہٹا ہوا ہے، اور صواب (ودرستگی) سے دور ہے، عقل والوں میں سے کوئی بھی اس سے راضی نہیں ہوسکتا۔

اور امام ابوشامہ نے فرمایا کہ جو شخص فقہ میں مصروف ہو، اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ کسی ایک امام کے مذہب پر اکتفاء نہ کرے، اور ہر مسئلہ میں اس قول وموقف کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھے، جو کتاب اور سنتِ محکمہ کی دلالت کے زیادہ قریب ہو، اور یہ عمل اس شخص پر سہل ہوگا، جب وہ شروع کے بڑے علوم میں پختگی حاصل کرلے گا، اور تعصب اور متاخرین کے اختلاف کے طور طریقوں سے اجتناب کرے گا، کیونکہ یہ امور (یعنی تعصب اور متاخرین کے اختلاف کا طرزِ عمل

وغیرہ) وقت کو ضائع کرنے والے ہیں، جن سے صاف طبیعتوں میں تکدّر پیدا ہوجاتا ہے (اور حق وانصاف کی نعمت سے محرومی ہوجاتی ہے) اور امام شافعی رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ یہ مروی ہے کہ انہوں نے اپنی تقلید سے اور دوسرے کی تقلید سے منع فرمایا۔

امام شافعی کے صاحب مزنی نے اپنی مختصر کے شروع میں فرمایا کہ میں نے امام شافعی کے علم اور ان کے قول کے معنیٰ اختصار کے ساتھ بیان کیے، تاکہ جو شخص ان کا علم حاصل کرنے کا قصد کرے، اس کا ذہن ان کے قریب ہوجائے، باوجودیکہ امام شافعی نے لوگوں کو اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کردیا ہے (تاکہ آدمی اپنے دین اور نفس کی احتیاط کے لیے ان کے قول میں غور کرے، یعنی میں اس شخص کو جو شافعی کے علم کو حاصل کرنے کا قصد کرے، یہ بتاتا ہوں کہ امام شافعی نے اپنی تقلید اور دوسروں کی تقلید سے منع کردیا ہے) مزنی کی بات ختم ہوئی۔

اور (ابنِ حزم کی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی تقلید حلال نہیں، بلکہ حرام ہے، تیسرے اس شخص کے بارے میں بھی پوری اترتی ہے) جو عامی شخص ہو، اور وہ کسی معین فقیہ کی یہ سمجھ کر تقلید کرے کہ ایسے شخص سے خطاء نہیں ہوسکتی، اور یہ جو بھی بات کہے گا، وہ لازماً درست ہوگی، اور وہ اپنے دل میں یہ بات بٹھالے کہ وہ اس کی تقلید کو ترک نہیں کرے گا، اگرچہ اس کے خلاف دلیل ظاہر ہوجائے، اس طرح کی تقلید کے خلاف وہ حدیث ہے، جس کو امام ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کہ:

''اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله''

یعنی انہوں نے اپنے احبار اور رہبان کو اللہ کے مقابلہ میں ''ارباب'' بنالیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ احبار اور رہبان کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے، لیکن جب وہ ان کے لیے کسی چیز کو حلال قرار دے دیتے تھے، تو وہ اس کو حلال سمجھ لیا کرتے تھے، اور جب وہ کسی چیز کو ان پر حرام قرار دے دیتے تھے، تو وہ اس کو حرام سمجھ لیا کرتے تھے۔

اور (ابنِ حزم کی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی تقلید حلال نہیں، بلکہ حرام ہے، چوتھے اس شخص کے بارے میں بھی پوری اترتی ہے) جو شخص مثلاً حنفی کو کسی شافعی فقیہ سے، یا شافعی کو کسی حنفی فقیہ سے فتویٰ طلب کرنے کو ناجائز ٹھہرائے، اور مثلاً حنفی کے لیے شافعی امام کی اقتدا کو ناجائز ٹھہرائے، اس لیے کہ ایسا خیال قرونِ اولیٰ اور صحابہ وتابعین کے اجماع واتفاق کے خلاف ہے۔

ابنِ حزم کے (تقلید کو حرام قرار دئے جانے کے) قول کا مصداق وہ شخص نہیں ہے، جو شخص صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مانتا ہو، اور صرف اسے حلال وحرام سمجھتا ہو، جسے اللہ اور اس کے رسول نے حلال وحرام کر دیا ہے، لیکن اسے نہ تو یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ اور نہ اس بات کا علم ہے کہ کلامِ نبوی سے استنباط کا کیا طریقہ ہے؟ اور اس بناء پر وہ کسی عالم راشد کی یہ سمجھ کر پیروی کر لیتا ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے، یا جو فتویٰ وہ دیتا ہے، وہ بظاہر درست ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع بھی ہے، لیکن جب اس کے گمان (اور اپنے متبوع) کے خلاف ظاہر ہو جاتا ہے، تو کسی جدال، یا اصرار کے بغیر فوراً اس قول سے علیٰحدگی اختیار کر لیتا ہے، تو ایسے شخص کو کیسے مطعون کیا جائے گا؟ اور اس کو سنت وشریعت کا مخالف کیسے قرار دیا جائے گا، سب کو معلوم ہے کہ استفتاء اور افتاء کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مسلمانوں میں چلا آ رہا ہے، اور ان دونوں میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ ایک سے فتویٰ

لیتا ہے، یا کبھی ایک سے فتویٰ لیتا ہے، اور کبھی دوسرے سے، جب کہ وہ اس پر متفق ہو، جو ہم نے ذکر کیا (یعنی اس کی تقلید پر مذکورہ جمود اختیار نہ کرے)

جبکہ کسی فقیہ کے بارے میں ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اللہ نے فقہ اس پر وحی کیا ہے، اور ہم پر اس کی اطاعت فرض قرار دی ہے، اور یہ کہ وہ معصوم ہے۔

اگر ہم ان میں سے کسی عالم راشد کی اقتداء کرتے ہیں، تو صرف یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کا عالم ہے، اس کا قول (وفتویٰ) دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں ہوگا، یا تو وہ صریح کتاب وسنت کے مطابق ہوگا، یا کسی طرح ان دونوں سے مستنبط ہوگا، یا اس نے قرائن سے اطمینانِ قلب کے ساتھ یہ جان لیا ہوگا کہ اس صورت کا حکم اس علت سے وابستہ ہے (اور وہ علت یہاں پائی جاتی ہے) اور اس بناء پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کرلیا ہوگا، تو اس صورت میں گویا وہ بزبانِ حال یہ کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہاں کہیں یہ علت پائی جائے، وہاں یہ حکم ہوگا، اور یہ قیاسی مسئلہ اس عموم اور کلیہ میں شامل ہے، تو یہ صورت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے، لیکن ظنی طریقہ پر، اور اگر یہ صورتِ حال نہ ہوتی، تو کوئی مومن بھی کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا، چنانچہ اگر ہمارے پاس اس رسولِ معصوم کی کوئی حدیث صالح سند کے ساتھ پہنچے، جس کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کی ہے، اور وہ حدیث اس مجتہد، یا امام کے فتوے اور قول کے خلاف ہو، اور پھر بھی ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں، اور اسی تخمین (وظن) کی پیروی کیے جائیں، تو ہم سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا، اور جس روز لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، ہم کیا عذر پیش کرسکیں گے (حجۃ اللہ البالغۃ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے مذکورہ عبارت میں تصریح فرمادی ہے کہ حنفی کو کسی شافعی فقیہ

سے، فتویٰ طلب کرنے کو ناجائز ٹھہرانا بھی ناجائز تقلید میں داخل ہے، جو تقلیدِ شخصی و مذہبِ معین کو واجب قرار دینے کا حاصل ہے۔

ایسی صورت میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرف تقلیدِ شخصی و مذہبِ معین کی پابندی کو واجب قرار دینے کی نسبت سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔

''الانصاف'' کا حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تالیف ''الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' میں ''چوتھی صدی سے پہلے، اور چوتھی صدی کے بعد اجتہاد وتقلید سے متعلق'' وہی موقف تحریر فرمایا ہے، جو ''حجۃُ اللہ البالغۃ'' میں تحریر فرمایا ہے۔

البتہ ''الانصاف'' میں کچھ زیادہ تفصیل ذکر کی ہے۔

جس کے شروع میں شاہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ:

''إعلم أن الناس كانوا فى المائة الأولى والثانية غير مجمعين على التقليد لمذهب واحد بعينه''.

''پہلی اور دوسری صدی میں لوگ، کسی ایک متعین مذہب کی، خالص تقلید پر جمع نہیں تھے''۔

پھر فرمایا کہ:

دو صدیوں کے بعد لوگوں میں تخریج کا میلان ظاہر ہوا۔

لیکن چوتھی صدی کے حضرات مذہبِ واحد کی خالص تقلید اور اس کا تفقہ حاصل کرنے، اور اس کے قول کو نقل کرنے پر مجتمع نہیں تھے، بلکہ اُن میں لوگ دو درجوں کے تھے، ایک خواص کا طبقہ تھا، جو علماء کہلاتے تھے، اور دوسرے عامۃُ الناس کا طبقہ تھا۔

جہاں تک عوام کا تعلق ہے، تو وہ جن مسائل میں اجماع ہوتا تھا، اور ان میں مسلمانوں، یا جمہور مجتہدین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوتا تھا، ان میں وہ صاحبِ شریعت ہی کی تقلید کیا کرتے تھے۔

اور جب اُن کو کوئی خاص مسئلہ پیش آ جاتا تھا، تو وہ مذہب کی تعیین کے بغیر، جس مفتی کو پاتے تھے، بغیر کسی مذہب کی تعیین کے اس سے فتویٰ طلب کرلیا کرتے تھے، ابنِ ہمام نے ''التحریر'' کے آخر میں فرمایا کہ وہ کبھی کسی سے، اور کبھی کسی سے، فتویٰ طلب کرلیا کرتے تھے، کسی ایک مفتی کا التزام نہیں کیا کرتے تھے۔

جہاں تک علماء (خواص) کا تعلق ہے، تو اُن میں کچھ لوگوں کا طبقہ تو وہ تھا، جن کو کتاب وسنت کے تتبع اور اس میں گہری نظر ڈالنے سے ایسا ملکہ حاصل ہوگیا تھا کہ وہ لوگوں کے اکثر مسائل کا جواب دینے کے ساتھ متصف تھے، اور ان کے جواب توقف کے مقابلہ میں زیادہ ہوتے تھے، اور یہ لوگ مجتہد کے نام کے ساتھ مختص تھے۔

اور یہ استعداد بعض اوقات خود احادیث اور آثارِ صحابہ وتابعین، وتبع تابعین وغیرہ میں غور وفکر کرنے سے حاصل ہوجاتی تھی، جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ، جیسے حضرات کی حالت ہے۔

اور بعض اوقات یہ استعداد مشائخِ فقہ سے مروی اصولوں اور تخریج کے طریقوں سے حاصل ہوجاتی تھی، جیسا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن کی حالت ہے۔

اور خواص علماء کا ایک طبقہ وہ تھا، جس کو قرآن وسنت کی معرفت سے اتنی قدرت حاصل ہوجاتی تھی کہ وہ تفصیلی دلائل کے ذریعہ فقہ اور امہاتِ مسائل کی معرفت پر قادر ہوتے تھے، البتہ بعض مسائل میں وہ توقف کرتے تھے، جس کی وجہ سے وہ علماء کی مشاورت کے محتاج تھے، کیونکہ ان کے پاس اجتہاد کے وہ ذرائع کامل طور

پر میسر نہیں تھے، جو مجتہدِ مطلق کو حاصل ہوتے ہیں (جن کا ذکر پہلے طبقہ کے دوطرح سے تخریج کرنے والوں کے بیان میں گزرا، اور اس طبقہ میں امام احمد بن حنبل اور امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ شامل ہیں) پس یہ بعض مسائل میں مجتہد تھے، اور بعض میں مجتہد نہیں تھے، اور صحابہ وتابعین سے یہ بات تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ جب ان کو کوئی حدیث پہنچ جاتی تھی، تو وہ کسی دوسری شرط کو ملاحظہ کیے بغیر اس پر عمل کرلیا کرتے تھے۔

پھر فرمایا:

وبعد المئتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هذا هو الواجب فى ذلك الزمان.

یعنی ''دوصدیوں کے بعد لوگوں میں مخصوص مجتہدین کے مذہب کی طرف نسبت عام ہوگئی، اور ایسے افراد کم تھے، جو کسی مخصوص مجتہد پر اعتماد نہ کرتے ہوں، اور یہی طرزِ عمل اس زمانے میں واجب تھا'' ۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] إعلم أن الناس كانوا فى المائة الأولى والثانية غير مجمعين على التقليد لمذهب واحد بعينه قال أبو طالب المكى فى قوت القلوب إن الكتب والمجموعات محدثة والقول بمقالات الناس والفتيا بمذهب الواحد من الناس واتخاذ قوله والحكاية له فى كل شىء والتفقه على مذهبه لم يكن الناس قديما على ذلك فى القرنين الأول والثانى انتهى

أقول وبعد القرنين حدث فيهم شىء من التخريج غير أن أهل المئة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخالص على مذهب واحد والتفقه له والحكاية لقوله كما يظهر من التتبع بل كان الناس على درجتين العلماء والعامة .

وكان من خبر العامة أنهم كانوا فى المسائل الإجماعية التى لا اختلاف فيها بين المسلمين أو بين جمهور المجتهدين لا يقلدون إلا صاحب الشرع وكانوا يتعلمون صفة الوضوء والغسل وأحكام الصلاة والزكاة ونحو ذلك من آبائهم أو علماء بلدانهم فيمشون على ذلك .

وإذا وقعت لهم واقعة نادرة استفتوا فيها أى مفت وجدوا من غير تعيين مذهب قال ابن الهمام فى آخر التحرير كانوا يستفتون مرة واحدا ومرة غيره غير ملتزمين مفتيا واحدا انتهى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

شاہ ولی اللہ صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کے آخری حصہ سے بعض اصحابِ علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ دوسری صدی کے بعد تقلیدِ شخصی پر اجماع منعقد ہوگیا، اور پھر ان علماء نے اس میں یہ اضافہ بھی کردیا کہ ہر ایک کے لیے تقلیدِ شخصی، اور مذہبِ معین کا التزام، اور اس کی پابندی واجب ہوگئی، اور اس کے بعد کسی عامی کو بھی تقلیدِ شخصی سے نکلنا، اجماع کی خلاف ورزی کی وجہ سے ناجائز ہوگیا۔

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے تقلید کی شرعی حیثیت میں اس عبارت سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ صحابہ وتابعین کے ادوار کے بعد لوگوں کو "تقلیدِ شخصی" میں محصور کردیا گیا (ملاحظہ ہو: تقلید کی شرعی حیثیت، ص ۷۱، "تقلیدِ شخصی کی ضرورت" مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأما الخاصة العلماء فكانوا على مرتبتين:

1- منهم من أمعن فى تتبع الكتاب والسنة والآثار حتى حصل له بالقوة القريبة من الفعل ملكة أن يتصف بفتيا فى الناس يجيبهم فى الوقائع غالبا بحيث يكون جوابه أكثر مما يتوقف فيه ويخص باسم المجتهد.

وهذا الاستعداد يحصل تارة باستفراغ الجهد فى جمع الروايات فانه ورد كثير من الأحكام فى الأحاديث وكثير منها فى آثار الصحابة والتابعين وتبع التابعين مع مالا ينفك عنه العاقل العارف باللغة من معرفة مواقع الكلام وصاحب العلم بالآثار من معرفة طرق الجمع بين المختلفات وترتيب الدلائل ونحو ذلك كحال القدوتين أحمد بن محمد بن حنبل وإسحق بن راهويه.

وتارة بإحكام طرق التخريج وضبط الأصول المروية فى كل باب باب عن مشايخ الفقه من الضوابط والقواعد مع جملة صالحة من السنن والآثار كحال الإمامين القدوتين أبى يوسف ومحمد بن الحسن.

2- ومنهم من حصل له من معرفة القرآن والسنن ما يتمكن به من معرفة رؤوس الفقه وأمهات مسائله بأدلتها التفصيلية وحصل له غالب الرأى ببعض المسائل الأخرى من أدلتها وتوقف فى بعضها واحتاج فى ذلك إلى مشاورة العلماء لأنه لم تتكامل له الأدوات كما تتكامل للمجتهد المطلق فهو مجتهد فى البعض غير مجتهد فى البعض وقد تواتر عن الصحابة والتابعين أنهم كانوا إذا بلغهم الحديث يعملون به من غير أن يلاحظوا شرطا.

وبعد المئتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هذا هو الواجب فى ذلك الزمان (الإنصاف فى بيان أسباب الاختلاف، ص ٦٨ الىٰ ٧٠، باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر الخ ، الناشر: دارالنفائس، بيروت، الطبعة الثالثة: ١٤٠٦ هـ، ١٩٨٦ م)

حالانکہ اولاً تو یہ موقف جمہور اور خود دوسری صدی کے بعد کے حنفیہ کے راجح موقف کے بھی خلاف ہے۔

کاش اس سلسلہ میں اس طرح کی مجمل عبارت سے اہم اصولی مسئلہ کا نتیجہ اخذ نہ کیا جاتا، اور اس کے بجائے دوسری صدی کے بعد، تحریر کی جانے والی اصول وفقہ کی معتبر ترین کتب سے اس اہم مسئلہ کی مراجعت وتحقیق کی جاتی، پھر نتیجہ اخذ کیا جاتا، جس طرح دوسرے فقہی واجتہادی مسائل میں طرزِ عمل اختیار کیا جایا کرتا ہے۔

دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی اس عبارت سے پہلے چوتھی صدی کے حضرات کے بارے میں یہ صاف وضاحت ہے کہ:

”غير أن أهل المئة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخالص على مذهب واحد والتفقه له والحكاية لقوله كما يظهر من التتبع بل كان الناس على درجتين العلماء والعامة“

اور پھر اسی کے ضمن میں عوام الناس کے متعلق یہ صراحت بھی ہے کہ:

”وإذا وقعت لهم واقعة نادرة استفتوا فيها أى مفت وجدوا من غير تعيين مذهب“

اور خواص کے دو طبقات کا الگ سے ذکر ہے، اور پھر اس کے بعد کے زمانوں میں مختلف بے اعتدالیاں پیدا ہونے کا ذکر ہے، جس میں تقلیدِ جامد بھی داخل ہے۔

پھر یہ بات کیسے ممکن ہے کہ دوسری صدی کے بعد جوبِ تقلیدِ شخصی ومذہبِ معین کی پابندی پر اجماع ہو گیا ہو، اور چوتھی صدی میں اس اجماع کی خلاف ورزی کر دی گئی ہو۔

تیسرے جو اجماع ”حجتِ قطعیہ وملزمہ“ ہے، وہ تمام مجتہدین کا اجماع ہے، جو تھوڑے حضرات، بلکہ ایک مجتہد کے اختلاف سے بھی منعقد نہیں ہوتا، اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ تقلید کے برخلاف، محدثین واہلُ الحدیث کا ایک سلسلہ ہر دور میں موجود رہا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

صرف انکارِ وجوب تقلیدِ شخصی سے کہ ایک فرع مختلف فیہ ہے، خارج از اہلِ سنت نہیں ہے (امداد الفتاویٰ، ج۵،ص ۳۲۸، کتاب البدعات، مطبوعہ: دار العلوم کراچی، طبع جدید ۲۰۱۰ء)

اس عبارت میں ''وجوبِ تقلیدِ شخصی'' کو ''مختلف فیہ فرع'' تسلیم کیا گیا ہے، پس اس کو ''فرع'' کے بجائے ''اصل'' کا درجہ دینا، اور محض اس کے انکار، اور اس سے اختلاف کی وجہ سے اہلُ السنۃ سے خارج سمجھنا درست نہیں، جب تک کسی مسلمہ ''اصل'' کا انکار نہ کیا جائے۔

اور حضرت موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں:

نفسِ وجوبِ تقلیدِ شخصی کے انکار سے اہلِ سنت سے خارج نہیں ہوتے، کیونکہ ہمیشہ سے مختلَف فیہ مسئلہ رہا ہے، چنانچہ بعض محدثین بھی اس کے عدمِ وجوب کے قائل ہیں (تحفۃ العلماء، جلد۲، صفحہ ۴۸۵ ''اجتہاد و تقلید کا آخری فیصلہ'' باب ۱۲: غیر مقلدین کے بیان میں، بحوالہ: دعواتِ عبدیت، جلد ۱۹ صفحہ ۱۴۶، ناشر: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، سنِ طباعت: ۱۴۱۵ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ ''وجوبِ تقلیدِ شخصی کے انکار سے کوئی اہلِ سنت سے خارج نہیں ہوتا'' پھر ''نفسِ وجوبِ تقلیدِ شخصی'' کے انکار کی بناء پر اہلِ سنت سے خارج ہونا، تو بہت دور کی بات ہے، جس چیز کے وجوب کا جمہور فقہاء، اور خود حنفیہ نے انکار کیا ہو، اس کے انکار سے ''اہلِ سنت سے خارج'' ہونا کیسے ممکن ہے؟

ایسی صورت میں خود اپنے ہی جمہور کو اہلِ سنت سے خارج کرنا لازم آئے گا، جس کے بعد اس طرح کا حکم لگانے والے حضرات کی اپنی نسبت کا متاثر ہونا بھی لازم آئے گا۔

اور ان حضرات کا بھی جنہوں نے ''مجتہدین کی تقلید'' ہی کا انکار کیا ہے، جیسا کہ متعدد ''محدثین'' کا مسلک رہا ہے، جن کو مخصوص اصطلاح میں ''اھلُ الحدیث'' کہا جاتا ہے، اور فقہاء واصحابِ علم نے جابجا اجتہادی واختلافی مسائل کے ضمن میں مجتہدین وفقہاء کے مقابلہ میں ان کے مذہب کا ذکر کیا ہے، اگرچہ ان کا ذوق، ہمارے یہاں موجودہ دور کے

’’اہلُ الحدیث، یا غیر مقلد‘‘ کہلائے جانے والے لوگوں سے کسی قدر مختلف کیوں نہ ہو۔[1]

اور جب ان کو بھی اہلِ سنت سے خارج قرار نہیں دیا گیا، تو پھر ان محدثین کو کیسے خارج قرار دیا جاسکتا ہے، جو احادیث کی ہی تقلید کے قائل ہیں، اور ’’تقلیدِ شخصی کے وجوب‘‘ پر اجماع کا دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے، اجماع کی خلاف ورزی تو کسی کے لئے بھی جائز نہیں، معصیت ہے، اگر جمہور فقہاء کو نہ سہی، تو محدثین کو اس معصیت کا مرتکب قرار دینا بھی درست قرار نہیں پاسکتا؟

تاہم یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے متعدد مقامات پر ’’جمہور کے اتفاق‘‘ کو بھی ’’اجماع‘‘ سے تعبیر کردیا ہے۔

چنانچہ مولانا محمد مظہر بقا صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

> شاہ صاحب کے نزدیک انعقادِ اجماع میں تمام مجتہدین کا اتفاق ضروری نہیں، بلکہ اگر اکثریت کسی مسئلہ پر متفق ہوگئی، تب بھی اجماع، منعقد ہوجائے گا، گویا کہ شاہ صاحب کا مسلک جمہور کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتا ہے (اصولِ فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ۴۰۷، باب نمبر ۴، اجماع، بعنوان ’’اکثریت کا اجماع‘‘ ناشر: بقا پبلیکیشنز، کراچی، اشاعتِ دوم: 1986ء)

لیکن اس بات سے تو اتفاق کیا جانا مشکل ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک انعقادِ اجماع میں تمام مجتہدین کا اتفاق ضروری نہیں، بلکہ اگر اکثریت کسی مسئلہ پر متفق ہوگئی، تب بھی اجماع، منعقد ہوجائے گا۔

---

[1] أوجب قوم ضمان القيمة وهو مذهب الشافعي، وقال جمع من أهل الحديث :لا ضمان فيه(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۷، ص ۲۷۳۳، كتاب الاطعمة، باب الضيافة)

واعلم أن مذهب المحدثين جواز الصلاة على غير النبي والأنبياء -عليهم السلام -لما ورد في الأحاديث مثله ومنعه الفقهاء لما أن الصلاة حصة من الرحمة الكاملة اختصت بها الأنبياء ، وليس لغيرهم أن يدعى بها(الكوكب الدرى على جامع الترمذى،لرشيد أحمد الكنكوهي، ج ۱، ص ۳۲۴، ابواب الصلاة، باب القعود فى المسجد)

فوجب على مذاهب الفقهاء وأهل الأصول ترجيح روايتهم ,لأنها زيادة ثقة، وكذا على مذهب أهل الحديث؛ لأنهم أكثر عددا(بذل المجهود فى حل سنن أبى داود، ج۲، ص ۴۱۵، كتاب الطهارة، باب من قال :تغتسل من طهر إلى طهر)

یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے خود بھی بعض مسائل میں جمہور کے برخلاف قول کی طرف رجحان ظاہر فرمایا ہے، اور اپنی بعض تالیفات میں بصراحت مذاہبِ مدونہ کو چھوڑ کر مذاہبِ غیر مدونہ کی اتباع کو بھی جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

البتہ یہ بات ممکن ہے کہ کسی مسئلہ، یا چند مسائل میں شاہ ولی اللہ صاحب نے دلیل کے راجح ہونے کی وجہ سے، یا عام حالات میں جمہور کا قول اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہو۔

ہم نے بھی شاہ ولی اللہ صاحب کی بعض ایسی عبارات کو ملاحظہ کیا ہے۔

لیکن یہ قضیہ اس ''اجماعِ ملزم'' سے الگ نوعیت رکھتا ہے، جو اس وقت زیرِ بحث ہے۔

اس لئے اگر کوئی دوسری تاویل سے اتفاق نہ کرے، تو یہ تاویل بھی ممکن ہے کہ شاہ صاحب نے اس موقع پر جمہور کے اتفاق کو اجماع سے تعبیر کر دیا ہو، جیسا کہ شاہ صاحب کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے، جو انہوں نے اس موقع پر استعمال فرمائے ہیں، اور وہ یہ ہیں:

''وقل من کان لا یعتمد علی مذھب الخ''

چوتھے ''الانصاف'' کی مذکورہ عبارت کے بعد، اور دیگر مقامات پر اس سلسلہ میں جو تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بیان فرمائی ہے، اس سے بھی علی الاطلاق تقلیدِ شخصی اور مذہبِ معین کے التزام کے واجب ہونے کی نفی ہوتی ہے، جیسا کہ گذرا۔

پانچویں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ''الانصاف'' میں مذکورہ بالا عبارت کے متصل بعد اس کا سبب بیان کرتے ہوئے، جو کچھ فرمایا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ عامی کے لیے حکم نہیں، چنانچہ فرمایا کہ:

''اور اس تمذہب باعیانِ مجتہدین کا سبب یہ ہے کہ فقہ میں مشغول شخص، دو حالتوں سے خالی نہیں۔

پہلی حالت تو یہ ہے کہ اس کی ہمت کا بڑا حصہ، دلائلِ تفصیلیہ اور ان کی نقد و تنقیح، اور بعض کی بعض پر ترجیح کے ذریعہ، اُن مسائل کی معرفت میں خرچ ہو، جن کے

متعلق پہلے مجتہدین جواب دے چکے ہیں، اور یہ بہت عظیم کام ہے، جو کسی امام کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، اور اس حالت کا حامل شخص بہت سے مذہب کے اصول وفروع میں، کسی صاحبِ مذہب کی طرف منتسب ہوتا ہے۔

اس کو ''مجتہدِ مستقل'' ہونے کا مقام حاصل نہیں ہوتا، اور یہی ''مجتہدِ مطلق منتسب'' ہوتا ہے۔

اور دوسری حالت یہ ہے کہ اس کی ہمت کا بڑا حصہ، اُن مسائل کی معرفت میں خرچ ہو، جن کے متعلق مستفتی، سوال کرتے ہیں، اور ان کے بارے میں متقدمین نے کلام نہیں کیا، ایسا شخص ''مجتهد فی المذهب'' کہلاتا ہے، جو صاحبِ مذہب کی اکثر امور میں موافقت کرتا ہے، اور قلیل امور میں مخالفت کرتا ہے۔

اور رہی تیسری حالت کہ جس میں وہ ابتداء سے ہی شریعت کے احکام کی معرفت میں اپنی جدوجہد کو مشغول کرے، تو وحی کے زمانہ کے بُعد وغیرہ کی وجہ سے، یہ حالت بعید ہے۔

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا:

''وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر ألهمه الله تعالى العلماء وتبعهم عليه من حيث يشعرون أو لا يشعرون''.

پس اس بناء پر مجتہدین کی طرف، مذہب کا انتساب ایسا راز ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کی طرف الہام فرمایا ہے، خواہ ان کو اس کا شعور ہو، یا نہ ہو''۔ انتہیٰ۔ [1]

---

[1] وسبب ذلک أن المشتغل بالفقه لا يخلو من حالتين:
إحداهما: أن يكون أكبر همه معرفة المسائل التى قد أجاب فيها المجتهدون من قبل من أدلتها التفصيلية ونقدها وتنقيح أخذها وترجيح بعضها على بعض وهذا أمر جليل لا يتم له إلا بإمام يتأسى به قد كفى معرفة فرش المسائل وإيراد الدلائل فى كل باب باب فيستعين به فى ذلک ثم يستقل بالنقد والترجيح ولولا هذا الإمام صعب عليه ولا معنى لارتكاب أمر صعب مع إمكان الأمر اسهل. ولابد لهذا المقتدى أن يستحسن شيئا مما سبق إليه إمامه ويستدرک عليه شيئا فان كان استدراكه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ’’تقلید کی شرعی حیثیت‘‘ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ عبارت کے درجِ ذیل الفاظ:

’’وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر ألهمه الله تعالى العلماء وتبعهم عليه من حيث يشعرون أو لا يشعرون‘‘.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أقل من موافقته عد من أصحاب الوجوه فى المذهب وإن كان أكثر لم يعد تفرده وجها فى المذهب وكان مع ذلك منتسبا إلى صاحب المذهب فى الجملة ممتازا عمن يتأسى بإمام آخر فى كثير من أصول مذهبه وفروعه.

ويوجد لمثل هذا بعض مجتهدات لم يسبق بالجواب فيها إذ الوقائع متتالية والباب مفتوح فيأخذها من الكتاب والسنة وآثار السلف من غير اعتماد على إمامه ولكنها قليلة بالنسبة إلى ما سبق بالجواب فيه وهذا هو المجتهد المطلق المنتسب.

وثانيهما :أن يكون أكبر همه معرفة المسائل التى يستفتيه فيها المستفتون مما لم يتكلم فيه المتقدمون وحاجته إلى إمام يأتسى به فى الأصول الممهدة فى كل باب أشد من حاجة الأول لأن مسائل الفقه متعانقة متشابكة فروعها تتعلق بأمهاتها فلو ابتدأ هذا بنقد مذاهبهم وتنقيح أقوالهم لكان ملتزما لما لا يطيقه ولا يتفرغ منه طول عمره فلا سبيل له إلى باب إلا أن يجمل النظر فيما سبق فيه ويتفرغ للتفاريع وقد يوجد لمثل هذا استدراكات على إمامه بالكتاب والسنة وآثار السلف والقياس لكنها قليلة بالنسبة إلى موافقتها وهذا هو المجتهد فى المذهب.

وأما الحالة الثالثة وهى أن يستفرغ جهده أولا فى معرفة أولية ما سبق إليه ثم يستفرغ جهده ثانيا فى التفريع على ما اختاره واستحسنه .

فهى حالة بعيدة غير واقعة لبعد العهد عن زمان الوحى واحتياج كل عالم فى كثير مما لا بد له فى علمه إلى ما مضى من روايات الأحاديث على تشعب متونها وطرقها ومعرفة مراتب الرجال ومراتب صحة الحديث وضعفه وجمع ما اختلف من الأحاديث والآثار والتنبه لما يأخذ الفقيه منها ومن معرفة غريب اللغة وأصول الفقه ومن رواية المسائل التى سبق التكلم فيها من المتقدمين مع كثرتها جدا وتباينها واختلافها ومن توجيه أفكاره فى تمييز تلك الروايات وعرضها على الأدلة فاذا أنفذ عمره فى ذلك كيف يوفى حق التفاريع بعد ذلك والنفس الإنسانية وإن كانت زكية لها حد معلوم تعجز عما ورائه وإنما كان هذا ميسر للطراز الأول من المجتهدين حين كان العهد قريبا والعلوم غير متشعبة على أنه لم يتيسر ذلك أيضا إلا لنفوس قليلة وهم مع ذلك كانوا مقيدين بمشايخهم معتمدين عليهم ولكن لكثرة تصرفاتهم فى العلم صاروا مستقلين.

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر ألهمه الله تعالى العلماء وتبعهم عليه من حيث يشعرون أو لا يشعرون(الإنصاف فى بيان أسباب الاختلاف،ص ۷۰ الیٰ ۷۳،باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبيان سبب الاختلاف بين الأوائل والأواخر الخ ، الناشر: دارالنفائس،بيروت، الطبعة الثالثة :۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶م)

www.idaraghufran.org

سے ''تقلیدِ شخصی'' کا مراد ہونا سمجھا ہے (ملاحظہ ہو: تقلید کی شرعی حیثیت، ۴۷، ''تقلیدِ شخصی کی ضرورت'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء)

حالانکہ مذکورہ عبارت کا واضح مطلب یہ ہے کہ مجتہدینِ متبوعین کے وجود میں آنے کے بعد فقہ میں مشغول علماء نے ان کی طرف اپنے مذہب کا انتساب کیا، اور نئے مستقل مذاہب کو وجود نہیں دیا، اور اس انتساب میں فقہ میں مشغول ''مجتہدِ منتسب'' اور ''مقلدِ منتسب'' سب ہی داخل ہیں۔

پھر اس کا ''تقلیدِ شخصی'' سے کیا تعلق ہوا؟ اس کا مطلب تو صرف اتنا ہوا کہ مجتہدینِ معروفین کے مذاہب کے ساتھ علماء وفقہاء کا انتساب ایسا راز ہے، جس کو اللہ نے علماء کو الہام فرمایا ہے۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ علماء کی اکثریت کسی نہ کسی شکل میں مجتہدینِ معروفین کے مذاہب کی طرف انتساب کرتی رہی، ان میں امام محمد اور امام ابو یوسف اور امام زفر جیسے مجتہدینِ مطلق بھی داخل ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے مذاہب کو مستقل طور پر معروف نہیں کیا، باوجودیکہ مجتہدِ مطلق، دوسرے مجتہد کا نہ فروع میں مقلد ہوتا، اور نہ اصول میں مقلد ہوتا۔

اور جو حضرات مجتہدِ مطلق سے نیچے درجہ کے ہیں، جیسا کہ ''مجتهد فی المذهب'' اور ''متبحر فی المذهب'' اور ''عامی'' اُن کا انتساب اپنے اپنے حق میں درجات و حیثیات کے مطابق ہے۔

جس کی تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُ الجید'' اور دوسری تالیفات میں خود ہی بیان فرمادی ہے، جیسا کہ پہلی فصلوں میں گزرا۔

فلہٰذا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مذکورہ عبارت سے ''تقلیدِ شخصی'' کو مراد لینا، اور مجتہدین کی طرف انتساب کے تمام درجات کو نظر انداز کر دینا، اور عوام کے لیے اس کی پابندی سمجھنا، کسی طرح بھی درست نہیں، ورنہ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجتہدین کی طرف منتسب تمام اقسام و درجات کے حضرات، بالخصوص عوام ''تقلیدِ شخصی'' کے پابند ہیں، اور یہ مطلب اصولی اعتبار سے درست نہیں۔

www.idaraghufran.org

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الانصاف'' میں:

''باب حکایة ما حدث فی الناس بعد المائة الرابعة''

قائم کر کے ان ہی مفاسد کا ذکر کیا ہے، جن کا ''حجةُ اللّٰہ البالغہ'' میں پیچھے ذکر گزرا ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس سے پہلے، دوسری صدی کے بعد جس ''تمذہب'' کے عام ہونے، اور اس زمانہ میں اکثر حضرات کے اس کے ساتھ وابستہ ہونے وغیرہ کا حکم لگایا ہے، وہ ''اجتہادِ مستقل'' کے بعد کے اپنے تمام درجات کو شامل ہے، خواہ وہ ''اجتہادِ مطلق'' ہو، اور خواہ ''اجتہاد فی المذہب'' ہو، اور خواہ ''اجتہادِ تجزّی'' ہو، اور خواہ ''تقلید'' کی کوئی سی بھی جائز صورت ہو۔

اور مطلب یہ ہے کہ دوسری صدی کے بعد، امت کا عمومی رجحان مجتہدین کی طرف انتساب کا

---

[1] ثم بعد هذه القرون كان ناس آخرون ذهبوا يمينا وشمالا وحدث فيهم أمور. منها:
1– الجدل والخلاف فی علم الفقه وتفصيله على ما ذكره الغزالی أنه لما انقرض عهد الخلفاء الراشدين المهديين أفضت الخلافة إلى قوم تولوها بغير استحقاق ولا استقلال بعلم الفتاوى والأحكام فاضطروا إلى الاستعانة بالفقهاء وإلى استصحابهم فی جميع أحوالهم وقد كان بقی من العلماء من هو مستمر على الطراز الأول وملازم صف الدين فكانوا إذا طلبوا هربوا وأعرضوا فرأى أهل تلك الأعصار عز العلماء وإقبال الأئمة عليهم مع إعراضهم فأشرأبوا لطلب العلم توصلا إلى نيل العز ودرك الجاه فأصبح الفقهاء بعد أن كانوا مطلوبين طالبين وبعد أن كانوا أعزة بالإعراض عن السلاطين أذلة بالإقبال عليهم إلا من وفقه الله.
وقد كان من قبلهم قد صنف ناس فی علم الكلام وأكثروا القال والقيل والإيراد والجواب وتمهيد طرق الجدل فوقع ذلك منهم بموقع من قبل أن كان من الصدور والملوك من مالت نفسه إلى المناظرة فی الفقه وبيان الأولى من مذهب الشافعی وأبی حنيفة رحمهما الله فترك الناس الكلام وفنون العلم وأقبلوا على المسائل الخلافية بين الشافعی وأبی حنيفة رحمهما الله على الخصوص.
وتساهلوا فی الخلاف مع مالك وسفيان وأحمد بن حنبل وغيرهم وزعموا أن غرضهم استنباط دقائق الشرع وتقرير علل المذاهب وتمهيد أصول الفتاوى وأكثروا فيها التصانيف والاستنباطات ورتبوا فيها أنواع المجادلات والتصنيفات وهم مستمرون عليه إلى الآن ولسنا ندری ما الذی قدر الله تعالى أی أزلا فيما بعدها من الأعصار انتهى حاصله (الانصاف للدهلوی، ص۸۷،۸۸، باب حكاية ما حدث فی الناس بعد المائة الرابعة، ثم بعد هذه القرون كان ناس آخرون ذهبوا يمينا وشمالا وحدث فيهم أمور، الناشر: دارالنفائس، بيروت، الطبعة الثالثة: ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶ م)

www.idaraghufran.org

رہا ہے، جس میں بہت سی حکمتیں و مصلحتیں ہیں، اور ایسے حضرات جو کسی مجتہد کی طرف منتسب نہ ہوں، ان کی تعداد کم رہی ہے۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ موجودہ دور تک جتنے بھی اصحابِ علم ہیں، ان میں سے اکثر حضرات اپنے آپ کو کسی نہ کسی مجتہد کی طرف منتسب کرتے ہیں، اور جو حضرات ایسے نہیں، ان کی تعداد کم ہے، جیسا کہ موجودہ دورہ کے سلفی، اور غیر مقلدین و اہلِ حدیث کہلائے جانے والے حضرات کی حالت ہے۔

لیکن بہر حال یہ ایسا اجماع نہیں، جو ''حجتِ قاطعہ'' ہوا کرتا ہے، اگرچہ بعض نے اس پر اجماع کا دعویٰ کر دیا ہو، ممکن ہے کہ اس سے مراد، یا تو جمہور، یا اکثریت کا اجماع ہو، یا پھر ممکن ہے کہ کسی مخصوص جماعت کا اجماع مراد ہو، جو اگرچہ اطمینان و شرح صدر کا باعث، اور مصالح پر مشتمل ہے، لیکن ''حجتِ قاطعہ'' نہیں کہ جس کی بناء پر فسق، یا اہلِ سنت سے خروج کا حکم عائد ہو۔ [1]

''المصفّٰی'' اور ''حجۃُ اللّٰہ البالغۃ'' کا حوالہ

یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے خود بھی بعض مسائل میں، مذاہبِ اربعہ سے خروج اور تلفیق کو اختیار کیا ہے۔

چنانچہ شاہ صاحب، مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ''مصفّٰی'' میں فرماتے ہیں:

وبالجملہ چنان متبادر می شود کہ ارجح مذاہب در موجباتِ وضو مذہبِ حسن بصری است وضو از ما خرج من السبیلین واز نوم می شکند، واز لمسِ مرأۃ ومسِ ذکر وقی

[1] ومراد المصنف بالإجماع في قوله ولهذا يستأتى حولا بالإجماع إنما هو إجماع المجتهدين دون إجماع المشايخ، وانتفاء أحد الإجماعين لا يستلزم انتفاء الآخر؛ ألا يرى أن المشايخ كثيرا ما يختلفون في رواية المسألة عن المجتهدين، فبعضهم يروى اجتماع المجتهدين فيها وبعضهم يروى اختلافهم فيها (تكملة فتح القدير، المعروف بـ نتائج الأفكار في كشف الرموز والأسرار لقاضى زاده، ج ١٠، ص ٢٩٥، كتاب الديات، باب في اعتبار حالة القتل)

ورعاف نمی شکند (مصفّٰی، ج۱ص۳۷، کتاب الصلاۃ، باب الوضوء من الرعاف والحجامۃ، مطبوعہ: مطبع فاروقی، دہلی)

ترجمہ: اور بہرحال اس سے بظاہر جو معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ تمام مذاہب میں زیادہ راجح موجباتِ وضو کے سلسلہ میں حسن بصری کا مذہب ہے کہ وضو "ماخرج من السبیلین" اور نیند سے ٹوٹتا ہے، اور عورت کو چھونے اور مسِ ذکر اور اسی طرح قے اور نکسیر (یعنی خون نکلنے) سے نہیں ٹوٹتا (مصفّٰی)

شاہ ولی اللہ صاحب نے مندرجہ بالا عبارت میں، جس موقف کو زیادہ راجح قرار دیا، وہ یہ ہے کہ وضو صرف "ماخرج من السبیلین" اور نیند سے ٹوٹتا ہے، اور عورت کو چھونے اور مسِ ذکر اور اسی طرح قے اور نکسیر (یعنی خون نکلنے) اور قہقہہ سے نہیں ٹوٹتا۔

اس مسئلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے نہ تو حنفیہ کی اتباع کی، جو دمِ مسفوح اور منہ بھر قے اور نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کے قائل ہیں۔

اور نہ ہی "مسِ ذکر، مسِ فرج اور مسِ دُبر اور مسِ امرأۃ" سے وضو ٹوٹنے میں حنفیہ کے علاوہ، دیگر فقہاء کی اتباع کی۔ [1]

---

[1] یری جمهور الفقهاء من المالكية والشافعية وأحمد فی رواية وهو الصحيح من مذهبه وعليه جماهير أصحابه أن مس الذكر ينقض الوضوء .

وقال مالک والشافعی: لا ينقض مسه إلا بباطن كفه ولا ينقض بظهر الكف لأن ظاهر الكف ليس بآلة المس فأشبه ما لو مسه بفخذه .

ولا فرق عند الحنابلة بين بطن الكف وظاهره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷ص ۲۸۵، مادة "مس" حرف الميم)

وقال المالكية: ينقض الوضوء بمس الذكر، لا بمس الدبر، فيعد مس الذكر المتصل ناقضا، لا المقطوع، سواء مسه من أی جزء منه، التذ أم لا، إذا مسه عمدا أو سهوا من غير حائل ببطن الكف أو جنبه، أو ببطن أصبع وبجنبه، لا بظهره، ولو كان الأصبع زائدا على الخمسة إن كان له إحساس ويتصرف به كغيره من الأصابع، وذلک إذا كان بالغا، أما مس الصبی ذكره فلا ينقض، أی أن المراد مس البالغ ذكره بباطن الكف والأصابع.

ولا ينقض مس حلقة الدبر، أو الأنثيين (الخصيتين)، ولا مس امرأة فرجها، ولو ألطفت: أی أدخلت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے ساتھ ہی شاہ ولی اللہ صاحب نے مذکورہ مسئلہ میں "تلفیق" کو بھی نظرانداز فرمادیا، جو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أصبعا أو أكثر من أصابعها في فرجها .ولا ينقض مس ذكر صبي أو كبير غيره.
ودليلهم: الاقتصار على حديث: من مس ذكره فلا يصلي حتى يتوضأ وحديث من أفضى بيده إلى ذكره ليس دونه ستر، فقد وجب عليه الوضوء .
وقال الشافعية والحنابلة: ينتقض الوضوء بمس فرج الآدمي (الذكر والدبر وقبل المرأة) من نفسه أو غيره، صغيرا أو كبيرا، حيا أو ميتا، وقياس الدبر على الذكر هو مذهب الشافعي الجديد، بشرط كونه بباطن الكف (أي الراحة مع بطون الأصابع) فلا ينقض بظاهر الكف وحرفه ورؤوس الأصابع وما بينها بعد التحامل اليسير، أي أن الناقض هو ما يستتر عند وضع إحدى الراحتين على الأخرى مع تحامل يسير، وفي الإبهامين يضع باطن أحدهما على باطن الآخر.
فلو كان التحامل كثيرا كثر غير الناقض، وقل الناقض .وفي هذا يتفق الشافعية مع مذهب المالكية؛ لأن ظاهر الكف ليس بآلة اللمس، فأشبه ما لو مسه بفخذه.
ولا فرق عند الحنابلة بين بطن الكف وظهره، بدليل حديث الإفضاء المتقدم: إذا أفضى أحدكم بيده إلى فرجه، ليس بينهما سترة، فليتوضأ وظاهر كفه من يده، والإفضاء: اللمس من غير حائل.
ودليل الشافعية والحنابلة مجموع الحديثين السابقين: حديث بسرة بنت صفوان وأم حبيبة: من مس ذكره فليتوضأ وفي لفظ من مس فرجه فليتوضأ وحديث أبي هريرة: إذا أفضى أحدكم بيده إلى ذكره، فقد وجب عليه الوضوء وفي لفظ إذا أفضى أحدكم بيده إلى فرجه .. والفرج: يشمل القبل والدبر، ولأن الدبر أحد الفرجين، فأشبه الذكر.
والنقض بمس المرأة قبلها لعموم حديث بسرة وأم حبيبة: من مس فرجه فليتوضأ ولما روى عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: أيما رجل مس فرجه فليتوضأ، وأيما امرأة مست فرجها فلتتوضأ(الفقه الاسلامي وادلتہ للزحيلي، ج ا ص ۴۳۲، ۴۳۳، القسم الاول، الباب الاول، الفصل الرابع، المبحث الاول ، المطلب السابع)
ذهب المالكية والشافعية والحنابلة خلافا للحنفية إلى أن لمس الرجل المرأة ينقض الوضوء، وقدره المالكية والحنابلة بأن يكون اللمس لشهوة .وكذا عندهم ينتقض الوضوء بمس الفرج .
وسووا بين أن يكون العضو الملموس أو الملموس به صحيحا أو أشل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦ ص ٢٠٦، ٢٠٧، مادة "شلل"حرف الشين)
من نواقض الوضوء عند جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية والحنابلة) لمس الرجل المرأة وعكسه دون حائل .لقوله تعالى: (أو لامستم النساء)
وكذلك مس قبل الآدمي ينتقض به الوضوء عند الجمهور إذا كان بغير حائل لما ورد في الحديث: من مس فرجه وليس بينهما ستر ولا حجاب فليتوضأ .
وينتقض الوضوء بمس حلقة الدبر على الجديد عند الشافعية وهي رواية عن أحمد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ١ ص ٢٣٨، مادة "حائل" حرف الحاء)

www.idaraghufran.org

اُن کی طرف سے بیان کردہ ''تلفیق'' کے جواز کی صورت میں داخل ہے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے، اپنی مشہور کتاب ''حجۃُ اللہ البالغۃ ''میں جمعہ کی نماز کے متعلق فرمایا کہ:

أقول وذلک لأنه لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين فى البلد وجب أن ينظر إلى تمدن وجماعة.

والأصح عندى أنه يكفى اقل ما يقال فيه قرية، لما روى من طرق شتى يقوى بعضها بعضا "خمسة لا جمعة عليهم "وعد منهم أهل البادية قال صلى الله عليه وسلم الجمعة على الخمسين رجلا "أقول الخمسون يتقرى بهم قرية، وقال صلى الله عليه وسلم الجمعة واجبة على كل قرية "وأقل ما يقال فيه: جماعة لحديث الانفضاض، والظاهر أنهم لم يرجعوا والله أعلم.

فإذا حصل ذلک وجبت الجمعة ومن تخلف عنها فهو الآثم، ولا يشترط أربعون، وأن الأمراء أحق بإقامة الصلاة وهو قول على كرم الله وجهه: أربع إلى الإمام الخ، وليس وجود الإمام شرطا

(حجة الله البالغة، ج٢ص ١١٥، القسم الثانى فى بيان اسرار ما جاء عن النبى صلى الله عليه وسلم، ابواب الصلاة، باب١٦: الجمعة، ، مطبوعة : دار ابن كثير، بيروت، الطبعة الثانية :١٤٣٣ هـ)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ یہ اس لیے ہے کہ جب جمعہ کا مقصد، دین کی اشاعت ہے شہر میں، تو اس کے لیے جماعت اور (خاص) تمدن کا لحاظ ضروری ہوا۔

اور میرے نزدیک اصح (یعنی زیادہ صحیح) قول یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ کم از کم ایسا مقام ہو، جس کو قریہ (یعنی گاؤں) کہا جاتا ہو، بوجہ اس روایت

کے جو مختلف سندوں سے مروی ہے، جس کے بعض کی بعض سے تقویت ہوتی ہے کہ ”جمعہ پانچ لوگوں پر واجب نہیں“ جن میں جنگل والوں کو بھی شمار کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جمعہ پچاس افرد پر ہے“ میں کہتا ہوں کہ پچاس افراد کے ذریعہ سے قریہ بن جاتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جمعہ ہر قریہ پر واجب ہے“ اور کم سے کم جس کو جماعت کہہ سکیں، میرے نزدیک جمعہ کی صحت کے لیے کافی ہے، اور ”**حدیثِ انفضاض**“ اس پر دال ہے، اور بظاہر وہ لوگ لوٹ کر واپس نہیں آئے تھے، **واللہ اعلم**۔

پس جب اتنے لوگ موجود ہوں، تو جمعہ واجب ہو جائے گا، اور جو اِن سے پیچھے رہ گیا، وہ گناہ گار ہے، اور چالیس افراد شرط نہیں، اور حکمران جمعہ کی نماز قائم کرنے کے زیادہ حقدار ہیں، یہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ ”چار چیزیں امام (یعنی مسلمان حکمران) کی طرف سپرد کی گئی ہیں، الخ“ اور امام کا وجود (صحتِ جمعہ کے لیے) شرط نہیں (حجة الله البالغة)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک، جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے شہر شرط نہیں، بلکہ جس آبادی پر ”قریہ“ اور گاؤں کا اطلاق آجاتا ہو، اس میں نمازِ جمعہ جائز ہے۔

نیز شاہ ولی اللہ صاحب نے مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ”مصفّٰی“ میں بھی مندرجہ بالا حکم اور کچھ مزید تفصیل بیان فرمائی ہے، چنانچہ اس میں فرمایا:

بیہقی از ابنِ مسعود نقل میکند ”**انه صلى الله عليه وسلم جمّع بالمدينة وكانوا اربعين رجلا**“ واین عبارت دلالت براقلیۃ این جمع میکند وحال چنان بود زیرا کہ جمعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واصحاب، وہلم جرًّا، بیشتر میبودند از اربعین بدرجات بسیار۔

www.idaraghufran.org

واما وجود اربعین ضروری است در انعقاد جمعہ یا نہ، امام شافعی می گوئید ضروریست، وفیہ نظر، زیرا کہ حدیثِ انفضاض دلالت می کند کہ نہ بودند آ جا در آ خر خطبہ۔

وظاہر ازان انست کہ دراول نماز نیز مگر دوازدہ تن پس الغائے وصف اربعین ثابت شد، واحتمال عود ایشان بغیر فصل کہ دریں صورت شافعیہ پیدا کردہ اند مستندی ندارد، بلکہ ظاہر از سیاق آیۃ وسیاق قصہ آنست کہ انفضاض برائے شراءِ متاع بودہ است، ولہٰذا خدائے تعالیٰ فرمود ''اذا رأو تجارة أو لهوا ''الآية، ولہٰذا بیع وشرا دریں وقت ممنوع شد، وآن فصل طویل ست وغالبا خطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طویل نبودند، پس اجتماع عود بی فصل درخطبہ یا دراول نماز بعید باشد۔

پس ظاہر آنست کہ درویہی اگر دون اربعین جمعہ خواندن نماز ایشاں صحیح باشد ومتخلفان آثم شوند، واما قریہا یا شہر پس شرط جمعہ است۔

بجہتہ آنکہ درزمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بدو جمعہ نمی بود، وبا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعی کثیر از اہلِ مکہ در عرفہ بودند ایشان را بجمعہ نفرمودند، وسفر اگر عدم تحتم درحق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واہلِ مدینۃ میتواند شد درحق اہلِ مکۃ علت نمی تواند شد، الا بودن ایشان درصحرا، واثر حضرت عثمان کہ اذن داد اہلِ بادیۃ را برجوع پیش از وقتِ جمعہ وعمل مستمر مسلمین کہ در بدو جمعہ نیست ونہ در بریہ، ونہ در اہلِ خیام۔

وفارق میان اہلِ خیام وقریہ وجود ابنیہ است، ودرعوالی وقریہ قلۃ متوطنان۔

پس بر جمعی کہ بر اجتماع ایشان اسم قریہ تو ان اطلاق نمود، جمعہ واجب است صد کس باشند، یا زیادہ، ودر بعض احادیث اقل آں پنجا کس، مرد عاقل، بالغ، حر آمدہ۔

واما آنکہ درزمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واصحاب در یک مسجد میخواندند، منشاء آن تحقق جماعۃ عظیمہ است کہ درصورۃ تعدد جماعت میسر نمی باشد، یا تبرک باقتدای آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وخلفای کرام وحرص بر استماع وعظ ایشان،

www.idaraghufran.org

وصفت نفسیہ بودن آن معلوم نیست و بر تقدیر منشاء اول می باید کہ شہر عظیم کہ ہر طرفی ازوی مانند قریہ باشد آنجا تعدد جماعات جایز بود۔

واما امامتِ خلیفہ یا نائب او پس امر مستمرہ بود و منشاء آن امر است بتقدم والی در محل ولایتِ خود پس مخصوص باشد بحضور والی و بطریق استحباب باشد، چنانکہ تقدیم اقرء بر اعلم و سائر نظائر مسئلہ و اثر حضرت علی کہ **اربع الی الامام** ، **الخ**، محمول بر ندب تقدم والی در محل ولایۃ خود است (مصفّٰی، ج۱ص۱۵۲، کتاب الصلاۃ، باب التشدید علیٰ من ترک الجمعۃ بغیر عذر، مطبوعہ: مطبع فاروقی، دہلی)

ترجمہ:...... بیہقی نے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جمعہ کا حکم فرمایا، اور وہ چالیس افراد تھے، اور یہ عبارت اس مجمع سے کم پر دلالت کرتی ہے، اور واقعہ بھی یہی ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اور ان کے مابعد سلسلہ بسلسلہ چالیس سے کہیں زیادہ افراد ہوا کرتے تھے۔ [1]

جہاں تک جمعہ منعقد ہونے کے لیے چالیس افراد کے ضروری ہونے کا تعلق ہے، تو امام شافعی اس کو ضروری قرار دیتے ہیں، لیکن یہ بات قابلِ غور ہے، کیونکہ حدیثِ انفضاض (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ دینے کے وقت بعض حاضرین کے چلے جانے کی حدیث) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس جگہ اتنے افراد آخر خطبہ میں نہیں تھے۔ [2]

---

[1] اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ چالیس سے زیادہ افراد شرط ہوں، جس کا کوئی قائل نہیں، لہٰذا جب عام حالات میں مجمعِ کثیر کو نظر انداز کیا گیا، تو مذکورہ واقعہ میں بھی یہ تعدادِ خاص لغو ہونی چاہیے۔ محمد رضوان۔

[2] عن جابر بن عبد الله، "أن النبی صلی الله علیه وسلم، کان یخطب قائما یوم الجمعة، فجاء ت عیر من الشام، فانفتل الناس إلیها، حتی لم یبق إلا اثنا عشر رجلا، فأنزلت هذه الآیة التی فی الجمعة :وإذا رأوا تجارة أو لهوا انفضوا إلیها وترکوک قائما(صحیح مسلم، رقم الحدیث ۸۶۳"۳۶")

www.idaraghufran.org

اوراس کا ظاہر یہ ہے کہ نماز کے شروع میں بھی بارہ ہی افراد تھے، پس چالیس افراد کے وصف کا لغو ہونا ثابت ہوگیا، اوراس صورت میں شافعیہ نے جو بغیر فصل کے ان لوگوں کے لوٹنے کے احتمال کو پیدا کیا ہے، اس کی کوئی مستند دلیل نہیں، بلکہ آیت کے سیاق اوراس قصے کے سیاق سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ ان حضرات کا وہاں سے جانا، سامان خریدنے کے لیے تھا، اوراسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اذا رأو تجارة أو لهوا'' آخرآیت تک، اوراسی کی وجہ سے اس وقت میں خرید وفروخت کی ممانعت ہوئی، جو طویل فصل کا متقاضی ہے، اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر خطبے طویل نہیں ہوا کرتے تھے، پس اس مجمع کا اس درمیانی (مختصر) وقفے میں (خریداری کے عمل سے فارغ ہوکر) خطبہ کے اندر، یا نماز کے شروع میں لوٹ کرآنا بعید ہے۔

پس ظاہر یہی ہے کہ اگر دیہات میں چالیس سے کم افراد جمعہ پڑھیں، تو جمعہ صحیح ہوجائے گا، اور جمعہ سے پیچھے رہ جانے والے گناہ گار ہوں گے، البتہ گاؤں، یا شہر ہونا جمعہ کی شرط ہے۔

اس جہت کے ساتھ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جنگل کے رہائشیوں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا، اوراس جہت کے ساتھ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ کے کثیر مجمع کے ساتھ عرفہ میں موجود تھے، لیکن ان کو جمعہ کا حکم نہیں فرمایا، اورسفر اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوراہلِ مدینہ کے حق میں جمعہ کے لیے مانع تھا، تو اہلِ مکہ کے حق میں یہ علت نہیں تھی، سوائے اس علت کے کہ وہ صحراء میں موجود تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اثر کہ انہوں نے اہلِ بادیہ کو جمعہ کے وقت سے پہلے رجوع کرنے کی اجازت دی، نیز مسلمانوں کا مسلسل عمل بھی یہی ہے کہ جنگل کے رہائشیوں (یعنی خانہ بدوشوں وغیرہ) پر جمعہ نہیں ہے،

اور نہ ہی جنگل میں جمعہ ہے، اور نہ اہلِ خیمہ پر جمعہ ہے۔

اور اہلِ خیمہ اور گاؤں والوں کے درمیان فرق کرنے والی چیز، عمارت کا وجود ہے (خواہ وہ عمارت کچی ہو، یا پکی ہو) اور عوالی اور قریہ کے درمیان فرق کرنے والی چیز وہاں کے باشندوں کا کم ہونا ہے۔

پس ہر وہ جماعت کہ ان کے اجتماع پر قریہ کا نام صادق آنے کی صلاحیت ہو، ان پر جمعہ واجب ہے، سو افراد ہوں، یا زیادہ ہوں، اور بعض احادیث میں پچاس سے کم مرد، عاقل، بالغ، آزاد کا ذکر آیا ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام، صرف ایک مسجد میں جمعہ پڑھا کرتے تھے؟ تو اس کا منشاء، عظیم اجتماع کا تحقق تھا، جو کہ متعدد جگہ جمعہ کی نماز پڑھنے کی صورت میں میسر نہیں آتا تھا، یا اس کا منشاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کے خلفائے کرام کی اقتداء سے برکت حاصل کرنا، اور ان کے وعظ سننے کی حرص تھی، اور ان لوگوں کی تعداد معلوم نہیں، اور پہلے منشاء (یعنی عظیم اجتماع کے تحقق) کو مقدر ماننے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ بڑا شہر کہ جس کے اطراف میں قریہ کے مثل آبادی ہو، اس جگہ ایک سے زیادہ جمعہ کی نمازیں جائز ہوں۔

جہاں تک خلیفہ، یا اس کے نائب کی امامت کا تعلق ہے، تو یہ ایک مستقل معمول رہا ہے، لیکن اس کی منشاء دراصل کسی بھی والی کے اپنی ولایت کے محل میں آگے بڑھنا ہے، پس یہ مستحب طریقہ پر والی کے حاضر ہونے کے ساتھ خاص ہوگا، جیسا کہ قاری کی عالم پر تقدیم کا تعلق ہے، اور جیسا کہ اس مسئلہ کی دوسری نظائر کا تعلق ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر کہ چار چیزیں امام کے سپرد ہیں، الخ، تو یہ والی کے اس کی ولایت میں مقدم ہونے کے مندوب ہونے پر محمول ہے (مصفّٰی)

مذکورہ عبارات میں شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ فرما کر کہ ''کم سے کم جس کو جماعت کہہ سکیں، میرے نزدیک جمعہ کی صحت کے لیے کافی ہے'' چالیس افراد شرط ہونے میں شافعیہ وحنابلہ کی اور بارہ افراد ہونے میں مالکیہ کی مخالفت کی، اور تعددِ جمعہ کے مسئلہ میں بھی حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہاء کی مخالفت کی، اور گاؤں میں جمعہ کے ناجائز ہونے میں حنفیہ کی مخالفت کی، اور ''والی'' ہونے میں بھی حنفیہ کے مشہور قول کی مخالفت کی، اور اس کی توجیہ وتعلیل مصر وبلد ہونے کے بجائے ''والی'' کی تقدیم کے مستحب ہونے سے بیان فرمائی۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی کتب میں اس طرح کے اور بھی نظائر موجود ہیں۔

اگر مذکورہ صورتوں میں ائمہ اربعہ کے مذاہب سے خروج ''اجماعِ ملزِم'' کے خلاف ہوتا، تو خود شاہ ولی اللہ صاحب اس کا ارتکاب کیوں فرماتے۔

شاہ ولی اللہ کے ایک مکتوب کا حوالہ

اس کے علاوہ علامہ ابنِ تیمیہ نے بھی بعض اجتہادی مسائل میں ائمہ اربعہ کے برخلاف قول کو ترجیح دی ہے، لیکن اس کے باوجود شاہ ولی اللہ صاحب نے علامہ ابنِ تیمیہ کا دفاع کیا ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

الذی أعتقده أنا، وأحب أن یعتقده جمیع المسلمین فی علماء الإسلام حملة الكتاب والسنة والفقه الذابین عن عقیدة أهل السنة والحدیث، أنهم عدول......وإن كان بعضهم تكلم فیهم بما لا یرتضیه هذا المعتقدُ إذا كان قولهم ذلک غیر مردود علیهم بنص الكتاب والسنة والإجماع وكان قولهم ذلک محتملاً وكان مجال ومساغ للخوض فیه سواء كان قولهم ذلک فی أصول الدین أو فی المباحث الفقهیة أو فی الحقائق الوجدانیة

وعلى هذا الأصل اعتقدنا فى الشيخ الاجل محى الدين محمد بن على بن العربى، و فى الشيخ المجدد احمد بن عبدالاحد السهروردى انهما من صفوة عباد الله ولم تلتفت الى ما قيل فيهما فكذالک ابن تيمية. فإنا قد تحققنا من حاله أنه عالم بكتاب الله ومعانيه اللغوية والشرعية وحافظ لسنة رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وآثار السلف عارف بمعانيهما اللغوية والشرعية أستاذ فى النحو واللغة محور لمذهب الحنابلة فروعه وأصوله فائق فى الذكاء ذو لسان وبلاغة فى الذب عن عقيدة أهل السنة لم يؤثر عنه فسق ولا بدعة اللهم إلا هذه الأمور التى ضيق عليه لأجلها وليس شىء منها إلا ومعه دليله من الكتاب والسنة وآثار السلف فمثل هذا الشيخ عزيز الوجود فى العالم ومن يطيق أن يلحق شأوره فى تحريره وتقريره والذين ضيقوا عليه ما بلغوا معشار ما آتاه الله تعالى، وإن كان تضييقهم ذلک ناشئاً من اجتهاد ومشاجرة العلماء فى مثل ذلک ما هى إلا كمشاجرة الصحابة – رضى الله عنهم – فيما بينهم والواجب فى ذلک كف اللسان إلا بخير (مكتوبات مناقب ابى عبدالله محمد بن اسماعيل البخارى، وفضيلة ابنِ تيمية، ص ۲۶، ۲۷، مطبع احمدى شهر دهلى)

ترجمہ: میرا عقیدہ یہ ہے، اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ تمام مسلمان علمائے اسلام کے بارے میں جو کتاب وسنت اور فقہ کے حاملین ہیں، اور اہلِ سنت اور اہلِ حدیث کا دفاع کرنے والے ہیں، یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ انتہائی عادل ہیں......

اگرچہ بعض حضرات نے ان کے متعلق ناپسندیدہ کلام کیا ہے، جو کتاب اللہ اور

سنت کے نص اور اجماع سے رد نہیں کیا جا سکتا، اور ان کا قول اس کا احتمال رکھتا ہے، جس میں اجتہاد اور غور وفکر کی گنجائش ہوتی ہے، خواہ ان کا قول اصولِ دین کے متعلق ہو، یا مباحثِ فقہیہ کے متعلق ہو، یا حقائقِ وجدانیہ کے متعلق ہو، اور اسی قاعدہ کی بناء پر ہم نے اعتقاد کیا، شیخِ اجل محی الدین محمد بن علی بن عربی کے بارے میں، اور شیخ مجد د احمد بن عبدالاحد سہروردی کے بارے میں کہ وہ دونوں اللہ کے مخلص بندے تھے، اور ان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، پس اسی طریقہ سے ابنِ تیمیہ کا بھی معاملہ ہے (کہ ان کے اکثر مسائل مجتہد فیہ نوعیت کے ہیں، جن میں ان کے دلائل بھی ہیں)

پس ہم نے علامہ ابنِ تیمیہ کے حال کی تحقیق کی، تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب وسنت کے عالم، اس کے معانی سے واقف اور سنتِ رسول اللہ کے حافظ ہیں، نحو اور لغت کے امام ہیں، حنابلہ کے اصول اور فروع کے مبلغ ہیں، اہلِ سنت کی طرف سے دفاع کرتے ہیں، ان سے کسی قسم کے فسق، یا بدعت کو ہم نے سرزَد ہوتے نہیں دیکھا، البتہ وہ امور جن کے متعلق ان پر اعتراض کیا گیا ہے، تو ان میں سے کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے، جس کے متعلق ان کے پاس کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہ ہو، ایسا عالم زمانہ میں مشکل سے پیدا ہوتا ہے، کون ہے جو ان کی تحریر وتقریر کا مقابلہ کر سکے؟ جن لوگوں نے ان پر اعتراض کیا ہے، ان کو ان کے علم کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا، ہاں ان کے بارے میں علماء کا مشاجرہ ایسا ہی ہے، جیسے صحابۂ کرام کا آپس میں ضروری ہے کہ ان معاملات میں، خیر کے سوا اپنی زبان بند رکھی جائے

(مکتوبات)

پھر اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے اُن اعتراضات کے جوابات دیے ہیں، جو ان سے علامہ ابنِ تیمیہ کے متعلق معلوم کیے گئے، جن میں استویٰ علی العرش اور قطب، اور شدِّ رحال

وغیرہ کے مسائل داخل ہیں۔

اس قسم کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب، اجتہادی مسائل میں ائمۂ اربعہ کے قول کو ''حجتِ ملزمہ'' قرار نہیں دیتے، اور اس سے خروج کو علی الاطلاق ناجائز نہیں سمجھتے۔

''شدِّ رحال'' کے مسئلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کا اپنا رجحان بھی علامہ ابنِ تیمیہ کے موقف کے قریب ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ''حجۃُ اللّٰہ البالغۃ'' میں فرماتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم: "لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام والمسجد الأقصى، ومسجدى هذا"

أقول: كان أهل الجاهلية يقصدون مواضع معظمة بزعمهم، يزورونها، ويتبركون بها، وفيه من التحريف والفساد ما لا يخفى، فسدَّ النبى صلى الله عليه وسلم الفساد ،لئلا يلتحق غير الشعائر بالشعائر، ولئلا يصير ذريعة لعبادة غير الله.

والحق عندى :أن القبر ومحل عبادة ولى من أولياء الله والطورَ، كل ذلک سواء فى النهى (حجة الله البالغة، ج۲، ص۲۵، القسم الثانى فى بيان أسرار ما جاء عن النبى صلى الله عليه وسلم تفصيلا، ابواب الصلاة، باب :۵ "المساجد"، الناشر: دار ابنِ كثير، دمشق، الطبعة الثانية : ۱۴۳۳ هـ، 2012م)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ شدّ رحال نہ کیا جائے، مگر تین مساجد کی طرف، ایک مسجدِ حرام، دوسرے مسجدِ اقصیٰ اور تیسرے مسجدِ نبوی۔

میں کہتا ہوں کہ جاہلیت کے لوگ معظم مقامات کا اپنے مخصوص عقیدے کی بناء پر زیارت کا قصد کیا کرتے تھے، اور ان مقامات سے برکت حاصل کرنے کا عقیدہ

www.idaraghufran.org

رکھتے تھے، جس میں ظاہر ہے کہ تحریف اور فساد کا خوف تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فساد کا سدّ باب کیا، تاکہ غیر شعائر کو، شعائر کا درجہ نہ دے دیا جائے، اور یہ غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بن جائے، اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر اور اولیاء اللہ میں سے کسی ولی کی عبادت گاہ اور کوہِ طور، یہ سب مقامات ممنوع ہونے میں برابر ہیں (حجۃ اللہ البالغہ)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ''مصفّٰی'' میں فرماتے ہیں:

تحقیق دریں جا آنست کہ در جاہلیت سفرمی کردند بمواضع متبرکہ بزعمِ خویش، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سد باب تحریف فرمود، وسفر برائے مواضع متبرکہ غیر مساجد بقصدِ خصوصیت تبرک بآں موضع منع فرمود، تا امرِ جاہلیت رواج نگیرد (مصفّٰی، ج ا ص ۹۰، کتاب الصلاۃ، باب لا تشدّ الرحال الا الیٰ ثلاثۃ مساجداً، مطبوعہ: مطبع فاروقی، دہلی)

ترجمہ: اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں متبرک مقامات کا اپنے مخصوص عقیدے کی بناء پر سفر کیا جاتا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریف کا سدّ باب فرمایا، اور مساجد کے علاوہ مقاماتِ متبرکہ کے لیے، اس جگہ کے تبرک کی خصوصیت کے ارادہ سے سفر کرنے سے منع فرمایا، تاکہ جاہلیت کے مسئلہ کو رواج حاصل نہ ہو (مصفّٰی)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد اور متبرک مقامات کی طرف باقاعدہ سفر کرکے جانے کو ممنوع و مکروہ قرار دیتے ہیں، جس کی وجہ ان کے نزدیک دین میں تحریف اور فتنوں کا سد باب ہے۔ جس کی تفصیل اس کتاب کے دوسرے حصہ میں آتی ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ اور بعض دیگر اصحابِ علم کی تائیدات

علامہ ابنِ تیمیہ نے ''مجموعُ الفتاویٰ'' میں ایک مقام پر اجماع کی بحث کے ذیل میں فرمایا کہ:

معنى الإجماع :أن تجتمع علماء المسلمين على حكم من الأحكام .وإذا ثبت إجماع الأمة على حكم من الأحكام لم يكن لأحد أن يخرج عن إجماعهم؛ فإن الأمة لا تجتمع على ضلالة.

ولكن كثير من المسائل يظن بعض الناس فيها إجماعا ولا يكون الأمر كذلك بل يكون القول الآخر أرجح في الكتاب والسنة.

وأما أقوال بعض الأئمة كالفقهاء الأربعة وغيرهم؛ فليس حجة لازمة ولا إجماعا باتفاق المسلمين بل قد ثبت عنهم -رضي الله عنهم -أنهم نهوا الناس عن تقليدهم؛ وأمروا إذا رأوا قولا في الكتاب والسنة أقوى من قولهم :أن يأخذوا بما دل عليه الكتاب والسنة ويدعوا أقوالهم .ولهذا كان الأكابر من أتباع الأئمة الأربعة لا يزالون إذا ظهر لهم دلالة الكتاب أو السنة على ما يخالف قول متبوعهم اتبعوا ذلك (مجموع الفتاوى، لابن تيمية، ج٢٠، ص١٠، ١١، كتاب أصول الفقه، الجزء الثاني: التمذهب، معنى الإجماع)

ترجمہ: اجماع کا مطلب یہ ہے کہ کسی شرعی حکم پر تمام علمائے مسلمین، اجماع فرمالیں۔ اور جب کسی شرعی حکم پر امت کا اجماع، ثابت ہوجائے، تو کسی کے لئے ان کے اجماع سے خروج کی گنجائش نہیں ہوتی، کیونکہ امت کسی گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔

لیکن بہت سے مسائل کے بارے میں بعض لوگ یہ گمان کرلیتے ہیں کہ وہ اجماعی

www.idaraghufran.org

ہیں، حالانکہ حقیقت اس کے مطابق نہیں ہوتی، بلکہ دوسرا قول کتاب وسنت کی روسے زیادہ راجح ہوتا ہے۔

جہاں تک بعض ائمہ کے اقوال کا تعلق ہے، جیسا کہ ائمہ اربعہ وغیرہ، تو ان کا قول نہ تو ''حجۃِ ملزمہ'' ہے، اور نہ ہی اجماع ہے، اور اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

بلکہ ان ائمہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے لوگوں کو اپنی تقلید سے روکا ہے، اور یہ حکم دیا ہے کہ وہ جب کوئی قول کتاب وسنت میں ان کے قول سے زیادہ قوی دیکھیں، تو کتاب وسنت کی دلالت والے قول کو لے لیں، اور ان کے قول کو ترک کردیں، اور اسی وجہ سے ائمہ اربعہ کے متبعین کے اکابر کے سامنے جب کتاب وسنت کی دلالت سے اپنے متبوعین کے اقوال کے خلاف راجح ظاہر ہوئے، تو وہ ان کی اتباع کرتے، اور اپنے متبوعین کے اقوال کو برابر چھوڑتے رہے (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ نے ''اجماع'' کے متعلق جو مذکورہ عبارت میں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مجتہدین، بلکہ ائمہ مجتہدین دراصل ''ائمہ اربعہ'' کے علاوہ بھی ہیں، اگرچہ ان کو ''ائمہ اربعہ'' کی طرح ''ائمہ متبوعین'' نہ کہا جاتا ہو۔

اور علامہ ابنِ تیمیہ نے ''منهاجُ السنة'' میں فرمایا کہ:

أهل السنة لم يقل أحد منهم إن إجماع الأئمة الأربعة حجة معصومة، ولا قال: إن الحق منحصر فيها وإن ما خرج عنها باطل، بل إذا قال: من ليس من أتباع الأئمة كسفيان الثورى والأوزاعى والليث بن سعد ومن قبلهم ومن بعدهم من المجتهدين قولا يخالف قول الأئمة الأربعة ، رد ما تنازعوا فيه إلى الله ورسوله ، وكان القول الراجح هو القول الذى قام عليه الدليل (منهاج السنة النبوية، لابن تيمية، ج٣، ص ٤١٢، الفصل الثانى، فصل كلام الرافضى على قول أهل السنة بالقياس وأخذهم بالرأى والرد عليه)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اہلُ السنۃ میں سے کسی کا یہ قول نہیں کہ ائمہؒ اربعہ کا اجماع، حجتِ معصومہ ہے، اور نہ ہی یہ قول ہے کہ حق اِن چاروں ائمہ میں منحصر ہے، اور جو اِن سے خروج اختیار کرے، وہ باطل ہے، بلکہ اگر وہ قول اُن حضرات میں سے کسی کا ہو، جو ائمہ کے متبعین نہیں، جیسا کہ سفیان ثوری اور اوزعی اور لیث بن سعد، اور ان سے پہلے اور بعد کے مجتہدین میں سے کسی کا قول، جو ائمہؒ اربعہ کے مخالف ہو، ایسی صورت میں اس اختلافی مسئلہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹایا جائے گا، اور راجح قول وہی شمار ہوگا، جس پر دلیل قائم ہوگی (منہاج السنۃ)

علامہ ابنِ تیمیہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ:

''امام بخاری اور ابوداؤد، اہلِ اجتہاد میں سے فقہ میں امام ہیں، اور امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، ابنِ خزیمہ، ابویعلیٰ اور بزار وغیرہ ''اہلُ الحدیث'' کے مذہب پر ہیں، جو علماء میں سے کسی متعین شخص کی اور ائمہؒ مجتہدین میں سے کسی کی علی الاطلاق تقلید نہیں کرتے، بلکہ وہ ائمہؒ حدیث کے قول کی طرف مائل ہوتے ہیں، جیسا کہ امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور ابوعبید وغیرہ۔

اور بعض محدثین، بعض ائمہ کی طرف اختصاص کرتے ہیں، چنانچہ بعض امام احمد کی طرف منتسب ہیں، اور بعض محدثین، اہلِ حجاز، یعنی امام مالک کے مذاہب کی طرف مائل ہیں، اور بعض حضرات، اہلِ عراق کے مذاہب، یعنی امام ابوحنیفہ اور ثوری کی طرف مائل ہیں، اور بعض محدثین، ان حضراتِ ائمہ سے مقدم ہیں، اور مذکورہ تمام حضرات سنت اور حدیث کی تعظیم کرتے ہیں''۔ انتہیٰ۔ [1]

---

[1] وسئل أيضا – رضى الله عنه –:هل البخارى؛ ومسلم؛ وأبو داود؛ والترمذى؛ والنسائى؛ وابن ماجه؛ وأبو داود الطيالسى؛ والدارمى والبزار؛ والدارقطنى؛ والبيهقى؛ وابن خزيمة؛ وأبو يعلى الموصلى هل كان هؤلاء مجتهدين لم يقلدوا أحدا من الأئمة؛ أم كانوا مقلدين؟ وهل كان من هؤلاء أحد ينتسب إلى مذهب أبى حنيفة؟ وهل إذا وجد فى موطأ مالك: عن يحيى بن سعيد؛ عن إبراهيم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پس راجح یہی ہے کہ علی الاطلاق ہر شخص کے لئے جملہ مسائل میں ائمہ اربعہ کی پیروی واجب نہیں، جب تک کہ ''حقیقی وواقعی اجماع'' سے خروج، یا دوسرا مسلّمہ منکر لازم نہ آئے۔

اسی وجہ سے ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی اس امت میں دیگر مجتہدین، اور ائمہ پائے جاتے ہیں، اور اعیانِ صحابہ ودیگر مجتہدین کی **فی الجملة** تقلید واتباع جائز ہے، اور جس نے اس کے برخلاف قرار دیا، وہ دلائل کے لحاظ سے راجح نہیں، اسی بناء پر محققین نے اس قول کی تردید کی ہے، اور بعض نے تطبیق کی صورت اختیار کی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بن محمد بن الحارث التيمي؛ عن عائشة .ووجد في البخارى: حدثني معاذ بن فضالة؛ قال: حدثنا هشام عن يحيى هو ابن أبى كثير؛ عن أبى سلمة؛ عن أبى هريرة .فهل يقال أن هذا أصح من الذى فى الموطأ؟ وهل إذا كان الحديث فى البخارى بسند وفى الموطأ بسند فهل يقال: إن الذى فى البخارى أصح؟ وإذا روينا عن رجال البخارى حديثا ولم يروه البخارى فى صحيحه فهل يقال .هو مثل الذى فى الصحيح؟

فأجاب: الحمد لله رب العالمين، أما البخارى؛ وأبو داود فإمامان فى الفقه من أهل الاجتهاد .وأما مسلم؛ والترمذى؛ والنسائى؛ وابن ماجه؛ وابن خزيمة؛ وأبو يعلى؛ والبزار؛ ونحوهم؛ فهم على مذهب أهل الحديث ليسوا مقلدين لواحد بعينه من العلماء ولا هم من الأئمة المجتهدين على الإطلاق [بل هم يميلون إلى قول أئمة الحديث] كالشافعي؛ وأحمد؛ وإسحاق وأبى عبيد؛ وأمثالهم .ومنهم من له اختصاص ببعض الأئمة كاختصاص أبى داود ونحوه بأحمد بن حنبل وهم إلى مذاهب أهل الحجاز – كمالك وأمثاله – أميل منهم إلى مذاهب أهل العراق – كأبى حنيفة والثورى – .وأما أبو داود الطيالسى فأقدم من هؤلاء كلهم من طبقة يحيى بن سعيد القطان؛ ويزيد بن هارون الواسطى؛ وعبد الله بن داود .ووكيع بن الجراح؛ وعبد الله بن إدريس؛ ومعاذ بن معاذ؛ وحفص بن غياث؛ وعبد الرحمن بن مهدى؛ وأمثال هؤلاء من طبقة شيوخ الإمام أحمد .وهؤلاء كلهم يعظمون السنة والحديث ومنهم من يميل إلى مذهب العراقيين كأبى حنيفة والثورى ونحوهما كوكيع؛ ويحيى بن سعيد ومنهم من يميل إلى مذهب المدنيين: مالك ونحوه كعبد الرحمن بن مهدى .وأما البيهقى فكان على مذهب الشافعي؛ منتصرا له فى عامة أقواله .والدارقطنى هو أيضا يميل إلى مذهب الشافعي وأئمة السند والحديث لكن ليس هو فى تقليد الشافعي كالبيهقى مع أن البيهقى له اجتهاد فى كثير من المسائل واجتهاد الدارقطنى أقوى منه؛ فإنه كان أعلم وأفقه منه (مجموع الفتاوى، لا بن تيمية، ج٢٠، ص٣٩، الى ص ٤١، كتاب أصول الفقه، الجزء الثانى: التمذهب، سئل هل البخارى ومسلم وابوداؤد والترمذى...هل كان هؤلاء مجتهدين ام كانوا مقلدين؟)

چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہ نے اپنی تالیف ’’منهاجُ السنة‘‘ میں فرمایا:

أئمة المسلمين الذين لهم فى الأمة لسان صدق من الصحابة والتابعين لهم بإحسان، والفقهاء المشهورين كمالک وأبى حنيفة والثورى والأوزاعى والليث بن سعد والشافعى وأحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه وأمثال هؤلاء الذين هم أهل الاجتهاد فى الدين وخلفاء المرسلين (منهاج السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة القدرية، لابن تيمية، ج٣، ص١١٥، الفصل الثانى، فصل كلام الرافضى على الأفعال الاختيارية عند أهل السنة والرد عليه)

ترجمہ: ائمۂ مسلمین وہ ہیں کہ جن کی امت میں سچی زبان ہے، صحابہ میں سے اور ان کی اچھے طریقہ سے اتباع کرنے والوں میں سے، اور فقہائے مشہورین میں سے، جیسے مالک اور ابوحنیفہ اور ثوری اور اوزاعی اور لیث بن سعد اور شافعی اور احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ اور ان کے مثل وہ حضراتِ گرامی، جو دین میں اجتہاد کے اہل تھے اور خلفائے مرسلین (منهاج السنة)

اور علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا:

خطر ببال السائل أن المذاهب فى هذه الملة الشريفة منحصرة فى أربعة والمجتهدون من الأمة لا يحصون كثرة ،وكل له مذهب من الصحابة ، والتابعين ، واتباع التابعين وهلم جرا ، وقد كان فى السنن الخوالى نحو عشرة مذاهب مقلدة أربابها مدونة كتبها وهى الأربعة المشهورة .

ومذهب سفيان الثورى ، ومذهب الأوزاعى ، ومذهب الليث بن سعد ، ومذهب إسحاق بن راهويه ، ومذهب ابن جرير ، ومذهب

داود وكان لكل من هؤلاء أتباع يفتون بقولهم ويقضون (الحاوی للفتاویٰ، للسیوطی، ج۲ص ۱۸۹ ، کتاب البعث، مبحث النبوات ، کتاب الإعلام بحکم عیسی علیه السلام)

ترجمہ: سوال کرنے والے کے دل میں یہ بات کھٹکی ہے کہ اس ملتِ شریفہ میں مذاہب چار کے اندر منحصر ہیں، حالانکہ امت کے مجتہدین اتنی کثرت سے ہیں کہ جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا، جن میں سے ہر ایک کا مذہب ہے، صحابہ اور تابعین اور اتباعِ تابعین میں سے بھی ، اور اسی طرح سلسلہ آگے تک چلتا ہے، اور گزشتہ زمانوں میں دس مذاہب تھے، جن کے ائمہ کی تقلید کی جاتی تھی، جن کی کتب مدون تھیں، جن میں سے چار تو مشہور ائمہ کے مذاہب ہیں، اس کے علاوہ سفیان ثوری کا مذہب ہے، اور اوزاعی کا مذہب ہے، اور لیث بن سعد کا مذہب ہے، اور اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے، اور ابنِ جریر کا مذہب ہے، اور داؤد ظاہری کا مذہب ہے، ان میں سے ہر ایک کے مقلدین و متبعین ہوئے ہیں، جو ان کے قول پر فتویٰ بھی دیتے تھے، اور (عدالتی وثالثی) فیصلہ بھی کرتے تھے (الحاوی)

اس سے معلوم ہوا کہ مشہور فقہی مذاہب تو اگرچہ چار ہی ہیں، لیکن ان کے علاوہ بھی اہلِ حق کے مذاہبِ متبوعہ ہیں۔

اور شمس الدین محمد بن ابی العباس شہاب الدین رملی شافعی (المتوفیٰ: 1004ھ) نے فرمایا:

(والشافعي) أمام الأئمة (ومالک) بن انس إمام دار الهجرة (والنعمان) الإمام أبو حنيفة المنعوت بالخشية والخيفة وأحمد بن حنبل المتعمق فی التقوی وسفيان الثوری (وغيرهم من سائر الأئمة) كابن عيينة والليث بن سعد والاوزاعی وإسحاق بن راهويه وداود الظاهری (على هدى من ربهم) فی العقائد وغيرها

ولا أعتبار بمن تكلم فيهم بما هم بريئون منه ومناقبهم مأثورة وفضائلهم مشهورة ويكفی فيها أنتشار علمهم وتقرر جلالتهم على مدى الأزمان وذلک لايقدر أحد على أن يضعه لنفسه ولا لغيره ومناقبهم أكثر من أن تحصى رضى الله عنهم (والاختلاف) بينهم فيما طريقه الاجتهاد (رحمة) لقوله صلى الله عليه وسلم اختلاف أصحابی رحمة والمراد بهم المجتهدون قيس بهم غيرهم (غاية البيان شرح زبد ابن رسلان، ص ۱۴، المقدمة)

ترجمہ: اور امام شافعی جو ائمہ کے امام ہیں، اور امام مالک بن انس جو دارُالھجرۃ کے امام ہیں، اور نعمان امام ابوحنیفہ، جو خشیت اور خوف کے ساتھ متصف ہیں، اور احمد بن حنبل، جو تقویٰ میں حدِ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں، اور سفیان ثوری اور ان کے علاوہ دیگر تمام ائمہ، جیسا کہ ابنِ عیینہ اور لیث بن سعد اور اوزاعی اور اسحاق بن راہویہ اور داؤد ظاہری، عقائد وغیرہ میں اپنے رب کی ہدایت پر قائم ہیں، اور ان لوگوں کا اعتبار نہیں، جنہوں نے ان کی شان میں ان چیزوں پر کلام کیا ہے، جس سے یہ حضرات بریٔ ہیں، اور ان کے مناقب منقول ہیں، اور ان کے فضائل مشہور ہیں، جن کے بارے میں یہ کافی ہے کہ ان کا علم اور ان کی جلالتِ شان زمانۂ دراز گزرنے کے باوجود عالَم میں پھیلی ہوئی ہے، اور کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں کہ وہ اپنے اور دوسرے کے لیے اس مقام کو حاصل کر سکے، اور ان کے مناقب احاطۂ شمار سے زیادہ ہیں، اور ان ائمہ کے درمیان اجتہاد کے طریقے پر اختلاف رحمت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے کہ میرے اصحاب کا اختلاف رحمت ہے، جس سے مراد مجتہدین ہیں، جن پر دوسروں کو قیاس کیا گیا ہے (غایۃ البیان)

اور محمد بن احمد غرناطی مالکی، ابنِ جزی کلبی (المتوفی: 741ھ) نے فرمایا:

www.idaraghufran.org

هؤلاء الأربعة هم قدوة المسلمين فى أقطار الأرض وأولو الأتباع والأشياع وربما نبهت على مذهب غيرهم من أئمة المسلمين كسفيان الثورى والحسن البصرى وعبد الله بن المبارك وإسحاق بن راهويه وأبى ثور والنخعى وداوود بن على إمام الظاهرية وقد أكثرنا من نقل مذهبه والليث بن سعد وسعيد بن المسيب والأوزاعى وغيرهم رضى الله عنهم أجمعين فإن كل واحد منهم مجتهد فى دين الله ومذاهبهم طرق موصلة إلى الله(القوانين الفقهية، ص۷، مقدمة المصنف)

ترجمہ: یہ ائمۂ اربعہ اقطارِ زمین میں مسلمین کے پیشوا ہیں، جن کی متفرق اقطار میں اتباع کی جاتی ہے، لیکن یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ ان حضرات کے علاوہ بھی دیگر ائمۂ مسلمین کے مذاہب ہیں، جیسا کہ سفیان ثوری اور حسن بصری اور عبداللہ بن مبارک اور اسحاق بن راہویہ اور ابوثور اور نخعی اور داؤد بن علی ظاہریہ کے امام، اور ہم نے کثرت سے ان کے مذاہب کو نقل کیا ہے، اور لیث بن سعد اور سعید بن مسیّب اور اوزاعی وغیرہ، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو، پس بے شک ان میں سے ہر ایک، اللہ کے دین میں مجتہد ہے، اور ان کے مذاہب، اللہ تک پہنچانے والے راستے ہیں (القوانین الفقہیۃ)

اس سلسلے میں اہلِ علم حضرات کی تصریحات بہت زیادہ ہیں، جن کو طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کیا جارہا، اسی بناء پر دیگر ائمہ مجتہدین کے مہذب مذاہب کا اتباع بھی فی الجملہ جائز ہے۔

چنانچہ امام ابنِ صلاح شافعی نے فرمایا:

وليس له التمذهب بمذهب أحد من أئمة الصحابة، وغيرهم من الأولين، وإن كانوا أعلم، وأعلى درجة ممن بعدهم، لأنهم لم يتفرغوا لتدوين العلم وضبط أصوله وفروعه، وليس لأحد منهم

مذهب مهذب محرر مقرر، وإنما قام بذلک من جاء بعدهم من الأئمة الناخلين لمذاهب الصحابة والتابعين، القائمين بتمهيد أحكام الوقائع قبل وقوعها، الناهضين بإيضاح أصولها وفروعها، كمالک وأبی حنيفة وغيرهما (أدب المفتی والمستفتی، ص ۱۶۲، ۱۶۳، القول فی صفة المستفتی وأحكامه وآدابه، وفی أحكام المفتی وآدابه مسائل)

ترجمہ: اور ائمۂ صحابہ اور دیگر اولین میں سے کسی کے مذہب کو اختیار کرنا جائز نہیں، اگر چہ وہ اپنے بعد کے ائمہ سے زیادہ علم، اور زیادہ اعلیٰ درجہ کے حامل تھے، کیونکہ وہ علم کی تدوین، اور اس کے اصول اور فروع کو ضبط کرنے کے لیے فارغ نہیں ہوئے، اور اُن میں سے کسی کا مذہب بھی، تہذیب شدہ، تحریر شدہ، اور طے شدہ نہیں، اس عمل کو بعد کے صرف اُن ائمہ نے انجام دیا، جنھوں نے صحابہ اور تابعین کے مذاہب کی چھان پھٹک کی، اور انھوں نے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے احکام کی پہلے ہی تمہید قائم کردی، اور اُن اصول اور فروع کی خوب وضاحت کردی، جیسا کہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ وغیرہما (ادب المفتی والمستفتی)

علامہ ابنِ حجر ہیتمی نے ''الفتاویٰ الفقهية الكبریٰ'' میں فرمایا کہ میرے نزدیک ائمۂ متبوعین کے علاوہ صحابہ اور دیگر مجتہدین کی تقلید واتباع کے جائز ہونے، نہ ہونے کا اختلاف حقیقی نہیں، بلکہ اگر صحابہ وتابعین وغیرہ میں سے اُن مجتہدین ائمہ کا ''جن کے مذاہب مدون نہیں'' کسی مسئلہ میں اُن کا مذہب وقول محقق ہو، یعنی معتبر سند سے ثابت ہو، تو بالاتفاق اس کی اتباع جائز ہے۔[1]

---

[1] (وسئل) - رحمه الله تعالى -هل يجوز تقليد الصحابة رضوان الله تعالى عليهم أم لا فما الدليل عليه؟

(فأجاب) نفعنا الله تعالى بعلومه بقوله نقل إمام الحرمين عن المحققين امتناعه على العوام لارتفاع الثقة بمذاهبهم إذ لم تدون وتحرر وجزم به ابن الصلاح.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

علامہ عبدالحیی لکھنوی رحمہ اللہ کے والد، بحر العلوم علامہ عبدالعلی لکھنوی (المتوفیٰ: 1225ھ) نے ''شرح مسلم الثبوت ''میں ائمہ اربعہ کے علاوہ کی اتباع کے عدمِ جواز کے قول پر، رَد کیا ہے، اور ائمہ اربعہ کے علاوہ صحابۂ کرام و دیگر مجتہدین کی اتباع کے انکار کو سوئے ادب قرار دیا ہے، الا یہ کہ ان کے کسی قول کی معتبر سند ہی دستیاب نہ ہو، چنانچہ انہوں نے فرمایا:

(قال الإمام أجمع المحققون على منع العوام من تقليد) أعيان (الصحابة) رضوان الله تعالى عليهم فان أقوالهم قد يحتاج فى استخراج الحكم منها إلى تنقير كما فى السنة ولا يقدر العوام عليه (بل) يجب (عليهم اتباع الذين سبروا) أى تعمقوا (وبوبوا) أى أوردوا أبوابا لكل مسئلة على حدة (فهذّبوا)مسئلة كل باب (ونقحوا) كل مسئلة عن غيرها (وجمعوا) بينهما بجامع (وفرقوا) بفارق (وعللوا) أى أوردوا لكل مسئلة علة (و فصلوا) تفصيلا يعنى يجب على العوام تقليد من تصدى لعلم الفقه لا لأعيان الصحابة المجملين القول (وعليه ابتنٰى ابن الصلاح منع تقليد

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وألحق بالصحابة التابعين وغيرهما ممن لم يدون مذهبه وبأن التقليد متعين للأئمة الأربعة فقط قال لأن مذاهبهم انتشرت حتى ظهر تقييد مطلقها وتخصيص عامها بخلاف غيرهم ففيه فتاوى مجردة لعل لها مكملا أو مقيدا لو انبسط كلامه فيها لظهر خلاف ما يبدو منه فامتنع التقليد إذا لتعذر الوقوف على حقيقة مذاهبهم .اهـ .

والقول الثانى جواز تقليدهم كسائر المجتهدين قال ابن السبكى وهو الصحيح عندى.

غير أنى أقول لا خلاف فى الحقيقة بل إن تحقق مذهب لهم جاز وفاقا وإلا فلا .اهـ .ويؤيده ما نقله الزركشى عن جمع من العلماء المحققين أنهم ذهبوا إلى جواز تقليدهم واستدل له ثم قال وهذا هو الصحيح إن علم دليله وصح طريقه ولهذا قال ابن عبد السلام فى فتاويه إذا صح عن صحابى ثبوت مذهب جاز تقليده وفاقا وإلا فلا؛ لا لكونه لا يقلد بل لأن مذهبه لم يثبت كل الثبوت .اهـ .كلام الزركشى فتأمله مع قول ابن عبد السلام وفاقا يتضح لك اعتماد ما ذكره ابن السبكى (الفتاوى الفقهية الكبرى، ج۴،ص۳۰۷، كتاب النكاح،باب القضاء)

غير) الأئمة (الأربعة) الإمام الهمام إمام الأئمة امامنا أبى حنيفة الكوفى والإمام مالك والإمام الشافعى والإمام أحمد رحمهم الله تعالى وجزاهم عنا أحسن الجزاء (لان ذلك) المذكور (لم يدر فى غيرهم وفيه ما فيه) فى الحاشية قال العراقى انعقد الاجماع على أن من أسلم فله أن يقلد من شاء من العلماء من غير حجر وأجمع الصحابة على أن من استفتى أبا بكر وعمر أميرى المؤمنين فله أن يستفتى أبا هريرة ومعاذ بن جبل وغيرهما ويعمل بقولهم من غير نكير فمن ادعى رفع هذين الاجماعين فعليه البيان انتهى.

فقد بطل بهذين الاجماعين قول الإمام وقوله أجمع المحققون لا يفهم منه الاجماع الذى هو الحجة حتى يقال يلزم تعارض الاجماعين بل الذى يكون مختارا عند أحد ويكون الجماعة متفقين عليه يقال أجمع المحققون على كذا ،ثم فى كلامه خلل آخر وهو أن التبويب لا دخل له فى التقليد وكذا التفصيل فان المقلد اِن فهم مراد الصحابى عمل وإلا سال عن مجتهد آخر فافهم ،وبطل بهذا قول ابن الصلاح أيضاً ثم فى قوله خلل آخر إذا المجتهدون الآخرون أيضاً بذلوا جهدهم مثل بذل الأئمة الأربعة وإنكار هذا مكابرة وسوء أدب، بل الحق أنه انما منع من تقليد غيرهم لأنه لم تبق رواية مذهبهم محفوظة حتى لو وجد رواية صحيحة من مجتهد آخر يجوز العمل بها ألا ترى أن المتأخرين أفتوا بتحليف الشهود اقامة له موقع التزكية على مذهب ابن أبى

لیلی (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، الجزء الثانی، صفحة ۴۳۹، خاتمة : الاجتهاد بذل الطاقة من الفقهية ، مسئلة :اختلف فی تقلید المیت، والمختار الجواز)

ترجمہ: امام نے فرمایا کہ محققین کا اجماع ہے کہ عوام کو اعیانِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی تقلید سے منع کیا جائے گا، کیونکہ ان کے اقوال حکم کے استخراج اور تنقیح کے محتاج ہیں، جیسا کہ ''سنة'' میں ہے، اور عوام کو اس پر قدرت نہیں، لہٰذا عوام پر ان حضرات ہی کی اتباع واجب ہوگی، جنہوں نے تعمق کیا، اور ہر مسئلہ کی علیٰحدہ تبویب کی، پھر ہر باب کے مسئلہ کی تہذیب کی، اور ہر مسئلہ کو دوسرے سے منقح کیا، اوران کی جمع وتفریق کی، اور ہر ہر مسئلہ کی علت کو بیان کیا، اور تفصیل بیان کی، یعنی عوام پر علمِ فقہ کو منقح کرنے والوں کی تقلید واجب ہے، صحابہ کے مجمل اقوال کی تقلید واجب نہیں، اوراسی بناء پر ابنِ صلاح نے ائمہ اربعہ، یعنی امام الائمہ ہمارے امام ابوحنیفہ کوفی، اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ، اللہ ان کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے علاوہ کی تقلید سے منع کیا ہے، کیونکہ ان کے علاوہ دوسروں کے اقوال ومذاہب میں مذکورہ تفصیل معلوم نہیں کی جاسکتی۔

لیکن مذکورہ کلام محلِ نظر ہے، چنانچہ حاشیہ میں عراقی نے فرمایا کہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جو شخص اسلام لائے، تو اس کو علماء میں سے جس کی چاہے تقلید کرنا جائز ہے، اس پر کوئی پابندی نہیں، اور صحابہ کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ جس نے امیر المومنین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے استفتاء کیا، تو اس کو حضرت ابو ہریرہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما وغیرہ سے استفتاء کرنا اوران کے قول پر عمل کرنا، بغیر کسی نکیر کے جائز ہے، پس جو شخص ان دونوں اجماع کی نفی کرتا ہے، تو اس پر دلیل لازم ہے، عراقی کا کلام ختم ہوا۔

www.idaraghufran.org

پس ان دونوں اجماعات سے مذکور امام کا قول باطل ہوگیا، رہا یہ کہنا کہ محققین کا اجماع ہے، تو اس سے وہ اجماع نہ سمجھا جائے، جو کہ حجت ہے، جس کے بعد یہ شبہ ہو کہ دو اجماعات میں تعارض لازم آ گیا، بلکہ مراد وہ اجماع ہے، جو کسی کے نزدیک پسندیدہ ہے، اور ایک جماعت اس پر متفق ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ محققین کا اس پر اجماع ہوگیا، پھر امام کے کلام میں دوسرا خلل یہ بھی ہے کہ تبویب کو اور اسی طریقہ سے تفصیل کو تقلید میں دخل نہیں، کیونکہ مقلد اگر صحابی کی مراد کو سمجھتا ہے، تو وہ عمل کرسکتا ہے، ورنہ دوسرے مجتہد سے سوال کرسکتا ہے، یہ بات سمجھ لینے کی ہے، اور مذکورہ تفصیل سے ابنِ صلاح کا قول بھی باطل ہوگیا، پھر امام کے قول میں ایک دوسرا خلل بھی ہے، کیونکہ دوسرے مجتہدین نے بھی ائمۂ اربعہ کی طرح اپنے اجتہاد کو استعمال کیا ہے، اور اس کا انکار مکابرہ اور سوءِ ادب ہے، بلکہ حق بات یہ ہے کہ ائمۂ اربعہ کے علاوہ کی تقلید سے ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے مذہب کی روایت محفوظ نہیں رہی، یہی وجہ ہے کہ اگر (ائمۂ اربعہ کے علاوہ) کسی دوسرے مجتہد کی صحیح روایت پائی جائے، تو اس پر عمل کرنا جائز ہوگا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ متاخرین نے گواہوں کے حلف اٹھانے کو اس کے قائم مقام قرار دے کر تزکیہ کے موقع پر ابنِ ابی لیلیٰ کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے (فواتح الرحموت)

سابق مفتی دیارِ مصر علامہ محمد بخیت المطیعی حنفی ''المتوفی: 1354ہجری'' (سابق رئیس: المجلس العلمی بمحکمة مصر الکبریٰ الشرعیة ، وعضو المحکمة العلیا بها سابقا) نے اپنے ایک رسالہ میں فرمایا:

واختلفوا فی تقلید قول الصحابی، فقال علماء الحنفیة فی ظاهر الاصول إن أقاویل جمیع الصحابة تقبل ویعمل بها متی نقلت إلینا بطریق صحیح، وإن لم نعرف لماذا قالوها، حتی روی عن أبی

حنيفة أنه قيل له:

"إذا قلتَ قولاً و كتابُ اللّٰه يخالف قولك!

قال: أُترك قولى لكتاب اللّٰه تعالىٰ.

فقيل له: إذا كان خبر الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم يخالف قولك!

قال: أترك قولى بخبر الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم .

فقيل لهٗ: إذا كان قول الصحابى يخالف قولك!.

قال: أترك قولى بقول الصحابى.

قيل له: إذا كان قول التابعى يخالف قولك!

قال: إذا كان التابعى رجلاً فأنا رجلٌ. اهـ (رسالة فى بيان الكتب التى يعول عليها وبيان طبقات علماء المذهب الحنفى والرد على ابن كمال باشا، ص۳۷، الفصل الأول : الإجتهاد والتقليد، تقليد الصحابى جائز وان لم نعرف دليلهٗ ،الناشر: دار القادرى، سورية ، دمشق،الطبعةُ الاولىٰ: ۱۴۲۹ھ ،2008م)

ترجمہ: اور صحابی کے قول کی تقلید کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، علمائے حنفیہ کا ظاہرِ اصول میں قول یہ ہے کہ تمام صحابہ کے اقوال ہمارے نزدیک قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہوں گے، بشرطیکہ ہمارے پاس صحیح سند کے ساتھ منتقل ہوئے ہوں، اگرچہ ہمیں ان کے قول کی وجہ معلوم نہ ہو، یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ اگر آپ نے کوئی قول کیا، اور کتابُ اللہ اس کی مخالفت کرتی ہے، تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ تم میرے قول کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی وجہ سے چھوڑ دو۔

پھر سوال کیا گیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث آپ کے قول کے خلاف

ہو، تو امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ تم میرے قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی وجہ سے چھوڑ دو۔

پھر سوال کیا گیا کہ جب آپ کا قول صحابی کے قول کے خلاف ہو، تو امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ تم میرے قول کو صحابی کے قول کی وجہ سے چھوڑ دو۔

پھر سوال کیا گیا کہ جب آپ کا قول تابعی کے قول کے خلاف ہو، تو امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ تابعی بھی آدمی ہیں، اور میں بھی آدمی ہوں (رسالۃ فی بیان کتب الخ)

شیخ موصوف نے مذکورہ رسالہ میں ہی مزید فرمایا:

وأما ما نقلهٔ بعضهم عن كتاب "تحرير" الأصول (لابن الهمام) من أنه انعقد الإجماع على عدم العمل بمذهبٍ مخالف للمذاهب الأربعة فهو نقل غير صحيح، فإن المذكور فى "التحرير" هو مانقلهٔ عن كتاب "البرهان" لأبى المعالى الجوينى: أن إجماع المحققين على منعِ العوامِ عن تقليد أعيان الصحابة، بل يلزمُ أن يقلدوا من بعدهم الذين سَبروا ووضعوا ودوّنوا.

ثم قال: وعلى هذا ما ذكره بعض المتاخرين ــ يعنى ابن الصلاح ــ من منعِ تقليدِ غير الأربعة لانضباط مذاهبهم، وتقييد مسائلهم، وتخصيصِ عمومها، ولم يُدرَ مثلُها فى غيرهم لانقراض أتباعهم. اهـ.

قال ابن أمير حاج فى شرحه عليه: "وحاصل هذا أنه امتنع تقليدُ غير هؤلاء الأربعة لتعذرِ نقل حقيقةِ مذهبهم، وعدمِ ثبوته حق الثبوت، لا لأنهٔ لا يقلد، ومن ثم قال الشيخ عز الدين بن عبدالسلام: لا خلاف بين القولين فى الحقيقة، بل إن تحقق ثبوت مذهبٍ عن واحدٍ منهم جاز تقليدهٔ وفاقاً، وإلا فلا.

www.idaraghufran.org

وقال العزّ أيضاً: إذا صح عن بعض الصحابة مذهبٌ فی حکمٍ من الأحکام لم تجُز مخالفته إلا بدليلٍ أوضح من دليله'' اھ۔

فانظر إلى هذا الناقل عن ''التحرير'' کيف افتریٰ عليه، ونقل عنه ما ليس فيه، وادّعیٰ انعقاد الإجماع، وحمله على الإجماع الشرعی، الذی هو أحد الأدلة الأربعة، ثم نسبه إلى ابن الهمام، وکيف يعقل حصول الإجماع على ما ذکر، مع أن الإجماع لا يکون إلا من المجتهدين، والواجب على کل منهم أن يعمل بما أدیٰ إليه اجتهاده، ولو خالف مذاهب الأئمة الأربعة (رسالة فی بيان الکتب التی يعول عليها وبيان طبقات علماء المذهب الحنفی والرد على ابن کمال باشا، ص ۴۶، ۴۷، الفصل الأول : الإجتهاد والتقليد، جواز العمل بمذهب مخالف للمذاهب الاربعة ،الناشر: دارالقادری، سورية ، دمشق،الطبعةُ الاولیٰ: ۱۴۲۹ھ ، 2008م)

ترجمہ: اور جو بعض حضرات نے ابنِ ہمام کی تحریر الاصول کتاب کے حوالہ سے یہ بات فرمائی ہے کہ مذاہبِ اربعہ کے خلاف کسی دوسرے مذہب پر عمل نہ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، تو یہ نقل صحیح نہیں، کیونکہ ''التحریر'' میں جو بات مذکور ہے، وہ وہی ہے جس کو ابو المعالی جوینی کی ''کتابُ البرھان'' سے نقل کیا گیا ہے کہ محققین کا اجماع اس بات پر منعقد ہو چکا ہے کہ عوام کو اعیانِ صحابہ کی تقلید سے منع کیا جائے گا، بلکہ ان پر لازم کیا جائے گا کہ وہ ان کے بعد کے ان حضرات کی تقلید کریں، جن کے مذاہب کو انہوں نے نکھار دیا، اور وضع و مدون کر دیا ہے۔

پھر فرمایا کہ اسی پر وہ قول محمول ہے، جو بعض متاخرین، یعنی ابنِ صلاح کا ہے، یعنی مذاہبِ اربعہ کے علاوہ کی تقلید سے اس لئے منع کیا جائے گا کہ مذاہبِ اربعہ کے

www.idaraghufran.org

مذاہب منضبط ہو چکے ہیں، اور ان کے مسائل مقید ہو چکے ہیں، اور ان کے عموم کی تخصیص ہو چکی ہے، اور ان کے علاوہ میں اس جیسی کیفیت نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ ان کے متبعین ختم ہو چکے۔

ابنِ امیر حاج نے اپنی ''التحریر'' کی شرح میں فرمایا کہ ''اس کا حاصل یہ ہوا کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کی تقلید سے اس لئے منع کیا جائے گا کہ ان کے مذہب کی حقیقت کی نقل متعذر ہو چکی ہے، اور ان کا کماحقہ ثبوت نہیں ہے، اس وجہ سے نہیں کہ ان کی تقلید ہی نہ کی جا سکتی ہو، اور اسی وجہ سے شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے فرمایا کہ درحقیقت دونوں قولوں میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ اگر ان میں سے کسی کے بھی مذہب کے ثبوت کا تحقق ہو جائے، تو اس کی بالاتفاق تقلید جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔

اور عزبن عبدالسلام نے ہی فرمایا کہ جب احکام میں سے کسی حکم کے متعلق بعض صحابہ کا مذہب صحیح طور پر ثابت ہو، تو اس کی مخالفت اس سے زیادہ واضح دلیل کی وجہ سے ہی جائز ہے، اھ۔

پس آپ اس ناقل کی طرف نظر ڈال لیجئے، جس نے ''التحریر'' پر کیسے جھوٹ باندھا، اور اس کے حوالہ سے ایسی بات نقل کی جو اس میں موجود ہی نہیں، اوپر سے اجماع منعقد ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا، اور اس کو اجماعِ شرعی پر محمول کر لیا، جو کہ ادلہ اربعہ میں سے ایک دلیل ہے، پھر اس کی نسبت ابنِ ہمام کی طرف کر دی، اور مذکورہ بات پر اجماع منعقد ہونے کو عقل کیسے قبول کر سکتی ہے، کیونکہ اجماع تو مجتہدین کی طرف سے ہی ہوا کرتا ہے، اور مجتہدین میں سے ہر ایک پر اسی کے مطابق عمل واجب ہے، جس کی طرف اس کا اجتہاد پہنچا دے، اگرچہ اس کا اجتہاد ائمہ اربعہ کے مذاہب کے خلاف ہو (رسالة في بيان كتب الخ)

www.idaraghufran.org

شیخ مذکور موصوف نے اسی مندرجہ بالا رسالہ میں مزید فرمایا:

وقد ضُبطت وسُبرت مذاهبُ جماعة من الأئمة المجتهدين سوىٰ الأربعة، ولكل واحد منهم أصحابٌ ينتحلون مذهبه، وأتباع يعملون به.

فالخلفاء العباسيون كانوا يعملون بمذهب جدِّهم عبدالله بن عباس رضى الله عنهما من غير نكير من العلماء، وقد جمع فُتياه: حفيدُ المأمون أميرُ المومنين أبوبكر محمد بن موسىٰ بن يعقوب.

قال فى "الهداية" و "الكافى" وغيرهما: "والناس يعملون اليوم بمذهب ابن عباس رضى الله عنهما لأمر بنيه الخلفاء، فإنهم كتبوا فى مناشيرهم أن يصلوا صلاة العيد بمذهب جدهم، وأما المذهب: فقول ابن مسعود رضى الله عنه" اهـ.

ومن المذاهب المضبوطة: مذهب سفيان الثورى، وكان من أتباعه أبو نصرٍ بشرُ بن الحارث المعروف بالحافى، كما نقله الحافظ الذهبى.

وفى "الإحياء" للغزالى: " الفقهاء الذين هم زعماءُ الفقه وقادةُ الخلق ــ أعنى الذين كَثُر أتباعهم فى المذاهب ــ خمسةٌ". وعدّ منهم: سفيان الثورى.

ومنها: مذهب أبى ثور ابراهيم بن خالد الكلبى و من أتباعه: الحافظ ابو العباس الحسن بن سفيان نسبى، سيد الصوفية الجنيد بن محمد البغدادى.

و منها: مذهب داود بن على الظاهرى، ومن أتباعه أبو الحسن

www.idaraghufran.org

رويم بن محمد البغداديُّ من طبقة الجُنيد، مات الإثنان فى سنة ثلاثٍ وثلا ثمئة.

ولا يزال لداود الظاهرى أتباعٌ ومذهبٌ مدوّن إلى يومنا هذا.

ومنها: مذهب محمد بن جرير الطبرى المفسر المؤرخ، ومن أتباعه: أبو الفرج معافىٰ بنُ زكريا النهروانىّ، مات سنة تسعين وثلا ثمئة.

ومنها: مذهب أبى بكر محمد بن خزيمة النيسابورى. ومن أتباعه: أبومحمد دعلج بن أحمد بن دعلج السجزى العدل، مات سنة إحدى وخمسين وثلا ثمئة.

ولغيرهم من العلماء مذاهبُ مستقلة اختاروها وعملوا بها.

ومعنىٰ وجوب الصلابة فى المذهب هو وجوب الثبات على الطريقة الثابتة عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم والصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة الدين، والسلف الصالحين، من أتباع الكتاب والسنة والإجماع والقياس فى موضعه على ما بيّناه من قبلُ، لا التزام مذهب فقيهٍ واحدٍ، والتقيد به والتعصب له، من غير قيام دليل يوجب ذلك (رسالة فى بيان الكتب التى يعول عليها وبيان طبقات علماء المذهب الحنفى والرد على ابن كمال باشا، ص۴۸ الٰى ۵۰، الفصل الأول : الإجتهاد والتقليد، لكل مذهب سوى الأربعة اصحاب انتحلوه وضبطوه،الناشر : دارالقادرى، سورية ، دمشق،الطبعةُ الاولىٰ: ۱۴۲۹ھ ،2008م)

ترجمہ: اور مذاہبِ اربعہ کے علاوہ بھی ائمہ مجتہدین کی ایک جماعت کے مذاہب کو منضبط اور منقح کیا جاچکا ہے، اوران میں سے ہر ایک کے مذہب کو ماننے اوران

www.idaraghufran.org

کی اتباع کر کے عمل پیرا ہونے والے لوگ موجود رہے۔

پس عباسی خلفاء اپنے جد ''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما'' کے مذہب پر علماء کی نکیر کے بغیر عمل کرتے تھے، اور ان کے فتاویٰ کو امیر المومنین مامون کے پوتے ''ابو بکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب'' نے جمع کیا ''الھدایۃ ،الکافی'' وغیرہ میں ہے کہ آج کے زمانہ میں لوگ عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب پر، ان کی اولاد خلفاء کے حکم سے عمل کرتے ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنے منشور میں یہ تحریر کر دیا تھا کہ لوگ ان کے دادا کے مذہب کے مطابق عید کی نماز اداء کریں، حالانکہ مذہبِ حنفی میں ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا قول قابلِ عمل ہے۔اھ۔

اور مضبوط مذاہب میں سے ایک مذہب سفیان ثوری کا ہے، اور ان کی اتباع کرنے والوں میں ابونصر بشر بن حارث ہیں، جو ''الحافی'' کے نام سے معروف ہیں، جیسا کہ حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے۔

اور امام غزالی کی ''الاحیاء'' میں ہے کہ فقہاء، جو کہ فقہ کے زعماء، اور مخلوق کے قائد ہیں، یعنی جن کے مذاہب کی اتباع کرنے والے بکثرت ہیں، وہ پانچ ہیں، ان میں سفیان ثوری کو بھی شمار کیا ہے۔

اور ان میں ابو ثور ابراہیم بن خالد کلبی اور ان کی اتباع کرنے والے، حافظ ابوالعباس حسن بن سفیان نسبی بھی ہیں، جو سید الصوفیہ جنید بن محمد بغدادی ہیں۔

اور ان میں ایک مذہب داود بن علی ظاہری کا ہے، جن کے متبعین میں ابوالحسن رویم بن محمد بغدادی ہیں، جو کہ جنید بغدادی کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان دونوں کی وفات تین سو تین ہجری میں ہوئی۔

اور داود ظاہری کے متبعین برابر موجود رہے، جو ہمارے اس زمانہ تک بھی موجود ہیں۔

www.idaraghufran.org

اوران مذاہب میں محمد بن جریر طبری، مفسر، مورخ کا مذہب بھی ہے، جن کے متبعین میں ابوالفرج معافی بن زکریا نہروانی ہیں، جو تین سو نوے ہجری میں فوت ہوئے۔

اوران میں ابوبکر محمد بن خزیمہ نیساپوری کا مذہب بھی ہے، جن کے متبعین میں ابو محمد دعلج بن احمد بن دعلج سجزی عدل ہیں، جوکہ تین سو اکیاون ہجری میں فوت ہوئے۔

اوران کے علاوہ بھی علماء کے مستقل مذاہب ہیں، جن کو لوگوں نے اختیار کیا، اور ان پر عمل کیا۔

اور مذہب میں ''صلابت و تصلب'' کے وجوب کا مطلب یہ ہے کہ جو طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین اور ان کے بعد ائمہ دین، اور سلفِ صالحین سے ثابت ہے، جو کتاب وسنت، اجماعِ امت، اور قیاس کو اپنے مقام پر رکھنے والے ہیں، اس پر ثابت قدم رہنا واجب ہے، جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں، یہ مطلب نہیں کہ ایک فقیہ کے مذہب کو لازم پکڑ لیا جائے، اور اس کے ساتھ اپنے آپ کو مقید کر لیا جائے، اور اس کے لئے تعصب اختیار کیا جائے، جبکہ اس کو واجب کرنے والی کوئی دلیل بھی قائم نہیں (رسالة فی بیان کتب الخ)

اور حضرت شیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے بھی مذاہبِ اربعہ کے علاوہ دوسرے مجتہد اور بالخصوص صحابی کے قول کی تقلید کے عمومی انداز میں ممنوع ہونے کی علت اس کے کما حققہٗ عدمِ ثبوت کو قرار دی ہے، اور جہاں معتبر طریقہ پر ثبوت پایا جائے، وہاں مذکورہ علت کے نہ پائے جانے سے مذکورہ حکم کی نفی اور تقلید کے جواز کا حکم لگایا ہے۔

چنانچہ حضرت موصوف نے ''اصولُ الافتاء و آدابه'' میں فرمایا:

ان ابن نجيم رحمه الله تعالیٰ انما اعتمد فی هذا القول علی ''التحرير'' لابن الهمام، ولكن ابن الهمام رحمه االله تعالیٰ لم يقل ان القضاء بغير المذاهب الاربعة غير نافذ، وانما قال انه لايجوز اليوم تقليد غير الائمة الاربعة بصفة عامة ، لأن مذاهب سواهم غير مدونة. وهذا لايستلزم أن يكون قول غيرهم لايعتبر فی كون المسئلة اجتهادية. وعبارة ابن الهمام فی آخر كتابه''التحرير'' هكذا: ''نقل الإمام فی البرهان إجماع المحققين علی منع العوام من تقليد أعيان الصحابة، بل من بعدهم الذين سبروا ووضعوا ودونوا،و علی هذا ما ذكر بعض المتأخرين منع تقليد غير الأربعة لانضباط مذاهبهم ،وتقييد مسائلهم ،وتخصيص عمومها،ولم يدر مثله فی غيرهم الآن لانقراض أتباعهم وهو صحيح'' وقال ابنِ امير حاج تحته ''وحاصل هذا أنه امتنع تقليد غير هؤلاء لتعذر نقل حقيقة مذهبهم، وعدم ثبوته حق الثبوت، لا لأنه لايقلد (اصول الافتاء وآدابه، ص ۲۳۲، الإفتاء بمذهب آخر،القضاء بغير المذاهب الاربعة، الناشر: مكتبة معارف القرآن كراتشی، باكستان، الطبعة: شعبان المعظم ۱۴۳۲ هـ ، جولائی ۲۰۱۱ء)

ترجمہ: بے شک ابنِ نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول میں ابن ہمام کی ''التحریر'' پر اعتماد کیا ہے، لیکن ابنِ ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مذاہبِ اربعہ کے علاوہ قضائے قاضی نافذ نہیں ہوتا، بلکہ انہوں نے تو صرف یہ فرمایا ہے کہ آج کے دور میں ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور کی تقلید عمومی انداز میں جائز نہیں، کیونکہ ان کے علاوہ کے مذاہب مدون نہیں ہیں، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کا قول مسئلہ کے اجتہادی ہونے میں معتبر نہ ہو، اور

ابنِ ہمام کی ''التحریر'' کے اخیر کی عبارت اس طرح ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) امام نے برہان میں محققین کا اجماع نقل کیا ہے، عوام کو اعیانِ صحابہ کی تقلید کے ممنوع ہونے پر، بلکہ ان کے بعد ان حضرات کی تقلید پر جنہوں نے گہرائی کے ساتھ مسائل وضع کیے، اور مدون کیے، اور اسی پر بعض متاخرین کا ذکر کردہ وہ مسئلہ بھی ہے کہ انہوں نے ائمہ اربعہ کے علاوہ کی تقلید سے منع کیا ہے، کیونکہ صرف ان ہی کے مذاہب منضبط ہیں، اور ان ہی کے مسائل کی قیود اور عموم کی تخصیص پائی جاتی ہے، اور اس کے مثل ان کے علاوہ دوسرے مذاہب میں آج یہ چیز نہیں پائی جاتی، کیونکہ ان کے متبعین ختم ہو چکے ہیں، اور یہ بات صحیح ہے، اور ابنِ امیر حاج نے اس کے ذیل میں فرمایا کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور کی تقلید سے اس لیے منع کیا جائے گا کہ ان کے مذہب کی حقیقت کا نقل کرنا متعذر رہے، اور اسی طرح اس کا کماحقہ ثبوت بھی نہیں ہے، مگر اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ ان کی تقلید نہیں کی جا سکتی (اصول الافتاء)

پھر اس بحث کے اختتام پر حضرت شیخ موصوف نے فرمایا:

وهذه المسائل كلها تدل على أن نفاذ القضاء ليس خاصا بالمذاهب الاربعة، بل ينفذ اذا وافق احد المجتهدين المعتبرين، بشرط أن كان قولهم ثبت بطريق موثوق (اصول الافتاء لتقی العثمانی، ص ۲۳۴، الإفتاء بمذهب آخر، القضاء بغير المذاهب الاربعة، الناشر: مكتبة معارف القرآن كراتشي، باكستان، الطبعة: شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ، جولائی ۲۰۱۱ء)

ترجمہ: اور یہ تمام مسائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قضائے قاضی کا نفاذ مذاہبِ اربعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جب بھی معتبر مجتہدین میں سے کسی کے بھی موافق ہو جائے، تو وہ نافذ ہو جائے گا، بشرطیکہ ان مجتہدین کا قول معتبر طریقہ سے ثابت ہو (اصول الافتاء)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک عمومی انداز میں ائمہ اربعہ کے علاوہ اعیانِ صحابہ اور دیگر مجتہدین کی تقلید ممنوع ہے، لیکن اگر ان میں سے کسی کا مذہب وقول معتبر طریقہ پر ثابت ہو، تو پھر ممنوع نہیں، خواہ ان مجتہدین کے مذاہب پوری طرح مدون ومرتب نہ ہوں، جیسا کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر ائمہ مجتہدین کے بے شمار مسائل میں مذاہب اور اقوال محفوظ ہیں، اوران اقوال ومذاہب کے متبعین بھی موجود ہیں۔

اسی سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ کسی مسئلے پر محض ائمہ اربعہ کا اتفاق، ایسے اجماع کا حکم نہیں رکھتا، جس سے خروج باعثِ فسق وضلالت ہو۔

اوراسی بناء پر موجودہ زمانہ میں، جو عرب وعجم میں ''سلفی'' اور ''اھلُ الحدیث'' کہلائے جانے والے حضرات کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے، جو ائمہ اربعہ میں سے کسی مخصوص مذہب کی طرف انتساب نہیں کرتے، تو اُن کو صرف اس بنیاد پر ''اھلُ السنة والجماعة'' سے خارج قرار دینا درست نہیں، جب تک کہ وہ اصولِ اجتہاد کو تسلیم کرتے رہیں، اوراجماعِ مسلّم سے خروج اختیار نہ کریں، اور نہ ہی کسی معقول منکر کا ارتکاب کریں۔

رہا اُن میں سے بعض افراد کا کسی مسئلہ میں ایسا موقف، جو بظاہر اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج معلوم ہوتا ہے، تو اس کو اس شخص کا ذاتی موقف تصور کرنا چاہیے، جیسا کہ اس طرح کی بعض بے اعتدالیاں مذاہبِ اربعہ کی طرف منسوب، مختلف افراد واشخاص کی طرف سے بھی ظاہر ہو جاتی ہیں، اور ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

اس موقع پر سعودی عرب کے مشہور شیخ عبدالعزیز بن باز سے کیے گئے ایک سوال اور اس کے جواب کو ملاحظہ کر لینا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا، جو درجِ ذیل ہے:

س :هل صحيح أن الحنابلة هم السلفيون فقط؟ وما حقيقة السلفية، هل هي قرينة التشدد والتزمت كما يروج البعض؟

ج :ليس هذا القول بصحيح .وإنما السلف الصالح هم الصحابة

www.idaraghufran.org

رضی الله عنهم ومن سلک سبیلهم من التابعین وأتباع التابعین من الحنفیة والمالکیة والشافعیة والحنابلة وغیرهم ممن سار علی الحق وتمسک بالکتاب العزیز والسنة المطهرة، فی باب التوحید، وباب الأسماء والصفات، وفی جمیع أمور الدین.

نسأل الله أن یجعلنا منهم، وأن یوفق جمیع المسلمین حکومات وشعوبا فی کل مکان للتمسک بکتابه العزیز وسنة رسوله الأمین وتحکیمهما، والتحاکم إلیهما، والحذر من کل ما یخالفهما إنه ولی ذلک والقادر علیه .والله ولی التوفیق(مجموع فتاوی ومقالات متنوعة للعلامة عبد العزیز بن باز، ج۹ ص۲۳۸، اقسام التوحید"لیس الحنابلة هم السلفیون فقط")

ترجمہ: **سوال**:......کیا یہ صحیح ہے کہ صرف ''حنابلہ'' ہی ''سلفی'' ہیں؟ اور ''سلفیت'' کی حقیقت کیا ہے، کیا یہ تشدد کا قرینہ ہے، جس کو زبردستی لازم کردیا گیا ہے، جیسا کہ بعض جگہ مروج ہے؟

جواب:...... یہ قول صحیح نہیں ہے، سلفِ صالح تو صحابہ رضی اللہ عنہم اور وہ حضرات ہیں، جو ان کے راستہ پر چلے، خواہ تابعین ہوں، اور خواہ اتباعِ تابعین ہوں، حنفیہ، اور مالکیہ، اور شافعیہ اور حنابلہ اور دیگر حضرات میں سے، جو لوگ بھی حق پر چلیں، اور کتابِ عزیز اور سنتِ مطہرہ سے دلیل پکڑیں، توحید کے باب میں بھی، اور اسماء اور صفات کے باب میں بھی، اور تمام دین کے معاملات میں۔

ہم اللہ سے دعاء کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں سے کردے، اور تمام مسلمانوں، اور ان کی حکومتوں کو، اور تمام شعبوں کو ہر جگہ اپنی کتابِ عزیز اور اپنے رسولِ امین کی سنت کو پکڑنے والا، اور ان کے مطابق فیصلہ کرنے، اور حکومت

www.idaraghufran.org

کرنے والا بنادے، اوران لوگوں سے حفاظت فرمائے، جوان دونوں کی مخالفت کرتے ہیں، اللہ ہی اس بات کا کارساز ہے، اوراس پر قادر ہے، اوراللہ ہی توفیق دینے کا اختیار رکھتا ہے (مجموع فتاویٰ ابنِ باز)

اس لئے محض ائمہ اربعہ کی تقلید، اورعدمِ تقلید کوطرفین سے باہمی اختلاف اور جنگ وجدل، اور باہمی تحاسد وتباغض کا ذریعہ بنالینا درست نہیں، جس میں نصوص کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔

''فیوضُ الحرمین'' کا حوالہ

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ''فیوضُ الحرمین'' میں ایک مشہد کے ذیل میں فرمایا:

وتاملته عليه الصلاة والسلام الىٰ أى مذهب من مذاهب الفقه ،يميل لَاَتبعهٗ واتمسک به ، فاذا المذاهب كلها عنده على السواء ، ليس علم الفروع فى حالة ، وهذه من ديدن روحه الكريمة، انما الداخل فى جوهر روحه اصل علم الفروع، وهو عنايته الحق بنفوس البشر من جهة اعمالهم واخلاقهم واصلاحها، وهذا اصل له فروع واشباح يختلف باختلاف الزمان، فالداخل فى جوهر الروح هذا الاصل ، فلذٰلک كان نسبة المذاهب على السواء ،لا يتميز عنده مذهب من مذهب ، لان كل مذهب يحيط بما يجب من أمهات الفقه فى الدين المحمدى وان اختلف .

فلو أن أحدا لم يتبع واحدا من المذاهب ، لم يكن له صلى الله عليه وسلم سخط بالنسبة اليه،الا بالعرض ، وهو أن يتفق اختلاف فى ملته وتقاتل بين الناس ، وفساد ذات البين، وهذا اشد ما يسخط عليه .

وكذلك رأيت الطرق كلها عنده على السواء ، كمثل المذاهب ، ويجب التنبيه بعد ذلك على نكتة ،وهى انه رب رجل يكون عنده ان النبى صلى الله عليه وسلم يختار المذهب الفلانى، وإنه الحق المطلوب ثم يقصرف فيه فينعقد فى قلبه اعتقاداته قصر فى جنب الله ورسول، فيأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ويقف عنده فيحد بينه وبين النبى صلى الله عليه وسلم بابا مسدودا لاينفتح ، فيقول هذه معاتبة منه عليه الصلاة والسلام على تقصيره ، والتحقيق انه اتاه بصدر ممتلئ مخالفة وانكباها، فانسد باب الفيض من جهة سوء القابلية ، وقد يزعم الإنسان أن الخروج عن المذاهب المدونة خروج عن ربقة التقليد للشرح والإنقياد لحكم الله، وان ليس هنالك طريقة مضبوطة غيرها، فيكون الخروج عنها عنده مرادفا ، أو ملازما للخروج عن ربقة الإنقياد ، فيفطن بأن النبى صلى الله عليه وسلم معاتب عليه، وأمثال هذه الشبهات كثيرا ما يقع للطالب (فيوض الحرمين، ص ۳۰، ۳۱، المشاهدة العاشر،مطبوعه: مطبع احمدى، دهلى)

ترجمہ: اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غور کیا کہ آپ فقہی مذاہب میں سے کون سے مذہب کی طرف مائل ہیں، تاکہ میں اس مذہب کی اتباع کروں، اوراس کو مضبوط پکڑلوں، تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمام مذاہب برابر ہیں ''فروعی'' (یعنی فقہی) علم ایک حالت میں نہیں (بلکہ وہ حالات کے اعتبار سے مختلف ہوجاتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے)اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک کی عادت سے تعلق رکھتا ہے(یعنی تمام فقہی مذاہب کا تعلق گویا کہ نبی صلی

www.idaraghufran.org

اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ سے ہے، جس میں حالات کے اعتبار سے تغیر کی گنجائش ہوتی ہے) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کے جوہر میں ''علمِ فروع'' کی ''اصل'' داخل ہے، اور وہ عنایتِ حق ہے، انسانی نفوس کے ذریعہ، جو اُن کے اعمال واخلاق، اور اُن اعمال واخلاق کی اصلاح کی حیثیت سے ہے، اور یہ ایسی ''اصل'' ہے کہ جس کی مختلف فروع اور مختلف شکلیں وصورتیں ہیں، جو زمانہ کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی رہتی ہیں (یعنی اعمال واخلاق کی اصلاح، اصل ہے، اور فقہی وفروعی مذاہب، اس اصل کی عادتِ خارجی کے طور پر مختلف شکلیں وصورتیں ہیں، جن میں اختلافِ زمان ومکان کی وجہ سے تبدل وتغیر کا امکان ہوتا ہے) پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کے جوہر میں یہ اصل (یعنی اعمال واخلاق کی اصلاح) داخل ہے، پس اس وجہ سے مذاہب کی نسبت برابر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایک مذہب دوسرے مذہب سے متمیز نہیں، کیونکہ ہر مذہب دینِ محمدی میں واجب امہاتِ فقہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اگرچہ وہ مذہب، دوسرے مذہب سے مختلف کیوں نہ ہو۔

یہاں تک کہ اگر کوئی شخص فقہی مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کا بھی متبع نہ ہو، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ناراض نہیں، مگر اس صورت میں جبکہ وہ دین میں اختلاف اور جنگ وجدال اور باہمی فساد کا موجب ہو، اور یہ طرزِ عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت غصہ کا موجب ہے۔

اور اسی طریقہ سے میں نے (دین پر چلنے کے) تمام طریقوں کو (جیسا کہ شرعی تصوف وطریقت، اور تذکیر واصلاح کے طریقے، ان کو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک برابر محسوس کیا، جیسا کہ مذاہبِ فقہیہ کا معاملہ ہے۔

اور اس کے بعد ایک نکتہ پر تنبیہ کرنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ بسا اوقات کوئی آدمی

یہ خیال بنالیتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فلاں مذہب کو پسند فرماتے ہیں، اور یہ مذہب ہی حق اور مطلوب ہے، پھر اس سے اس مذہب کے بارے میں کوئی کوتاہی صادر ہوجاتی ہے، تو یہ اپنے دل میں یہ اعتقاد بٹھالیتا ہے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حق میں کوتاہی کی ہے، پھر وہ اسی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضر ہوتا ہے، اور آپ (کی قبر مبارک) کے پاس آ کر کھڑا ہوتا ہے، تو اس کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان (نسبت وتعلق) کا دروازہ بند کردیا جاتا ہے، جو کھلتا نہیں، پھر وہ یہ کہتا ہے کہ یہ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عتاب ہے، اُس سرزد ہونے والی کوتاہی پر، حالانکہ تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں آیا ہے کہ اس کا سینہ مخالفت، اور مصیبت سے بھرا ہوا ہے (دین میں اختلاف اور جنگ وجدال اور باہمی فساد کی وجہ سے اصل اعمال واخلاق میں بگاڑ ہے، اور وہ صرف کسی فقہی وفروعی، یا اصلاح وغیرہ کے فرعی مسئلہ میں کوتاہی کو رکاوٹ کا باعث خیال کیئے بیٹھا ہے) پس اس کی (مذکورہ بالا دین میں اختلاف اور جنگ وجدال اور باہمی فساد کی وجہ سے اصل اعمال واخلاق میں بگاڑ والی) ناقابلیت ونااہلی کی وجہ سے فیض کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔

(مذکورہ صورتِ حال تو مخصوص مذہب وطریقہ کے بارے میں بے اعتدالی کی تھی) جبکہ بعض اوقات انسان یہ گمان کر بیٹھتا ہے کہ ''مذاہبِ مدونہ'' سے ''غیر مذاہبِ مدونہ'' کی طرف خروج، دراصل شریعت کی تقلید کے بندھن، اور اللہ کے حکم کی تابعداری سے نکلنا ہے، اور یہاں کوئی طریقہ ''مذاہبِ مدونہ'' کے مقابلہ میں مضبوط نہیں، پس اس وجہ سے اس کے نزدیک ''مذاہبِ مدونہ'' سے خروج، اللہ کی تابع داری سے نکلنے کے مترادف، یا اس کو مستلزم ہوتا ہے، پس وہ یہ گمان کر بیٹھتا

ہے کہ یہ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عتاب ہے۔

اوراس طرح کے بہت سے شبہات ''طالب'' کو پیش آتے ہیں (فیوض الحرمین)

پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے ''فیوضُ الحرمین'' میں اسی مشہد میں آگے فرمایا:

وصوب طريقتي ومذهبي اصلاً وفرعاً لا لجميع الناس، بل الناس مخصوصين فطرتهم فطرة التحقيق، بشرط ان لا يكون سببا للاختلاف والتقاتل، فهذه النكتة يجب ان ينبه بها كل من اخذ مذهبنا اصلاً وفرعاً وطريقتنا سلوكاً (فيوض الحرمين ، ص ٣٢، المشاهدة العاشر، مطبوعه: مطبع احمدی، دهلی)

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے طریقہ اور میرے مذہب کی تصویب فرمائی، لیکن تمام لوگوں کے لئے نہیں، بلکہ ان لوگوں کے لئے، جن کی فطرۃ ''فطرتِ تحقیق'' ہے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ (مسلمین کے مابین) اختلاف پیدا کرنے کا سبب نہ بنیں، اور نہ ہی قتل وقتال پیدا کرنے کا سبب بنیں، پس اس اہم نکتہ پر ہر اس شخص کو متنبہ رہنا ضروری ہے، جو ہمارے مذہب کو اصولی اور فرعی اعتبار سے اختیار کرے، اور ہمارے طریقہ سلوک کو اختیار کرے (فیوض الحرمین)

شاہ ولی اللہ صاحب کے اس اہم مکتوب سے معاملہ پوری طرح صاف ہوگیا، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے اصولی وفروعی مذہب کی وضاحت کے ساتھ ''فقہیات وفرعیات، اور سلوک وتصوف'' میں غلو وتشدد اختیار کرنے، اور باہمی نزاع اور ختلاف کرنے، اور ایک دوسرے کے خلاف تعصب اختیار کرنے والوں کی شاہ ولی اللہ صاحب سے نسبت بھی معلوم ہوگئی۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے تصوف وطریقت کے ''طریقوں'' کے بارے میں بھی فرمادیا کہ ان کی حیثیت بھی فقہی وفروعی مذاہب کی طرح ہے، لہٰذا ان میں افراط وتفریط اور غلو کرنا بھی مناسب نہیں، جیسا کہ ''ذکرِ جہر وخفی'' کا معاملہ ہے کہ ''محض جہر، یا سر'' پر نزاع کرنا، اور ایک

دوسرے سے بغض وعداوت قائم کرنا جائز نہیں، جب تک اس میں کوئی مسلّمہ منکر لازم نہ آئے۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنے رسالہ ''ہمعات'' میں فرماتے ہیں کہ:

حضرت خواجہ نقشبند بجہت آنکہ ذکرِ جہر بمذہبِ حنفیان مکروہ است وذکرِ خفی اولیٰ واقویٰ دیدند وآں را اختیار کردند، نزدیک ایشاں تاثیرِ صحبت بغایتِ قوی بود وآن کفایت میکرد از جہر (ھَمعات، ص۲۹ ''ھَمعَہ نمبر۶''، مطبوعہ: اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ الدہلوی، حیدرآباد، پاکستان)

ترجمہ: حضرت خواجہ نقشبند نے اس جہت سے (ذکرِ جہری سے کسی موقع پر منع فرمایا) کہ ذکرِ جہر، حنفیوں کے مذہب میں مکروہ ہے، اس لئے وہ ذکرِ خفی کو اولیٰ اور زیادہ قوی سمجھتے ہیں، اور اس کو اختیار کرتے ہیں، ان کے نزدیک صحبت کی تاثیر بہت قوی ہے، اور یہ جہری ذکر سے کفایت کردیتی ہے (''ہمعات'')

علامہ ابنِ تیمیہ، ابنِ قیم اور بعض مشائخِ دیوبند کی تائیدات

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

فإن كانوا مجتمعين على ما أمر الله به ورسوله من غير زيادة ولا نقصان فهم مؤمنون لهم ما لهم وعليهم ما عليهم .وإن كانوا قد زادوا فى ذلك ونقصوا مثل التعصب لمن دخل فى حزبهم بالحق والباطل والإعراض عمن لم يدخل فى حزبهم سواء كان على الحق والباطل فهذا من التفرق الذى ذمه الله تعالى ورسوله فإن الله ورسوله أمرا بالجماعة والائتلاف ونهيا عن التفرقة والاختلاف وأمرا بالتعاون على البر والتقوى ونهيا عن التعاون

على الإثم والعدوان (مجموع الفتاوى، لابن تيمية، ج ١١، ص ٩٢، كتاب التصوف، لفظ "الزعيم" مثل لفظ الكفيل والقبيل والضمين)

ترجمہ: پس اگر وہ جماعت ایسی چیز پر جمع ہو، جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے، بغیر زیادتی اور کمی کے، تو وہ لوگ مومن ہیں، ان کے لیے اتنا ہی اجر ہے، جتنا مومنوں کے لیے ہے، اور اتنی ہی سزا ہے، جتنی مومنوں کے لیے ہے، اور اگر انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم میں کوئی زیادتی اور کمی کر دی، مثلاً اس شخص کے لیے تعصب اختیار کیا، جو اِن کی جماعت میں داخل ہوا، خواہ حق پر ہو، یا باطل پر، اور جو اِن کی جماعت میں داخل نہیں ہوا، اس سے اعراض کیا، خواہ وہ حق پر ہو، یا باطل پر، تو یہ وہی تفرقہ بازی ہے، جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے برائی بیان کی ہے، پس اللہ اور اس کے رسول نے اجتماعیت اور باہمی الفت ومحبت کا حکم فرمایا ہے، اور تفرقہ بازی اور ناحق اختلاف سے منع فرمایا، اور نیکی اور تقویٰ پر تعاون کا حکم فرمایا ہے، اور گناہ اور زیادتی پر تعاون سے منع فرمایا ہے (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ''منهاج السنة'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

الوجه الخامس: أن قوله: أحدثوا مذاهب أربعة لم تكن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، إن أراد بذلك أنهم اتفقوا على أن يحدثوا هذه المذاهب مع مخالفة الصحابة فهذا كذب عليهم، فإن هؤلاء الأئمة لم يكونوا في عصر واحد، بل أبو حنيفة توفي سنة خمسين ومائة، ومالك سنة تسع وسبعين ومائة، والشافعي سنة أربع ومائتين، وأحمد بن حنبل سنة إحدى وأربعين ومائتين، وليس في هؤلاء من يقلد الآخر ولا من يأمر باتباع الناس له، بل

www.idaraghufran.org

كل منهم يدعو إلى متابعة الكتاب والسنة، وإذا قال :غيره قولا يخالف الكتاب والسنة عنده رده ولا يوجب على الناس تقليده.

وإن قلت :إن أصحاب هذه المذاهب اتبعهم الناس، فهذا لم يحصل بموطأة، بل اتفق أن قوما اتبعوا هذا، وقوما اتبعوا هذا كالحجاج الذين طلبوا من يدلهم على الطريق فرأى قوم هذا دليلا خبيرا فاتبعوه، وكذلك الآخرون.

وإذا كان كذلك لم يكن في ذلك اتفاق أهل السنة على باطل، بل كل قوم منهم ينكرون ما عند غيرهم من الخطأ، فلم يتفقوا على أن الشخص المعين عليه أن يقبل من كل من هؤلاء ما قاله، بل جمهورهم لا يأمرون العامي بتقليد شخص معين غير النبي - صلى الله عليه وسلم -في كل ما يقوله.

والله تعالى قد ضمن العصمة للأمة، فمن تمام العصمة أن يجعل عددا من العلماء إن أخطأ الواحد منهم في شيء كان الآخر قد أصاب فيه حتى لا يضيع الحق .

ولهذا لما كان في قول بعضهم من الخطأ مسائل، كبعض المسائل التي أوردها، كان الصواب في قول الآخر، فلم يتفق أهل السنة على ضلالة أصلا .

وأما خطأ بعضهم في بعض الدين، فقد قدمنا غير مرة أن هذا لا يضر كخطأ بعض المسلمين .

وأما الشيعة فكل ما خالفوا فيه أهل السنة كلهم فهم مخطئون فيه كما أخطأ اليهود والنصارى في كل ما خالفوا فيه المسلمين.

www.idaraghufran.org

الوجه السادس :أن يقال :قوله:إن هذه المذاهب لم تكن فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم، ولا الصحابة إن أراد أن الأقوال التى لهم لم تنقل عن النبى صلى الله عليه وسلم ولا عن الصحابة ، بل تركوا قول النبى صلى الله عليه وسلم والصحابة وابتدعوا خلاف ذلك.

فهذا كذب عليهم .فإنهم لم يتفقوا على مخالفة الصحابة، بل هم -وسائر أهل السنة متبعون للصحابة فى أقوالهم وإن قدر أن بعض أهل السنة خالف الصحابة لعدم علمه بأقاويلهم، فالباقون يوافقونهم ويثبتون خطأ من يخالفهم.

وإن أراد أن نفس أصحابها لم يكونوا فى ذلك الزمان فهذا لا محذور فيه .فمن المعلوم أن كل قرن يأتى يكون بعد القرن الأول(منهاج السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة القدرية،لابن تيمية ، ج٣، ص ٤٠٧، الى،٤١٠، الفصل الثانى،فصل كلام الرافضى على قول أهل السنة بالقياس وأخذهم بالرأى والرد عليه)

ترجمہ: پانچویں وجہ: یہ ہے کہ (اہل السنۃ والجماعۃ پر اعتراض کرنے والے کا) یہ کہنا کہ ''انہوں نے چار نئے مذاہب پیدا کر لیے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھے'' اگر اعتراض کرنے والے کی مراد یہ ہو کہ اہل السنۃ والجماعۃ نے صحابۂ کرام کی مخالفت کے باوجود ان چار مذاہب کو پیدا کرنے پر اتفاق کرلیا، تو یہ تو ان (اہل السنۃ والجماعۃ) پر جھوٹ اور بہتان ہے، کیونکہ یہ سب ائمہ ایک ہی زمانہ میں نہیں ہوئے، بلکہ امام ابوحنیفہ سن 150 ہجری میں فوت ہوئے، اور امام مالک سن 179 ہجری میں فوت ہوئے، اور امام شافعی سن

204 ہجری میں فوت ہوئے، اور امام احمد بن حنبل سن 241 ہجری میں فوت ہوئے، اور ان میں کوئی دوسرے کی تقلید کرنے والا نہیں تھا، اور نہ ہی ان میں کوئی لوگوں کو اپنی اتباع کا حکم فرمانے والا تھا، بلکہ ان میں سے ہر ایک کتاب وسنت کی اتباع کی دعوت دیا کرتا تھا، اور جب ان کے علاوہ دوسرا کوئی ایسا قول اختیار کرتا تھا، جو اِس کے نزدیک کتاب وسنت کے مخالف ہو، تو اس کو رَد کر دیا کرتا تھا، اور لوگوں پر اس کی تقلید کو واجب قرار نہیں دیا کرتا تھا (وہ الگ بات ہے کہ بعد کے متعصبین نے اس طرز وطریقہ کو چھوڑ دیا) [1]

اگر آپ یہ شبہ کریں کہ ''ان مذاہب والوں کی لوگوں نے اتباع کی ہے'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اتباع ان کی باہمی اتفاقِ رائے سے حاصل نہیں ہوئی، بلکہ اتفاقاً ایک قوم نے اس کی اتباع کی، اور دوسرے نے کسی اور کی اتباع کی، جیسا کہ حج کرنے والے، جو راستہ بتانے والے کو طلب کریں، ان میں سے بعض ایک کو زیادہ بہتر راستہ بتانے والا سمجھنے کی وجہ سے اس کی اتباع کرلیں، اور اسی طریقہ سے دوسرے لوگ کسی اور راستہ بتانے والے کی اتباع کرلیں۔

اور جب صورتِ حال یہ ہے کہ اس میں اہلُ السنۃ والجماعۃ کا باطل چیز پر متفق ہونا نہیں پایا جاتا، بلکہ ان میں سے ہر قوم دوسرے کی خطاؤں کا انکار کرتی ہے، پس وہ اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ کسی معین شخص پر یہ واجب ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے ہر قول کو وہ قبول کرے، بلکہ جمہور فقہائے کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی بھی معین شخص کی اس کے ہر قول میں تقلید کرنے کا عامی (وغیر مجتہد) شخص کو

---

[1] بلاشبہ ائمۂ متبوعین ومجتہدین کا یہی طرز وطریقہ تھا، وہ نہ تو دوسروں کو اپنی تقلید کی دعوت دیتے تھے، اور نہ ہی کسی مجتہد کے ان کی رائے سے اختلاف کرنے والے، یا اس کی تقلید کرنے والے پر ذرہ برابر خفگی وناراضگی کا اظہار کیا کرتے تھے، نہ ہی ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز کو ناجائز قرار دیا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان مجتہدین وفقہائے کرام کے تلامذہ اور شاگرد اجتہاداً، یا تقلیداً دوسری رائے اختیار کرتے، تو ان کو بھی منع نہیں کرتے تھے۔ محمد رضوان۔

حکم نہیں فرماتے (اور مجتہدین کے باہمی اختلاف ہی کی وجہ سے امت خطاء پر متفق و جمع نہیں ہوئی)

اور اللہ تعالیٰ نے امت کے معصوم ہونے کی ذمہ داری لی ہے، پس معصوم ہونے کے پورا ہونے میں سے یہ بات بھی ہے کہ علماء کی ایک تعداد ہو، اگر ان میں سے کوئی ایک کسی چیز میں مخطی ہو، تو دوسرا اس میں مصیب ہو، تاکہ حق ضائع نہ ہو۔ [1]

اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین میں سے بعض کے اقوال میں بہت سے مسائل خطاء پر بھی مبنی ہیں، جیسا کہ اس سلسلہ میں بعض مسائل میں ذکر کروں گا، تو یقیناً صواب دوسرے قول میں ہوگا، پس اہل السنۃ والجماعۃ قطعاً گمراہی پر جمع نہیں ہوئے۔

رہا دین کے بعض معاملات میں بعض حضرات سے خطاء کا صادِر ہونا (یعنی بعض مسائل میں بعض مجتہدین کا اور بعض میں دوسرے بعض مجتہدین کا خطاء پر ہونا) تو ہم کئی مرتبہ یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ اس میں کوئی ضرَر والی بات نہیں، جیسا کہ بعض مسلمانوں کی خطاء میں ضرَر والی بات نہیں (بعض حضرات سے خطاء کے صدور کی وجہ سے پوری امت کا گمراہی وخطاء پر جمع ہونا نہیں کہلائے گا)

اور جہاں تک اہلِ تشیع کا تعلق ہے، پس وہ تمام مسائل جن میں انہوں نے جملہ اہل السنۃ کی مخالفت کی ہے، تو وہ خطاء پر ہیں، جیسا کہ یہود و نصاریٰ ان چیزوں میں خطاء پر ہیں، جن میں انہوں نے مسلمانوں کی مخالفت کی۔

چھٹی وجہ: یہ ہے کہ (اہل السنۃ والجماعۃ پر اعتراض کرنے والے کا) یہ کہنا کہ ''یہ چار مذاہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھے، اور نہ ہی صحابہ کرام کے

---

[1] اور اسی کے ساتھ بعض مجتہدین کے اقوال خطاء پر مبنی ہونے کے باوجود اس پر مجتہد اور اس کے مقلد کے عمل کو بھی گناہ کے بجائے ثواب قرار دے دیا، اگر یہ اجتہادی اختلاف نہ ہوتا، تو اس خطاء پر عمل کرنا جائز، یا ثواب نہ ہوتا، اس طرح مجتہدین کا اختلاف رحمت بن کر ظاہر ہوا کہ امت کے لیے ایک سے زیادہ پہلوؤں کی لچک اور وسعت رکھ دی گئی، جو بعض اوقات ایک دوسرے کے متعارض بھی ہوتے ہیں، اور یہ امتِ مسلمہ کی خصوصیت ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

زمانہ میں تھے'' اگر اعتراض کرنے والے کی مراد یہ ہو کہ ان کے اقوال نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، اور نہ ہی صحابۂ کرام سے مروی ہیں، بلکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے قول کو ترک کر دیا، اور اس کے خلاف نئے اقوال گھڑ لیے، تو یہ اہل السنہ والجماعۃ (اور چاروں فقہائے کرام) پر جھوٹ اور بہتان ہے، کیونکہ انہوں نے صحابۂ کرام کی مخالفت پر اتفاق نہیں کیا، بلکہ یہ حضرات اور تمام اہل السنۃ والجماعۃ، صحابۂ کرام کے اقوال کی اتباع کرتے ہیں، اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ بعض اہل السنۃ نے صحابہ کی مخالفت اس لیے کی کہ ان کو ان صحابہ کے اقوال کا علم نہیں تھا، تو باقی حضرات نے صحابۂ کرام کی موافقت کی، اور مخالفت کرنے والے کی خطاء کو ظاہر کیا۔

اور اگر معترض کا مقصد یہ ہو کہ خود یہ چار مذاہب والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں موجود نہیں تھے، تو اس میں کوئی خرابی نہیں، کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ ہر زمانہ پہلے زمانہ کے بعد آیا کرتا ہے (منہاج السنۃ)

اور علامہ ابنِ تیمیہ نے ''مجموعُ الفتاویٰ'' میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ:

وصف الفرقة الناجية بأنها أهل السنة والجماعة وهم الجمهور الأكبر والسواد الأعظم.

وأما الفرق الباقية فإنهم أهل الشذوذ والتفرق والبدع والأهواء ولا تبلغ الفرقة من هؤلاء قريبا من مبلغ الفرقة الناجية فضلا عن أن تكون بقدرها بل قد تكون الفرقة منها فى غاية القلة.

وشعار هذه الفرق مفارقة الكتاب والسنة والإجماع .فمن قال بالكتاب والسنة والإجماع كان من أهل السنة والجماعة.

وأما تعيين هذه الفرق فقد صنف الناس فيهم مصنفات وذكروهم فى كتب المقالات؛ لكن الجزم بأن هذه الفرقة الموصوفة هى

إحدى الثنتين والسبعين لا بد له من دليل فإن الله حرم القول بلا علم عموما؛ وحرم القول عليه بلا علم خصوصا؛ فقال تعالى:"قل إنما حرم ربى الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغى بغير الحق وأن تشركوا بالله ما لم ينزل به سلطانا وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون "وقال تعالى :"يا أيها الناس كلوا مما فى الأرض حلالا طيبا ولا تتبعوا خطوات الشيطان إنه لكم عدو مبين" "إنما يأمركم بالسوء والفحشاء وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون"وقال تعالى:"ولا تقف ما ليس لک به علم"

وأيضا فكثير من الناس يخبر عن هذه الفرق بحكم الظن والهوى فيجعل طائفته والمنتسبة إلى متبوعه الموالية له هم أهل السنة والجماعة؛ ويجعل من خالفها أهل البدع.

وهذا ضلال مبين.

فإن أهل الحق والسنة لا يكون متبوعهم إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى لا ينطق عن الهوى إن هو إلا وحى يوحى فهو الذى يجب تصديقه فى كل ما أخبر؛ وطاعته فى كل ما أمر وليست هذه المنزلة لغيره من الأئمة بل كل أحد من الناس يؤخذ من قوله ويترک إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم .فمن جعل شخصا من الأشخاص غير رسول الله صلى الله عليه وسلم مَنْ أَحَبَّهُ وَوَافَقَهُ.كان من أهل السنة والجماعة ومن خالفه كان من أهل البدعة والفرقة -كما يوجد ذلک فى الطوائف من اتباع أئمة فى الكلام فى الدين وغير ذلک -كان من أهل البدع والضلال والتفرق .

وبهـذا يتبيـن أن أحـق الـنـاس بـأن تـكـون هى الفرقة الناجية أهل الـحـديـث والسـنة؛ الذين ليس لهم متبوع يتعصبون له إلا رسول الـلـه صـلـى الـلـه عـلـيـه وسـلـم وهـم أعلم الناس بأقواله وأحواله وأعـظـمـهـم تـمـييـزا بيـن صـحيحها وسقيمها وأئمتهم فقهاء فيها وأهـل مـعـرفة بمعانيها واتباعا لها :تـصـديقا وعملا وحبا وموالاة لـمـن والاها ومعاداة لمن عاداها الذين يروون المقالات المجملة إلـى ما جاء به من الكتاب والحكمة؛ فلا ينصبون مقالة ويجعلونها مـن أصـول ديـنـهـم وجـمـل كـلامهـم إن لم تكن ثابتة فيما جاء به الـرسـول بل يجعلون ما بعث به الرسول من الكتاب والحكمة هو الأصل الذى يعتقدونه ويعتمدونه .وما تنازع فيه الناس من مسائل الـصفات والقدر والوعيد والأسماء والأمر بالمعروف والنهى عن الـمـنـكـر وغير ذلک يردونه إلى الله ورسوله ويفسرون الألفاظ الـمـجـمـلة التى تنازع فيها أهل التفرق والاختلاف؛ فما كان من مـعـانيهـا مـوافـقـا لـلـكـتـاب والسـنـة أثبتوه؛ وما كان منها مخالفا لـلـكـتـاب والسنة أبطلوه؛ ولا يتبعون الظن وما تهوى الأنفس فإن اتبـاع الـظـن جهـل واتبـاع هـوى الـنفس بغير هدى من الله ظلم. وجـماع الشر الجهل والظلم قال الله تعالى:"وحملها الإنسان إنه كان ظلوما جهولا"إلى آخر السورة .

وذكـر التـوبة لـعـلـمـه سبحانه وتعالى أنه لا بد لكل إنسان من أن يـكـون فيـه جهـل وظلم ثم يتوب الله على من يشاء فلا يزال العبد الـمـؤمن دائما يتبين له من الحق ما كان جاهلا به ويرجع عن عمل كان ظالما فيه .وأدناه ظلمه لنفسه كما قال تعالى:"الله ولى الذين

آمنوا يخرجهم من الظلمات إلى النور "وقال تعالى "هو الذى ينزل على عبده آيات بينات ليخرجكم من الظلمات إلى النور "وقال تعالى "الر. كتاب أنزلناه إليك لتخرج الناس من الظلمات إلى النور"

ومما ينبغى أيضا أن يعرف أن الطوائف المنتسبة إلى متبوعين فى أصول الدين والكلام :على درجات منهم من يكون قد خالف السنة فى أصول عظيمة ومنهم من يكون إنما خالف السنة فى أمور دقيقة .ومن يكون قد رد على غيره من الطوائف الذين هم أبعد عن السنة منه؛ فيكون محمودا فيما رده من الباطل وقاله من الحق؛ لكن يكون قد جاوز العدل فى رده بحيث جحد بعض الحق وقال بعض الباطل فيكون قد رد بدعة كبيرة ببدعة أخف منها؛ ورد بالباطل باطلا بباطل أخف منه وهذه حال أكثر أهل الكلام المنتسبين إلى السنة والجماعة.

ومثل هؤلاء إذا لم يجعلوا ما ابتدعوه قولا يفارقون به جماعة المسلمين؛ يوالون عليه ويعادون؛ كان من نوع الخطأ .والله سبحانه وتعالى يغفر للمؤمنين خطأهم فى مثل ذلك .ولهذا وقع فى مثل هذا كثير من سلف الأمة وأئمتها :لهم مقالات قالوها باجتهاد وهى تخالف ما ثبت فى الكتاب والسنة؛ بخلاف من والى موافقه وعادى مخالفه وفرق بين جماعة المسلمين و كفر وفسق مخالفه دون موافقه فى مسائل الآراء والاجتهادات؛ واستحل قتال مخالفه دون موافقه فهؤلاء من أهل التفرق والاختلافات.

ولهذا كان أول من فارق جماعة المسلمين من أهل البدع "

الخوارج "المارقون .وقد صح الحديث فی الخوارج عن النبی صلی الله عليه وسلم من عشرة أوجه (مجموع الفتاوی، لابن تيمية، ج۳، ص ۳۴۵، الیٰ ۳۴۹، کتاب مجمل اعتقاد السلف، فصل فی ان العبادة متعلقة بطاعة الله ورسوله، ماهی الفرقة الناجية، سئل عن قوله صلی الله عليه وسلم "يفترق امتی علی ثلاث وسبعين فرقة" الخ)

ترجمہ: فرقۂ ناجیہ کی جو صفت بیان کی گئی ہے، وہ اہلُ السنۃ والجماعۃ ہے، جو کہ ''جمہورِ اکبر'' اور ''سوادِ اعظم'' ہے۔

جہاں تک ان کے علاوہ باقی فرقوں کا تعلق ہے، تو وہ اہلِ شذوذ اور اہلِ تفرق اور اہلِ بدعت واہلِ ہواء ہیں، اور ان فرقوں کی مقدار فرقۂ ناجیہ کی مقدار کے قریب بھی نہیں پہنچتی، چہ جائیکہ ان کی مقدار فرقۂ ناجیہ کی مقدار کے برابر ہو، بلکہ اُن میں سے بعض فرقے تو انتہائی قلیل ہیں، اور ان سب فرقوں کا شعار کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے الگ ہو جانا ہے، اور جس کا قول کتاب وسنت اور اجماعِ امت کے مطابق ہو، وہ اہلُ السنۃ والجماعۃ میں سے ہے۔

اور جہاں تک ان فرقوں کی تعیین کا تعلق ہے، تو لوگوں نے ان کے متعلق کئی تصنیفات کی ہیں، جن کا انہوں نے کتبِ مقالات میں ذکر کیا ہے، لیکن وہ فرقہ جو بہتّر فرقوں میں الگ اور ممتاز صفت رکھتا ہے، اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر علم کے قول کرنے کو بالعموم حرام قرار دیا ہے، اور اپنے متعلق تو بغیر علم قول کرنے کو بالخصوص حرام قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''قل إنما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغی بغير الحق وأن تشركوا بالله ما لم ينزل به سلطانا وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون'' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''يا أيها الناس كلوا مما فی الأرض حلالا طيبا ولا تتبعوا خطوات الشيطان إنه

www.idaraghufran.org

لكم عدو مبين. إنما يأمركم بالسوء والفحشاء وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون ’’اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ’’**ولا تقف ما ليس لك به علم**‘‘ نیز بہت سے لوگ ان فرقوں کے متعلق محض گمان اور خواہشِ نفس کی بنیاد پر خبر دیتے ہیں، جو اپنی جماعت کو اور اپنے پسندیدہ متبوع کی طرف نسبت کرنے والے لوگوں کو اہلُ السنۃ والجماعۃ قرار دیتے ہیں، اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو اہلِ بدعت قرار دیتے ہیں۔

حالانکہ یہ واضح گمراہی ہے۔

کیونکہ اہلِ حق اور اہلِ سنت کی واجبُ الاتباع شخصیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے، جو خواہش سے کلام نہیں فرماتے، آپ کا کلام صرف وحی ہوتا ہے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہر خبر کی تصدیق کرنا، اور آپ کے ہر حکم کی اطاعت کرنا، واجب ہے، اور یہ درجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی بھی امام کو حاصل نہیں، بلکہ لوگوں میں سے ہر ایک کے قول کو لیا بھی جائے گا، اور ترک بھی کیا جائے گا، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

پس جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی ایسے شخص کو اختیار کرلیا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کرتا ہے، تو ایسا شخص اہلُ السنۃ والجماعۃ میں سے ہوگا، اور جس نے اس اصول کی مخالفت کی، تو وہ اہلِ بدعت واہلِ ضلالت اور اہلِ فرقت میں سے ہوگا۔

اور اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ سب لوگوں کے مقابلے میں فرقۂ ناجیہ کے سب سے زیادہ حق دار لوگ، حدیث اور سنت کو ماننے والے حضرات ہیں، جن کا کوئی بھی ایسا متبوع نہیں، جس کے لیے وہ تعصب اختیار کرتے ہوں، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، اور وہ حضرات تمام لوگوں کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی

www.idaraghufran.org

اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور احوال کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب اقوال واحوال کے صحیح اور کمزور ہونے کی سب سے زیادہ تمیز رکھنے والے ہیں، اور ان حضرات کے ''ائمہ'' ان چیزوں میں فقہاء ہیں، اور ان (نبی کے اقوال واحوال) کے معانی کی معرفت رکھنے والے ہیں، اور ان کی اتباع کرنے والے ہیں، تصدیق کے اعتبار سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی، اور محبت کے اعتبار سے بھی، اور جو شخص ان چیزوں سے محبت رکھے، اس سے محبت رکھنے کے اعتبار سے بھی، اور جو ان چیزوں سے عداوت رکھے، اس سے عداوت رکھنے کے اعتبار سے بھی، یہ حضرات وہ ہیں کہ جو کتاب اور حکمت کے سلسلہ میں آئے ہوئے مجمل اقوال کو اختیار کرتے ہیں، اور ان کے مقابلہ میں کوئی قول نہیں کرتے، اور وہ ان اقوال کو دین کے اصول اور اپنے کلام کے اجمال میں داخل مانتے ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آئی ہوئی احادیث میں (تفصیل وتوضیح) ثابت نہ ہو، بلکہ یہ حضرات ان چیزوں کو، جن کے لیے رسول کی بعثت تھی، یعنی کتاب اور حکمت، ان کو ہی اصل بنیاد قرار دیتے ہیں، جس پر وہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں، اور اس پر اعتماد بھی کرتے ہیں۔

اور جن چیزوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، خواہ وہ صفاتِ الٰہی اور تقدیر کے مسائل ہوں، خواہ وعید اور اسماءِ الٰہی اور امر بالمعروف اور نهی عن المنکر وغیرہ کے مسائل ہوں، ان سب کو وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاتے ہیں، اور جن مجمل الفاظ میں اہلِ تفرق اور اہلِ اختلاف کا اختلاف ونزاع ہوتا ہے، ان کی وہ اس طرح تفسیر کرتے ہیں کہ ان کے جو معانی کتاب وسنت کے موافق ہیں، ان کو ثابت رکھتے ہیں، اور جو معانی کتاب وسنت کے خلاف ہوں، ان کو باطل قرار دیتے ہیں، اور وہ محض گمان کی اتباع نہیں کرتے، اور نہ ہی نفسانی

خواہشات کی اتباع کرتے، کیونکہ گمان کی اتباع کرنا ''جہل'' ہے، اور خواہشِ نفس کی اللہ کی طرف سے ہدایت کے بغیر اتباع کرنا ''ظلم'' ہے، اور ''شر'' کا مجموعہ ''جہل وظلم'' ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**وحملها الإنسان إنه كان ظلوما جهولا**'' آخر سورت تک۔

اور اللہ تعالیٰ نے مذکورہ سورت میں توبہ کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو یہ علم تھا کہ ہر انسان میں (کسی نہ کسی درجہ میں) جہل وظلم کا پایا جانا ضروری ہے، پھر اللہ جس کی چاہتا ہے، توبہ قبول فرماتا ہے، پس مومن بندے کی شان یہ ہے کہ اس کے سامنے ہمیشہ حق ظاہر ہوتا رہتا ہے، جس سے وہ پہلے جاہل تھا، اور وہ اس عمل سے رجوع کرتا رہتا ہے، جس میں وہ پہلے ظلم کرنے والا تھا، جس میں ادنیٰ درجہ اپنے آپ پر ظلم کرنے کا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**اللّٰه ولي الذين آمنوا يخرجهم من الظلمات إلى النور**'' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**هو الذي ينزل على عبده آيات بينات ليخرجكم من الظلمات إلى النور**'' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**الٰرٓ. كتاب أنزلناه إليك لتخرج الناس من الظلمات إلى النور**'' اور اس بات کی معرفت حاصل کرنا بھی ضروری ہے کہ اصولِ دین اور اصولِ کلام کی اتباع کیے جانے والے لوگوں کی طرف منسوب کچھ جماعتوں کے مختلف درجات ہیں، جن میں بعض لوگ تو وہ ہیں کہ وہ ''اصولِ عظیمہ'' میں مخالفت کرتے ہیں، اور بعض لوگ وہ ہیں، جو ''امورِ دقیقہ'' میں مخالفت کرتے ہیں، اور جو شخص ان جماعتوں میں سے کسی شخص پر رَد کرے، جو جماعتیں سنت سے بہت سے زیادہ بعید ہوں، تو وہ باطل کو رَد کرنے، اور حق کا قول کرنے کے سلسلہ میں قابلِ تعریف شمار ہوگا، لیکن بعض اوقات وہ عدل وانصاف سے تجاوز کر جاتا ہے، اس طور پر کہ بعض حق باتوں کا

www.idaraghufran.org

انکار کر دیتا ہے، اور بعض باطل باتوں کا قول کر دیتا ہے، تو ایسا شخص ''بدعتِ کبیرہ'' کو ''بدعتِ خفیفہ'' کے ذریعہ رَد کرنے، اور باطل کو اس سے ''خفیف باطل'' کے ذریعہ رَد کرنے والا ہوتا ہے، اور یہ اکثر ان اہلِ کلام کی حالت ہے، جو اہلُ السنۃ و الجماعۃ کی طرف منتسب ہیں۔

اور ان جیسے حضرات جب اس بدعت والے قول کو جماعتِ مسلمین کے ساتھ مفارقت اور ان کے خلاف مخاصمت وعداوت کا ذریعہ نہ بنائیں، تو یہ ایک نوعیت کی خطاء ہوتی ہے، اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس جیسی چیزوں میں مومنین کی خطاء کو معاف فرما دیتا ہے، اور اسی وجہ سے سلف امت اور ان کے ائمہ سے کئی خطائیں واقع ہوئی ہیں، اس سلسلہ میں ان کے ایسے اقوال پائے جاتے ہیں، جو انہوں نے اپنے اجتہاد سے اختیار کیے، لیکن وہ کتاب وسنت کے مخالف ہیں (کہ وہ اجتہادی خطاء پر مبنی ہیں، جن کی اللہ مغفرت فرما دیتا ہے)

برخلاف اس شخص کے جو آراء اور اجتہاد پر مشتمل مسائل میں اپنے موافق سے محبت رکھے، اور اپنے مخالف سے عداوت قائم کرے، اور جماعتِ مسلمین میں تفریق ڈالے، اور اپنے مخالف کی تکفیر وتفسیق کرے، سوائے اس کے، جو اس کی موافقت کرے، اور اپنے مخالف کے قتال کو حلال سمجھے، سوائے اس کے، جو اس کی موافقت کرے، تو یہ لوگ ''اہلِ تفرق اور اہلِ اختلاف'' میں سے ہیں، اور اسی وجہ سے اہلِ بدعت میں سے جس گروہ نے سب سے پہلے مسلمانوں کی جماعت سے تفریق اختیار کی، وہ ''خوارج مارقون'' ہے، اور خوارج کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس طریقوں سے صحیح حدیث منقول ہے (مجموع الفتاویٰ)

اور علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے ''اعلامُ الموقعین'' میں فرمایا:

ولما كان التلقي عنه -صلى الله عليه وآله وسلم- على نوعين: نوع بواسطة، ونوع بغير واسطة، وكان التلقي بلا واسطة حظ

www.idaraghufran.org

أصحابه الذين حازوا قصبات السباق، واستولوا على الأمد فلا طمع لأحد من الأمة بعدهم فى اللحاق، ولكن المبرز من اتبع صراطهم المستقيم، واقتفى منهاجهم القويم والمتخلف من عدل عن طريقهم ذات اليمين وذات الشمال، فذلک المنقطع التائه فى بيداء المهالک والضلال، فأى خصلة خير لم يسبقوا إليها؟ وأى خطة رشد لم يستولوا عليها؟ تالله لقد وردوا رأس الماء من عين الحياة عذبا صافيا زلالا، وأيدوا قواعد الإسلام فلم يدعوا لأحد بعدهم مقالا، فتحوا القلوب بعدلهم بالقرآن والإيمان، والقرى بالجهاد بالسيف والسنان، وألقوا إلى التابعين ما تلقوه من مشكاة النبوة خالصا صافيا، وكان سندهم فيه عن نبيهم -صلى الله عليه وآله وسلم -عن جبريل عن رب العالمين سندا صحيحا عاليا، وقالوا :هذا عهد نبينا إلينا وقد عهدنا إليكم، وهذه وصية ربنا وفرضه علينا وهى وصيته وفرضه عليكم.

فجرى التابعون لهم بإحسان على منهاجهم القويم، واقتفوا على آثارهم صراطهم المستقيم، ثم سلک تابعو التابعين هذا المسلک الرشيد"وهدوا إلى الطيب من القول وهدوا إلى صراط الحميد''وكانوا بالنسبة إلى من قبلهم كما قال أصدق القائلين: ''ثلة من الأولين،وقليل من الآخرين''

ثم جاء ت الأئمة من القرن الرابع المفضل فى إحدى الروايتين، كما ثبت فى الصحيح من حديث أبى سعيد وابن مسعود وأبى هريرة وعائشة وعمران بن حصين، فسلكوا على آثارهم اقتصاصا، واقتبسوا هذا الأمر عن مشكاتهم اقتباسا، وكان دين

الله سبحانه أجل فى صدورهم، وأعظم فى نفوسهم، من أن يقدموا عليه رأيا أو معقولا أو تقليدا أو قياسا، فطار لهم الثناء الحسن فى العالمين، وجعل الله سبحانه لهم لسان صدق فى الآخرين.

ثم سار على آثارهم الرعيل الأول من أتباعهم، ودرج على منهاجهم الموفقون من أشياعهم، زاهدين فى التعصب للرجال، واقفين مع الحجة والاستدلال، يسيرون مع الحق أين سارت ركائبه، ويستقلون مع الصواب حيث استقلت مضاربه، إذا بدا لهم الدليل بأخذته طاروا إليه زرافات ووحدانا، وإذا دعاهم الرسول إلى أمر انتدبوا إليه ولا يسألونه عما قال برهانا، ونصوصه أجل فى صدورهم وأعظم فى نفوسهم من أن يقدموا عليها قول أحد من الناس، أو يعارضوها برأى أو قياس.

ثم خلف من بعدهم خلوف فرقوا دينهم وكانوا شيعا كل حزب بما لديهم فرحون، وتقطعوا أمرهم بينهم زبرا وكل إلى ربهم راجعون، جعلوا التعصب للمذاهب ديانتهم التى بها يدينون، ورء وس أموالهم التى بها يتجرون، وآخرون منهم قنعوا بمحض التقليد وقالوا: ”إنا وجدنا آباء نا على أمة وإنا على آثارهم مقتدون“والفريقان بمعزل عما ينبغى اتباعه من الصواب، ولسان الحق يتلو عليهم: ”ليس بأمانيكم ولا أمانى أهل الكتاب“ قال الشافعى قدس الله تعالى روحه :أجمع المسلمون على أن من استبانت له سنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم -لم يكن له أن يدعها لقول أحد من الناس، قال أبو عمر وغيره من العلماء : أجمع الناس على أن المقلد ليس معدودا من أهل العلم، وأن العلم

معرفة الحق بدليله، وهذا كما قال أبو عمر -رحمه الله تعالى :-
فإن الناس لا يختلفون أن العلم هو المعرفة الحاصلة عن الدليل، وأما بدون الدليل فإنما هو تقليد.

فقد تضمن هذان الإجماعان إخراج المتعصب بالهوى والمقلد الأعمى عن زمرة العلماء ، وسقوطهما باستكمال من فوقهما الفروض من ورثة الأنبياء ، فإن العلماء هم ورثة الأنبياء ، فإن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما، وإنما ورثوا العلم، فمن أخذه أخذ بحظ وافر ، وكيف يكون من ورثة الرسول صلى الله عليه وسلم من يجهد ويكدح فى رد ما جاء به إلى قول مقلده ومتبوعه، ويضيع ساعات عمره فى التعصب والهوى ولا يشعر بتضييعه تالله إنها فتنة عمت فأعمت، ورمت القلوب فأصمت، ربا عليها الصغير، وهرم فيها الكبير، واتخذ لأجلها القرآن مهجورا، وكان ذلک بقضاء الله وقدره فى الكتاب مسطورا، ولما عمت بها البلية، وعظمت بسببها الرزية، بحيث لا يعرف أكثر الناس سواها، ولا يعدون العلم إلا إياها، فطالب الحق من مظانه لديهم مفتون، ومؤثره على ما سواه عندهم مغبون، نصبوا لمن خالفهم فى طريقهم الحبائل، وبغوا له الغوائل، ورموه عن قوس الجهل والبغى والعناد، وقالوا لإخوانهم :إنا نخاف أن يبدل دينكم أو أن يظهر فى الأرض الفساد.

فحقيق بمن لنفسه عنده قدر وقيمة، ألا يلتفت إلى هؤلاء ولا يرضى لها بما لديهم، وإذا رفع له علم السنة النبوية شمر إليه ولم يحبس نفسه عليهم(إعلام الموقعين عن رب العالمين، ج ١ ،ص ۵ الٰی ۷،مقدمة الكتاب)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اور جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو لینا دو طرح سے ہے، ایک بالواسطہ، دوسرے بلا واسطہ۔

اور بغیر واسطہ کے لینا، ان صحابہ ہی کا حصہ ہے، جو فائز المرام ہو گئے، سبقت وبرتری کے مقامات کی طرف بازی لے گئے، اور مدت اور وقت پر غالب آ گئے، پس امت میں سے ان کے بعد کوئی ان تک پہنچنے کی طمع نہیں کر سکتا، لیکن وہ شخص نمایاں وآشکارا ہو جائے گا، جو اِن صحابۂ کرام کے سیدھے راستے کی پیروی کرے، اور ان کے استوار وہموار طریقے کے پیچھے چلے گا، اور وہ شخص پیچھے رہ جائے گا، جو اِن صحابۂ کرام کے طریقے سے دائیں بائیں انحراف کرے گا، اور یہ شخص ضلالت وگمراہی کی گھاٹیوں اور بیابانوں میں آوارہ وسرگرداں ہو کر کٹ جانے والا شمار ہوگا، پس کون سی خیر وبھلائی کی خصلت ہے، جس کی طرف یہ صحابہ سبقت نہ لے گئے ہوں؟ کون سا رشد وہدایت کا موقع ومقام ہے، جس پر صحابۂ کرام غالب ومسلط نہ ہو چکے ہوں، اللہ کی قسم! یہ آبِ حیات کے چشمے کے سرچشمہ پر اترتے تھے، جس کا پانی ستھرا نتھرا، آب دار، چمکدار تھا (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی) اور صحابۂ کرام اسلام کی بنیادوں کو ایسا مستحکم بنا گئے ہیں کہ ان کے بعد کسی کے لیے حرف گیری کی گنجائش اور مجالِ سخن نہیں رہا، قرآن وایمان کے ذریعہ اپنے توسط واعتدال کے ساتھ یہ دلوں کی سب گرہیں کھول گئے ہیں (**افلا یتدبرون القرآن، ام علیٰ قلوب اقفالھا**) کی طرف اشارہ ہے کہ تدبرِ کامل کے ساتھ فتح قلوب کر چکے ہیں، اور یہ حضرات سیف وسنان والے جہاد کے ذریعہ بستیوں وآبادیوں (ملکوں وخطوں) کو فتح ومسخر کر چکے ہیں، اور یہ صحابۂ کرام، تابعین کی طرف وہ سب کچھ خالص ونتھرا ہی پہنچا کر ڈال گئے ہیں، جو انہوں نے نبوت کے روشن ومنور چراغ سے کسبِ فیض کیا تھا، اور سب میں ان کا

استناد اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، جن کا استناد جبریل امین سے، اور ان کا استناد رب العالمین سے ہے، بالکل صحیح، بلند و برتر سند کے ساتھ، اور فرما گئے کہ یہ وہ سب ہے، جس کا ہمارے نبی نے ہم سے عہد لیا، ہمارے ذمہ کر گئے، اور ہم تمہارے ذمہ کر کے جاتے ہیں، اور یہی ہمارے رب کی وصیت وتاکید اور فریضہ ہم پر تھا، اور یہی نبی علیہ السلام کی وصیت وفریضہ تم پر ہے۔

پھر ان کے بعد تابعین پورے اخلاص سے صحابۂ کرام کے سیدھے ومستحکم منہاج وطریقے پر رواں دواں رہے، اور پیچھے چلتے رہے ان کے سیدھے راستے کے آثار ونشانات کے۔

پھر تابعین کے بعد اتباعِ تابعین بھی اسی سیدھے اور درست راستے ومسلک پر چلتے رہے، اور ان کو پاکیزہ قول اور عمدہ راستہ کی ہدایت حاصل ہوئی، اور وہ اپنے سے پہلے حضرات کے مقابلہ میں، جیسا کہ سب سے سچے قائل یعنی اللہ نے فرمایا کہ ''ثلۃ من الاولین ، وقلیل من الآخرین'' کا مصداق تھے۔

پھر اس کے بعد چوتھی صدی میں ائمہ (مجتہدین ومتبوعین) حضرات تشریف لائے، اور یہ زمانہ دو روایتوں میں سے ایک کے مطابق فضیلت والا ہے، جیسا کہ روایتِ صحیحہ سے ثابت ہے، ابوسعید، ابنِ مسعود، ابوہریرہ، عائشہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کی حدیث سے، پس یہ (ائمۂ دین) پورے پورے چلے ان (پہلے تین طبقوں) کے نقشِ قدم پر، اورانہوں نے دین کا چراغ اپنے سے پہلے حضرات کے چراغ سے لے کر روشن ومنور کیے رکھا، اور اللہ کے دین کی عظمت بہت ہی بڑی تھی، ان کے سینوں میں، اور برتر تھی ان کے نفوس میں، اس بات سے کہ اس کے آگے اپنی رائے، عقل، تقلید، قیاس کو بڑھائیں، پس ان کی نیک نامی اور تعریف نشر ہوگئی سارے جہان میں، اور اللہ سبحانہٗ نے ان کے سچے اور

www.idaraghufran.org

درست ہونے کا اچھا نام بعد والوں میں چھوڑ دیا۔

پھر ان کے نقشِ قدم پر ان کے متبعین میں سے صفِ اول کے لوگ چلتے رہے، اور ان کے طریقوں کو اختیار کرتے رہے، یہ حضرات دوسرے لوگوں سے تعصب اختیار کرنے سے محفوظ تھے، اور دلائل اور استدلال کی موافقت کرنے والے تھے، حق جہاں بھی ان کو نظر آتا تھا، اس کے ساتھ چلتے تھے، اور صواب جہاں بھی ان کو کسی دوسرے کے سہارے کے بغیر کھڑا کرتا تھا، وہیں کسی دوسرے کے سہارے کے بغیر کھڑے ہو جاتے تھے، اور جب ان کے سامنے دلیل ظاہر ہو جاتی تھی، تو اس کو لینے کے لیے سبقت کرتے، ایک ایک کر کے بھی اور مل کر بھی (دلیل ملنے کے بعد لیت ولعل اور حیل وحجت نہیں کرتے تھے) اور جب ان کو رسول کسی کام کی طرف بلاتا، تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے، اور رسول کی بات میں کسی دلیل کا سوال نہیں کرتے تھے، اور رسول کی نصوص ان کے سینوں میں زیادہ بلندی والی تھیں، اور ان کے دلوں میں زیادہ عظمت والی تھیں، اس کے مقابلے میں کہ وہ لوگوں میں سے کسی کا قول اختیار کریں، یا نصوص کی رائے اور قیاس کے ساتھ مخالفت کریں۔

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آ گئے، جنہوں نے دین میں تفرقہ بازی کر دی، اور وہ گروہ گروہ ہو گئے، اور وہ ''**کل حزب بما لديهم فرحون**'' کا مصداق بن گئے، نیز ''**وتقطعوا امرهم بينهم زبرا**'' کا مصداق بن گئے، حالانکہ وہ سب اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، انہوں نے اپنے اپنے مذاہب کے لیے تعصب کو اپنا دین بنالیا، جس کے ذریعے وہ دین دار بنتے ہیں، اور اپنا رأس المال بنالیا، جس کے ذریعے وہ تجارت کرتے ہیں، اور ان میں سے دوسرے لوگوں نے تقلیدِ محض پر قناعت اختیار کی، اور اس کا مصداق بن گئے کہ

www.idaraghufran.org

''انا وجدنا آبائنا علٰی امة ، وانا علٰی آثارھم مقتدون ''اور یہ دونوں فریق صواب والی چیز کی اتباع کرنے سے الگ ہوگئے، حالانکہ حق کی زبان ان پر تلاوت کرتی ہے، یعنی''لیس بأمانیکم ولا أمانی أهل الکتاب ''امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ظاہر ہوگئی، اس کے لیے لوگوں میں سے کسی کے قول کی وجہ سے سنت کو چھوڑنا جائز نہیں، ابوعمرو وغیرہ اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ مقلد کو اہلِ علم میں شمار نہیں کیا جاتا، اور علم حق کو دلیل کے ساتھ پہچاننے کا نام ہے، اور یہ اسی طرح ہے، جو ابوعمرو نے فرمایا، کیونکہ لوگوں کا اس بارے میں اختلاف نہیں کہ علم اس معرفت کا نام ہے، جو دلیل سے حاصل ہو، اور دلیل کے بغیر محض تقلید ہے، پس اہلِ علم کے یہ مذکورہ دونوں اجماع واتفاق اس بات کو متضمن (شامل) ہیں کہ ہوٰی نفسانی کے تحت تعصب اختیار کرنے والا اور اندھی تقلید کرنے والا زمرہ اہلِ علم، اور طبقۂ علماء سے خارج ہے۔

اور ان دونوں باتوں (ہوائے نفسانی پر مبنی تعصب اور اندھی تقلید) سے نکلنا اوپر والے دو وظائف (جو امام شافعی اور ابوعمر نے دین وعلم کے متعلق اہلِ علم کے اتفاق کی روشنی میں بیان کیے) کو پورا کرنے کی صورت میں یہ وارثینِ انبیاء کے فرائض میں سے ہے، اس لیے کہ اہلِ علم ہی وارثینِ انبیاء ہیں، اس لیے کہ انبیاء درہم ودینار میراث میں چھوڑ کر نہیں جاتے، بلکہ وہ تو علم کو میراث میں چھوڑتے ہیں، پس جو اس سے لے وہ بڑا حصہ پانے والا ہے، اور وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثین میں سے کیسے ہوسکتا ہے، جس کی ساری دوڑ دھوپ، جہد ومشقت، اس قول کی تردید وتغلیط میں ہو، جو اس کے پاس اس کے متبوع کے خلاف آتا ہے، اور برباد کرتا ہے اپنی عمر کے اوقات کو تعصب اور ہوائے نفسانی

کے لیے، اور شعور واحساس نہیں رکھتا عمر کے برباد ہونے کی، اللہ کی قسم! یہ گھٹاٹوپ اندھیرے میں ڈوبا فتنہ ہے، جس نے اندھا کردیا، جس میں دل مبتلا ہوگئے، تو وہ (حق سے) بہرے ہوگئے، بچے اسی فتنہ میں نشوونما پا کر بڑے اور بڑے بوڑھے ہورہے ہیں، اوراسی فتنہ پر تکیہ کرکے قرآن کوانہوں نے پسِ پشت ڈال رکھا ہے، اور یہ اللہ کے فیصلہ وتقدیر سے کتاب میں لکھا ہوا ہے، اور جب یہ بلا عام ہوگئی اوراس کی وجہ سے مصیبت بڑی ہوگئی، یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ اکثر لوگ اس کے علاوہ کو جانتے ہی نہیں، اوران کا علم اس سے آگے نہیں بڑھتا، تو اپنے گمان کے مطابق حق کوطلب کرنے والا ان کے نزدیک فتنہ میں مبتلا ہے، اور ان کے قول کے علاوہ کوترجیح دینے والا ان کے نزدیک گھاٹے اور نقصان میں ہے، انہوں نے اپنے طریقہ کی مخالفت کرنے والے لوگوں کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کردی ہیں، اوراس کے لیے بہکانے والے لوگ کھڑے کردیئے ہیں، اور اس پر جہالت اورزیادتی وعناد کے تیروں کی بوچھاڑ کرنی شروع کردی ہے، اور انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ ''**إني أخاف أن يبدل دينكم أو أن يظهر في الأرض الفساد** ''ہمیں خوف ہے کہ یہ (دلائل سے ان کے خلاف قول کوترجیح دینے والا) شخص تمہارے دین کو بدل دے گا، یا زمین میں فساد پھیلا دے گا۔

پس حقیقت یہ ہے کہ جس کے نفس کی اس کے نزدیک قدر وقیمت ہو، تو وہ ان جاہل لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہو، اوران کے پاس جو کچھ ہے، اس پر راضی نہ ہو، اور جب اس کی طرف سنتِ نبوی سے علم آئے، تو اس کی طرف متوجہ ہو، اوراپنے آپ کوان لوگوں کے ساتھ مقید نہ کرے (اعلام الموقعین)

اپنے زمانہ کے بلدِ حرام ''مکہ مکرمہ'' کے عظیم حنفی مفتی شیخ محمد عبدالعظیم ابنِ منلا فروخ (المتوفی:

www.idaraghufran.org

1061ھ) فرماتے ہیں:

وقد نص علماؤنا وغيرهم من أصحاب المذاهب على حرمة التعصب وتصويب الصلابة في المذهب ومعنى الصلابة أى الثبات على ما ظهر للمجتهد من الدليل وليس ذلك إلا للمجتهد نفسه أو لمن هو من أهل النظر ممن أخذ بقوله.

والتعصب هو الميل مع الهوى لأجل نصرة المذهب ومعاملة الإمام الآخر ومقلديه بما يحط عنهم.

وقد نص في جواهر الفتاوى وغيرها من كتب أصحابنا أن الإمام الشافعي رحمه الله تعالى لم يكن له تعصب على أئمتنا رحمهم الله تعالى.

وقد كان الصحابة رضي الله عنهم يقتدى بعضهم ببعض وكذا التابعون لهم وفيهم المجتهدون ولم ينقل عن أحد من السلف رحمهم الله تعالى أنه كان لا يرى الاقتداء بمن يخالف قوله في بعض المسائل ولو في خصوص الطهارة والصلاة بل كان يقتدى بعضهم ببعض وربما اعتقد بعضهم ولاية بعض حتى أن الشافعي رضي الله عنه بعث يطلب قميص الإمام أحمد بن حنبل من بغداد يستشفى به في مدة مرضه بغسله وشرب مائه كما رأيته مثبتا في مناقب أحمد رضي الله تعالى عنهم يعامل بعضهم بعضا كما يعلم ذلك من سيرهم وأحوالهم.

و لا يلتفت إلى ما قد تمسك به من لا معرفة عنده بأن الاختلاف بينهم لم يكن بينهم بهذه الصفة التي عليها المذاهب الآن لأنا قد قررنا أن ذلك لا يمنع لأن الكل كانوا في طلب الحق على حد

متساو واجتهاد كل واحد منهم يحتمل الخطأ كغيره بعد تسليم بلوغهم درجة الاجتهاد وإن تفاوتوا فيه (القول السديد فى بعض مسائل الاجتهاد والتقليد، ص ۴۶ الیٰ ۵۱، الفصل الأول، حرمة التعصب وتصويب الصلابة فى المذهب)

ترجمہ: اور ہمارے علماء اور دوسرے مذاہب کے اصحاب نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ تعصب حرام ہے، اور مذہب کے اندر ''صلابۃ'' درست ہے، اور ''صلابۃ'' کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد کو دلیل سے جو راجح معلوم ہو، اس پر قائم رہنا، اور یہ ''صلابۃ'' یا تو مجتہد کی اپنی ذات کے لیے ہے، یا پھر اس کے لیے ہے، جو اس مجتہد کے قول کو لے، اور وہ اہلِ نظر میں سے ہو (عام شخص کے لیے یہ حکم نہیں، کیونکہ اس کو راجح قول کے مطابق ہر مجتہد کی تقلید جائز ہے، خواہ وہ مفضول کیوں نہ ہو، اور اس کو کسی ایک مجتہد کے قول، یا مذہب کے صواب اور دوسرے کے خطاء سمجھنے کا عقیدہ رکھنا ضروری نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے)

اور تعصب دراصل مذہب کی نصرت کے لیے خواہش کے ساتھ مائل ہونے اور دوسرے امام اور اس کے مقلد کے ساتھ اس کو اپنے درجہ سے گرانے کا نام ہے۔

اور جواہر الفتاویٰ وغیرہ اور ہمارے اصحاب کی دوسری کتب میں اس بات کی تصریح ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے تعصب نہیں تھا۔

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایک دوسرے کی اقتداء کیا کرتے تھے، اور اسی طریقہ سے تابعین بھی ایک دوسرے کی اقتداء کیا کرتے تھے، اور ان میں مجتہدین بھی موجود تھے، اور سلف رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ اس نے بعض مسائل میں مخالفت کرنے والے کی اقتداء کو جائز نہ سمجھا ہو، اگرچہ خاص طہارت اور نماز کے مسائل میں ہی وہ مخالفت کیوں نہ ہو، بلکہ وہ ایک دوسرے کی

اقتداء کیا کرتے تھے، بلکہ بسا اوقات وہ ایک دوسرے کی ولایت کا بھی اعتقاد رکھتے تھے، یہاں تک کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے بغداد سے امام احمد رحمہ اللہ کی قمیض شفاء حاصل کرنے کے لیے منگوانے بھیجا، جب وہ مرض میں مبتلا تھے، تا کہ وہ اس کو دھو کر اس کا پانی پئیں، جیسا کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مناقب میں یہ بات دیکھی ہے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ جو طرزِ عمل اختیار کیا کرتے تھے، وہ ان کی سیرت اور حالات سے معلوم ہے۔

اور اس شخص کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی، جس نے ایسے شخص کے قول سے استدلال کیا کہ جس کو معرفت حاصل نہیں، ان کا آپس کا اختلاف اس طریقہ پر نہیں تھا، جس طریقہ پر آج مذاہب پائے جاتے ہیں، کیونکہ یہ بات ہم ثابت کر چکے ہیں کہ مختلف مذاہب کا ہونا اس کے لیے مانع نہیں، کیونکہ تمام اہلِ مذاہب اپنی اپنی جگہ مساوی طریقہ پر حق کے طالب ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کا اجتہاد دوسرے کی طرح خطاء کا احتمال رکھتا ہے، اس بات کے تسلیم کرنے کے بعد کہ وہ اجتہاد کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں، اگرچہ اجتہاد میں وہ ایک دوسرے سے متفاوت ہیں (القول السدید)

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ایک سوال اور جواب درجِ ذیل طریقے پر ہے:

سوال:...... غیر مقلدوں میں کیا برائی ہے؟

جواب:...... مجتہدین کو برا کہنا اور تقلید کو شرک بتانا، مسلمان مقلدوں کو مشرک جاننا، نفسانیت سے عمل کرنا برا ہے اور حدیث پر عمل کرنا لوجہِ **اللہ تعالیٰ** اچھا ہے، سب حدیث پر ہی عامل ہیں، مقلد ہو، یا غیر مقلد۔ فقط۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**.

(تألیفاتِ رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ، مکمل مبوب، ص ۲۰۷، باب: تقلید و اجتہاد کے مسائل، بعنوان: غیر مقلدوں کی برائی، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، سنِ اشاعت بارِ دوم: ۱۴۱۲ ہجری، ۱۹۹۲ عیسوی)

www.idaraghufran.org

معلوم ہوا کہ محض غیر مقلد ہونا، بُرا نہیں، جب تک اس کے ساتھ دوسری کوئی خرابی شامل نہ ہو۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مقلد ہو، یا غیر مقلد، سب حدیث پر ہی عامل ہیں، حدیث پرعمل کا کوئی بھی منکر نہیں، اختلاف، یا تو راجح، مرجوح، افضل، غیر افضل کا ہے، یا پھر اجتہادی وفروعی نوعیت کا، جس کو افراط وتفریط کے مرتکبین نے طرفین سے بہت زیادہ شدید ومدید بنادیا ہے۔

اور اس میں شبہ نہیں کہ تقریباً ہر مسلک میں غالی ومتشدد لوگ ہوا کرتے ہیں، وہ جس طرح غیر مقلدین اور اہلِ حدیثوں میں ہیں، اسی طرح مقلدین اور حنفیوں ودیوبندیوں وغیرہ میں بھی ہیں، ایسی صورت میں اس غلو وتشدد وغیرہ کی نسبت بھی ان ہی افراد کی طرف کرنی چاہیے، اس طرح کے افراد کی وجہ سے پورے مسلک کو غلط نہیں ٹھہرانا چاہیے۔

نیز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ایک اور سوال وجواب، درجِ ذیل طریقے پر ہے:

> **سوال:**...... اگر کوئی غیر مقلد ہمارے پاس جماعت میں کھڑا ہو، اور رفعِ یدین اور آمین بالجہر کرتا ہو، تو اس کے پاس کھڑے ہونے سے ہماری نماز میں تو کچھ خرابی نہ آئے گی؟ یا ہماری نماز میں بھی کچھ فساد واقع ہوگا؟
>
> **جواب:**...... کچھ خرابی نہ آئے گی۔ ایسا تعصب اچھا نہیں، وہ بھی عامل بالحدیث ہے، اگرچہ نفسانیت سے کرتا ہو، مگر فعل تو فی حد ذاتہٖ درست ہے

(تألیفاتِ رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ مکمل مبوب، ص ۲۰۹، باب: تقلید واجتہاد کے مسائل، بعنوان: جماعت میں غیر مقلدوں کی شرکت، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور، سنِ اشاعت بارِ دوم: ۱۴۱۲ ہجری، ۱۹۹۲ عیسوی)

مذکورہ عبارت میں غیر مقلد سے تعصب کو ناپسند کیا گیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ غیر مقلد کو مقلد سے، اور مقلد کو غیر مقلد کسی سے بھی تعصب اچھا نہیں، جس کی وجہ سے آپس میں اختلاف شدت اختیار کر جاتا ہے، اسی وجہ سے قرآن وسنت میں مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف تحاسد وتباغض اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ:

اس زمانہ کے اکثر غیر مقلدین کی بے شک ہم کو شکایت ہے، ان میں عموماً الا ماشاء اللہ دو خصلتیں بہت بُری ہیں، ایک ائمہ کے ساتھ بدگمانی، دوسرے ان کی شان میں بدزبانی۔

باقی ہم نفسِ غیر مقلدی کو حرام نہیں کرتے۔

غیر مقلدی بھی ایک مسلک ہے، لیکن اس وقت کے مفاسد کو دیکھ کر ہم کو پسند نہیں، بہت سی چیزیں جائز ہوتی ہیں، مگر بعض طبائع کے نزدیک ناپسند ہوتی ہیں، مثلاً اوجھڑی شرعاً جائز ہے، مگر نفیس مزاج ولطیفُ الطبع لوگ اس کو پسند نہیں کرتے

(ملفوظاتِ حکیم الامت، ج۲۵، اسعد الابرار، ص۱۸۸، ملفوظ نمبر ۱۰۰، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، تاریخِ اشاعت: 1424ہجری)

جب محض غیر مقلدی کو حرام نہیں کہا گیا، اور غیر مقلدی کو بھی ایک مباح و جائز مسلک قرار دے دیا گیا، تو پھر کسی کو محض اہلِ حدیث، یا نفسِ غیر مقلد ہونے کی وجہ سے اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج قرار دینا، کیسے درست ہوسکتا ہے۔

مولانا مفتی کفایتُ اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کی ''کفایتُ المفتی'' میں ہے کہ:

غیر مقلدین، جن کے خیالات سوال میں مذکور ہیں، اصولاً تو اہلُ السنۃ والجماعۃ میں داخل ہیں، اور اشخاص کے لحاظ سے اگر ان میں کوئی فرد ائمۂ مجتہدین کو سبّ وشتم کرے، یا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بدعتیں نکالے، یا سلفِ صالحین کو برا بھلا کہے، یا مسلمانوں کو بعض معمولی کوتاہیوں پر مشرک وکافر بنائے، یا امامتِ مطلقہ کا دعویٰ کرے، تو میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ ان باتوں کی ذمہ داری ان ہی افراد پر ہوگی، جن سے سرزَد ہوں، نہ یہ کہ عام غیر مقلدوں کو موردِ الزام بنایا جائے، یا نفسِ ترکِ تقلید پر اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہونے کا حکم لگادیا

جائے (کفایت المفتی، ج اص۳۳۲، کتاب العقائد، چودھواں باب: تقلید واجتہاد، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، طباعت: جولائی۲۰۰۱ء)

مذکورہ فتوے میں جن غیر مقلدین سے افراط وتفریط کا صدور ہو، ان کا ذمہ ان ہی افراد کو قرار دیا گیا، اور عام غیر مقلدوں کو موردِ الزام ٹھہرانے سے منع کیا گیا۔

ساتھ ہی محض ترکِ تقلید پر اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج ہونے کی تردید کی گئی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ایک سوال و جواب، درجِ ذیل طریقہ پر ہے:

سوال: جماعتِ اہلِ حدیث (غیر مقلدین) کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا یہ اہلِ سنت والجماعت میں داخل نہیں؟

جواب: ان میں جو حضرات ائمہ مجتہدین پر لعن طعن کرتے ہیں، اور تمام مقلدین کو مشرک کہتے ہیں، وہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہیں، لیکن عموماً اہلِ حدیث حضرات کا یہ خیال نہیں، صرف مسائل میں اختلاف ہے، مگر ائمہ دین کا وہ بھی احترام کرتے ہیں، اور مقلدین کو مشرک نہیں کہتے، وہ لوگ اہلِ سنت والجماعت میں داخل ہیں۔

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔ دارالعلوم کراچی۔۱۹/۲/۱۳۸۴ھ۔ (فتوی نمبر۱۷۵۵/۱۵)

(امداد المفتیین جامع، جلد۱، ص۵۹۱، کتاب الایمان والعقائد، باب احکام الکفر، فصل فی التقلید، زیرِ اہتمام مولانا مفتی محمد رفیع و مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحبان، مطبوعہ: ادارۃ المعارف کراچی، طبع جدید: اگست 2018)

مذکورہ عبارت میں بھی معتدل غیر مقلدین کو اہلُ السنۃ والجماعۃ میں داخل مانا گیا، اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ عموماً اہلِ حدیث حضرات، ائمہ مجتہدین پر نہ ہی لعن طعن کرتے، اور نہ ہی

www.idaraghufran.org

تمام مقلدین کو مشرک کہتے، صرف مسائل میں اختلاف ہے، اور وہ حضرات اہلُ السنۃ والجماعۃ میں داخل ہیں۔

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ہے:

جماعت اہلِ حدیث کافر نہیں ہیں، ان میں جو لوگ مذاہبِ اربعہ کی تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک، یا ائمہ کو برا کہتے ہیں، وہ فاسق ہیں، اور جو ایسے نہیں ہیں، صرف تارکِ تقلید ہیں، اور محدثین کے مذہب پر ظاہرِ حدیث کے اتباع کو افضل سمجھتے ہیں، اور اس میں اتباعِ ہویٰ سے کام نہیں لیتے، وہ فاسق بھی نہیں، بلکہ اہلُ السنۃ والجماعۃ میں داخل ہیں (امداد الاحکام، ج ا ص ۱۶۸، کتاب الایمان، فصل فی الفرق الاسلامیہ، بعنوان ''جماعت اہلِ حدیث کا حکم''، طبع جدید: محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری ۲۰۰۹ء)

مذکورہ عبارات میں تمام اہلِ حدیث حضرات کا یکساں حکم بیان نہیں کیا گیا، بلکہ ان کے مختلف طرز ہائے عمل پر حکم کا مدار رکھا گیا، اور تارکِ تقلید ہونے اور محدثین کے مذہب پر ظاہرِ حدیث کی اتباع کے افضل سمجھنے کو باعثِ فسق اور اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خروج کا ذریعہ نہیں سمجھا گیا۔

اب اگر ائمہ اربعہ کے مذاہب سے خروج کو ''اجماع'' کے خلاف قرار دیا جائے، تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ فتاویٰ اس اجماع کے خلاف کیوں جاری ہوئے، جس سے معلوم ہوا کہ جس طرح جمہور کے نزدیک ''مذہبِ معین اور تقلیدِ شخصی کا عدمِ وجوب'' راجح ہے، اور اس کے برخلاف قول ''غیر جمہور'' کا ہے، اس لئے اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو ''اجماع'' کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دے کر ''اہلُ السنۃ والجماعۃ'' سے خارج قرار نہیں دیا جاسکتا، اور نہ ہی اس قول کو ''غیر مجتہد فیہ'' قول قرار دیا جاسکتا، البتہ دلائل کی رو سے راجح ومرجوح کی بحث وکلام کی گنجائش ہے، جیسا کہ ہمارا موقف بھی ہے۔

اسی طرح ''ائمہ متبوعین، بالخصوص ائمہ اربعہ'' کے مذاہب سے عمومی نوعیت کے اعتبار سے وابستگی، اور بالکلیہ عدمِ خروج واعراض کو زیادہ سے زیادہ جمہور کے نزدیک راجح قول، اور اس

کے برخلاف قول کو ''غیر جمہور'' کا قول قرار دیا جاسکتا ہے، اس لئے مذکورہ ''جمہور'' کے قول کی خلاف ورزی کرنے والے کو بھی ''اجماع'' کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دے کر ''اہلُ السنۃ والجماعۃ'' سے خارج قرار نہیں دیا جاسکتا، اور نہ ہی اس قول کو ''غیر مجتہد فیہ'' قول قرار دیا جاسکتا، البتہ دلائل کی رو سے اس کو مرجوح قول قرار دیے جانے کی گنجائش ہے۔

لیکن ضروری نہیں کہ کسی کی ترجیح کا دوسرے کو مکلّف قرار دیا جائے، اور اس کی خلاف ورزی پر اس کو اہلُ السنۃ والجماعۃ ہی سے خارج قرار دے دیا جائے۔

یہاں پہنچ کر مشائخِ دیوبند کے عظیم محدث علامہ انور شاہ کشمیری کی ''سنن الترمذی'' کی شرح ''العرفُ الشذی'' میں ایک تصریح دستیاب ہوئی، جس سے مذکورہ موقف کی تائید ہوئی، اس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

قوله :(ما أنا عليه وأصحابى إلخ) مصداقه أهل السنة والجماعة.

واشتهر أن الظاهرية ينكرون القياس وأنهم لا ينكرون الجلى بل الخفى. والفرق والتميز بين الجلى والخفى أمر ذوقى لا يمكن ضبطه وتحديده.

ونسب إلى الظاهرية أنهم لا يحتجون بأقوال الصحابة، وأقول: هذه النسبة إليهم فى معرض الخفاء فإن ابن حزم الأندلسى من كبار الظاهرية وهو يتمسک فى كتابه المجلى والمحلى بأقوال الصحابة كما نتمسک بأقوالهم.

وفى قول من الشافعى أيضا عدم الاحتجاج بأقوال الصحابة. ولا ريب فى أنه يتمسک بها فى تصانيفه.

فالحاصل أن الكلية مدخولة وبالجملة الآن مصداق الحديث اتباع المذاهب الأربعة والظاهرى، وطريق معرفة ما أنا عليه

www.idaraghufran.org

وأصحابی توارث السلف وتعاملهم وإذا اختلفوا فی شیء فالحق إلی الطرفین. والله أعلم (العرف الشذی شرح سنن الترمذی، ج۴، ص ۱۲۵، ۱۲۶، کتاب الإیمان، باب ما جاء فی افتراق هذه الأمة)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ’’جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں‘‘ اس کا مصداق ’’اہلُ السنۃ والجماعۃ‘‘ ہیں، اور مشہور یہ ہے کہ ’’ظاہریہ‘‘ قیاس کے منکر ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ ’’قیاسِ جلی‘‘ کے منکر نہیں، بلکہ ’’قیاسِ خفی‘‘ کے منکر ہیں، اور ’’قیاسِ جلی وخفی‘‘ کے مابین فرق وتمیز، امرِ ذوقی ہے، جس کا ضبط وتحدید ممکن نہیں۔

اور ظاہریہ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ وہ اقوالِ صحابہ سے حجت نہیں پکڑتے، لیکن میں کہتا ہوں کہ ان کی طرف یہ نسبت معرضِ خفاء میں ہے، کیونکہ ابنِ حزم اندلسی ’’کبارِ ظاہریہ‘‘ میں سے ہیں، اور وہ اپنی کتاب ’’المجلّٰی‘‘ اور ’’المحلّٰی‘‘ میں صحابہ کے اقوال سے اسی طرح تمسک کرتے ہیں، جس طرح ہم تمسک کرتے ہیں، اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق بھی صحابہ کے اقوال سے حجت نہیں پکڑی جاتی، اور اس میں شک نہیں کہ ان کی تصانیف میں صحابہ کے اقوال سے تمسک کا ذکر موجود ہے۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ مذکورہ تمام حضرات ’’اہلُ السنۃ والجماعۃ‘‘ میں داخل ہیں، اور بہرحال آج کے زمانے میں مذکورہ حدیث کا مصداق ’’مذاہبِ اربعہ اور ظاہری‘‘ ہیں، اور ’’**ما انا علیه واصحابی**‘‘ کی پہچان کا راستہ سلف کا توارث اور ان کا تعامل ہے، اور جب سلف کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو، تو حق دونوں جانب ہوتا ہے۔ **واللّٰہ أعلم** (العرف الشذی)

علامہ ابنِ حزم کا تقلید کا منکر ہونا، پیچھے گذر چکا ہے، پس اس موقف کو اختیار کرنے کی وجہ

سے، ان سلفیہ، اور اہلُ الحدیث، یا غیر مقلدین کو بھی اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج قرار نہیں دیا جاسکتا، جو مجتہدین کی معروف تقلید کے منکر ہیں۔

پس مذکورہ بالا تفصیل کے پیشِ نظر ہم بھی جمہور کے مذکورہ قول کو ہی راجح سمجھتے ہیں، جن کی رو سے ائمہ اربعہ کی تقلید نہ کرنے کی وجہ سے موجودہ زمانہ میں ''سلفیہ'' اور ''اہلُ الحدیث'' کہلائے جانے والے حضرات کو''اہلُ السنۃ والجماعۃ'' سے خارج قرار دینا، اگر ''عصبیت'' نہ بھی ہو، تب بھی اس سے اتفاق کیا جانا مشکل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سابق اور موجودہ زمانہ میں بعض سلفی، یا اہلُ الحدیث کہلائے جانے والے حضرات علم وعمل کے میدان میں ''افراط وتفریط'' سے بچ کر دین کی نمایاں خدمات سرانجام دے چکے ہیں، اور اب بھی اس طرح کے متعدد افراد موجود ہیں، جن کی تعداد اگرچہ ''**علماءِ منتسبین الی المذاہب المعروفۃ**'' کے مقابلہ میں کم کیوں نہ ہو، لیکن ایک قابلِ ذکر تعداد دنیا بھر میں موجود ہے، اور ہمیشہ سے موجود رہی ہے، جیسا کہ تاریخِ اسلام سے واقف شخص سے مخفی نہیں۔

رہا بعض افراد واشخاص کے جزوی، غیر معتدل اقوال کا معاملہ، تو ان کے متعلق پہلے عرض کیا جاچکا، اور اس طرح کی لاتعداد بے اعتدالیاں ''مقلدین'' بلکہ حنفی، اور دیوبندی کہلائے جانے والے افراد واشخاص میں بھی موجود ہیں، اور تقریباً ہر زمانے میں ایسا ہوتا رہا ہے، اس قسم کی جزوی، وشخصی بے اعتدالیوں سے شاید ہی کوئی مسلک محفوظ ہو، اور اس طرح کی شخصی بے اعتدالیوں کو ''مذہب'' یا ''مسلک'' قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے مذہب کے ساتھ وابستہ ہوکر، دوسرے مذاہب سے تعصب اختیار کرنا، یا ائمہ اربعہ کی ہر ہر مسئلہ میں تقلید کو واجب ولازم سمجھنا، یا ان کے اتفاق کو اجماعِ ملزم سمجھنا، درست نہیں۔

وَاللّٰہُ سُبُحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(پانچویں فصل)

مجتہدین کا اختلاف اور ''مخطی ومصیب'' ہونے کا حکم

اجتہاد وتقلید سے متعلق، ایک اہم مسئلہ ''مجتہدین کے باہمی اختلاف کے اسباب، اور مجتہد کے مخطی ومصیب'' ہونے کا ہے، جس پر توجہ نہ ہونے، یا اس کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے بھی کئی قسم کی فکری غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، اور اس کے نتیجہ میں کئی عملی مفاسد کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

اس لیے اجتہاد وتقلید کے باب میں اس مسئلہ سے متعلق، اعتدال کے راستہ کو اختیار کرنا، اور افراط وتفریط سے بچنا ضروری ہے۔

اور اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔

ایک پہلو مجتہدین کے ''مخطی ومصیب'' ہونے سے متعلق ہے۔

اور دوسرا پہلو مجتہدین کے مابین ''اجتہادی مسائل میں رونما ہونے والے اختلافات اور ان کے اسباب'' سے متعلق ہے۔

اور ان دونوں پہلوؤں کا باہم قریبی تعلق و ربط ہے، جن کی رعایت نہ ہونے سے تعصب وتشدد ہوتا ہے۔ اس لئے ان دونوں پہلوؤں کی ذیل میں تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

''عقدُ الجید'' کا حوالہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''عقدُ الجید فی أحکام الإجتهاد و التقلید'' میں ''مجتہدین کے اختلاف کے بیان کا باب'' قائم کیا ہے، جس میں مجتہدین کے ''صواب'' اور ''خطاء'' پر ہونے کی بحث کی ہے، جس میں ان اقوال کا ذکر کیا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے، یا ایک مصیب، اور دوسرا مخطی۔

www.idaraghufran.org

اورفرمایا کہ اگر دو مجتہد کسی ایک موقف پر متفق نہ ہوں، تو ابوالحسن اشعری، ابو یوسف، محمد بن حسن، اور ابنِ شریح وغیرہ کے نزدیک دونوں مجتہد ''مصیب'' شمار ہوتے ہیں۔

اور ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، اور امام احمد، اور جمہور فقہاء کے نزدیک ایک مجتہد مصیب ہوتا ہے، اور دوسرا مخطی۔

پھر اس ضمن میں شاہ ولی اللہ صاحب نے لمبی بحث کرتے ہوئے، مختلف نوعیّتوں کے مسائل میں ''مصیب و مخطی'' ہونے پر مفصل کلام کیا ہے۔ [1]

---

[1] باب فی بیان اختلاف المجتهدین:
اختلفوا فی تصویب المجتهدین فی المسائل الفرعیة التی لا قاطع فیها هل کل مجتهد فیها مصیب أو المصیب فیها واحد.
قال بالأول الشیخ أبو الحسن الأشعری والقاضی أبو بکر وأبو یوسف ومحمد بن الحسن وابن شریح .
ونقل عن جمهور المتکلمین من الأشاعرة والمعتزلة وفی کتاب الخراج لأبی یوسف إشارات إلی ذلک تقارب التصریح .
وبالثانی قال جمهور الفقهاء ونقل عن الأئمة الأربعة وقال ابن السمعانی فی القواطع إنه ظاهر مذهب الشافعی .
قال البیضاوی فی المنهاج اختلف فی صواب المحتهدین بناء علی الخلاف فی أن لکل صورة حکما معینا علیه دلیل قطعی أو ظنی والمختار ما صح عن الشافعی أن فی الحادثة حکما معینا علیه أمارة من وجدها أصاب ومن فقدها أخطأ ولم یأثم لأن الإجتهاد مسبوق بالأدلة لأنه طلبها والدلالة متأخرة عن الحکم فلو تحقق الإجتهادان لإجتمع النقیضان ولأنه قال علیه الصلاة والسلام من أصاب فله اجران ومن أخطأ فله أجر واحد قیل لو تعین الحکم فالمخالف له لم یحکم بما أنزل الله فیفسق لقوله تعالی "ومن لم یحکم بما أنزل الله فأولئک هم الفاسقون" قلنا أمر بالحکم بماظنه وإن أخطأ الحکم بما أنزل الله قیل لو لم یصوب الجمیع لما جاز نصب المخالف وقد نصب أبو بکر رضی الله عنه زیدا قلنا لم یجز تولیة المبطل والمخطیء لیس بمبطل انتهی کلام البیضاوی.
قوله لکل صورة حکم الخ قلنا حکم علی الغیب بلا دلیل قوله ما صح عن الشافعی أن فی الحادثة الخ قلنا معنا فی کل حادثة قول هو أوفق بالأصول وأقعد فی طرق الإجتهاد وعلیه أمارة ظاهرة من دلائل الإجتهاد من وجدها أصاب ومن فقدها فقد أخطأ ولم یأثم وذلک لأنه نص فی أوائل الأم بأن العالم إذا قال للعالم أخطأت فمعناه أخطأت المسلک السدید الذی ینبغی للعلماء أن یسلکوه وبسط ذلک ومثله بأمثال کثیرة أو معناه إذا کان فی المسألة خبر الواحد فقد أصاب من وجده وأخطأ من فقده وهذا أیضا مبسوط فی الأم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

شاہ ولی اللہ صاحب نے ''مجتہد کے مخطی ومصیب'' ہونے کے اعتبار سے، جو مذکورہ مقام پر تفصیل بیان فرمائی ہے، وہ عمومی نوعیت کے لحاظ سے ہے، جس میں ائمہ مجتہدین کے علاوہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله لأن الإجتهاد مسبوق الخ قلنا تعبدنا الله تعالى بأن نعمل ما يؤدى إليه إجتهادنا فنطلب الذى نعمله إجمالا لنحيط به تفصيلا قوله لإجتمع النقيضان قلنا هو كخصال الكفارة كل واحد منها واجب وليس بواجب .

قوله من أصاب فله أجران قلنا هذا عليكم لا لكم لأن الخطأ الذى يوجب الأجر لا يكون معصية فلا بد أن يكونا حكمين لله تعالى أحدهما أفضل من الآخر كالعزيمة والرخصة أو هذا فى القضاء ولا بد أن يتحقق فى الخارج إما قول المدعى أو المنكر .

قوله أمر بالحكم بما ظنه الخ قلنا اعتراف بمقصودنا قوله والمخطىء ليس بمبطل قلنا لما لم يكن مبطلا لم يكن مخالفا للحق لأن كل مخالف للحق مبطل وماذا بعد الحق إلا الضلال والحق أن ما نسب إلى الأئمة الأربعة قول مخرج من بعض تصريحاتهم وليس نصا منهم وأنه لا خلاف للأمة فى تصويب المجتهدين فيما خبر فيه نصا أو إجماعا كالقرائات السبع وصيغ الأدعية والوتر بسبع وتسع وإحدى عشرة فكذلك لا ينبغى أن يخالفوا فيما خير فيه دلالة.

والحق أن الاختلاف أربعة أقسام :

أحدها :ما تعين فيه الحق قطعا ويجب أن ينقض خلافه لأنه باطل يقينا.

وثانيها: ما تعين فيه الحق بغالب الرأى وخلافه باطل ظنا .

وثالثها :ما كان كلا طرفى الخلاف مخيرا فى بالقطع.

ورابعها: ما كان كلا طرفى الخلاف مخيرا فيه بغالب الرأى.

تفصيل ذلك أنه إن كانت المسألة مما ينقض فيها قضاء القاضى بأن يكون فيها نص صحيح فيها معروف من النبى صلى الله عليه وسلم فكل إجتهاد خلافه فهو باطل، نعم ربما يعذر بجهل نصه صلى الله عليه وسلم إلى أن يبلغ وتقوم الحجة وأن كان الاجتهاد فى معرفة واقعة قد وقعت ،ثم اشتبه الحال مثل موت زيد وحياته، فلا جرم أن الحق واحد نعم ربما يعذر المخطىء بإجتهاده .

وإن كان الإجتهاد فى أمر فوض إلى تحرى المجتهد ،وكان المأخذان متقاربين ،وليس واحد منهما بعيدا عن الأذهان جدا، بحيث يرى أن صاحبه مقصر ،قد خرج عن عرف الناس وعادتهم، فالمجتهدان مصيبان ،مثل رجلين ،قيل لكل واحد منهما، أعط كل فقير وجدته درهما من مالى ،قال كيف أعرف أنه فقير؟ قيل إذا اجتهدت فى تتبع قرائن الفقر ،ثم أتاك الثلج أنه فقير، فأعطه ،فاختلفا فى رجل، قال احدهما هو فقير ،وقال الآخر لا ،والمأخذان متقاربان يسوغ الأخذ بهما ،فهما مصيبان ،لأنه ما أدار الحكم إلا على من يقع فى تحريه أنه فقير، وقد وقع فى تحريه ذلك من غير تقصير ظاهر ،بخلاف ما إذا أعطى تاجرا كبيرا ،له خدم وحشم ،فإن القائل بفقره يعد مقصرا ،ولا يسوغ الأخذ بالشبهة التى ذهب إليها، فههنا مقامان ،أحدهما أنه فقير فى الحقيقة أم لا، ولا شبهة أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

دیگر اجتہاد کرنے والے بھی داخل ہیں، بالخصوص ایسے علماء جن کو معتبر حدیث پہنچ گئی، اور پھر بھی انہوں نے اس کو قابلِ اعتناء نہ سمجھا، اس پر نکیر کی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحق فيه واحد ،وأن النقيضين لا يجتمعان ،والثانى أن من أعطى غير الفقير على ظن فقره، هل هو مطيع أم لا، ولا شبهة أنه مطيع نعم من وافق ظنه الحقيقة قد نال حظا وافرا.

وإن كان الإجتهاد فى اختيار ما خير فيه كأحرف القرآن وصيغ الأدعية ،وكذا ما فعله النبى صلى الله عليه وسلم على وجوه تسهيلا على الناس،مع كونها كلها حاوية لأصل المصلحة ،فالمجتهدان مصيبان ،فهذا كله بين لا ينبغى لأحد أن يتوقف فيه .

ومواضع الاختلاف بين الفقهاء معظمها أمور :

أحدها :أن يكون واحد قد بلغه الحديث والآخر لم يبلغه والمصيب ههنا معين.

والثانى :أن يكون عند كل واحد أحاديث وآثار متخالفة وقد اجتهد فى تطبيق بعضها ببعض أو ترجيح بعضها على بعض فأدى اجتهاده إلى حكم فجاء الإختلاف من هذا القبيل .

والثالث :أن يختلفوا فى تفسير الألفاظ المستعملة وحدودها الجامعة المانعة أو معرفة أركان الشىء، وشروطه من قبيل السبر والحذف وتخريج المناط وصدق ما وصف وصفا عاما على هذه الصورة الخاصة أو انطباق الكلية على جزئياتها ونحو ذلك ،فأدى اجتهاد كل واحد إلى مذهب.

والرابع: أن يختلفوا فى المسائل الأصولية ويتفرع عليه الإختلاف فى الفروع ،والمجتهدان فى هذه الأقسام مصيبان، إذا كان مأخذاهما متقاربين بالمعنى الذى ذكرنا.

والحق أن المسائل المذكورة فى كتب أصول الفقه على قسمين :

قسم هو من باب تتبع لغة العرب كالخاص والعام والنص والظاهر ،ومثله كمثل قول اللغوى هذا علم وذلك اسم جنس والفاعل مرفوع والمفعول منصوب، وليس فى هذا القسم كثير اختلاف.

وقسم هو من باب تقريب الذهن إلى ما يفعله العاقل بسليقته، تفصيله أنك إذا ألقيت إلى عاقل كتابا عتيقا ،قد تغير بعض حروفه، وأمرته بقرائته ،لا بد إذا اشتبه عليه شىء يتتبع القرائن، ويتحرى الصواب، وربما يختلف عاقلان فى مثل ذلك، وإذا عن للعاقل طريقان كيف يتتبع الدلائل ويتفحص عن المصالح ويختار الأرجح ،والأقل شرا.

فكذلك الأوائل لما ورد عليهم أحاديث مختلفة أجالوا قداح نظرهم فى ذلك فأفضى اجتهادهم إلى الحكم على بعضها بالنسخ وتطبيق بعضها ببعض وترجيح بعضها على بعض .

وكذلك لما ورد عليهم مسائل لم يكن السلف تكلموا فيها أخذوا النظير بالنظير، واستنبطوا العلل، وبالجملة فكانت لهم صنائع اندفعوا إليها بسليقتهم المخلوقة فيهم كما يندفع العاقل فى أمر يعن له ،فأراد قوم أن يسردوا صنائعهم التى ذكروها مفصلة فى كتبهم ،أو أشاروا إليها فى ضمن كلامهم، أو خرجت من مسائلهم، وإن لم يذكروها وتلقت عقول الخلف أكثر صنائعهم بالقبول لما جبلوا عليه من السليقة فى مثل ذلك ،ثم صارت أمورا مسلمة فيما بينهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

’’ازالۃُ الخفاء ‘‘ کا حوالہ

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی فارسی زبان کی تالیف ’’ازالۃُ الخفاء ‘‘میں فرمایا:

بازقبح اشیاء قبیحہ گاہے بنصِ کتاب اللہ، یا احادیثِ مشہورہ یا قیاسِ جلی، یا اجماعِ امتِ مرحومہ خصوصاً، ایامِ خلافتِ خاصہ کہ بقایائے برکاتِ نبوت است ثابت می شود، وعندکم من الله برهان ، بریں اقسام صادق است۔ دریں صورت ہا شخصے بجہلِ آں اصول معذور نیست۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعلى قياس ذلك لما أفرغوا جهدهم فى رواية الحديث ومعرفة الصحيح من السقيم والمستفيض من الغريب ،ومعرفة أحوال الرواة جرحا وتعديلا ،وكتابة كتب الحديث وتصحيحها ،جروا فى تلك الميادين بسليقتهم المخلوقة فى عقولهم ،ثم جاء قوم آخرون وجعلوا صنائعهم تلك كليات مدونة.

وهاهنا فائدة جليلة هى أن من شرط العمل بمثل هذه المقدمات الكلية أن لا تكون الصورة الجزئية التى يقع فيها الكلام مما سبق للعقلاء ،فيها ضد حكم الكليات لأنه كثيرا ما يكون هناك قرائن خاصة ،تفيد غير حكم الكليات، وأصل الجدل هو اتباع الكليات، وإثبات حكم قد قضى العقل الصراح ،بخلافه لخصوص المقام كما إذا رأيت حجرا وأيقنت أنه حجر ،فجاء الجدلى فقال الشىء إنما يعرف باللون والشكل ونحوهما ،وهذه الصورة قد تشابه الأشياء فيها، فنقض ذلك اليقين بأمر كلى، ولا يعلم المسكين أن اليقين الحاصل فى هذه الصورة الخاصة أكبر من اتباع الكليات، فإياك أن تغرك أقوالهم عن صريح السنة.

والاختلاف فى هذا القسم راجع إلى التحرى وسكون القلب ،وبالجملة الإختلاف فى أكثر أصول الفقه راجع إلى التحرى واطمئنان القلب بمشاهدة القرائن ،وقد أشار النبى صلى الله عليه وسلم إلى أن التكليف راجع إلى ما يؤدى إليه التحرى فى مواضع من كلامه:

منها :قوله صلى الله عليه وسلم فطركم يوم تفطرون وأضحاكم يوم تضحون ،قال الخطابى معنى الحديث أن الخطأ موضوع عن الناس فيما كان سبيله الإجتهاد ،فلو أن قوما اجتهدوا فلم يروا الهلال إلا بعد ثلاثين فلم يفطروا حتى استوفوا العدد، ثم ثبت عندهم أن الشهر كان تسعا وعشرين، فإن صومهم وفطرهم ماض ،ولا شىء عليهم من وزر أو عتب ،وكذلك فى الحج إذا أخطأوا يوم عرفة فإنه ليس عليهم إعادته، ويجزئهم أضحاهم ذلك ،وإنما هذا تخفيف من الله سبحانه ورفق بعباده.

ومنها: قوله الحاكم إذا اجتهد فأصاب فله أجران، وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر، وكل من استقرى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

واستدلال بشبہٗ واہیہ، یا تقلیدِ عالمے درخلاف آں غیر مسموع، وعند اللہ آں مخالف را مفاز نہ، وگاہے قباحت ایں اشیاء بخبرِ واحد صحیح بغیر معارض ثابت شود، دریں صورت تاوقتیکہ آں حدیث نہ رسیدہ است، وپردہ از روئے کار مرتفع نگشتہ بسببِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نصوص الشارع وفتاواه يحصل عنده قاعدة كلية ،وهي أن الشارع قد ضبط أنواع البر من الوضوء والغسل والصلاة والزكاة والصوم والحج وغيرها ،مما إجمعت الملل عليه بأنحاء الضبط ،فشرع لها أركانا وشروطا وآدابا ،ووضع لها مكروهات ومفسدات وجوائز ،وأشبع القول في هذا حق الإشباع ،ثم لم يبحث عن تلك الأركان وغيرها بحدود جامعة مانعة كثير بحث ،وكلما سئل عن أحكام جزئية تتعلق بتلك الأركان والشروط وغيرها ،أحالها على ما يفهمون في نفوسهم من الألفاظ المستعلمة، وأرشدهم إلى رد الجزئيات نحو الكليات ،ولم يزد على ذلك اللهم إلا في مسائل قليلة ل،أسباب طارئة من لجاج القوم ونحوه، فشرع غسل الأعضاء الأربعة في الوضوء ،ثم لم يحد الغسل بحد جامع مانع يعرف به أن الدلك داخل في حقيقته أم لا، وأن إسالة الماء داخلة فيها أم ل،ا ولم يقسم الماء إلى مطلق ومقيد ،ولم يبين أحكام البئر والغدير ونحوهما.

وهذه المسائل كلها كثيرة الوقوع لا يتصور عدم وقوعها في زمانه صلى الله عليه وسلم، ولما سأله السائل في قصة بئر بضاعة، وحديث القلتين ،لم يزد على الرد إلى ما يفهمونه من اللفظ، ويعتادونه فيما بينهم، ولهذا المعنى قال سفيان الثوري ما وجدنا في أمر الماء إلا سعة، ولما سألته امرأة عن الثوب يصيبه دم الحيضة، لم يزد على أن قال حتيه، ثم اقرصيه ،ثم انضحيه ،ثم صلي فيه ،فلم يأت بأكثر مما عندهم ،وأمر بإستقبال القبلة ،ولم يعلمنا طريق معرفة القبلة ،وقد كانت الصحابة يسافرون ويجتهدون في أمر القبلة ،وكانت لهم حاجة شديد إلى معرفة طريق الإجتهاد، فهذا كله لتفويضه مثل ذلك إلى رأيهم ،وهكذا أكثر فتاواه صلى الله عليه وسلم ،كما لا يخفى على منصف لبيب.

وقد فهمنا من تتبع أحكامه أنه راعى في ترك التعمق وعدم الإكثار من وجوه الضبط مصلحة عظيمة، وهي أن هذه المسائل ترجع إلى حقائق ،تستعمل في العرف على إجمالها، ولا يعرف حدها الجامع المانع إلا بعسر، وربما يحتاج عند إقامة الحد إلى التمييز بين المشكلين بأحكام وضوابط يحرجون بإقامتها، ثم إن ضبطت وفسرت لا يمكن تفسيرها إلا بحقائق مثلها وهلم جرا، فيتسلسل الأمر أو يقف في بعض ما هنالك إلى التفويض إلى رأى المبتلى به، والحقائق الأخرى ليست بأحق من الأولى في التفويض إلى المبتلين ،فلأجل هذه المصلحة فوض الحقائق أول مرة إلى رأيهم، ولم يشدد فيما يختلفون حين كان الإختلاف في أمر فوض إليهم ،وله في ذلك مساغ فلم يعنف على عمرو بن العاص فيما فهم من قوله تعالى "ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة" من جواز التيمم للجنب، إذا خاف على نفسه من البرد ،ولم يعنف على عمر بن الخطاب فيما فهم من تأويل "أو لامستم النساء" أنه في لمس المرأة لا الجنابة، فبقيت مسألة الجنب غير مذكورة فينبغي أن لا يتيمم الجنب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

جہل خود معذور است، چوں پردہ برخواست و پردگی متجلی شد جائے گفت وشنید نمانند، وگاہے فتح آں بادلۂ ظنیہ متنازعہ متعارضہ ثابت گردد، وآں جا اختلافِ سلف کہ "المجتهدان مصيبان او المصيب واحد، والآخر مخطئ معذور" جاری است۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أصلا، أخرج النسائى عن طارق أن رجلا أجنب ،فلم يصل ،فأتى النبى صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له ،فقال أصبت ،فأجنب رجل ،فتيمم، وصلى ،فأتاه ،فقال نحو ما قال للآخر أصبت. انتهى.

ولم يعنف على أحد ممن أخر صلاة العصر ،أو أداها فى وقتها، حين كانوا جميعا على تأويل من قوله لا تصلوا العصر إلا فى بنى قريظة.

وبالجملة فمن أحاط بجوانب الكلام ،علم أنه صلى الله عليه وسلم فوض الأمر فى تلك الحقائق المستعملة فى العرف على إجمالها، وكذا فى تطبيق بعضها ببعض إلى إفهامهم ،ونظيره تفويض الفقهاء كثيرا من الأحكام إلى تحرى المبتلى وعادته ،فلا عنف على احد من المختلفين عندهم، ونظيره أيضا ما أجمعت عليه الأمة من الإجتهاد فى القبلة عند الغيم ،وترك العنف على واحد فيما أدى تحريه إليه.

ونظير هذه المصلحة ما ذكره أهل المناظرة من الإصطلاح على ترك البحث عن مقدمات الدلائل، لئلا يلزم انتشار البحث فمن عرف هذه المسألة ،كما هى علم أن أكثر صور الاجتهاد يكون الحق فيها دائرا فى جانبى الإختلاف ،وأن فى الأمر سعة ،وأن اليبس على شىء واحد، والجزم بنفى المخالف ليس بشىء ،وأن استنباط حدودها إن كان من باب تقريب الذهب إلى ما يفهمه كل أحد من أهل اللسان ،فإعانة على العلم وإن كان بعيدا من الأذهان، وتميزا للمشكل بمقدمات مخترعة ،فعسى أن يكون شرعا جديدا.

وأن الصحيح ما قاله الإمام عزالدين بن عبد السلام ولقد أفلح من قام بما أجمعوا على وجوبه، واجتنب ما أجمعوا على تحريمه ،واستباح ما أجمعوا على إباحته، وفعل ما أجمعوا على استحبابه، واجتنب ما أجمعوا على كراهته.

ومن أخذ بما اختلفوا فيه فله حالان.

إحداهما أن يكون المختلف فيه مما ينقض الحكم به ،فهذا لا سبيل إلى التقليد فيه ،لأنه خطأ محض وما حكم فيه بالنقض إلا لكونه خطأ بعيدا من نفس الشرع ومأخذه ورعاية حكمه.

الثانية أن يكون مما لا ينقض الحكم به فلا بأس بفعله ولا بتركه ،إذا قلد فيه بعض العلماء ،لأن الناس لم يزالوا على ذلك يسألون من اتفق من العلماء من غير تقييد بمذهب ،ولا إنكار على أحد من السائلين إلى ان ظهرت هذه المذاهب، ومتعصوبها من المقلدين ،فإن أحدهم يتبع إمامه مع بعد مذهبه عن الأدلة مقلدا لها فيما قال ،فكأنه نبى أرسل إليه، وهذا نأى عن الحق وبعد عن الصواب ،لا يرضى به أحد من أولى الألباب، انتهى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

چوں ایں مقدمات معلوم شود مے باید کہ در مبحث تغیر اوضاعِ رسوم و در اختلافِ امت کہ دریں ایام پیدا شود بیک عصا ہمہ راں سوق نہ کنی، و در یک مرتبہ نازل نہ گردانی۔ ع

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

ترجمہ:...... پھر (واضح ہو کہ) برے افعال کی برائی کبھی نصِ کتابُ اللہ سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال من قلد إماما من الأئمة ،ثم أراد تقليد غيره ،فهل له ذلک فيه خلاف ،والمختار التفصيل ،فإن كان المذهب الذى أراد الانتقال إليه مما ينقض فيه الحكم ،فليس له الانتقال إلى حكم، يجب نقضه، فإنه لم يجب نقضه إلا لبطلانه، وإن كان المأخذان متقاربين ،جاز التقليد والانتقال ،لأن الناس لم يزالوا من زمن الصحابة رضى الله عنهم إلى أن ظهرت المذاهب الأربعة، يقلدون من اتفق من العلماء من غير نكير من أحد ،يعتبر إنكاره ،ولو كان ذلک باطلا لأنكروه ،والله أعلم بالصواب انتهى.

وإذا تحقق عندک ما بيناه علمت أن كل حكم يتكلم فيه المجتهد بإجتهاد منسوب إلى صاحب الشرع عليه الصلاة والتسليمات إما إلى لفظه أو إلى علة مأخوذة من لفظه .

وإذا كان الأمر على ذلک ففى كل اجتهاد مقامان:

أحدهما :أن صاحب الشرع هل أراد بكلامه هذا المعنى أو غيره؟

وهل نصب هذه العلة مدارا فى نفسه حين ما تكلم بالحكم المنصوص عليه أو لا؟

فإن كان التصويب بالنظر إلى هذا المقام ،فأحد المجتهدين لا لعينه مصيب دون الآخر.

وثانيهما :أن من جملة أحكام الشرع أنه صلى الله عليه وسلم عهد إلى أمته صريحا ،أو دلالة أنه متى اختلف عليهم نصوصه ،أو اختلف عليهم معانى نص من نصوصه ،فهم مأمورون بالإجتهاد، واستفراغ الطاقة فى معرفة ما هو الحق من ذلک ،فإذا تعين عند مجتهد شيء من ذلک ،وجب عليه اتباعه ،كما عهد إليهم أنه متى اشتبه عليهم القبلة فى الليلة الظلماء، يجب عليهم أن يتحروا، ويصلوا إلى جهة ،وقع تحريهم عليها ،فهذا حكم علقه الشرع بوجود التحرى ،كما علق وجوب الصلاة بالوقت، وكما علق تكليف الصبى ببلوغه.

فإن كان البحث بالنظر إلى هذا المقام نظر، فإن كانت المسألة مما ينقض فيه اجتهاد المجتهد، فإجتهاده باطل قطعا ،وإن كان فيها حديث صحيح وقد حكم بخلافه، فإجتهاده باطل ظنا ،وإن كان المجتهدان جميعا قد سلكا ما ينبغى لهما أن يسلكاه ،ولم يخالفا حديثا صحيحا ،ولا أمرا ينقض اجتهاد القاضى والمفتى فى خلافه ،فهما جميعا على الحق هذا ،والله أعلم(عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد،ص ۲۴ الیٰ ۱۳ ، باب فى بيان اختلاف المجتهدين ، الناشر : دار الكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

www.idaraghufran.org

ثابت ہوتی ہے، اور کبھی احادیثِ مشہورہ سے اور کبھی قیاسِ جلی سے اور کبھی اجماعِ امتِ مرحومہ سے، بالخصوص زمانۂ خلافتِ خاصہ کے اجماع سے جو کہ برکاتِ نبوت کی باقیماندہ (برکتوں) کا زمانہ ہے، ان (چاروں) قسموں پر (یہ مضمون کہ) تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک صاف دلیل ہے، صادق آتا ہے۔

اور ان سب صورتوں میں کوئی شخص ان اصول (یعنی نصِ کتابُ اللہ و احادیثِ مشہورہ و قیاسِ جلی و اجماع) کے نہ جاننے سے معذور نہ سمجھا جائے گا، اور اس کی مخالفت پر کسی کمزور شبہ کے ساتھ، یا کسی عالم کی تقلید کے ساتھ استدلال کرنا ہرگز مسموع نہ ہوگا، اور اس مخالف (حکمِ شرع) کو اللہ کے نزدیک کامیابی نہیں ہوسکتی۔ [1]

اور کبھی (ایسا ہوتا ہے کہ) ان افعال کی قباحت (کسی) خبرِ واحد سے بلا معارضہ (کسی دوسری خبرِ واحد) کے ثابت ہوتی ہے، اس صورت میں تاقتیکہ وہ حدیث نہ پہنچے اور اصل حقیقت بخوبی عیاں نہ ہوجائے (اس کے خلاف کرنے والا اپنے) جہل کے سبب سے معذور ہے اور جب (اصل حقیقت سے) پردہ اٹھ گیا اور وہ بات صاف ہوگئی (اور اس کا) حسن یا قبح خبرِ واحد سے معلوم ہوگیا (اب کسی کے) کہنے سننے کی کوئی جگہ نہ رہی، اور (کبھی ایسا ہوتا ہے) کسی فعل کی قباحت ایسے دلائلِ ظنیہ سے ثابت ہوتی ہے کہ وہ دلائل ایک دوسرے کے معارض ہوتے ہیں، ایسے موقعوں میں جو حکم اختلافِ سلف کا ہے، وہی حکم جاری ہوگا، یعنی دونوں مختلف اجتہاد کرنے والے حق پر ہوں گے، یا ایک حق پر اور

---

[1] وہ الگ بات ہے کہ کسی حکم میں تاویل کرنے کی وجہ سے کفر کا حکم نہ لگایا جائے، کیونکہ کفر کے احکام میں بڑی احتیاط رکھی گئی ہے۔

اسی طرح یہ گمان نہ کیا جائے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے جن ائمہ ومجتہدین تک کوئی حدیث صحیح سند کے ساتھ نہ پہنچی، وہ عنداللہ معذور نہ ہوں، اور ان کا مواخذہ ہو، جیسا کہ آگے وضاحت کے ساتھ آتا ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

دوسرا خطاء پر، مگر وہ (بھی) معذور (اور گناہ گار نہیں)

جب تم کو یہ مقدمات معلوم ہو گئے، تو اب تم کو لازم ہے کہ مبحث تغیرِ حالات (یعنی وضع) اور رسوم میں اور اختلافِ امت میں جو کہ اس زمانہ میں پیدا ہو گیا ہے، سب کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکنا، اور (جملہ اقسامِ اختلاف کا) ایک حکم نہ سمجھنا (بلکہ بعضے اختلاف میں ایک جانب حق اور دوسرے جانب خطا ہوتی ہے، اور بعض میں دنوں جانب حق دائر رہتا ہے) ع

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مترجم: مولانا محمد عبدالشکور فاروقی، جلد ۱، صفحہ ۵۷۶، ۵۷۷، فصل پنجم: بیانِ فتن، در ذیل: چند تنبیہات، چوتھی تنبیہ، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی)

واقعہ یہ ہے کہ ہر وہ مجتہد عنداللہ ماجور ہوتا ہے، جس نے اپنی حسبِ قدرت اجتہاد کیا ہو، جس کے بعد خواہ مصیب ہو، یا مخطی، البتہ ''مصیب'' کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور مخطی کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ جتنے بھی ائمہ مجتہدین ہوئے ہیں، انہوں نے جان بوجھ کر کوئی بات اللہ اور اس کے رسول کے خلاف نہیں کی، اس لئے وہ بہر حال اپنے اجتہاد پر ماجور ہیں۔

پھر فقہائے مجتہدین کے مابین اختلاف کی بہت سی صورتیں وہ ہیں، جن میں صحابہ کرام کے مابین بھی اختلاف تھا، اور وہ اختلاف فی نفسہٖ شریعت کی نظر میں شدید نوعیت کا نہیں تھا، بعد کے کم علم، یا حقیقتِ حال سے ناواقف، یا تعصب پرست لوگوں کی طرف سے اس میں شدت پیدا کی گئی۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے **''عقدُ الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید''** میں **''عمدۃُ الاحکام''** کے حوالہ سے مجتہد کے اجتہاد کی بنیاد پر کسی فعل کو اختیار کرنے، یا اس طرح کے مسئلہ میں کسی مجتہد کی تقلید کرنے پر نکیر نہ کرنے کا حکم ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

فلا ینکر علی من فعل فعلا مجتهدا أو تقلد بمجتهد (عقد الجید فی أحکام الاجتهاد والتقلید، ص ۶۵، باب اختلاف الناس فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة وما یجب علیهم من ذلک، فصل فی المتبحر فی المذهب ، الناشر: دارالکتب، بشاور، الطبعة الأولیٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

ترجمہ: جو شخص مجتہد ہونے کی بنیاد پر کسی فعل کو اختیار کرے، یا مجتہد کی تقلید کی بنیاد پر کوئی فعل کرے، تو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی (عقد الجید)

''الإنصاف'' کا حوالہ

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ''الا نصاف'' میں فرمایا:

ومنها أن أکثر صور الخلاف بین الفقهاء لا سیما فی المسائل التی ظهر فیها أقوال الصحابة فی الجانبین کتکبیرات التشریق وتکبیرات العیدین ونکاح المحرم وتشهد ابن عباس وابن مسعود والإخفاء بالبسملة وبآمین والاشفاع والایثار فی الإقامة ونحو ذلک انما هو فی ترجیح أحد القولین:

وکان السلف لا یختلفون فی أصل المشروعیة وانما کان خلافهم فی أولی الأمرین ونظیره اختلاف القراء فی وجوه القرائات وقد عللوا کثیرا من هذا الباب بأن الصحابة مختلفون وأنهم جمیعا علی الهدی ولذلک لم یزل العلماء یجوزون فتاوی المفتین فی المسائل الاجتهادیة ویسلمون قضاء القضاة ویعملون فی بعض الأحیان بخلاف مذهبهم ولا تری أئمة المذاهب فی هذه المواضع إلا وهم یصححون القول ویبینون الخلاف یقول أحدهم هذا أحوط وهذا هو المختار وهذا أحب إلی ویقول ما بلغنا الا ذلک وهذا کثیر فی

المبسوط وآثار محمد رحمه الله وكلام الشافعي رحمه الله.

ثم خلف من بعدهم خلف اختصروا كلام القوم فتأولوا الخلاف وثبتوا على مختار أئمتهم والذى يروى عن السلف من تأكيد الأخذ بمذهب أصحابهم وألا يخرج عنها بحال فان ذلك إما لأمر جبلى فان كل إنسان يحب ما هو مختار أصحابه وقومه حتى فى الزى والمطاعم أو لصولة ناشئة من ملاحظة الدليل أو لنحو ذلك من الأسباب فظنه البعض تعصبا دينيا حاشاهم من ذلك.

وقد كان فى الصحابة والتابعين ومن بعدهم من يقرأ البسملة ومنهم من لا يقرؤها ومنهم من يجهر بها ومنهم من لا يجهر بها وكان منهم من يقنت فى الفجر ومنهم من لا يقنت فى الفجر ومنهم من يتوضأ من الحجامة والرعاف والقيء ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ومنهم من يتوضأ من مس الذكر ومس النساء بشهوة ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ومنهم من يتوضأ مما مسته النار ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ومنهم من يتوضأ من أكل لحم الابل ومنهم من لا يتوضأ من ذلك.

ومع هذا فكان بعضهم يصلى خلف بعض مثل ما كان أبو حنيفة وأصحابه والشافعي وغيرهم رضى الله عنهم يصلون خلف أئمة المدينة من المالكية وغيرهم وان كانوا لا يقرؤون البسملة لا سرا ولا جهرا وصلى الرشيد إماما وقد احتجم فصلى الإمام أبو يوسف خلفه ولم يعد وكان أفتاه الامام مالك بأنه لا وضوء عليه.

وكان الإمام أحمد بن حنبل يرى الوضوء من الرعاف والحجامة فقيل له فان كان الامام قد خرج منه الدم ولم يتوضأ هل تصلى خلفه

فقال كيف لا أصلى خلف الامام مالك وسعيد بن المسيب.

وروى أن أبا يوسف ومحمد كانا يكبران فى العيدين تكبير ابن عباس لأن هارون الرشيد كان يحب تكبير جده.

وصلى الشافعى رحمه الله الصبح قريبا من مقبرة أبى حنيفة رحمه الله فلم يقنت تأدبا معه وقال أيضا ربما انحدرنا إلى مذهب أهل العراق.

وقال مالك رحمه الله للمنصور وهارون الرشيد ما ذكرنا عنه سابقا.

وفى البزازية عن الامام الثانى وهو أبو يوسف رحمه الله أنه صلى يوم الجمعة مغتسلا من الحمام وصلى بالناس وتفرقوا ثم أخبر بوجود فأرة ميتة فى بئر الحمام فقال إذا نأخذ بقول إخواننا من أهل المدينة اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا انتهى.

وسئل الامام الخجندى رحمه الله عن رجل شافعى المذهب ترك صلاة سنة أو سنتين ثم انتقل إلى مذهب أبى حنيفة رحمه الله كيف يجب عليه القضاء أيقضيها على مذهب الشافعى أو على مذهب أبى حنيفة فقال على أى المذهبين قضى بعد أن يعتقد جوازها جاز.

وفى جامع الفتاوى أنه إن قال حنفى إن تزوجت فلانة فهى طالق ثلاثا ثم استفتى شافعيا فأجاب إنها لا تطلق ويمينه باطل فلا بأس باقتدائه بالشافعى فى هذه المسألة لأن كثيرا من الصحابة فى جانبه.

قال محمد رحمه الله فى أماليه لو أن فقيها قال لامرأته أنت طالق البتة وهو ممن يراها ثلاثا ثم قضى عليه قاض بأنها رجعية وسعه المقام معها وكذا كل فصل مما يختلف فيه الفقهاء من تحريم أو تحليل أو إعتاق أو أخذ مال أو غيره ينبغى للفقيه المقضى عليه الأخذ بقضاء القاضى ويدع رأيه ويلزم نفسه ما ألزم القاضى ويأخذ ما أعطاه.

www.idaraghufran.org

قال محمد رحمه الله وكذلك رجل لا علم له ابتلى ببلية فسأل عنها الفقهاء فأفتوه فيها بحلال أو بحرام وقضى عليه قاضى المسلمين بخلاف ذلك وهى مما يختلف فيه الفقهاء فينبغى له أن يأخذ بقضاء القاضى ويدع ما أفتاه الفقهاء انتهى.

وقد أطنبنا الكلام فى هذا المقام غاية الأطناب.

والله وحده أعلم بالصواب. وربنا الرحمن المستعان على ما تصفون (الانصاف للدهلوى، ص۱۰۸ الىٰ ۱۱۱، باب حكاية ما حدث فى الناس بعد المائة الرابعة، ثم بعد هذه القرون كان ناس آخرون ذهبوا يمينا وشمالا وحدث فيهم أمور، التقليد فى المذاهب الاربعة، الناشر: دار النفائس، بيروت، الطبعة الثالثة: ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸٦م)

ترجمہ: اور ان قابلِ توجہ اہم مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ فقہائے کرام کے درمیان اختلاف کی اکثر صورتیں، خاص طور پر ان مسائل میں جن میں صحابۂ کرام کے درمیان بھی جانبین میں اختلاف تھا، جیسا کہ تکبیراتِ تشریق اور تکبیراتِ عیدین کی تعداد، اور احرام کی حالت میں نکاح ہونے کا مسئلہ، اور ابنِ عباس اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما کا تشہد، اور بسم اللہ اور آمین کا آہستہ پڑھنا، اور اقامت کا جفت اور طاق کہنا، اور اس طرح کے دیگر دوسرے مسائل، تو ان میں دو قولوں میں سے ایک کے راجح (یا افضل) ہونے میں اختلاف تھا۔

اور (واقعہ یہ ہے کہ) سلف کا ان مسائل کے مشروع اور جائز ہونے میں اختلاف نہیں تھا، بلکہ ان کا اختلاف دونوں کاموں میں سے ایک کے بہتر ہونے میں تھا، جس کی نظیر قرائت کے طریقوں میں قراء کا اختلاف ہے، اور فقہائے کرام نے اس باب میں اکثر یہ علت بیان کی ہے کہ صحابۂ کرام کا ان مسائل میں

www.idaraghufran.org

اختلاف تھا، اور تمام کے تمام صحابۂ کرام ہدایت پر تھے، اور اسی وجہ سے علماء ہمیشہ اجتہادی مسائل میں مختلف مفتیوں کے فتاویٰ کو جائز قرار دیتے رہے، اور مختلف قاضیوں کے فیصلے تسلیم کرتے رہے، اور بعض اوقات اپنے مذہب کے خلاف پر بھی عمل کرتے رہے، اور اس طرح کے مسائل میں ائمۂ مذاہب ایک قول کی تصحیح کرتے ہیں، اور اختلاف کو بیان کرتے ہیں، کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ احوط قول ہے، کوئی کہتا ہے کہ یہ مختار قول ہے، کوئی کہتا ہے کہ یہ قول مجھے زیادہ پسند ہے، کوئی کہتا ہے کہ ہمیں یہی بات پہنچی ہے، مبسوط اور امام محمد اور امام شافعی کے کلام میں کثرت سے یہ چیز پائی جاتی ہے۔ [1]

پھر ان کے بعد وہ لوگ آ گئے، جنہوں نے اپنی قوم (یعنی اپنے مسلک کے فقہاء و اکابر اور جماعت) کے کلام پر انحصار کر لیا، اور انہوں نے اختلاف کی تاویل کی، اور جس بات کو ان کے ائمہ نے مختار قرار دیا، وہ اس پر جم گئے (یعنی انہوں نے جمود اختیار کیا) اور جو بات ان کے سلف سے مروی ہے کہ اپنے اصحاب (واکابر) کے مذہب کو مضبوطی سے پکڑیں، اور اس سے کسی حال میں نہ نکلیں، پس یہ یا تو فطری امر کی وجہ سے تھا، کیونکہ ہر انسان اس فعل کو پسند کیا کرتا ہے، جو اس کے اصحاب اور قوم کا پسندیدہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ رہن سہن اور کھانے پینے میں بھی، یا کسی دلیل کے ملاحظہ کرنے کے بعد کوئی نتیجہ ظاہر ہونے کی وجہ سے، یا اسی طرح کے دوسرے کسی سبب کی وجہ سے، پھر بعض نے اس کو دینی تعصب خیال کر لیا، جس سے سلف وفقہاء پاک ہیں۔ [2]

---

[1] یعنی ان حضرات کے کلام میں اجتہادی مسائل میں تشدد اور سختی کا رویہ نہیں ملتا۔ محمد رضوان

[2] مطلب یہ ہے کہ سلفِ صالحین کا فقہی واجتہادی مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف شدید نہیں تھا، اور وہ ایک دوسرے کے قول کو غلط وناجائز قرار نہیں دیتے تھے، البتہ بعد میں جو حضرات آئے، انہوں نے اپنے مسلک واکابر کے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور صحابہ اور تابعین میں اور ان کے بعد ایسے حضرات تھے کہ بعض نماز میں بسم اللہ کی قرائت کرتے تھے، اور بعض نہیں کرتے تھے، اور بعض بلند آواز سے قرائت کرتے تھے، اور بعض بلند آواز سے نہیں کرتے تھے، اور بعض فجر میں قنوت پڑھتے تھے، اور بعض فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے، اور بعض حجامہ اور نکسیر اور قے سے وضوٹوٹنے کے قائل تھے، اور بعض ان چیزوں سے وضوٹوٹنے کے قائل نہیں تھے، اور بعض عضوِ تناسل کو چھونے اور عورتوں کو شہوت سے چھونے سے وضوٹوٹنے کے قائل تھے، اور بعض ان چیزوں سے وضوٹوٹنے کے قائل نہیں تھے، اور بعض آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضوٹوٹنے کے قائل تھے، اور بعض اس سے وضوٹوٹنے کے قائل نہیں تھے، اور بعض اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹنے کے قائل تھے، اور بعض اس سے وضوٹوٹنے کے قائل نہیں تھے۔

اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب اور امام شافعی وغیرہ، مالکیہ وغیرہ ائمۂ مدینہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، جبکہ وہ حضرات بسم اللہ نہ تو سراً پڑھتے تھے، اور نہ جہراً، اور ہارون الرشید نے حجامہ کرانے کے بعد (وضو کیے بغیر) نماز میں امامت کرائی، اور امام ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، اور اس کا اعادہ نہیں کیا، اور امام مالک

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اقوال پر تعصب اختیار کرنا شروع کیا، ابتدائی لوگوں کا اپنے اکابر کے فعل کو پسند کرنا، ایک فطری چیز و تقاضہ کے درجہ میں تھا، تعصب کے طور پر نہیں تھا، پھر اس کے بعد آنے والے بہت سے حضرات تعصب میں بھی مبتلا ہو گئے، جس کی وجہ سے آپس کے اجتہادی و اختلافی مسائل میں ایک دوسرے کے خلاف شدت پیدا ہو گئی، سلف اس طرزِ عمل سے پاک ہیں، جن میں امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ متبوعین بھی داخل ہیں، پس اس تعصب و تشدد کی نسبت ان مقدس و پاکیزہ نفوس کی طرف کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے، اس کے بجائے اس طرح کے تعصب و تشدد کی نسبت خود ان متعصبین و متشددین متاخرین کی طرف ہی کرنا چاہئے، جس کے وہ خود ہی عنداللہ جواب دہ ہیں، اس کا الزام، سلف پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

نے ہارون الرشید کو یہ فتویٰ دیا تھا کہ حجامہ کرنے کے بعد وضو نہیں ٹوٹتا۔ [1]
اور امام احمد بن حنبل نکسیر اور حجامہ سے وضو ٹوٹنے کے قائل تھے (جبکہ فاحش خون نکلے) ان سے کہا گیا کہ اگر امام کا خون نکل جائے، اور وہ وضو نہ کرے، تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے، تو امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ میں امام مالک اور سعید بن مسیّب کے پیچھے کیسے نماز نہ پڑھوں گا (جو کہ نکسیر اور حجامہ کرانے پر اور بہت زیادہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں) [2]
اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے بارے میں مروی ہے کہ وہ عیدین کی نماز میں ابنِ عباس کی تکبیرات کہتے تھے (جن کی مقدار حنفیہ کی معروف چھ تکبیرات سے زیادہ تھی) کیونکہ ہارون الرشید اپنے دادا کی تکبیر کو پسند کیا کرتا تھا۔ [3]
اور امام شافعی نے امام ابو حنیفہ کی قبر کے قریب فجر کی نماز پڑھی، تو انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ادب میں قنوت نہیں پڑھا، اور فرمایا کہ بعض اوقات ہم اہلِ عراق کے مذہب کی طرف عدول کر لیتے ہیں۔
اور امام مالک نے منصور اور ہارون الرشید سے جو کچھ فرمایا، وہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔
اور بزازیہ میں ہے کہ حنفیہ کے دوسرے امام، یعنی امام ابو یوسف کے بارے میں

---

[1] یعنی امام ابو یوسف، جو دمِ مسفوح سے وضو ٹوٹنے کے قائل تھے، انہوں نے مجتہد ہونے کے باوجود، اجتہادی مسئلہ ہونے کی وجہ سے ہارون رشید کی اقتداء میں، خون نکلنے کے بعد، ان کے وضو نہ کرنے کے باوجود، نماز پڑھ لی، اور آج اگر کوئی اس مسئلہ میں امام مالک، یا ان کے متبع کی تقلید واقتداء کرنا چاہے، تو اس کو گوارا نہیں کیا جاتا۔ محمد رضوان۔

[2] معلوم ہوا کہ فقہی مذاہب، یا مسالک کے درمیان جو اختلاف ہے، وہ بہت قریب کا ہے، ان میں شدت یا جمود اختیار کرنا اور ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے کا طرزِ عمل اپنانا درست نہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہی ومجتہد فیہ امور میں مخالف امام کی اقتداء میں مطلق نماز جائز ہے، جس کی تفصیل ہم نے مستقل رسالہ میں بیان کر دی ہے۔ محمد رضوان۔

[3] یعنی امام محمد اور امام ابو یوسف، باوجودیکہ مجتہد تھے، لیکن عیدین کی نماز میں اپنے اجتہاد کے برعکس عمل کر لیا کرتے تھے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

یہ مروی ہے کہ انہوں نے جمعہ کے دن حمام سے غسل کر کے لوگوں کو نماز پڑھائی، اور لوگ چلے گئے، پھر یہ خبر دی گئی کہ حمام کے کنویں میں مرا ہوا چوہا پایا گیا ہے، تو امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ہم اس صورت میں اپنے مدینہ کے بھائیوں کے قول پر عمل کریں گے کہ جب پانی ''قلتین'' کی مقدار کو پہنچ جائے، تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، بزازیہ کی بات ختم ہوئی۔ [1]

اور امام **خجندی** سے **شافعی المذہب** شخص کے بارے میں سوال کیا گیا، جس نے ایک، یا دو سال تک نماز چھوڑے رکھی، پھر وہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کی طرف منتقل ہو گیا کہ اس پر نماز کی قضاء کس طرح واجب ہوگی، کیا وہ امام شافعی کے مذہب کے طریقہ پر قضاء نماز پڑھے گا، یا امام ابو حنیفہ کے مذہب کے طریقہ پر قضاء نماز پڑھے گا؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ جس مذہب کے مطابق بھی نماز اداء کر لے گا، جبکہ (اجتہاداً، یا تقلیداً) اس کے جائز ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو، تو نماز درست ہو جائے گی۔

اور **جامع الفتاویٰ** میں ہے کہ اگر کوئی حنفی یہ کہے کہ اگر میں نے فلانی عورت سے نکاح کیا، تو اسے تین طلاق ہیں، پھر اس نے شافعی سے فتویٰ لیا، جس نے اسے یہ فتویٰ دیا کہ اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوئی، اور اس کی یہ شرط باطل ہے، تو اس مسئلہ میں اس کو شافعی عالم کی تقلید و اتباع کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ بہت سے صحابہ اسی جانب ہیں۔ [2]

امام محمد نے اپنے ''امالی'' میں فرمایا کہ اگر کسی فقیہ نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ

---

[1] مگر آج ہمارے یہاں اکثر علماء اس پر ہرگز عمل کی اجازت دینے کے لیے تیار نہ ہوں گے۔ محمد رضوان۔

[2] یہ اسی اصول پر مبنی ہے کہ غیر مجتہد پر مذہبِ معین کا التزام واجب نہیں، لیکن آج اگر کوئی ہمارے یہاں امام شافعی کے قول کی تقلید کرنا چاہے، تو اس کو گوارا نہ کیا جائے گا، اور اس کے برعکس اسے شاید بعض علماء ''زانی'' قرار دینے سے بھی گریز نہ کریں، اور اس سے بائیکاٹ پر اتر آئیں۔ الامان والحفیظ۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

''انت طالق البتة ''اور وہ فقیہ ان لوگوں میں سے ہے، جو اِن الفاظ کو تین طلاقیں سمجھتا ہے، پھر اس کے خلاف قاضی نے اس کے ''رجعی'' طلاق ہونے کا فیصلہ کردیا، تو اس فقیہ کو اس عورت کے ساتھ رہنا سہنا جائز ہے، اور اسی طریقے سے ہر اس مسئلے کا حکم ہے، جس میں فقہاء کا اختلاف ہو، حرام ہونے کا مسئلہ ہو، یا حلال ہونے کا مسئلہ ہو، یا (غلام و باندی کو) آزاد کرنے کا مسئلہ ہو، یا مال لینے کا مسئلہ ہو، یا اس کے علاوہ ہو، جس فقیہ کے خلاف فیصلہ کیا جائے، اس کو قضائے قاضی کا لینا اور اپنی رائے کو چھوڑنا واجب ہے، اور جو قاضی نے اس پر لازم کیا، اس کو اپنے اوپر لازم کرنا، اور جو اس کو قاضی نے دیا، اس کو لینا ضروری ہے۔ [1]
امام محمد نے فرمایا کہ اسی طریقے سے اس شخص کا حکم ہے، جس کو کوئی علم نہیں، وہ کسی مسئلے میں مبتلا ہوگیا، جس کے متعلق اس نے فقہاء سے سوال کیا، جنہوں نے اس کو حلال، یا حرام کا فتویٰ دے دیا، اور مسلمانوں کے قاضی نے اس فتوے کے خلاف فیصلہ کردیا، اور یہ مسئلہ اُن مسائل میں سے ہے، جن میں فقہاء کا اختلاف ہوتا ہے، تو اس کو قاضی کے فیصلے کو لینا، اور فقہاء نے جو فتویٰ دیا، اس کو چھوڑنا ضروری ہے، امام محمد کی بات ختم ہوئی۔ اور ہم نے اس مقام پر کلام کو بہت زیادہ طویل کردیا ہے۔

واللہ وحدہ اعلم بالصواب. وربنا الرحمن المستعان علی ما تصفون (الانصاف)

پس شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک اجتہادی مسائل میں مجتہد کو اجتہاد کی پیروی کا حکم ہے، اور عامی کو ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی بھی تقلید و اتباع کر لینا جائز ہے، اور اجتہادی اختلافات کو ضرورت سے زیادہ بڑھانا چڑھانا، اور مخطی کو عاصی سمجھنا، درست نہیں۔

---

[1] لیکن شاید ہی ہمارے یہاں کے علماء اس طرح کے عدالتی فیصلے، فتوے اور عمل کی اجازت دیں۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

علامہ ابنِ تیمیہ کی تائیدات

علامہ ابنِ تیمیہ کی تصریحات سے بھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہ اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

أما أنواع الاختلاف فهى فى الأصل قسمان :

اختلاف تنوع واختلاف تضاد.

واختلاف التنوع على وجوه منه ما يكون كل واحد من القولين أو الفعلين حقا مشروعا كما فى القراء ات التى اختلف فيها الصحابة حتى زجرهم رسول الله صلى الله عليه و سلم عن الاختلاف وقال كلاكما محسن.

ومثله اختلاف الأنواع فى صفة الأذان والإقامة والاستفتاح والتشهدات وصلاة الخوف وتكبيرات العيد وتكبيرات الجنازة إلى غير ذلک مما شرع جميعه وإن كان قد يقال إن بعض أنواعه أفضل.

ثم نجد لكثير من الأمة فى ذلک من الاختلاف ما أوجب اقتتال طوائف منهم كاختلافهم على شفع الإقامة وإيتارها ونحو ذلک وهذا عين المحرم.

ومن لم يبلغ هذا المبلغ فتجد كثيرا منهم فى قلبه من الهوى لأحد هذه الأنواع والإعراض عن الآخر أو النهى عنه ما دخل به فيما نهى عنه النبى صلى الله عليه و سلم .

ومنه ما يكون كل من القولين هو فى الواقع فى معنى قول الآخر لكن العبارتان مختلفتان كما قد يختلف كثير من الناس فى ألفاظ

الحدود والتعريفات وصيغ الأدلة والتعبير عن المسميات وتقسيم الأحكام وغير ذلك، ثم الجهل أو الظلم هو الذى يحمل على حمد إحدى المقالتين وذم الأخرى.

ومنه ما يكون المعنيان غيرين لكن لا يتنافيان فهذا قول صحيح وذلك قول صحيح وإن لم يكن معنى أحدهما هو معنى الآخر وهذا كثير فى المنازعات جدا.

ومنه ما يكون طريقتان مشروعتان ولكن قد سلك رجل أو قوم هذه الطريقة وآخرون قد سلكوا الأخرى وكلاهما حسن فى الدين. ثم الجهل أو الظلم يحمل على ذم أحدهما أو تفضيله بلا قصد صالح أو بلا علم أو بلا نية .

وأما اختلاف التضاد فهو القولان المتنافيان إما فى الأصول وإما فى الفروع عند الجمهور الذين يقولون المصيب واحد وإلا فمن قال كل مجتهد مصيب فعنده هو من باب اختلاف التنوع لا اختلاف التضاد.

فهذا الخطب فيه أشد لأن القولين يتنافيان لكن نجد كثيرا من هؤلاء قد يكون القول الباطل الذى مع منازعه فيه حق ما أو معه دليل يقتضى حقا ما فيرد الحق فى هذا الأصل كله حتى يبقى هذا مبطلا فى البعض كما كان الأول مبطلا فى الأصل كما رأيته لكثير من أهل السنة فى مسائل القدر والصفات والصحابة وغيرهم.

وأما أهل البدعة :فالأمر فيهم ظاهر وكما رأيته لكثير من الفقهاء ، أو لأكثر المتأخرين فى مسائل الفقه، وكذلك رأيت الاختلاف كثيرا بين بعض المتفقهة، وبعض المتصوفة، وبين فرق

www.idaraghufran.org

المتصوفة، ونظائره كثيرة.

ومن جعل الله له هداية ونورا رأى من هذا ما يتبين له به منفعة ما جاء في الكتاب والسنة :من النهى عن هذا وأشباهه، وإن كانت القلوب الصحيحه تنكر هذا ابتداء ، لكن نور على نور.

وهذا القسم -الذى سميناه :اختلاف التنوع -كل واحد من المختلفين مصيب فيه بلا تردد، لكن الذم واقع على من بغى على الآخر فيه، وقد دل القرآن على حمد كل واحد من الطائفتين فى مثل ذلک إذا لم يحصل بغى. كما فى قوله :"ما قطعتم من لينة أو تركتموها قائمة على أصولها فبإذن الله" وقد كانوا اختلفوا فى قطع الأشجار فقطع قوم وترک آخرون.

وكما فى قوله :"وداود وسليمان إذ يحكمان فى الحرث إذ نفشت فيه غنم القوم وكنا لحكمهم شاهدين – ففهمناها سليمان وكلا آتينا حكما وعلما" فخص سليمان بالفهم وأثنى عليهما بالعلم والحكم.

وكما فى إقرار النبى صلى الله عليه وسلم -يوم بنى قريظة لمن صلى العصر فى وقتها، ولمن أخرها إلى أن وصل إلى بنى قريظة.

وكما فى قوله صلى الله عليه وسلم :إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر. ونظائره كثيرة.

وإذا جعلت هذا قسما آخر صار الاختلاف ثلاثة أقسام .

وأما القسم الثانى من الاختلاف المذكور فى كتاب الله :فهو ما حمد فيه إحدى الطائفتين، وهم المؤمنون، وذم فيه الأخرى ......

وأكثر الاختلاف الذى يؤول إلى الأهواء بين الأمة من القسم

www.idaraghufran.org

الأول وكذلك آل إلى سفك الدماء، واستباحة الأموال، والعداوة والبغضاء؛ لأن إحدى الطائفتين لا تعترف للأخرى بما معها من الحق ولا تنصفها بل تزيد على ما مع نفسها من الحق زيادات من الباطل والأخرى كذلك.

وكذلك جعل الله مصدره البغي في قوله: "وما اختلف فيه إلا الذين أوتوه من بعد ما جائتهم البينات بغيا بينهم" لأن البغي: مجاوزة الحد (اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم، لابن تيمية، ص ۱۴۸ الیٰ ۱۵۶، القسم الثانی، فصل فی ذكر الأدلة على الأمر بمخالفة الكفار عموما وفي أعيادهم خصوصا، انواع الاختلاف)

ترجمہ: جہاں تک اقسامِ اختلاف کا تعلق ہے، تو وہ بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں، ایک کا نام ''اختلافِ تنوع'' ہے، اور دوسری کا نام ''اختلافِ تضاد'' ہے۔

اور ''اختلافِ تنوع'' کی مختلف صورتیں ہیں، جن میں سے ایک صورت وہ ہے کہ دو اقوال، یا دو افعال میں سے ہر ایک حق اور مشروع ہو، جیسا کہ قرآن کی وہ تمام قرائتیں، جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سلسلہ میں اختلاف کرنے سے تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ تم دونوں اچھا عمل کرنے والے ہو۔

اور اسی طرح اذان اور اقامت اور نماز شروع کرنے کی دعاؤں اور تشہد کے صیغوں اور نمازِ خوف اور عید کی تکبیرات اور جنازہ کی تکبیرات اور ان کے علاوہ ان تمام اعمال کے طریقوں کی مختلف انواع ہیں، جو سب کی سب مشروع ہیں، اگرچہ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ بعض انواع افضل ہیں (لیکن اس کے باوجود یہ اختلافِ تنوع میں ہی داخل ہیں)

پھر امت کے بہت سے افراد کو ہم اس سلسلہ میں ایسے اختلاف میں مبتلا پاتے

ہیں، جو اِن میں سے بعض جماعتوں کے ساتھ قتال تک کو ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ اقامت دو دو مرتبہ، یا ایک ایک مرتبہ کہنا اور اس کے علاوہ دوسرے مسائل میں اختلاف، اور یہ (یعنی اس قسم کے مسائل میں مذکورہ تشدد اختیار کرنا) بذاتِ خود حرام کام ہے (لیکن ان مسائل میں سے کسی ایک شق پر عمل کرنا حرام کام نہیں)

اور جو لوگ اس حد تک نہیں پہنچے (کہ ان مسائل میں ایک دوسرے سے قتال کے مرتکب ہوں) تو اُن میں سے اکثر کو آپ اس حالت میں مبتلا پائیں گے کہ ان کے دل میں ان مسائل کی بعض جہات کے لیے خواہش ہوگی، اور دوسری جہات سے اعراض ہوگا، یا ان کی دل میں ممانعت ہوگی، اور یہ طریقے (خواہ قتال کی شکل میں ہوں، یا ایک صورت سے اعراض وممانعت کی شکل میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منع کردہ چیزوں میں داخل ہیں۔ [1]

اور ''اختلافِ تنوع'' کی ایک صورت یہ ہے کہ دونوں قولوں میں سے ہر ایک دوسرے قول کے معنیٰ میں ہو، لیکن دونوں کی عبارات مختلف ہوں، جیسا کہ بعض اوقات بہت سے حضرات کا حدود اور تعریفات کے الفاظ میں اختلاف ہوتا ہے، اور دلائل کے صیغوں میں اور چیزوں کے ناموں کی تعبیر میں اور احکام کی تقسیم وغیرہ میں اختلاف ہوتا ہے، پھر جہل، یا ظلم ان دو اقوال میں سے ایک کی تعریف پر اور دوسرے کی برائی کرنے پر ابھار دیتا ہے۔ [2]

اور ''اختلافِ تنوع'' کی ایک صورت یہ ہے کہ جن کے معنیٰ ایک دوسرے سے

---

[1] یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے امور اور غلو سے منع کیا ہے۔ محمد رضوان۔

[2] یعنی اگرچہ مندرجہ بالا نوعیت کا اختلاف ایک دوسرے کے متعارض نہیں ہوتا، لیکن جہالت، یا تعصب وظلم وغیرہ، ان میں سے ایک عمل کی تعریف اور دوسرے کی برائی پر ابھار دیتا ہے۔

افسوس کہ اس طرزِ عمل میں موجودہ دور کے بہت سے علماء داخل ہیں، جو خود اپنی اصلاح کرنے کے بجائے اس طرزِ عمل کی اصلاح کی طرف متوجہ کرنے والوں کے ہی درپے ہوتے ہیں۔ محمد رضوان۔

مختلف ہوں، لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے متنافی نہ ہوں، اور یہ قول بھی صحیح ہو اور ان میں سے دوسرا قول بھی صحیح ہو، اگرچہ ان میں سے ایک، دوسرے کے معنیٰ میں نہ ہو، اور آپس کے تنازعات میں اس طرح کے مسائل بہت زیادہ ہیں۔ [1]

اور ''اختلافِ تنوع'' کی ایک صورت یہ ہے کہ دونوں طریقے مشروع ہوں، لیکن ایک آدمی، یا ایک قوم اس طریقہ پر چلے، اور دوسرے لوگ دوسرے طریقہ پر چلیں، اور دونوں طریقے دین میں اچھے ہوں، پھر جہل، یا ظلم ان میں سے ایک کی برائی، یا فضیلت پر ابھار دے، جس میں نیک ارادہ شامل نہ ہو، یا علم کے بغیر ایسا کرے، یا نیت کے بغیر ایسا کرے۔ [2]

جہاں تک کہ ''اختلافِ تضاد'' کا تعلق ہے، تو وہ ایسے دو قول کہلاتے ہیں، جو ایک دوسرے کے متنافی اور مقابل ہوں، یا تو اصول میں، یا فروع میں، جمہور کے نزدیک جو اس بات کے قائل ہیں کہ مجتہد مصیب ایک ہوتا ہے، ورنہ جو حضرات ہر مجتہد کے مصیب ہونے کے قائل ہیں، تو ان کے نزدیک یہ بھی اختلافِ تنوع کے باب سے ہی تعلق رکھتا ہے، اختلافِ تضاد کے باب سے تعلق نہیں رکھتا۔

پس اس ''اختلافِ تضاد'' کا معاملہ زیادہ شدید ہے، کیونکہ یہاں دونوں قول ایک دوسرے کے منافی ہوتے ہیں، لیکن ہم ان میں سے بیشتر کو اس حال میں پاتے

---

[1] اس قسم کے مسائل میں بھی جہالت، یا تعصب کی بنیاد پر بہت سے لوگوں نے تشدد کی فضاء قائم کرلی ہے، جس کی وجہ سے یہ اختلاف، تنوع کے بجائے متضاد معلوم ہونے لگا ہے۔ محمد رضوان۔

[2] چنانچہ فقہ میں بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ مثلاً امام شافعی وغیرہ نے ایک طریقہ کو اختیار کیا، اور امام ابوحنیفہ نے دوسرے طریقہ کو اختیار کیا، مگر ان میں سے کسی طریقہ کو دوسرے نے بُرا نہ کہا، اور شرعی دلائل سے دونوں کا ثبوت پایا جاتا ہے، جیسا کہ نماز میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا، لیکن بعد میں مختلف اسباب نے ان میں تشدد پیدا کر دیا، اور ایک نے دوسرے کی قباحت بیان کرنا شروع کردی، جیسا کہ آج کل اس پر بے شمار تحریرات وتقریرات شاہد ہیں، پھر ان متشددین نے یہ ظلم بھی کیا کہ جو شخص ان کو اس غلطی اور ان کے تشدد کی اصلاح کی طرف متوجہ کرے، انہوں نے اس کے تدین پر بھی حملہ کرنا شروع کر دیا، اللہ ان کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

ہیں کہ وہ قول، جس کے ساتھ باطل کی منازعت ہوتی ہے، اس میں بھی فی الجملہ حق موجود ہوتا ہے، یا اس کے ساتھ ایسی دلیل ہوتی ہے، جو فی الجملہ حق کا تقاضا کرتی ہے، پس وہ اس اصل کے کلی حق ہونے کی تردید کر دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کا جزوی حیثیت سے باطل ہونا باقی رہ جاتا ہے، جیسا کہ اول بھی اصل میں باطل کرنے والا تھا (یعنی ہر ایک کے ساتھ فی الجملہ حق کا تقاضا، یا حق کی دلیل ہونے کی وجہ سے کسی ایک کا بھی بالکلیہ بطلان ثابت نہیں ہوتا، اور دونوں میں سے ہر ایک کے حق وصواب پر ہونے کا احتمال موجود ہوتا ہے) جیسا کہ آپ تقدیر اور صفاتِ الٰہی کے مسائل میں بیشتر اہلُ السنہ والجماعۃ اور صحابہ وغیرہ کے اختلاف کو دیکھتے ہیں۔

اور رہے اہلِ بدعت، تو ان میں اُن کا حکم ظاہر ہے (کہ ان کے ساتھ فی الجملہ حق ہونے کی معتبر دلیل نہیں ہوتی) اور جیسا کہ آپ اکثر فقہاء کو دیکھتے ہیں، یا اکثر متاخرین کو فقہ کے مسائل میں دیکھتے ہیں، اور اسی طریقہ سے اکثر اختلاف کو بعض پرُتکلف فقہاء اور بعض پرُتکلف صوفیاء میں دیکھتے ہیں، یا بعض پرتکلف صوفیاء کے فرقوں کے درمیان دیکھتے ہیں، اور اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں (کہ یہ سب ''اختلافِ تضاد'' کی صورتیں ہوتی ہیں)

اور جس کو اللہ ہدایت اور نور عطاء فرمادے، تو اس طرح کے مسائل میں اس کے سامنے کتاب وسنت سے نفع والی چیز ظاہر ہوجاتی ہے، جس میں اس سے، یا ان جیسی چیزوں سے ممانعت آئی ہے (کہ اس طرح کے اختلافات میں شدت نہ اختیار کی جائے، اور ان کو اختلافِ تضاد کا درجہ دینے سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے) اگرچہ صحیح قلوب اس کا ابتداءً انکار کرتے ہیں، لیکن نور پر نور ہونے سے کتاب وسنت سے رجحان ظاہر ہوجاتا ہے، اور یہ قسم جس کا نام ہم نے ''اختلافِ تنوع'' رکھا ہے، ان میں اختلاف کرنے والوں میں سے ہر ایک بلاتردد مصیب

ہوتا ہے، لیکن مذمت ایک کے دوسرے پر زیادتی کی وجہ سے واقع ہوتی ہے، کیونکہ قرآن مجید نے اس جیسی دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک کی تعریف پر دلالت کی ہے، جب تک کہ زیادتی واقع نہ ہو، جیسا کہ (سورہ حشر میں) اللہ تعالیٰ کے قول ''مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلٰى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ'' میں کہ صحابۂ کرام کا درختوں کے کاٹنے میں اختلاف ہوا تھا، بعضوں نے درختوں کو کاٹ دیا تھا، اور دوسروں نے چھوڑ دیا تھا (مگر ان دونوں کاموں کو اللہ کی اجازت سے قرار دیا گیا)

اور جیسا کہ (سورہ انبیاء میں) اللہ تعالیٰ کے قول ''وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ - فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا'' میں کہ اللہ نے حضرت سلیمان کو فہم کے ساتھ مختص فرمایا، لیکن ان دونوں کی علم اور حکمت پر تعریف فرمائی۔

اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی قریظہ کے دن اس شخص کے لیے جس نے عصر کو اپنے وقت پر پڑھا، اور اس کے لیے جس نے بنی قریظہ میں پہنچ کر مؤخر کر کے پڑھا، دونوں کو ثابت رکھنا۔

اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ ''جب حاکم اجتہاد کرے اور درست اجتہاد کرے، تو اسے دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور جب اجتہاد میں خطاء کرے، تو اس کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے'' نصوص میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

اور جب آپ اس کو دوسری قسم قرار دے دیں، تو اختلاف کی تین اقسام بن جائیں گی (یعنی تیسری قسم ایسے ''اختلافِ تضاد'' کی ہوگی، جن میں سے ہر ایک برحق اور مشروع ہے)

اور اختلاف کی دوسری قسم، جس کا کتابُ اللہ میں ذکر ہے، وہ ایسی ہے کہ جس میں

دو جماعتوں میں سے ایک کی تعریف کی گئی ہے، جو کہ مومنین کی جماعت ہے، اور دوسرے کی مذمت بیان کی گئی ہے، جو کہ کافروں کی جماعت ہے......

اور امت کے درمیان اکثر اختلافات، جو خواہش پرستی تک پہنچ گئے، ان کا تعلق پہلی قسم سے تھا، اور اسی طریقہ سے خون ریزی تک پہنچ گئے، اور ایک دوسرے کے مال و دولت کو مباح سمجھنے تک پہنچ گئے، اور عداوت اور بغض تک پہنچ گئے، کیونکہ دونوں جماعتوں میں سے کوئی جماعت دوسری جماعت کے ساتھ جو حق ہے، اس کا اعتراف نہیں کرتی، اور نہ اس کو آدھا حق فراہم کرنے کے لیے تیار ہوتی، بلکہ اپنے ساتھ جو حق ہوتا ہے، اس کے ساتھ باطل کو زیادہ کر دیتی ہے، اور دوسری جماعت بھی اسی طرح کرتی ہے۔

اور اسی طریقہ سے اللہ نے اس کی بنیاد ''زیادتی'' کو قرار دیا ہے، جیسا کہ (سورہ بقرہ میں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ'' کیونکہ ''بغی'' دراصل حد سے تجاوز کرنے کو کہا جاتا ہے (اقتضاء الصراط المستقیم)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ فقہائے مجتہدین کے مابین بیشتر مسائل کا اختلاف، تنوّع کے قبیل سے ہے، جس میں دونوں طرف کے حضرات مصیب ہیں، البتہ کچھ اختلاف تضاد کے قبیل سے ہے، مگر وہ بھی باطل نہیں، بلکہ ایک درجہ کے صواب و خطاء کا اختلاف ہے، اور احادیث سے مخطی کو بھی اجر کا حاصل ہونا ثابت ہے، لیکن اس میں تعصب و تشدد اختیار کرنا، اجر و ثواب کے بجائے گناہ کا باعث ہے۔

حکیمُ الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''احکامُ الایتلاف فی احکام الاختلاف'' میں فرماتے ہیں کہ:

جو اختلاف، ایسے امرِ دینی میں ہو، جو فروع میں سے ہے، اور دلیل سے ہو، خواہ دلیل نص ہو، یا اپنا اجتہاد ہو، یا اپنے کسی متبوع صالح للمتبوعیۃ (یعنی ایسے مجتہد

وِ محقق یا مفتی) کا اجتہاد، یا فتویٰ ہو (جو اتباع وتقلید کی صلاحیت واہلیت رکھتا ہو)
اور یہی ہے وہ اختلاف، جوامتِ مرحومہ کی جماعتِ حقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے اس وقت تک چلا آ رہا ہے۔
اور مبنیٰ اس اختلاف کا اسبابِ متعددہ ہیں، جو کتبِ اصول وتصانیفِ حضرت شاہ ولی اللہ ورسالہ رفعُ الملام لابنِ تیمیۃ وغیرھا میں مدون ہیں (''رسالہ: احکامُ الایتلاف فی احکام الاختلاف'' فصلِ دوم، مشمولہ: بوادر النوادر، ص ۶۷۱، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور پاکستان، مطبوعہ: اگست ۱۹۸۵ء)

حکیمُ الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے علامہ ابن تیمیہ (المتوفیٰ: 728ھ) کے جس رسالہ ''رفعُ الملام'' کا حوالہ نقل فرمایا ہے، اس رسالہ کا مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی واجبُ الاتباع بتلانا، اور کسی دوسرے کو واجبُ الاتباع سمجھنے سے منع کرنا، اور ائمۂ مجتہدین کی شان میں زبان درازی سے بچانا، اور اُن کے بعض اقوال کے، احادیث کے خلاف ہونے سے متعلق اعذار کو بیان کرنا، اور اُن کے اقوال کے برخلاف صحیح حدیث موجود ہونے کی صورت میں ان کے اقوال کو ترک کر کے حدیث پر عمل کرنے کی اہمیت کو بیان کرنا ہے۔
چنانچہ مذکورہ رسالہ کے شروع میں ہی علامہ ابنِ تیمیہ نے فرمایا کہ:

وليعلم أنه ليس أحد من الأئمة –المقبولين عند الأمة قبولا عاما– يتعمد مخالفة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى شىء من سنته؛ دقيق ولا جليل .

فإنهم متفقون اتفاقا يقينيا على وجوب اتباع الرسول صلى الله عليه وسلم. وعلى أن كل أحد من الناس يؤخذ من قوله ويترك, إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم . ولكن إذا وجد لواحد منهم قول قد جاء حديث صحيح بخلافه, فلا بد له من عذر فى تركه

(رفع الملام عن الأئمة الأعلام ، ص۸، ۹، العلماء وموالاتهم)

ترجمہ: اور یہ بات معلوم ہوجانی چاہیے کہ امت کے نزدیک جو ائمہ مقبولین ہیں، ان میں سے کسی نے بھی جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کی مخالفت نہیں کی، خواہ وہ سنت دقیق ہو، یا جلی اور واضح ہو، اور وہ تمام ائمہ یقینی طور پر اس بات کے اوپر متفق ہیں کہ رسول کی اتباع واجب ہے، اور تمام ائمہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ لوگوں میں سے ہر ایک کے قول سے لیا بھی جائے گا، اور چھوڑا بھی جائے گا، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (کہ آپ کا ہر حکم قابلِ اتباع ہے) لیکن جب ائمہ میں سے کسی کا کوئی قول ایسا پایا جائے کہ کوئی صحیح حدیث اس کے خلاف آئی ہو، تو اس امام کو اس کے ترک کرنے میں کوئی عذر ہوتا ہے (رفع الملام)

مطلب یہ ہے کہ جب تمام ائمہ متبوعین رسول کی اتباع پر متفق ہیں، اور رسول کے مقابلہ میں دوسرے کے ہر قول وفعل کو واجب الاتباع نہیں سمجھتے، تو وہ کیونکر قصداً وعمداً کسی حدیث کی مخالفت کریں گے، اور ان کے جو اقوال احادیث کے خلاف ملتے ہیں، ان میں وہ اپنی ذات کی حد تک معذور ہیں، اس لیے وہ گناہ گار نہیں۔

چنانچہ مذکورہ عبارت کے بعد علامہ ابنِ تیمیہ نے بعض اقوالِ ائمہ کے، مختلف احادیث کے خلاف ہونے کے اعذار کو ذکر کیا ہے، جن میں پہلا سبب اُن کو متعلقہ احادیث، نہ پہنچنے کا بیان کیا ہے، اور سلف کے اقوال، بعض احادیث کے مخالف ہونے کے اس سبب کو اکثر اور غالب قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا احاطہ، امت میں سے کسی کے لیے ممکن نہیں۔ [1]

---

[1] وجميع الأعذار ثلاثة أصناف:

أحدها: عدم اعتقاده أن النبى صلى الله عليه وسلم قاله.

والثانى: عدم اعتقاده إرادة تلك المسألة بذلك القول.

والثالث: اعتقاده أن ذلك الحكم منسوخ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مگر ہم نے آج کے زمانے میں بہت سے حنفیوں کو دیکھا کہ جب ان کے سامنے کوئی ایک نہیں، کئی معتبر اور صحیح ایسی احادیث آجاتی ہیں، جو امام ابوحنیفہ کے قول کے خلاف ہوتی ہیں، تو وہ ان میں طرح طرح کی اور دور دراز کی تاویلات وتوجیہات شروع کر دیتے ہیں، اور سیدھے انداز میں یہ بات نہیں کہتے کہ ممکن ہے یہ احادیث امام ابوحنیفہ تک صحیح سند کے ساتھ نہ پہنچی ہوں، بلکہ اس بات کو سننا تک بھی گوارا نہیں کرتے۔

پھر علامہ ابنِ تیمیہ نے کسی امام کے حدیث کے خلاف قول ہونے کے مذکورہ سبب کے تفصیلی دلائل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ:

فمن اعتقد أن كل حديث صحيح قد بلغ كل واحد من الأئمة، أو إماما معينا فهو مخطء خطأ فاحشا قبيحا.

ولا يقولن قائل: إن الأحاديث قد دونت وجمعت؛ فخفاؤها والحال هذه بعيد، لأن هذه الدواوين المشهورة فى السنن إنما جمعت بعد انقراض الأئمة المتبوعين، ومع هذا فلا يجوز أن يدعى انحصار حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فى دواوين معينة.

ثم لو فرض انحصار حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها، فليس كل ما فى الكتب يعلمه العالم, ولا يكاد ذلک يحصل لأحد،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهذه الأصناف الثلاثة تتفرع إلى أسباب متعددة:

السبب الأول:

أن لا يكون الحديث قد بلغه, ومن لم يبلغه الحديث لم يكلف أن يكون عالما بموجبه, وإذا لم يكن قد بلغه —وقد قال فى تلک القضية بموجب ظاهر آية أو حديث آخر؛ أو بموجب قياس؛ أو موجب استصحاب— فقد يوافق ذلک الحديث تارة, ويخالفه أخرى.

وهذا السبب: هو الغالب على أكثر ما يوجد من أقوال السلف مخالفا لبعض الأحاديث.

فإن الإحاطة بحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم لم تكن لأحد من الأمة(رفع الملام عن الأئمة الأعلام، ص ۹،اسباب ترک الحديث ، السبب الاول من لم يبلغه الحديث)

بل قد يكون عند الرجل الدواوين الكثيرة وهو لا يحيط بما فيها.

بل الذين كانوا قبل جمع هذه الدواوين كانوا أعلم بالسنة من المتأخرين بكثير ، لأن كثيرا مما بلغهم وصح عندهم قد لا يبلغنا إلا عن مجهول ، أو بإسناد منقطع؛ أو لا يبلغنا بالكلية ،فكانت دواوينهم صدورهم التى تحوى أضعاف ما فى الدواوين ،وهذا أمر لا يشک فيه من علم القضية.

ولا يقولن قائل :من لم يعرف الأحاديث كلها لم يكن مجتهدا . لأنه إن اشترط فى المجتهد علمه بجميع ما قاله النبى صلى الله عليه وسلم وفعله فيما يتعلق بالأحكام :فليس فى الأمة على هذا مجتهد،وإنما غاية العالم :أن يعلم جمهور ذلک ومعظمه ،بحيث لا يخفى عليه إلا القليل من التفصيل ،ثم إنه قد يخالف ذلک القليل من التفصيل الذى يبلغه (رفع الملام عن الأئمة الأعلام ، ص ١٧ ،و ١٨ ،اسباب ترک الحديث ، السبب الاول من لم يبلغه الحديث)

ترجمہ: پس جس شخص نے یہ عقیدہ رکھا کہ ہر صحیح حدیث، ائمہ میں سے ہر ایک کو، یا کسی مخصوص امام کو پہنچ گئی تھی، تو اس نے فاحش اور قبیح خطاء کا ارتکاب کیا (کیونکہ اس کا مطلب سوائے اس کے کوئی نہیں کہ ان ائمہ، یا اس امام نے حدیث پہنچنے کے باوجود، اس کو رَد کردیا، جبکہ یہ بات ان کے اجماع کے خلاف ہے)

اور کسی کہنے والے کو ہرگز یہ بات کہنے کی گنجائش نہیں کہ احادیث مدون اور جمع ہوچکی تھیں، لہٰذا اس حالت میں کسی امام سے احادیث کا مخفی رہنا، بعید ہے، کیونکہ مشہور سنن میں جو یہ احادیث مدون ہیں، تو یہ ائمۂ متبوعین کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جمع ہوئی ہیں، علاوہ ازیں یہ دعویٰ کرنا جائز ہی نہیں کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا انحصار مخصوص مدون شدہ کتب میں ہی ہے۔

پھر اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے اُن (مدون شدہ ذخیرہ) میں انحصار کو فرض بھی کرلیا جائے، تو کتابوں میں موجود، ہر حدیث کا عالم کو جاننا ضروری نہیں، اور یہ بات کسی کے لیے بھی حاصل ہونا ممکن نہیں، بلکہ بعض اوقات ایک شخص کے پاس، احادیث کا کثیر ذخیرہ موجود ہوتا ہے، لیکن وہ اُن کا احاطہ نہیں کرپاتا۔

بلکہ وہ حضرات، جو ان مدون شدہ ذخیرہ سے پہلے تھے، وہ متاخرین کے مقابلہ میں سنت کا بہت زیادہ علم رکھتے تھے، کیونکہ ان کو پہنچنے والا کثیر حصہ، جو ان کے نزدیک صحیح ہوتا تھا، وہ بعض اوقات ہم تک مجہول طریقہ سے ہی پہنچتا تھا، یا اس کی سند منقطع ہوتی تھی، یا ہم تک بالکل بھی نہیں پہنچتا تھا، کیونکہ ان کا مدون ذخیرہ ان کے سینوں میں محفوظ ہوتا تھا، جو اس سے کہیں زیادہ محفوظ تھا، جو مدون کتابوں میں محفوظ ہے، اور یہ ایسا امر ہے کہ جس میں اس قضیہ کا علم رکھنے والا شک نہیں کرسکتا۔

اور کوئی کہنے والا یہ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ جو شخص تمام احادیث کو نہ پہچانے، وہ مجتہد (مطلق) نہیں ہوسکتا (پھر بعض احادیث نہ پہنچنے والے حضرات کو مجتہدِ مطلق کیسے قرار دیا گیا)

کیونکہ مجتہد (مطلق) کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ان اقوال وافعال کا علم اگر شرط ہو، جو احکام سے متعلق ہیں، تو اس شرط کے مطابق تو امت میں کوئی بھی مجتہد نہیں ہوسکتا (جیسا کہ گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوا) بلکہ عالم کی غایت وانتہاء (یعنی انتہائی درجہ کا علم) صرف یہ ہے کہ وہ اس طرح کے جمہور اور بڑے حصہ کا علم رکھتا ہو، اس طور پر کہ اس سے تفصیل کا تھوڑا حصہ ہی مخفی ہو، پھر بعض اوقات وہ (مخفی رہنے والا) قلیل حصہ، اس تفصیل کے مخالف ہوجاتا ہے، جو اس کو پہنچا (رفع الملام)

ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ موجودہ زمانے کے بڑے بڑے اصحابِ علم اور مشائخ کے پاس احادیث کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے، لیکن ان کو ان تمام احادیث کا احاطہ نہیں ہوتا۔

پھر مذکورہ رسالہ میں ہی علامہ ابنِ تیمیہ نے فرمایا کہ:

الغرض: أنه فى نفسه قد يكون معذورا فى تركه له, ونحن معذورون فى تركنا لهذا الترك .وقد قال سبحانه:"تلك أمة قد خلت لها ما كسبت ولا تسألون عما كانوا يعملون"وقال سبحانه:"فإن تنازعتم فى شىء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر"

وليس لأحد أن يعارض الحديث الصحيح عن النبى صلى الله عليه وسلم بقول أحد من الناس ، كما قال ابن عباس –رضى الله عنهما– لرجل سأله عن مسألة فأجابه فيها بحديث ، فقال له:"قال أبو بكر وعمر"فقال ابن عباس:"يوشك أن تنزل عليكم حجارة من السماء أقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، وتقولون قال أبو بكر وعمر؟!"

وإذا كان الترك يكون لبعض هذه الأسباب؛ فإذا جاء حديث صحيح فيه تحليل أو تحريم أو حكم؛ فلا يجوز أن يعتقد أن التارك له من العلماء الذين وصفنا أسباب تركهم يعاقب؛ لكونه حلل الحرام ، أو حرم الحلال؛ أو حكم بغير ما أنزل الله. وكذلك إن كان فى الحديث وعيد على فعل: من لعنة أو غضب أو عذاب ونحو ذلك؛ فلا يجوز أن يقال: إن ذلك العالم الذى أباح هذا، أو فعله، داخل فى هذا الوعيد.

www.idaraghufran.org

وهـذا مـما لا نعلم بين الأمة فيه خلافا ، إلا شيـئـا يحكى عن بعض معتزلة بغداد،مثل المريسى وأضرابه: أنهم زعموا أن المخطء من المجتهدين يعاقب على خطئه.

وهـذا لأن لـحوق الـوعيـد لـمـن فـعـل الـمحرم مشروط بعلمـه بالتحريم؛ أو بتمكنه من العلم بالتحريم؛ فإن من نشأ ببادية أو كان حـديـث عهد بالإسلام ، وفـعـل شيـئـا مـن الـمـحرمات غير عالم بتـحريمها ، لـم يأثم، ولم يحد ، وإن لـم يستـنـد فى استحلاله إلى دليل شرعى.

فـمـن لـم يبـلـغه الحديث المحرم، واستـنـد فى الإباحة إلى دليل شرعى، أولى أن يكون معذورا.

ولهـذا كـان هـذا مـأجورا مـحـمـودا لأجـل اجتهـاده قـال الله سبـحانه:"وداوود وسليمان إذ يحكمان فى الحرث إذ نفشت فيه غـنـم الـقوم وكنا لحكمهم شاهدين ،ففهمناها سليمان وكلا آتينا حـكـمـا وعـلـما" فاختص سليمان بالفهم؛ وأثنى عليهما بالحكم والعلم.

وفى "الصحيحين "عـن عـمرو بن العاص –رضى الله عنه–: أن الـنبـى صـلـى الله عليه وسلم قال:"إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران،وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر"

فتبيـن أن الـمـجتهـد مـع خـطـئـه لـه أجر؛ وذلـك لأجل اجتهاده، وخـطـؤه مغفور له؛ لأن دركـ الصواب فى جميع أعيان الأحكام، إمـا متعذر أو متعسر،وقـد قـال تـعالى:"وما جعل عليكم فى الدين

من حرج"وقال تعالی:"یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (رفع الملام عن الأئمة الأعلام ، ص ٣٦ الی ٣٩،الخطأ فی آراء العلماء لا فی ادلة الشرعية)

ترجمہ: غرض یہ ہے کہ وہ امام، اس حدیث کو ترک کرنے میں بذاتِ خود معذور ہوتا ہے، لیکن ہم اس امام کے، اس حدیث کو ترک کرنے کے، ترک کرنے میں معذور ہیں (یعنی جس طرح وہ امام اس حدیث کو ترک کرنے میں معذور ہے، اسی طرح ہم اس امام کے قول کو حدیث کی وجہ سے ترک کرنے میں معذور شمار ہوں گے، اور ہمارا اس حدیث پر مطلع ہونے کے بعد، اس حدیث کو ترک کرنا جائز نہ ہوگا) جس کی دلیل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ **"تلک أمة قد خلت لها ما کسبت ولا تسألون عما کانوا یعملون "** (یعنی وہ لوگ گزر چکے ہیں، ان کے لیے ان کے اعمال کا بدلہ ہے، اور ہم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں ہوگا، بلکہ ہم سے اپنے اعمال کے بارے میں سوال ہوگا)

اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

"فإن تنازعتم فی شیء فردوہ إلی اللہ والرسول إن کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر"

(یعنی اگر تمہارا کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہو، تو تم اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، پس ہم امام کے قول اور رسول کے قول میں اس اختلاف کو رسول ہی کی طرف لوٹائیں گے)

اور کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کا لوگوں میں سے کسی کے بھی قول کی وجہ سے معارضہ کرے، جیسا کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مسئلہ کے متعلق، سوال کرنے والے آدمی کو جواب دیتے ہوئے ایک حدیث

کو ذکر کیا، جس کے جواب میں اس آدمی نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا تو یہ قول ہے، تو ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ڈر ہے کہ تمہارے اوپر آسمان سے پتھر برسا دیئے جائیں، میں یہ کہتا ہوں کہ ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اور تم یہ کہتے ہو کہ ''قال أبو بکر وعمر'' (جس رسول کی حدیث کے سامنے ابوبکر وعمر کے قول کا بھی اعتبار نہیں، تو کسی امام کے قول کا کیونکر اعتبار ہوگا)

اور جب (کسی امام کی طرف سے) ان بعض اسباب کی وجہ سے حدیث کا ترک کرنا پایا گیا، تو جب کوئی ایسی حدیث آ جائے، جس میں حرام، یا حلال کا، یا کوئی دوسرا حکم موجود ہو، تو علماء وائمہ میں سے کسی کے اس حدیث کو ان اسباب کی وجہ سے ترک کرنے کی وجہ سے، جن کا ہم نے ذکر کیا، یہ اعتقاد رکھنا جائز نہیں ہوگا کہ اس امام کا مؤاخذہ کیا جائے گا، کیونکہ اس نے حرام کو حلال، یا حلال کو حرام قرار دے دیا ہے، یا اللہ کے نازل کردہ حکم کے برخلاف، حکم بیان کر دیا ہے، اور اسی طریقہ سے اگر حدیث میں کسی فعل پر لعنت، یا غضب، یا عذاب وغیرہ کی وعید وارد ہوئی ہو، تو یہ کہا جانا بھی جائز نہیں ہوگا کہ اس عالم نے اس فعل کو مباح قرار دے دیا، یا اس کا فعل اس وعید میں داخل ہے۔

اور ہمارے علم کے مطابق، اس بات میں (کہ اس امام کا مؤاخذہ نہیں ہوگا) امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، سوائے اس کے جو کچھ بغداد کے بعض معتزلہ سے مروی ہے، جیسا کہ مریسی اور اس کے جیسے لوگ، صرف ان معتزلہ کا گمان یہ ہے کہ مجتہدین میں سے خطاء کار کو اس کی خطاء پر سزا دی جائے گی۔

حالانکہ حرام فعل کا ارتکاب کرنے والے کو وعید کا لاحق ہونا، اس کے حرام کا علم ہونے، یا اس کو حرام کا علم ہونے کی قدرت کے ساتھ مشروط ہے، کیونکہ جو شخص

جنگل میں پیدا ہوا، یا نیا اسلام لایا، اور اس نے کسی حرام فعل کا ارتکاب کیا، جس کے حرام ہونے کا اسے علم نہیں تھا، تو وہ گناہ گار نہیں ہوتا، اور اس پر حد جاری نہیں کی جاتی، اگرچہ اس کا حلال سمجھنا، کسی دلیلِ شرعی پر مبنی نہ ہو۔

پس جس (امام ومجتہد) کو حرام قرار دینے والی حدیث پہنچی ہی نہیں، اور اس نے مباح قرار دینے والی دلیلِ شرعی کی طرف استناد کیا، تو وہ بدرجۂ اولیٰ معذور ہوگا۔

اور اسی وجہ سے وہ (امام ومجتہد) اپنے اجتہاد کی بناء پر ''ماجور ومحمود'' ہوگا، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**وداؤد وسليمان إذ يحكمان في الحرث إذ نفشت فيه غنم القوم وكنا لحكمهم شاهدين ،ففهمناها سليمان وكلا آتينا حكما وعلما**'' مذکورہ آیات میں حضرت سلیمان کو فہم کے ساتھ مختص کیا گیا ہے، اور دونوں حضرات کی حکم اور علم پر تعریف کی گئی ہے (معلوم ہوا کہ کسی مجتہد کی فہم کا عند اللہ صواب ہونا، اور نہ ہونا باعثِ اجر وثواب ہے)

اور صحیحین میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب حاکم اجتہاد کرے، اور وہ مصیب ہو، تو اس کو دو اجر حاصل ہوتے ہیں، اور جب وہ اجتہاد کرے، اور خطاء کا ارتکاب کرے، تو اس کو ایک اجر حاصل ہوتا ہے''

پس اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مجتہد کو خطاء کرنے کے باوجود ایک اجر حاصل ہوتا ہے، اور یہ اجر اس کو اس کے اجتہاد کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، اور اس کی خطاء کو معاف قرار دے دیا گیا ہے، کیونکہ تمام متعین احکام میں صواب کو پالینا، یا تو حرج کا باعث ہے، یا دشواری کا باعث ہے، اور (دشواری وتنگی کو اللہ نے امت سے ہٹا دیا، اور معاف کر دیا ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**وما جعل عليكم**

فی الدین من حرج ''اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر** '' (رفع الملام)

علامہ ابنِ تیمیہ نے کئی مقامات پر اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اجتہادی مسائل میں جو شخص بعض علماء کے قول پر عمل کرلے، تو اس پر نہ تو نکیر کی جائے گی، اور نہ ترکِ تعلق کیا جائے گا۔

چنانچہ ''مجموعُ الفتاویٰ'' میں ایک مقام پر ہے کہ:

هذه مسائل اجتهاد فمن فعل منها بقول بعض العلماء لم ينكر عليه ولم يهجر (مجموع الفتاوى، ج۲۴، ص ۱۶، كتاب الفقه، باب صلاة اهل الاعذار، سئل: عن سفر يوم من رمضان هل يجوز أن يقصر فيه ويفطر أم لا؟)

ترجمہ: یہ اجتہادی مسائل ہیں، پس جو شخص ان مسائل میں بعض علماء کے قول پر عمل کرے، تو اس پر نہ تو نکیر کی جائے گی، اور نہ ہی اس سے ترکِ تعلق کیا جائے گا (مجموع الفتاویٰ)

''مجموعُ الفتاویٰ'' میں ایک مقام پر اجتہادی مسائل کے سلسلہ میں ہے کہ:

وأما من ترجح عنده فضل إمام على إمام أو شيخ على شيخ بحسب اجتهاده كما تنازع المسلمون :أيهما أفضل الترجيع فى الأذان أو تركه؟ أو إفراد الإقامة أو تثنيتها؟ وصلاة الفجر بغلس أو الإسفار بها؟ والقنوت فى الفجر أو تركه؟ والجهر بالتسمية؛ أو المخافتة بها؛ أو ترك قراء تها؟ ونحو ذلک :فهذه مسائل الاجتهاد التى تنازع فيها السلف والأئمة فكل منهم أقر الآخر على اجتهاده من كان فيها أصاب الحق فله أجران ومن كان قد اجتهد فأخطأ فله أجر وخطؤه مغفور له فمن ترجح عنده تقليد الشافعى لم ينكر على من ترجح عنده تقليد مالک ومن ترجح

عنده تقليد أحمد لم ينكر على من ترجح عنده تقليد الشافعی ونحو ذلک .

ولا أحد فی الإسلام يجيب المسلمين كلهم بجواب عام :أن فلانا أفضل من فلان فيقبل منه هذا الجواب؛ لأنه من المعلوم أن كل طائفة ترجح متبوعها فلا تقبل جواب من يجيب بما يخالفها فيه كما أن من يرجح قولا أو عملا لا يقبل قول من يفتی بخلاف ذلک .

لكن إن كان الرجل مقلدا فليكن مقلدا لمن يترجح عنده أنه أولى بالحق فإن كان مجتهدا اجتهد واتبع ما يترجح عنده أنه الحق ولا يكلف الله نفسا إلا وسعها وقد قال تعالى :(فاتقوا الله ما استطعتم) لكن عليه أن لا يتبع هواه ولا يتكلم بغير علم قال تعالى :(ها أنتم هؤلاء حاججتم فيما لكم به علم فلم تحاجون فيما ليس لكم به علم) وقال تعالى (يجادلونک فی الحق بعدما تبين) وما من إمام إلا له مسائل يترجح فيها قوله على قول غيره ولا يعرف هذا التفاضل إلا من خاض فی تفاصيل العلم والله أعلم(مجموع الفتاوى،لابن تيمية،ج٢٠،ص٢٩٢،٢٩٣،كتاب أصول الفقه،الجزء الثانی: التمذهب، سئل:عن الشيخ عبد القادر أنه أفضل المشايخ والإمام أحمد أنه أفضل الأئمة فهل هذا صحيح أم لا)

ترجمہ: اور جس شخص کے نزدیک کسی امام کی دوسرے امام پر، یا کسی شیخ کی دوسرے شیخ پر اپنے حسبِ اجتہاد فضیلت کا ہونا، راجح ہو، جیسا کہ مسلمانوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اذان میں ''ترجیع'' افضل ہے، یا اس کا ترک کرنا

www.idaraghufran.org

افضل ہے؟ یا اکہری اقامت افضل ہے، یا دہری اقامت افضل ہے؟ اور فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے، یا روشنی میں پڑھنا افضل ہے؟ اور فجر میں قنوت پڑھنا افضل ہے، یا نہ پڑھنا افضل ہے؟ اور بسم اللہ میں جہر کرنا افضل ہے، یا آہستہ پڑھنا افضل ہے؟ یا بسم اللہ کی قرائت کا ترک کرنا افضل ہے؟ تو یہ اجتہادی مسائل ہیں، جن میں سلف اور ائمہ کا اختلاف ہے، ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنے اجتہاد پر برقرار رکھا ہے (کسی نے بھی نہ دوسرے پر نکیر کی، اور نہ ہی اس اجتہاد کو ترک کر کے، اپنے اجتہاد کی دعوت دی) جس نے حق کو پالیا، اس کے لیے دو اجر ہیں، اور جس نے اجتہاد کر کے خطاء کی، تو اس کو ایک اجر حاصل ہوگا، اور اس کی خطاء معاف کر دی گئی ہے، پس جس کے نزدیک امام شافعی کی تقلید کا راجح ہونا آئے، تو وہ اس شخص پر نکیر نہیں کرے گا، جس کے نزدیک امام مالک کی تقلید کا راجح ہونا آئے، اور جس کے نزدیک امام احمد کی تقلید کا راجح ہونا آئے، تو وہ اس شخص پر نکیر نہیں کرے گا، جس کے نزدیک امام شافعی، یا کسی اور کی تقلید کا راجح ہونا آئے۔

اور اسلام میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں، جو تمام مسلمانوں کو عام جواب دے سکے کہ فلاں شخص فلاں سے افضل ہے، پھر وہ اس کی طرف سے اس جواب کو قبول کر لے، کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ ہر جماعت کے نزدیک اس کے متبوع کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لیے وہ اس کی مخالفت کرنے والے کے جواب کو قبول نہیں کرتا، جیسا کہ وہ شخص کہ اس کے نزدیک کسی قول، یا عمل کا راجح ہونا ثابت ہو جائے، تو وہ اس کے خلاف فتویٰ دینے والے کے قول کو قبول نہیں کرتا۔

لیکن اگر کوئی آدمی مقلد ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ اس شخص کی تقلید کرے، جس کا اس کے نزدیک حق کے زیادہ قریب ہونا راجح ہو، پھر اگر وہ مجتہد ہو، تو وہ (متعلقہ مسئلہ

میں) اپنی حسبِ وسعت اجتہاد کرے، پھر اپنے نزدیک جس کا حق ہونا راجح ہو، اس کی اتباع کرے، کیونکہ اللہ کسی نفس کو، اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلّف نہیں فرماتا، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم**'' لیکن اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی خواہش کی اتباع نہ کرے، اور نہ ہی بغیر علم کے کلام کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**ھا أنتم ھؤلاء حاججتم فیما لکم بہ علم فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم**'' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''**یجادلونک فی الحق بعدما تبین**'' اور کوئی امام بھی ایسا نہیں کہ اس کے کچھ مسائل ایسے نہ ہوں کہ جس میں اس کے قول کو دوسرے کے قول پر ترجیح نہ دی جاتی ہو، اور اس تفاضل کو وہی شخص پہچان سکتا ہے، جو علم کی تفاصیل میں غور وخوض کرے، **واللّٰہ أعلم** (مجموع الفتاویٰ)

اور علامہ ابنِ تیمیہ نے ''**مجموعُ الفتاویٰ**'' میں اجتہادی مسائل کے سلسلہ میں ہی ایک مقام پر فرمایا کہ:

کما أن الحاکم لیس لہ أن ینقض حکم غیرہ فی مثل ھذہ المسائل ولا للعالم والمفتی أن یلزم الناس باتباعہ فی مثل ھذہ المسائل؛ ولھذا لما استشار الرشید مالکا أن یحمل الناس علی "موطئہ" فی مثل ھذہ المسائل منعہ من ذلک .وقال: إن أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفرقوا فی الأمصار وقد أخذ کل قوم من العلم ما بلغھم .وصنف رجل کتابا فی الاختلاف فقال أحمد: لا تسمہ "کتاب الاختلاف" ولکن سمہ "کتاب السنۃ ".

ولھذا کان بعض العلماء یقول :إجماعھم حجۃ قاطعۃ واختلافھم رحمۃ واسعۃ .وکان عمر بن عبد العزیز یقول :ما یسرنی أن

أصـحـاب رسـول الله صلى الله عليه وسلم لم يختلفوا؛ لأنهم إذا اجتـمـعوا عـلـى قول فخالفهم رجل كان ضالا وإذا اختلفوا فأخذ رجل بـقـول هذا ورجل بقول هذا كان فى الأمر سعة .وكذلك قـال غيـر مالك من الأئمة :ليـس لـلـفـقيـه أن يحمل الناس على مذهبه .ولهـذا قال العلماء المصنفون فى الأمر بالمعروف والنهى عـن الـمـنكر من أصحاب الشافعي وغيره :إن مثل هذه المسائل الاجتهـادية لا تـنكر باليد وليس لأحد أن يلزم الناس باتباعه فيها؛ ولـكن يتكلم فيها بالحجج العلمية فمن تبين له صحة أحد القولين تبعـه ومـن قـلـد أهـل الـقول الآخر فلا إنكار عليه .ونـظـائر هذه الـمسـائل كثيرة (مجموع الفتاوى، ج٣٠،ص ٧٩،٨٠، كتاب الصلح،باب الشركة،سئل :عمن ولى أمرا من أمور المسلمين ومذهبه لا يجوز "شركة الأبدان" فهل يجوز له منع الناس)

ترجمہ: جیسا کہ حاکم کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان جیسے مسائل میں، دوسرے کے فیصلہ کو توڑ دے، اور نہ کسی عالم اور مفتی کے لیے یہ بات جائز ہے کہ وہ ان جیسے مسائل میں اپنی اتباع کو لازم کرے، اور اسی وجہ سے جب خلیفہ رشید نے امام مالک سے اس بات پر مشورہ طلب کیا کہ وہ لوگوں کو ان جیسے مسائل میں امام مالک کی ''الموطأ'' پر اُبھارے، تو امام مالک نے اُن کو اس سے منع کر دیا، اور یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام، مختلف شہروں میں منتشر ہوئے، اور ہر قوم نے وہی علم لیا، جو اُن کو پہنچا، اور ایک آدمی نے اختلافی مسائل کے بارے میں کتاب تصنیف کی، تو امام احمد نے فرمایا کہ تم اس کا نام ''كتابُ الاختلاف'' نہ رکھو، بلکہ اس کا نام ''كتابُ السنة'' رکھو(کیونکہ اس قسم کے اختلافی مسائل کا

www.idaraghufran.org

درحقیقت کسی نہ کسی حیثیت سے ''سنت'' سے تعلق ہے)

اور اسی وجہ سے بعض علماء یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجتہدین کا اجماع ''حجۃِ قاطعة'' ہے، اور ان کا اختلاف ''رحمۃِ واسعة'' ہے، اور عمر بن عبدالعزیز یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اختلاف نہیں کیا، کیونکہ جب وہ کسی قول پر اجماع کر لیں گے، پھر کوئی شخص اس کی مخالفت کرے گا، تو وہ گمراہ شمار ہوگا، لیکن جب ان (صحابہ) کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوگا، پھر کوئی آدمی اس قول کو لے لے گا، اور کوئی آدمی دوسرے قول کو لے لے گا، تو دونوں کے لئے معاملہ میں وسعت ہوگی، اور اسی طرح سے امام مالک کے علاوہ دوسرے ائمہ نے فرمایا کہ فقیہ کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنے مذہب پر ابھارے، اور اسی وجہ سے امام شافعی وغیرہ کے اصحاب جنہوں نے ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے بارے میں تصنیفات کی ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اس قسم کے اجتہادی مسائل میں ہاتھ سے نکیر نہیں کی جائے گی، اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ لوگوں کو اجتہادی مسائل میں اپنی اتباع لازم کرے، البتہ ان مسائل میں علمی دلائل سے کلام کر سکتا ہے، جس کے بعد جس کو دونوں قولوں میں سے کسی قول کی صحت ظاہر ہو جائے گی، وہ اس کی اتباع کر لے گا، اور جو شخص دوسرے قول کی اتباع کرے گا، تو اس پر بھی نکیر نہیں کی جائے گی، اور ان اجتہادی مسائل کی مثالیں بہت زیادہ ہیں (مجموع الفتاویٰ)

اور علامہ ابنِ تیمیہ ہی نے ''مجموعُ الفتاویٰ'' میں اجتہادی مسائل، جیسا کہ ''رکوع کی رفعِ یدین'' وغیرہ کے ضمن میں تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اختلافی (یعنی رکوع کی) رفعِ یدین، نماز کے مفسدات میں سے نہیں ہے، بلکہ ''رفعِ یدین'' کے بغیر بھی نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ اگر ''رفعِ یدین'' کرے، تو افضل، اور بہتر ہے۔

اور اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہ، یا امام مالک، یا امام شافعی، یا امام احمد کا متبع ہو، اور وہ بعض مسائل میں دوسرے مذہب کو زیادہ قوی دیکھے، جس کی وجہ سے وہ اس مذہب کے ان مسائل کی اتباع کرلے، تو یہ بہت اچھی بات ہے، اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ طریقہ، اس شخص میں، یا اس کے دین، یا اس کی عدالت میں قدغن، کا باعث نہیں، بلکہ یہ حق کے زیادہ لائق، اور اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک زیادہ محبوب عمل ہے، بنسبت اس شخص کے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور متعین شخص کے لئے تعصب اختیار کرے، جیسا کہ امام مالک، یا امام شافعی، یا امام احمد، یا امام ابو حنیفہ کے لئے تعصب اختیار کرے، اور یہ خیال کرے کہ یہ معین امام، یا اس کا مذہب ہی ''صواب'' ہے، جس کی اتباع، اس کے برخلاف کے مقابلہ میں ضروری ہے۔

جو شخص ایسا طرزِ عمل اختیار کرے، وہ جاہل، اور گمراہ ہے، بلکہ بعض صورتوں میں کافر ہونے کا باعث ہے۔

البتہ زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عامی شخص کے لئے اس بات کی گنجائش ہے، یا یہ بات جائز ہے، یا اس پر واجب ہے کہ زید، بکر وغیرہ کی تعیین کے بغیر کسی امام و مجتہد کی تقلید کرے۔

لیکن کسی کا یہ کہنا کہ عامۃ الناس پر فلاں، یا فلاں امام کی تقلید واجب ہے، تو یہ قول کسی مسلم کی شان کے لائق نہیں۔

اور جو شخص ائمہ سے مودت و محبت رکھے، تو وہ ان میں سے ہر اس امام کی تقلید کرسکتا ہے، جس امام کے قول کا اس کے سامنے سنت کے مطابق ہونا ظاہر ہوجائے۔

جیسا کہ خود ان ائمہ کا بھی یہی طرزِ عمل تھا، جو صحابہ کے طریقہ پر تھے، اور شریعت کے بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہونے کے باوجود، آپس میں محبت و اتفاق کو

قائم رکھتے تھے، پس ان کا اجماع ہی دراصل ''حجتِ قاطعہ'' ہے۔

اور جو شخص ان ائمہ میں سے دوسروں کو چھوڑ کر کسی متعین امام کے لئے تعصب اختیار کرے، تو وہ ایسا ہے، جیسا کہ باقی صحابہ کو چھوڑ کر کسی خاص صحابی کے لئے تعصب اختیار کرے، جیسا کہ رافضی، اور خارجی کا طریقہ ہے، اور یہ اہلِ بدعت واہلِ ھواء کے طریقوں کے مشابہ ہے، جن کی مذمت قرآن وسنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے تلامذہ، اور امام کے اقوال کو سب سے زیادہ جاننے والے، امام ابو یوسف، اور امام محمد جیسے حضرات نے بے شمار مسائل میں امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی، جب ان کے سامنے کوئی سنت اور دلیل آ گئی، جس کی اتباع ان پر واجب تھی، لیکن اس کے باوجود وہ امام ابو حنیفہ کی تعظیم کرتے ہیں۔

پس مومن پر واجب ہے کہ وہ مومنوں، اور ان کے علماء سے محبت رکھے، اور حق کو طلب کرے، اور اس کی اتباع کرے، جہاں سے بھی ملے، اور یہ بات جان لے کہ ان میں سے جس نے اجتہاد کیا، اور ''صواب'' کو پا لیا، تو اس کو دو اجر حاصل ہوں گے، اور جس نے اجتہاد کیا، پھر خطاء ہوئی، تو اس کو ''اجتہاد'' کی وجہ سے، ایک اجر حاصل ہوگا، اور اس کی خطاء معاف کر دی گئی ہے۔

اور مومنوں پر واجب ہے کہ نماز میں اپنے امام کی اتباع کریں، جب تک امام اجتہادی مسائل پر عمل پیرا ہو، خواہ وہ ''رفع یدین کرے، یا نہ کرے، اس سے نماز میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد سب کے نزدیک یہی حکم ہے۔

اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ بعض علماء کے قول کو اپنا اس طرح سے شعار بنا لے کہ اس کی اتباع کو واجب قرار دے، اور دوسرے کی اتباع سے منع کرے، جس

کے بارے میں سنت وارد ہوئی ہے، بلکہ ہر وارد شدہ سنت پر عمل کی گنجائش ہے، جیسا کہ اذان واقامت کے اجتہادی مسائل کا معاملہ ہے۔

جس نے ایک سنت کے طریقہ کو واجب قرار دیا، اور دوسرے کی نفی کی، اور ایک طریقہ پر عمل کرنے والے سے محبت رکھی، اور دوسرے سے نہیں، تو وہ خاطی، اور گناہ گار ہے۔

اور مشرق کے علاقوں میں تتاریوں کے تسلط کا سبب، آپس کی مذہبی تفریق، اور باہمی مذہبی فتنوں کا پیدا ہونا ہے، جس کے اثرات سے دنیا بھر کے حنفی، شافعی، مالکی، اور حنبلی فقہ سے تعلق رکھنے والے دوچار ہوئے، تعصب پر مشتمل یہ طرزِ عمل اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں بھی ممنوع ہے، جو کہ ''ھواء پرستی'' میں داخل ہے''۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] الرفع المتنازع فيه ليس من نواقض الصلاة؛ بل يجوز أن يصلى بلا رفع وإذا رفع كان أفضل وأحسن .وإذا كان الرجل متبعا لأبى حنيفة أو مالك أو الشافعي أو أحمد :ورأى فى بعض المسائل أن مذهب غيره أقوى فاتبعه كان قد أحسن فى ذلك ولم يقدح ذلك فى دينه .ولا عدالته بلا نزاع؛ بل هذا أولى بالحق وأحب إلى الله ورسوله صلى الله عليه وسلم ممن يتعصب لواحد معين غير النبى صلى الله عليه وسلم كمن يتعصب لمالك أو الشافعي أو أحمد أو أبى حنيفة ويرى أن قول هذا المعين هو الصواب الذى ينبغي اتباعه دون قول الإمام الذى خالفه.

فمن فعل هذا كان جاهلا ضالا؛ بل قد يكون كافرا؛ فإنه متى اعتقد أنه يجب على الناس اتباع واحد بعينه من هؤلاء الأئمة دون الإمام الآخر فإنه يجب أن يستتاب فإن تاب وإلا قتل.

بل غاية ما يقال :إنه يسوغ أو ينبغي أو يجب على العامى أن يقلد واحدا لا بعينه من غير تعيين زيد ولا عمرو .وأما أن يقول قائل :إنه يجب على العامة تقليد فلان أو فلان فهذا لا يقوله مسلم .

ومن كان مواليا للأئمة محبا لهم يقلد كل واحد منهم فيما يظهر له أنه موافق للسنة فهو محسن فى ذلك .بل هذا أحسن حالا من غيره ولا يقال لمثل هذا مذبذب على وجه الذم .وإنما المذبذب المذموم الذى لا يكون مع المؤمنين ولا مع الكفار بل يأتى المؤمنين بوجه ويأتى الكافرين بوجه.....

وقد أمر الله تعالى المؤمنين بالاجتماع والائتلاف ونهاهم عن الافتراق والاختلاف فقال تعالى :(يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون) (واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا) إلى قوله :(لعلكم تهتدون) إلى قوله :(يوم تبيض وجوه وتسود وجوه) قال ابن عباس رضى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

چند مشائخِ دیوبند کی تائیدات

جلیلُ القدر مشائخِ دیوبند سے بھی اجتہادی مسائل میں شاہ ولی اللہ صاحب کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله عنهما تبيض وجوه أهل السنة والجماعة وتسود وجوه أهل البدعة والفرقة.
فأئمة الدين هم على منهاج الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين والصحابة كانوا مؤتلفين متفقين وإن تنازعوا فى بعض فروع الشريعة فى الطهارة أو الصلاة أو الحج أو الطلاق أو الفرائض أو غير ذلك فإجماعهم حجة قاطعة .ومن تعصب لواحد بعينه من الأئمة دون الباقين فهو بمنزلة من تعصب لواحد بعينه من الصحابة دون الباقين .كالرافضى الذى يتعصب لعلى دون الخلفاء الثلاثة وجمهور الصحابة .وكالخارجي الذى يقدح فى عثمان وعلى رضى الله عنهما .فهذه طرق أهل البدع والأهواء الذين ثبت بالكتاب والسنة والإجماع أنهم مذمومون خارجون عن الشريعة والمنهاج الذى بعث الله به رسوله صلى الله عليه وسلم .فمن تعصب لواحد من الأئمة بعينه ففيه شبه من هؤلاء سواء تعصب لمالك أو الشافعى أو أبى حنيفة أو أحمد أو غيرهم .ثم غاية المتعصب لواحد منهم أن يكون جاهلا بقدره فى العلم والدين وبقدر الآخرين فيكون جاهلا ظالما والله يأمر بالعلم والعدل وينهى عن الجهل والظلم .قال تعالى :(وحملها الإنسان إنه كان ظلوما جهولا) (ليعذب الله المنافقين والمنافقات) إلى آخر السورة .
وهذا أبو يوسف ومحمد أتبع الناس لأبى حنيفة وأعلمهم بقوله.وهما قد خالفاه فى مسائل لا تكاد تحصى لما تبين لهما من السنة والحجة ما وجب عليهما اتباعه وهما مع ذلك معظمان لإمامهما .
لا يقال فيهما مذبذبان :بل أبو حنيفة وغيره من الأئمة يقول القول ثم تتبين له الحجة فى خلافه فيقول بها ولا يقال له مذبذب؛ فإن الإنسان لا يزال يطلب العلم والإيمان .فإذا تبين له من العلم ما كان خافيا عليه اتبعه وليس هذا مذبذبا؛ بل هذا مهتد زاده الله هدى .وقد قال تعالى :(وقل رب زدنى علما)
.فالواجب على كل مؤمن موالاة المؤمنين وعلماء المؤمنين وأن يقصد الحق ويتبعه حيث وجده ويعلم أن من اجتهد منهم فأصاب فله أجران ومن اجتهد منهم فأخطأ فله أجر لاجتهاده وخطؤه مغفور له .وعلى المؤمنين أن يتبعوا إمامهم إذا فعل ما يسوغ؛ فإن النبى صلى الله عليه وسلم قال : (إنما جعل الإمام ليؤتم به) وسواء رفع يديه أو لم يرفع يديه لا يقدح ذلك فى صلاتهم ولا يبطلها لا عند أبى حنيفة ولا الشافعى ولا مالك ولا أحمد .ولو رفع الإمام دون المأموم أو المأموم دون الإمام لم يقدح ذلك فى صلاة واحد منهما ولو رفع الرجل فى بعض الأوقات دون بعض لم يقدح ذلك فى صلاته.
وليس لأحد أن يتخذ قول بعض العلماء شعارا يوجب اتباعه وينهى عن غيره مما جاء ت به السنة؛

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اس سلسلہ میں مشائخِ دیوبند کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، اپنے رسالہ ''**احکامُ الایتلاف فی احکام الاختلاف**'' میں اجتہادی اختلاف سے متعلق فرماتے ہیں کہ:

اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ باتفاق واجماعِ علمائے امت محمود ومقبول ہے......اور اس اختلاف کا ایک یہ بھی حکم ہے کہ جب یہ محمود ومقبول ہے، تو اس میں ایک کا دوسرے سے عداوت کرنا اور کسی کی تضلیل وتفسیق کرنا، جیسا آج کل غُلاۃ (یعنی غالی لوگوں) میں تحریراً وتقریراً معمول ہے، سخت بدعت ومعصیت وتعصب ومخالفتِ سلف ہے (''رسالہ: **احکامُ الایتلاف فی احکام الاختلاف**''فصلِ سوم: اختلاف کی قسمِ سوم کے بیان میں، مشمولہ: بوادر النوادر، ص ۶۷۳، ۶۷۴، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور پاکستان۔ سنِ اشاعت: ۱۹۸۵ء)

ظاہر ہے کہ تحریراً وتقریراً، کے عمل میں وہ علماء ومقررین اور مفتیانِ دینِ متین بھی داخل ہیں،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بل كل ما جاء ت به السنة فهو واسع :مثل الأذان والإقامة .فقد ثبت فى الصحيحين عن النبى صلى الله عليه وسلم (أنه أمر بلالا أن يشفع الأذان ويوتر الإقامة) . وثبت عنه فى الصحيحين (أنه علم أبا محذورة الإقامة شفعا شفعا كالأذان) فمن شفع الإقامة فقد أحسن ومن أفردها فقد أحسن ومن أوجب هذا دون هذا فهو مخطء ضال ومن والى من يفعل هذا دون هذا بمجرد ذلک فهو مخطء ضال . وبلاد الشرق من أسباب تسليط الله التتر عليها كثرة التفرق والفتن بينهم فى المذاهب وغيرها حتى تجد المنتسب إلى الشافعى يتعصب لمذهبه على مذهب أبى حنيفة حتى يخرج عن الدين والمنتسب إلى أبى حنيفة يتعصب لمذهبه على مذهب الشافعى وغيره حتى يخرج عن الدين والمنتسب إلى أحمد يتعصب لمذهبه على مذهب هذا أو هذا .وفى المغرب تجد المنتسب إلى مالک يتعصب لمذهبه على هذا أو هذا .وكل هذا من التفرق والاختلاف الذى نهى الله ورسوله عنه .وكل هؤلاء المتعصبين بالباطل المتبعين الظن وما تهوى الأنفس المتبعين لأهوائهم بغير هدى من الله مستحقون للذم والعقاب .وهذا باب واسع لا تحتمل هذه الفتيا لبسطه؛ فإن الاعتصام بالجماعة والائتلاف من أصول الدين والفرع المتنازع فيه من الفروع الخفية فكيف يقدح فى الأصل بحفظ الفرع(مجموع الفتاوى،لابن تيمية،ج ۲۲،ص ۲۴۸،الیٰ ۲۵۴،كتاب الفقه،الجزء الثانى: الصلاة،سئل :عن رجل حنفى صلى فى جماعة وأسر نيته ثم رفع يديه فى كل تكبيرة الخ،التعصب للمذاهب سبب للفرقة والفتن)

جو اس محمود و مقبول اختلاف کی بناء پر دوسروں سے عداوت کرتے ہیں، اور دوسروں کی تضلیل و تفسیق کرتے ہیں، جن کو ''غالی'' کہا گیا، اور ان کے عمل کو سخت بدعت اور گناہ و تعصب اور سلف کے مخالف سب کچھ قرار دے دیا گیا۔

اسی مذکورہ رسالہ میں حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ:

بدعت سے مراد وہ بدعت ہے، جو باتفاقِ اہلِ حق بدعت ہو، اور جس میں اہلِ حق کے اجتہاد کی گنجائش ہو، وہ مثل مسائلِ مختلف فیہا کے ہے (''رسالہ: احکامُ الایتلاف فی احکام الاختلاف''فصلِ ششم: اختلاف کی قسمِ ششم کے بیان میں، مشمولہ: بوادر النوادر، ص ۶۷۶، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور پاکستان۔ سنِ اشاعت: ۱۹۸۵ء)

اس سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ میں اہلِ حق کے اجتہاد کی گنجائش ہو، اس کو ''شرعی بدعت'' قرار دینا درست نہیں۔

ایک اور مقام پر مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ''مسائلِ ظنیہ میں سلف سے علمی گفتگو و مکالمے کا مخصوص طریقۂ کار، جس میں ایک دوسرے سے بغض وعناد نہ ہو، اور ایک جانب کی قطعیت کا اعتقاد نہ ہو، اور جب دوسری طرف کی رائے سمجھ آ جائے، تو اپنی رائے سے رجوع اور دوسری طرف کی رائے کو قبول کرلیا جائے، اور اس طریقہ کار کی عوام کو اطلاع نہ ہو'' اس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

(مسائلِ ظنیہ واجتہادیہ میں) سلف سے اسی طرح کی گفتگو منقول ہے، نہ کہ ایسی جیسی آج کل ہوتی ہے، ایک فریق ''قرائت خلف الامام'' کا حق ہونا، اس طرح بتلا رہا ہے کہ اس کے نزدیک تمام حنفیہ تارکِ صلاۃ اور فاسق ہیں، اور دوسرا فریق اس کی اس طرح نفی کرتا ہے کہ گویا اس کے نزدیک ''قرائت خلف الامام'' کی کوئی حدیث ہی نہیں، اور عین مناظرہ میں اگر مقابل کا قول دل کو لگ بھی جائے، تب بھی ہرگز قبول نہ کریں، بلکہ گفتگو شروع کرتے ہی رَد کرنے ہی کا

پختہ ارادہ رکھتے ہیں، اور اسی نیت سے سنتے ہیں، کیونکہ مقصود تمام تر اپنا غلبہ اور دوسرے کو ساکت کرنا ہوتا ہے، پھر باہمی عناد وفساد ہوتا ہے، حتیٰ کہ عدالت تک نوبت پہنچتی ہے، کیا یہ دین ہے؟ کیا سلفِ صالح اور حضراتِ صحابہ کا ان مسائل میں یہی طریقہ تھا (تجدیدِ تعلیم وتبلیغ، صفحہ ۵۱، ظنی وقطعی مسائل کے حکم کا بڑا اہم فرق، ناشر: نفیس اکیڈمی، پہلا ایڈیشن جون ۱۹۶۲ء)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ وتابعین کا اختلاف ہوگیا، وہ اختلاف قیامت تک مٹایا نہیں جاسکتا، کیونکہ اس اختلاف کے مٹانے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان میں سے ایک گروہ کو قطعی طور پر حق پر اور دوسرے کو یقینی باطل قرار دیا جائے، اور یہ ممکن نہیں ہے (جواہر الفقہ، جلد اول، ص ۴۰۸، مضمون "وحدتِ امت"، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

مفتی صاحب موصوف مزید فرماتے ہیں:

میرے نزدیک اس جنگ وجدل کا ایک بہت بڑا سبب فروعی اور اجتہادی مسائل میں تحزب وتعصب اور اپنی اختیار کردہ راہِ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے، جو اہلِ باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہیے تھا (جواہر الفقہ، جلد اول، ص ۴۱۱، مضمون "وحدتِ امت" مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

نیز فرماتے ہیں:

صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت جو اِن میں اختلافِ رائے پیش آیا ہے، اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ اس نے جنگ وجدال کی صورت اختیار کی ہو،

باہمی اختلافِ مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۴۴۲، مضمون ''اختلافِ امت پر ایک نظر'' مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

مزید فرماتے ہیں:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت اختلافِ رائے جو صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین میں رہا ہے، تو بلاشبہ رحمت ہی ہے، اس کا کوئی پہلو نہ مسلمانوں کے لیے مضر ثابت ہوا، اور نہ آج ہوسکتا ہے، بشرطیکہ وہ انہیں حدود کے اندر رہے، جن میں ان حضرات نے رکھا تھا کہ ان کا اثر نماز، جماعت، امامت اور معاشرت کے کسی معاملے پر نہ پڑتا تھا (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۴۴۳، مضمون ''اختلافِ امت پر ایک نظر'' مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

مشائخِ دیوبند کے محدث، علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

ثم كل مسألة من مسائل الشافعية مثلا مجتهدة فيها عندنا إلا ما عدد بعض المسائل لا تزيد على عدد الأصابع، ولكن يظهر من الكتب كون هذه المسائل المستثناة مجتهدة فيها أيضا، فتكون كل مسألة من المذاهب الأربعة مجتهدة فيها (العرف الشذى شرح سنن الترمذى، ج ٢، ص ٤١٣، كتاب الطلاق، باب ما جاء فى الرجل يطلق امرأته ألبتة)

ترجمہ: پھر شافعیہ کے مسائل میں سے ہر مسئلہ ہمارے نزدیک مجتہد فیہا مسائل میں داخل ہے، سوائے بعض گِنے چُنے مسائل کے، جو انگلیوں کی تعداد سے زیادہ نہیں، لیکن کتب سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ بعض گِنے چُنے مستثنیٰ شدہ مسائل بھی، مجتہد فیہا ہیں، پس مذاہبِ اربعہ میں سے ہر مسئلہ مجتہد فیہا ہے (العرف الشذی

www.idaraghufran.org

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے علامہ انور شاہ کشمیری صاحب کے ایک واقعہ کو نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ:

(علامہ انور شاہ کشمیری صاحب نے) فرمایا: ''ہماری عمر، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں، اور دوسرے ائمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا''۔

اب غور کرتا ہوں، تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابوحنیفہ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے، وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور امام شافعی، مالک اور احمد بن حنبل اور دوسرے مسلک کے فقہاء، جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ (ایک قول کے مطابق) اپنے مسلک کو ''صواب، **محتمل الخطاء**'' (درست مسلک، جس میں خطاء کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں، اور دوسرے مسلک کو ''**خطاء، محتمل الصواب**'' (غلط مسلک، جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں، اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں، ان تمام بحثوں، تدقیقات اور تحقیقات کا، جن میں ہم مصروف ہیں۔

پھر فرمایا: ''اے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا، اور کون سا خطاء، اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح، یا یہ کہ یہ صحیح ہے، لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو، اور وہ

خطاء ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو، دنیا میں تو یہ ہے ہی، قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفعِ یدین حق تھا، یا ترکِ رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی، یا بالسر حق تھی؟ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا، اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے الفاظ یہ تھے:

''اللہ تعالیٰ شافعی کو رسوا کرے گا، نہ ابوحنیفہ کو، نہ مالک، نہ امام احمد بن حنبل کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنہوں نے نورِ ہدایت چار سو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدانِ محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابوحنیفہ نے صحیح کہا تھا، یا شافعی نے غلط کہا تھا، یا اس کے برعکس، یہ نہیں ہوگا''۔

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے، نہ برزخ میں، نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی، اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے، اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیائے کرام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا، اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی، یہ ضروریاتِ دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں، اور اپنے واغیار ان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں، اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا، وہ پھیل رہے ہیں، اور گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوتے ہیں ان فروعی بحثوں میں۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۴۰۳، ۴۰۴، ملخصاً، مضمون ''وحدتِ امت'' مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

آج ہمارے زمانہ کے دینی مدارس وجامعات میں ''دورہ حدیث'' کے اسباق میں جو بیشتر مقامات پر فقہی ابحاث کا مروجہ طریقۂ کار اختیار کیا جاتا ہے، اس کے ضمن میں بطورِ خاص اُن احادیث پر طویل بحثیں کی جاتی ہیں، جن سے استدلال واستنباط کے متعلق فقہی واجتہادی اعتبار سے فقہاء ومجتہدین کے درمیان کچھ اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، اور ہمارے یہاں کے حنفی علماء، ایسی احادیث کو راجح قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، جن سے حنفیہ کے موقف کی تائید محسوس ہو رہی ہو، اور ان احادیث کو مرجوح قرار دینے، یا اُن میں ہر طرح کی جا بے جا تاویلات کی کوشش کرتے ہیں، جن سے غیر حنفیہ کے موقف کی تائید محسوس ہو رہی ہو، یا بالفاظِ دیگر حدیث کو، حنفی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

بعض اوقات جمہور مجتہدین ومحدثین کی طرف سے کئی مستند اور صحیح احادیث سے کئے گئے استدلال کے جواب میں امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت کر کے ایسے ایسے جوابات بلا کھٹک وتردد بیان فرمائے جاتے ہیں، جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے بنفسِ نفیس ان احادیث کو ملاحظہ فرمانے کے بعد وہ جوابات خود ارشاد فرمائے ہوں، جبکہ عین ممکن ہے کہ وہ حدیث امام ابوحنیفہ تک معتبر سند کے ساتھ پہنچی بھی نہ ہو، اور اگر وہ حدیث اتنی معتبر سند کے ساتھ امام ابو حنیفہ تک پہنچ جاتی، جتنی معتبر سند کے ساتھ ہم تک پہنچی، تو شاید آج اس اختلاف کا ذکر تک بھی کتابوں، اور درس گاہوں میں نہ ہوتا، جس پر کئی کئی گھنٹوں، بلکہ کئی دنوں تک طولِ لاطائل بحثیں کی جاتی ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری کے مذکورہ بالا ارشاد سے اس طرزِ عمل کا مرجوح ہونا، معلوم ہوگیا۔

اور بعض ثقہ راویوں سے یہ روایت سنی گئی ہے کہ ''دورہ حدیث'' میں اس طرح کی فقہی ابحاث

www.idaraghufran.org

کی بنیاد علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے قائم فرمائی تھی، جس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی قسم کی تبدیلیاں آتی چلی گئیں۔

اس روایت کے پیشِ نظر علامہ کشمیری نے جس طرزِ عمل کو شروع فرمایا تھا، اور موجودہ زمانہ کے اکثر علماء کے مقابلہ میں عمدہ واحسن طریقہ پر جس طریقہ کار کو انجام دیا تھا، زندگی بھر اُس میں مشغولی کے بعد آپ نے خود ہی اُس طریقۂ کار سے رجوع فرمالیا۔

لیکن آج ان کی طرف نسبت کرنے، اور ان کی شان میں رطبُ اللسان رہنے والے بہت سے حضرات کا طرزِ عمل اس سے بھی زیادہ آگے بڑھا ہوا ہے، جس کی علامہ کشمیری نے شکایت اور اس پر حسرت کا اظہار فرمایا تھا۔

مگر یہ حضرات افسوس وحسرت کیے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔

جبکہ بعض حضرات اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرنے کے بجائے، علامہ انور شاہ کشمیری کے مذکورہ ارشاد میں طرح طرح کی تاویلات کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ علامہ موصوف کا اصل مقصود، محض اس مروجہ طریقۂ کار کی ناپسندیدگی نہیں تھا، بلکہ یہ مقصود تھا کہ ان بحثوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہماری توجہ دوسرے اہم دین کے کاموں سے ہٹ گئی، فلہٰذا اگر دوسرے اہم دینی کاموں کے ساتھ ساتھ اس مروجہ طریقۂ کار کو بھی انجام دیا جائے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

حالانکہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے جس واقعہ کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ جیسے فقیہ نے اپنے، اور علامہ کشمیری کے الفاظ میں نقل فرمایا ہے، وہ کسی تشریح وتوضیح کا محتاج نہیں، چہ جائیکہ وہ کسی دوسری تاویل کا متحمل ہو۔

چنانچہ علامہ کشمیری کے اس ارشاد میں صاف وضاحت ہے کہ دوسرے مسلکوں اور دوسرے ائمہ پر حنفیت کی ترجیح قائم کرنے، اور اس کے دلائل تلاش کرنے میں مشغول ومصروف ہونا، عمر برباد کرنے میں داخل ہے۔

www.idaraghufran.org

اس ترجیح کے امام ابوحنیفہ محتاج نہیں، اور ان تدقیقات وتحقیقات کے نتیجہ میں نہ دنیا میں صواب وخطاء ہونے کا واضح فیصلہ ہوسکتا، بلکہ یا تو تمام مسلکوں کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے، یا خطاء کے ساتھ صواب کا احتمال برقرار رہتا ہے، اور آخرت اور حشر میں بھی یہ راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا، اور کون سا خطاء؟ اور نہ آخرت میں اللہ کسی امام، یا مجتہد کو رُسوا فرمائے گا، بلکہ ان سب کو اجر وانعام سے نوازا جائے گا۔

قبر وبرزخ اور آخرت میں بھی اجتہادی مسائل، مثلاً رفعِ یدین کرنے نہ کرنے، آمین بالجہر، یا بالسر کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔

پھر علامہ کشمیری نے معاشرہ میں ضروریاتِ دین کے لوگوں کی نگاہوں سے اُوجھل ہونے، اور اپنے واغیار کے علم کو مسخ کرنے، اور الحاد، شرک وبت پرستی اور منکرات وگمراہی کے پھیلنے، اور حرام وحلال کا امتیاز اٹھ جانے کا ذکر فرمایا ہے، اور علماء کو فقہی واجتہادی اور فروعی ابحاث اور تحقیقات وتدقیقات کے بجائے، مجمع علیہ ومتفق علیہ اور سب کے نزدیک مسلّمہ ضروریات کی دعوت دینے اور منکرات کو مٹانے کی کوششوں کو فرض قرار دیا ہے، اور ان میں مشغولی کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

عزالدین، اور شیخ حیات سندھی کی تائید

سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام دمشقی، شافعی (المتوفیٰ: 660ھ) ''قواعد الأحکام'' میں فرماتے ہیں کہ:

الناس لم یزالوا من زمن الصحابة إلى أن ظهرت المذاهب الأربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من أحد یعتبر إنکاره، ولو کان ذلک باطلا لأنکروه .

وکذلک لا یجب تقلید الأفضل وإن کان هو الأولی، لأنه لو

وجب تقليده لما قلد الناس الفاضل والمفضول فى زمن الصحابة والتابعين من غير نكير، بل كانوا مسترسلين فى تقليد الفاضل والأفضل ولم يكن الأفضل يدعو الكل إلى تقليد نفسه، ولا المفضول يمنع من سأله عن وجود الفاضل وهذا مما لا يرتاب فيه عاقل.

ومن العجب العجيب أن الفقهاء المقلدين يقف أحدهم على ضعف مأخذ إمامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا ومع هذا يقلده فيه، ويترك من الكتاب والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبه جمودا على تقليد إمامه، بل يتحلل لدفع ظواهر الكتاب والسنة، ويتأولهما بالتأويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده، وقد رأيناهم يجتمعون فى المجالس فإذا ذكر لأحدهم فى خلاف ما وظن نفسه عليه تعجب غاية التعجب من استرواح إلى دليل بل لما ألفه من تقليد إمامه حتى ظن أن الحق منحصر فى مذهب إمامه أولى من تعجبه من مذهب غيره.

فالبحث مع هؤلاء ضائع مفض إلى التقاطع والتدابر من غير فائدة يجديها، وما رأيت أحدا رجع عن مذهب إمامه إذا ظهر له الحق فى غيره بل يصير عليه مع علمه بضعفه وبعده، فالأولى ترك البحث مع هؤلاء الذين .

إذا عجز أحدهم عن تمشية مذهب إمامه قال لعل إمامى وقف على دليل لم أقف عليه ولم أهتد إليه، ولم يعلم المسكين أن هذا مقابل بمثله ويفضل لخصمه ما ذكره من الدليل الواضح والبرهان

اللائح، فسبحان اللّٰه ما أكثر من أعمى التقليد بصره حتى حمله على مثل ما ذكر، وفقنا اللّٰه لاتباع الحق أين ما كان وعلى لسان من ظهر.

وأين هذا من مناظرة السلف ومشاورتهم فى الأحكام ومسارعتهم إلى اتباع الحق إذا ظهر على لسان الخصم، وقد نقل عن الشافعى -رحمه الله -أنه قال :ما ناظرت أحدا إلا قلت اللهم أجر الحق على قلبه ولسانه، فإن كان الحق معى اتبعنى وإن كان الحق معه اتبعته(قواعد الأحكام فى مصالح الأنام، ج٢،ص ١٥٩، ١٦٠،فصل فى الحمل على الغالب والأغلب فى العادات ،قاعدة فيمن تجب طاعته ومن تجوز طاعته ومن لا تجوز طاعته)

ترجمہ: لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے لے کر، مذاہبِ اربعہ کے ظاہر ہونے تک، برابر ''کیف ما اتفق'' علماء کی تقلید کرتے رہے، جس پر کسی ایسے شخص کی طرف سے نکیر نہیں کی گئی، جس کی نکیر کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور اگر یہ طرزِ عمل باطل ہوتا، تو وہ اس پر نکیر کرتے (لہٰذا مذہبِ معین کا التزام، واجب نہیں)

اور اسی طریقے سے افضل کی تقلید بھی واجب نہیں، اگرچہ اولیٰ ہے، کیونکہ اگر افضل کی تقلید واجب ہوتی، تو لوگ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں فاضل اور مفضول کی کسی نکیر کے بغیر تقلید نہ کرتے، بلکہ وہ فاضل اور افضل کی تقلید میں فرق کرتے، اور سب کو افضل کی تقلید کی دعوت دی جاتی، اور مفضول سے فاضل کی موجودگی میں سوال سے منع کیا جاتا، جس میں کسی عاقل کو شک نہیں ہوسکتا۔

اور زیادہ قابلِ تعجب بات یہ ہے کہ تقلید کرنے والے فقہاء میں سے بعض حضرات، اپنے امام کے مآخذ کے ضعیف ہونے پر آگاہ ہوجاتے ہیں، اور وہ اس کے

ضعف کو دور کرنے کی کوئی مؤثر دلیل نہیں پاتے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں، اور کتاب وسنت اور قیاسِ صحیح کو اپنے مذہب کی وجہ سے اپنے امام کی تقلید پر جمود اختیار کرتے ہوئے ترک کردیتے ہیں، بلکہ ظاہری کتاب اور سنت کو نظر انداز کرنے کا حیلہ اختیار کرتے ہیں، اور کتاب وسنت میں دور دراز کی باطل تاویلات کرتے ہیں، اپنے امام کے دفاع کے لیے، اور ہم نے ایسے لوگوں کو مختلف مجالس میں جمع شدہ دیکھا، اور جب ان میں سے کسی کے سامنے اس کے گمان کے مطابق، بات ذکر کی گئی، تو اس نے انتہائی تعجب کا اظہار کیا، اور دلیل کو قبول نہیں کیا، بلکہ وہ اپنے امام کی تقلید کی طرف ہی مائل ہوا، یہاں تک کہ اس نے یہ گمان کیا کہ حق اس کے امام کے مذہب میں ہی منحصر ہے، اور دوسرے امام کے مذہب کے اولیٰ ہونے پر اس نے تعجب کا اظہار کیا۔

پس ان لوگوں کے ساتھ بحث کرنا، وقت کا ضیاع ہے، جس میں کوئی فائدہ نہیں، اور ان کے ساتھ بحث کرنا، لڑائی جھگڑے، اور قطع تعلقی کا باعث ہے، اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے اپنے امام کے مذہب سے رجوع کرلیا ہو، جبکہ اس کے سامنے دوسرے کے مذہب میں حق ظاہر ہوگیا ہو، بلکہ وہ علم کے باوجود اس کو ضعیف اور بعید قرار دیتا رہا، پس بہتر یہی ہے کہ ان لوگوں سے بحث کو ترک کردیا جائے۔

اور جب ان میں سے کوئی اپنے امام کے مذہب کو آگے چلانے سے عاجز ہوتا ہے، تو وہ یہ کہتا ہے کہ شاید میرا امام کسی ایسی دلیل پر مطلع ہوا ہو، جس پر میں آگاہ نہ ہوسکا ہوں، اور میں اس دلیل تک نہ پہنچ سکا ہوں، لیکن یہ مسکین نہیں جانتا کہ اس کے امام کے مثل بھی، اس کے مقابل امام ہے، اور اس کی ذکرکردہ واضح دلیل اور مضبوط برہان اس سے افضل ہے، پس سبحان اللہ! تقلید نے اس کی نظر کو کتنا اندھا

www.idaraghufran.org

کردیا ہے کہ وہ اس طرزِ عمل پر مجبور ہوگیا، اللہ ہمیں اتباعِ حق کی توفیق عطاء فرمائے، جہاں بھی حق ہو، اور جس کی زبان سے بھی حق ظاہر ہو۔

کہاں یہ اور کہاں سلف کے مناظرے، اور ان کے احکام میں مشاورت اور حق کو قبول کرنے میں جلدی، جب بھی حق، مخالف کی زبان پر ظاہر ہوجائے (ان دونوں طرزِ عمل میں بہت بُعد ہے) اور امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے جس سے بھی مناظرہ کیا، تو میں نے یہ کہا کہ اے اللہ! حق کو اس کے دل اور زبان پر جاری فرمادیجیے، پس اگر حق میرے ساتھ ہو، تو اسے میرا متبع بنادیجیے، اور اگر حق اس کے ساتھ ہو، تو مجھے اس کے اتباع کی توفیق عطاء فرمادیجیے (قواعد الأحکام فی مصالح الأنام)

حنفی عالم محدث شیخ محمد حیات بن ابراہیم سندھی حنفی (المتوفیٰ: 1163ھ) اپنے رسالہ "تحفة الأنام فی العمل بحدیث النبی علیه الصلاة و السلام" میں فرماتے ہیں:

قلت لو تتبع الانسان من النقول، لوجد أكثر مما ذكر دلائل العمل على الخبر أكثر من أن تذكر وأشهر من أن تشهر لكن لبس ابليس على كثير من البشر فحسن اليهم الأخذ بالفقه لا الأثر وأوهمهم أن هذا هو أولى وأخير، فجعلهم بسبب ذالک محرومين عن العمل بحديث خير البشر صلى الله عليه وسلم وهذه البلية من البلايا الكبرى انا لله وانا اليه راجعون.

ومن العجب العجاب أنهم اذا بلغهم عن بعض الصحابة رضى الله عنهم ما يخالف الصحيح من الخبر ولم يجدوا لهٗ محملاً جوّزوا عدم بلوغ الحديث اليه ولم يثقل ذلک عليهم. وهذا هو الصواب، وإذا بلغهم حديث يخالف قول من يقلدوه اجهتدوا فى

www.idaraghufran.org

تأويله القريب و البعيد وسعوا فى محامله النائية والدانية، وربما حرَّفوا الكلم عن مواضعها. وإذا قيل: لهم ـــ عند عدم وجود المحامل المعتبرة ـ لعل من تقلدوه لم يبلغه الخبر. أقامو على القائل القيامة، وشنّعو عليه أشدَّ شناعة و ربما جعلوه من أهل الفرق الضالة و ثقل ذلك عليهم.

فانظر أيُّها العاقل إلى هؤلاء المساكين يجوِّزون عدم بلوغ الحديث فى حق أبى بكر الصديق الأكبر و أضرا به ولا يجوِّزون ذلك فى أرباب المذاهب مع أن البون بين الفريقين كما بين السماء و الأرض.

وتراهم يقرؤون كتب الأحاديث ويطالعونها ويدرسونها لا ليعلموا بها بل ليعلموا دلائل من قلدوه وتأويل ما خالف قوله، ويبالغون فى المحامل البعيدة.

و إذا عجزوا عن المحمل قالوا من قلدناه أعلم منا بالحديث.

أولايعلمون أنهم يقيمون حجّة الله عليهم بذلك. ولا يستوى العالم والجاهل فى ترك العمل بالحجة.

و إذا مرَّ عليهم حديث يوافق قول من قلَّدوه انبسطو، وإذا مرَّ عليهم حديث يخالف قولهٗ أو يوافق مذهب غيره ربما انقبضوا.

أولم يسمعوا قول الله تعالىٰ:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (سورة النساء، الآية رقم ٦٥)(تحفة الأنام فى العمل بحديث النبى عليه الصلاة و

www.idaraghufran.org

السلام، ص ۵۲، ۵۳، بیان خطأ المقلدین وإعراضهم عن العمل بالحدیث وتمحلهم فی ذلک ونقل مفید للعلامة العزّ بن عبد السلام، مطبوعة: دار ابن حزم للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، الطبعة الاولیٰ 1414هـ. 1993م)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اگر انسان نقلوں کا تتبُّع کرے گا، تو وہ حدیث پر عمل کرنے کے جو دلائل ذکر کیے گئے، ان سے زیادہ دلائل کے ذکر کو پائے گا، اور جو دلائل مشہور ہیں، ان سے زیادہ مشہور دلائل کو پائے گا، لیکن ابلیس نے بہت سے انسانوں پر تلبیس پیدا کر دی، جس کی وجہ سے ان کو حدیث کے مقابلہ میں فقہ کی بات کا لینا اچھا معلوم ہوا، اور ابلیس نے ان کو اس وہم میں ڈال دیا کہ فقہ کی بات کو لینا، زیادہ اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے، اور اس کے نتیجہ میں ابلیس نے ان کو خیرُ البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کرنے سے محروم کر دیا، اور یہ بڑی بلاؤں میں سے بہت بڑی بلاء ہے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اور تعجب خیز باتوں میں سے ایک تعجب خیز بات یہ ہے کہ ان حضرات کو جب بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ بات پہنچتی ہے کہ انہوں نے احادیث میں سے کسی صحیح حدیث کی مخالفت کی، اور ان کو اس کا کوئی محمل نہیں ملتا، تو یہ اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں، کہ ان صحابی کو یہ صحیح حدیث نہیں پہنچی تھی، اور صحابی کے متعلق یہ حکم لگانا ان کو دشوار نہیں گزرتا، اور یہی بات درست بھی ہے۔

لیکن ان حضرات کو جب کوئی ایسی حدیث پہنچتی ہے کہ اس شخص کا قول اس حدیث کے مخالف ہوتا ہے، جس کی یہ تقلید کر رہے ہیں، تو وہ اس حدیث میں قریب اور بعید ہر طرح کی تاویل کی جدوجہد کرتے ہیں، اور اس کے دُور دراز محمل کی سعی کرتے ہیں، جس میں بعض اوقات کلمات کی اپنے مواضع سے تحریف بھی کر دیتے ہیں، اور جب ان کو معتبر محمل نہ پائے جانے کی صورت میں یہ کہا جاتا ہے کہ شاید

www.idaraghufran.org

جس کی آپ تقلید کررہے ہیں، اس کو یہ حدیث نہیں پہنچی، تو اس قول والے پر یہ قیامت قائم کردیتے ہیں، اور اس کی سخت مذمت اور شناعت بیان کرتے ہیں، بلکہ بعض اوقات اسے گمراہ فرقوں میں ہی شامل کرلیتے ہیں، اور مجتہدین کے مقابلہ میں ان کو یہ قول بہت ناگوار گزرتا ہے۔

پس اے عقل مند انسان، ان علم سے بے بہرہ لوگوں کی طرف نظر کرو، جو امت کے بڑے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اُن جیسے حضرات کے حق میں حدیث نہ پہنچنے کو تو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن یہ حضرات اربابِ مذہب کے حق میں اس بات کو جائز قرار نہیں دیتے، باوجودیکہ دونوں فریقوں (یعنی صحابہ اور بعد کے مجتہدین) کے درمیان فرق ایسا ہی ہے، جیسا کہ آسمان اور زمین کے درمیان فرق ہے۔

اور آپ ان علم سے بے بہرہ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ احادیث کی کتب کو پڑھتے بھی ہیں، اور ان کا مطالعہ بھی کرتے ہیں، اور ان کی درس وتدریس بھی کرتے ہیں، اس لئے نہیں، تاکہ وہ ان کے اقوال کو جانیں، بلکہ اس لئے کہ وہ ان حضرات کے دلائل کو جانیں، جن کی وہ تقلید کررہے ہیں، اور جن حضرات نے ان کے مخالف قول کیا ہے، اس کے قول کے مطلب اور دلیل کو جانیں، لیکن اس کے باوجود وہ بعید ترین محملوں میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔

اور جب وہ اپنے امام کے اقوال میں مناسب محمل سے عاجز ہوجاتے ہیں، تو یہ کہتے ہیں کہ جس کی ہم تقلید کررہے ہیں، وہ ہمارے مقابلہ میں حدیث کو زیادہ جانتا ہے۔

کیا یہ حضرات یہ بات نہیں جانتے کہ وہ اس طرزِ عمل کو اختیار کرکے اپنے اوپر اللہ کی حجت قائم کررہے ہیں، اور دلیل پر عمل ترک کرنے میں عالم اور جاہل برابر

نہیں ہوسکتا۔

اوران حضرات کی حالت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی ایسی حدیث گزرتی ہے، جواس شخص کے قول کے موافق ہوتی ہے، جس کی یہ تقلید کررہے ہیں، تو یہ خوش ہوجاتے ہیں، اوراس کے برعکس جب ان کے سامنے کوئی ایسی حدیث گزرتی ہے، جواس شخص کے قول کے مخالف ہوتی ہے، یادوسرے کے مذہب کے موافق ہوتی ہے، تواکثروبیشتران کی طبیعت منقبض ہوجاتی ہے۔

کیاان حضرات نے (سورہ نساء میں مذکوراللہ تعالیٰ کے) اس قول کونہیں سنا، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہرگزنہیں! آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک ایمان نہیں لاسکتے، جب تک آپ کواُن چیزوں میں حاکم نہ بنالیں، جوان کے درمیان اختلافی ہے، پھروہ اپنے نفسوں میں آپ کے کیے ہوئے فیصلہ سے تنگی بھی نہ پائیں، اورپوری طرح تسلیم نہ کرلیں (تحفۃ الانام)

حضرت شیخ مولانامفتی محمدتقی عثمانی صاحب مدظلہم تحریرفرماتے ہیں کہ:

ائمۂ مجتہدین کے باہمی اختلاف کوحد سے بڑھاکرپیش کرنابھی سخت غلطی ہے، بہت سے مسائل ایسے ہیں، جن میں ائمہ کے درمیان صرف افضل اورغیرافضل کا اختلاف ہے، جائزوناجائزکایاحلال وحرام کااختلاف نہیں، مثلاً نماز میں رکوع کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں یانہیں؟ آمین آہستہ کہی جائے یازورسے؟ ہاتھ سینے پرباندھے جائیں یاناف پر؟ ان تمام مسائل میں ائمہ مجتہدین کااختلاف محض افضلیت میں ہے، ورنہ یہ تمام طریقے سب کے نزدیک جائزہیں، لہٰذا اِن اختلافات کوحلال وحرام کی حدتک پہنچاکرامت میں انتشارپیداکرناکسی طرح جائزنہیں، اورجہاں ائمہ مجتہدین کے درمیان جائزوناجائزکااختلاف ہے، وہاں بھی اس اختلاف کوخالص علمی حدود ہی میں رکھناضروری ہے، ان اختلافات کو

نزاع وجدال اور جنگ و پیکار کا ذریعہ بنالینا کسی امام کے مذہب میں جائز نہیں، نہ ان اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کی عیب جوئی یا ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی اور بدزبانی کسی مذہب میں حلال ہے (تقلید کی شرعی حیثیت، ص۱۵۷، ۱۵۸، بعنوان ''تقلید میں جمود''، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء)

موصوف مزید فرماتے ہیں:

اس پُر آشوب زمانے میں جبکہ اسلام اور مسلمانوں پر ہر طرف سے فتنوں کی یورش اور مصائب کی یلغار ہے، ہمارے لیے اس سے زیادہ تباہ کن کوئی چیز نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ان فروعی مسائل پر دست و گریباں ہوں، اور ذرا ذرا سی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر و مشرک اور ایک دوسرے کی نمازوں کو فاسد قرار دیں۔

تاریخ کے صفحات پر بکھرے ہوئے بے شمار واقعات ہمیں یہ سبق دینے کے لیے کافی ہیں کہ مسلمانوں کی شوکت وعظمت کے پرچم کسی دشمن نے سرنگوں نہیں کیے، بلکہ ہم نے خود آپس کی خانہ جنگیوں کے ذریعہ انہیں ایک ایک کر کے زیر کیا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی مسلمانوں میں فروعی مسائل پر معرکے گرم ہوئے ہیں، ہمیشہ ان سے اسلام دشمن عناصر نے فائدہ اٹھایا ہے (تقلید کی شرعی حیثیت، ص۱۶۰، بعنوان ''آخری گزارش''، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ فقہی واجتہادی مسائل میں اختلاف کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کے موقف کی تائید، دیگر اہلِ علم حضرات کے اقوال سے بھی ہوتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ فقہی واجتہادی مسائل میں ایک دوسرے کے خلاف تشدد وتعصب اختیار کرنا، اور اپنے مخصوص مسلک کی ترجیح کے لیے بے جا تاویلات کرنا، بالخصوص احادیث کو

ترک کرنے کے لیے ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا، درست نہیں، بلکہ سخت گناہ کا باعث اور نقصان دہ ہے۔

اس کتاب کو تالیف کرنے کے زمانے میں ابھی چند دن قبل اس طرح کے اجتہادی واختلافی مسائل میں توسع اور گنجائش پر بندہ محمد رضوان نے ایک جگہ بعض اہلِ علم کے سامنے گفتگو کی، اور بتلایا کہ:

''رفعِ یدین، اور قرائت خلف الامام، جیسے مسائل میں، کسی شخص کا مجتہدین میں سے جس کے قول کی طرف رجحان ومیلان ہو، وہ دوسرے کے خلاف تشدد وتعصب، اور بغض وعناد اختیار کرنے کے بجائے، اگر اس کے مطابق نیک نیتی کے ساتھ خاموشی سے عمل کرلے، اور کوئی فتنہ بھی برپا نہ کرے، تو یہ ''فعلِ منکر'' نہ ہونے کی وجہ سے نکیر والا عمل نہیں''۔

تو اس کے ردِعمل میں ایک حنفی صاحبِ علم نے کہا کہ:

''آپ کی مثال تو ایسی ہوگئی، جیسا کہ آپ ''سبزی فروش'' ہیں، اور آپ کے پاس چند مخصوص اشیاء، مثلاً آلو وغیرہ ہی دستیاب ہیں، پھر کوئی شخص آپ سے پیاز خریدنے کے لئے آتا ہے، جو کہ آپ کے پاس نہیں ہیں، کسی اور کے پاس ہیں، تو آپ نے سوچا کہ بجائے اس کے کہ یہ گاہک کسی دوسرے کے پاس جائیں، میں خود ہی اپنے پاس پیاز بھی رکھ لیتا ہوں''۔

میں نے اس کے جواب میں کہا کہ:

''مثال جیسی بھی ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ آپ نے جو مثال پیش فرمائی ہے، وہ واقعتاً بڑے کام کی ہے، لیکن اس میں ایک یہ اضافہ ضرور فرما لیا جائے کہ ہمارے پاس سے، جو بھی مال ملے گا، وہ ایک نمبر اور خالص ہوگا''۔

کہنے لگے کہ وہ کیسے؟ میں نے جواب میں کہا کہ:

''ہم اس کو مسئلہ کی پوری نوعیت سے آگاہ کریں گے، جس میں اس کو اجتہادی مسئلہ کی حقیقت، اور دوسرے سے بغض وعداوت نہ کرنے، اوراس میں کسی مسلَّمہ مجتہد کی اتباع وپیروی کرنے کی حیثیت سے توسع وگنجائش بتلائیں گے، جبکہ متعصب غیر مقلد، اس کو''تعصب وتشدد'' کی بھی تعلیم دے گا، اور عمر بھر کے لئے کسی امام، یااس کے مذہب سے متنفراور باغی بھی بنائے گا۔

پھر ہم نے کون سا جرم کیا، بلکہ ہم نے تو دوسرے کو بھی مجرم بننے سے بچایا''۔

میری یہ بات سن کروہ صاحب متحیر ہوگئے، اور کہنے لگے کہ:

''میرا مقصد تو آپ کے غیر معتدل طرزِ عمل کی مثال پیش کرنا تھا''

میں نے جواب میں کہا کہ:

''لیکن آپ کی مثال سے آپ کا مقصود تو حاصل نہ ہوا، لیکن ہمارے طرزِ عمل پر ہی یہ مثال الحمدللہ عمدہ طریقہ پر صادق آگئی''۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آج کل اجتہادی مسائل میں کس قسم کا ذہن بن گیا ہے، اور بنایا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مجتہدین کے اختلاف کو حق وباطل کے اختلاف کا درجہ دینا، اور خطاء کار مجتہدین کو عاصی وگناہ گار ٹھہرانا، یا احادیث کے مقابلہ میں، ان کے اقوال کو ترجیح دینے پر اصرار کرنا، اور بے جا تاویلات کا سہارا حاصل کرنا، شرعی وفقہی اعتبار سے، نا قابلِ تحسین، بلکہ قبیح روِش ہے، جس سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

ختم شد جلد اول

شاہ ولی اللہ کے فقہی افکار

دارُالعلوم دیو بند کا سلسلۂ سند حضرۃ الامام شاہ ولی اللہ صاحب فاروقی قدس سرہٗ العزیز سے گزرتا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے، شاہ (ولی اللہ) صاحب اس جماعتِ دیو بند کے مورثِ اعلیٰ ہیں، جن کے مکتبۂ فکر سے اس جماعت کی تشکیل ہوئی، حضرت ممدوح نے اولاً اس وقت کے ہندوستان کے فلسفیانہ مزاج کو اچھی طرح پرکھا، پھر علومِ شریعت کو ایک مخصوص جامع عقل ونقل طرز میں پیش فرمایا، جس میں نقل کو عقل کے جامہ میں ملبوس کر کے نمایاں کرنے کا ایک خاص حکیمانہ انداز پنہاں تھا۔

حجۃُ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ بانئ دارالعلوم دیو بند نے ولی اللّٰہی سلسلہ کے تلمذ سے اس رنگ کو نہ صرف اپنایا، جو انہیں ولی اللّٰہی خاندان سے ورثہ میں ملا تھا، بلکہ مزید تنوّر کے ساتھ اس کے نقش ونگار میں اور رنگ بھرا (صفحہ نمبر 13،14)

ادارۂ غفران
راولپنڈی پاکستان